

تذکرہ حضرت محمد شاکر دکن

در پیر عیال و نماز طریقت علی بن ابی طالب
حضرت علامہ اسحاق بن عبد اللہ شاہ نقشبندی حیدرآبادی دکنی

سوانح - عقائد - اعمال

جلد اول
تالیف

ڈاکٹر انجینئر محمد عبدالکبیر خان نقشبندی قادری
ایم اے - پی ایچ ڈی
سابق صدر شعبہ عربی باہمہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن (انڈیا)

ایم اے ایف اے کی پیشکش
ایم اے ایف اے کی پیشکش

تذکرہ حضرت شیخ دکن

رہنمائی ہنمازے طریقیت عارف باللہ تعالیٰ
حضرت مولانا ابوالحسن سید عبداللہ شاہ نقشبندی حیدرآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ

سوانح - عقائد - اعمال

جلد اول



تالیف

ڈاکٹر ابوالخیرات محمد عبدالکاشم خان نقشبندی قادری

ایم اے - پی ایچ ڈی
سابق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن (انڈیا)

المنازیہ کی پیشکش

نام کتاب	-----	تذکرہ حضرت محدث دکن (جلد اول)
تالیف	-----	مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی قادری رحمۃ اللہ علیہ
باہتمام	-----	پروفیسر ڈاکٹر ابوالخیرات محمد عبدالستار خاں داودزی، نقشبندی قادری محمد عبدالغنی بن محمد عبدالرحمن بصراوی بی ایس سی بی ای (عثمانیہ) انجینئر امریکہ، مقیم نیویارک
طباعت بار اول	-----	ماہ محرم ۱۴۱۹ھ / ۱۹۹۸ء
صفحات	-----	۶۶۰
تعداد	-----	۱۱۰۰
مطبع	-----	
قیمت	-----	۳۰۰/۰۰
ناشر	-----	الممتاز پبلی کیشنز، لاہور

ملنے کے پتے

- ☆ مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ لاہور پاکستان
- ☆ مکتبہ قادریہ، داتا دربار مارکیٹ لاہور پاکستان
- ☆ مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور
- ☆ مکتبہ وقار الملت، این پی۔ ۳، ۳، ۲، ۱، نزد ککری گراؤنڈ، نواب مہابت خانچی روڈ کراچی
- ☆ مکتبہ ضیائیہ: بوہڑ بازار، راولپنڈی

DR. MUHAMMAD ABDUSSATTAR
 6066. NORTH. PAULINA. CHICAGO, (P.H.D.)
 ILLINOIS. 60660 USA
 773-465-0916

صفحہ نمبر الف	نمبر شمار	عنوان
۱	۱	عرض ناشر از ڈاکٹر محمد غوث ندوی انتساب
۲	۲	قطعہ تاریخ از پروفیسر یعقوب عمر
۳	۳	حرف آغاز از مؤلف
۴	۴	ابتدائیہ از حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددی دہلوی علیہ الرحمہ
۱۰	۵	مقدمہ تذکرہ از مولانا عبدالحکیم شرف قادری شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور
۲۲	۶	پیش گفتار از پروفیسر نثار احمد فاروقی دہلی یونیورسٹی
۲۶	۷	حمد
۲۷	۸	نعت
۲۷	۹	حمد باری تعالیٰ از سبع سنابل
۲۷	۱۰	درود و سلام بحضور خواجہ انام
۲۸	۱۱	سوانح اولیاء کرام کے مطالعہ کی ترغیب
۲۹	۱۲	قرآن میں انبیاء کرام کے واقعات
۳۰	۱۳	تذکیر بایام اللہ قرآن پاک کے علوم پیچگانہ میں شامل ہے
۳۱	۱۴	اسلاف کے کردار میں ہماری ہدایت کا سامان ہے
۳۲	۱۵	اولیاء کرام کی حکایات خدا کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے
۳۳	۱۶	سبب تالیف تذکرہ پیر و مرشد قدس سرہ
۳۵	۱۷	نام و نسب
۳۵	۱۸	یادگار منانا فطری بات ہے
۳۶	۱۹	یادگار منانے پر قرآن حکیم سے دلیل
۳۷	۲۰	محدث دکن کا وطن اور آباء و اجداد کرام
۳۸	۲۱	تسمیہ خوانی
۳۸	۲۲	تحصیل علم
۴۰	۲۳	حضرت محدث دکن کا دور
۴۰	۲۴	سلطان اور نگ زیب کے دکن پر حملہ کا ایک پس منظر

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۴۲	حضرت سلیم چشتی کی دعاؤں کے طفیل بابر نے رانا سانگا کو شکست دی	۲۵
۴۳	حضرت خواجہ قطب الدین کے ہاتھوں تاتاریوں کا خاتمہ	۲۶
۴۵	امام ناصر الدین شہید اور چتوڑ کے قلعہ کی فتح	۲۷
۴۶	حضرت یوسفین شریفین اور قلعہ گوکنڈہ کی فتح	۲۸
۴۷	آصفی حکومت کی علمی سرپرستی کا ایک جائزہ	۲۹
۴۸	مولانا عبدالصمد قندھاری کا زہد و قناعت	۳۰
۴۹	مولانا عبدالوہاب کا عشق نبوی	۳۱
۵۰	مولانا نظر محمد نقشبندی کا بلی گبرگوی	۳۲
۵۱	حضرت پٹھلی والے شاہ صاحب اور مولانا سید برکات احمد ٹوٹکی	۳۳
۵۱	حضرت ناظم ونپرتی اور جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ	۳۴
۵۱	حضرت سید محمد جیلانی معروف بہ منجھلے بغدادی صاحب	۳۵
۵۲	حضرت منجھلے بغدادی کا ایک اور واقعہ	۳۶
۵۳	حیدر آباد کے نامور مدارس اور ادارے	۳۷
۵۴	دارالترجمہ کا قیام	۳۸
۵۵	پروفیسر سالم کرنگو کی خدمات	۳۹
۵۵	علامہ اقبال اور حیدر آباد	۴۰
۵۶	تمام ریاست آصفی دور میں اہل علم اور اہل فضل سے بھرپور تھی	۴۱
۵۶	حضرت محدث دکن کے اساتذہ کرام	۴۲
۵۷	ابوالحسنات سے ابوالحسنات تک	۴۳
۵۸	شہر حیدر آباد کے نبی خانے	۴۴
۵۹	میلاد مبارک، گیارہویں شریف اور شہادت امام کی محفلیں	۴۵
۵۹	علماء امت انبیاء کرام کے وارث ہیں	۴۶
۶۰	تحصیل طریقت	۴۷
۶۱	طریقت اور اسلام	۴۸
۶۲	صوفیہ کرام گفتار اور کردار کے غازی ہیں	۴۹

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۶۲	کالمین کی صحبت کا راز کیا ہے	۵۰
۶۳	ذکر الہی میں کیا راز پوشیدہ ہے	۵۱
۶۶	امام غزالی کا عظیم کارنامہ	۵۲
۶۷	صوفیاء کرام کے ظہور کا تاریخی پس منظر	۵۳
۶۷	صوفیاء کرام کا پہلا طبقہ	۵۴
۶۸	حضرت سفیان ثوری کا خلیفہ منصور کو ڈانٹنا	۵۵
۶۹	عباسی دور میں صوفیہ نے یونانی فلسفہ کے زور کو توڑا	۵۶
۶۹	برصغیر میں صوفیہ کرام کا درود مسعود	۵۷
۷۰	حضرت خواجہ بندہ نواز کا دکن میں فیضان	۵۸
۷۱	حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے عظیم دینی خدمات	۵۹
۷۱	حضرت مجدد کے روضہ پر علامہ اقبال کی حاضری اور اظہار نیاز مندی	۶۰
۷۲	ہندوستان کی مسلم ریاستوں میں مدارس اور خانقاہوں کا قیام	۶۱
۷۲	نقشبندی مشائخ کرام کی اصلاحی سرگرمیاں	۶۲
۷۳	حضرت خواجہ باقی باللہ کی ہندوستان میں تشریف آوری	۶۳
۷۳	رسول اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر حضرت شاہ سعد اللہ کا دکن میں درود	۶۴
۷۵	حضرت محدث دکن کے پیر و مرشد	۶۵
۷۶	حضرت مستان شاہ صاحب مجذوب کا حضرت داد پیر پر تصرف	۶۶
۷۷	دلی کا ایک مجذوب کا حضرت کلیم اللہ جہاں آبادی کو پیر کامل کی طرف رہبری فرمانا	۶۷
۸۰	انبیاء کرام اور اولیاء کی جائے قیام کا تقدس	۶۸
	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جاء ولادت پر	۶۹
۸۱	نماز پر وہی	
۸۲	معرفت خداوندی کیوں کر حاصل ہو سکتی ہے	۷۰
۸۲	ذکر الہی طریقت میں بنیادی شرط ہے	۷۱
۸۳	طریقت کا مقصود کیا ہے	۷۲
۸۳	نسبت یا سکینہ کب حاصل ہوتی ہے	۷۳

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۸۴	حیات مستعار کاراز کیا ہے	۷۴
۸۴	آداب خود آگاہی کب ملتے ہیں	۷۵
۸۵	اللہ تعالیٰ کے مراقبہ کی تاکید	۷۶
۸۶	طریقت کی نسبت وراثت چلی آرہی ہے	۷۷
۸۷	پیر کامل، قابل اساتذہ اور اچھے مشیر خدا کی عظیم نعمتوں میں ہے	۷۸
۸۸	نقشبندیت کیا ہے	۷۹
۸۸	مفرد ذکر اللہ کھنا بدعت نہیں، قرآن اور حدیث سے ثبوت	۸۰
۸۹	حضرت محدث دکن کو خلافت کی سرفرازی	۸۱
۸۹	قانون اسلامی کی مشہور کتاب ہدایہ کیوں مقبول ہے؟ اس کا راز	۸۲
۹۰	حنفی فقہ اور نقشبندیت کا مرکز بخارا ہے	۸۳
۹۱	نقشبندیت کا تعارف، حضرت جامی کے کلام بلاغت نظام میں	۸۴
۹۲	حضرت مجدد الف ثانی کا اپنے پیر و مرشد کی جناب میں اظہار تشکر	۸۵
۹۳	حضرت محدث دکن کا اپنے پیر و مرشد کی جناب میں جذبہ امتنان	۸۶
۹۳	طریقت کی نعمت سنت نبوی کی پیروی سے وابستہ ہے	۸۷
۹۴	امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی کی مجددیت	۸۸
۹۵	مکتوبات امام ربانی سے پوری اسلامی دنیا فیضیاب ہے	۸۹
۹۶	حضرت پیر و مرشد اور خطاب محدث دکن	۹۰
۹۶	زجاج المصنوع کا دوسرا ایڈیشن معیاری کوئٹہ سے شائع ہوا	۹۱
۹۷	حضرت سید وحید یا شاہ قادری الموسوی اور زجاج کی قدر دانی	۹۲
۹۷	زجاج المصنوع کے مقام اور مرتبہ پر مولانا محمد منظور نعمانی کا قول	۹۳
۹۸	اولیاء اللہ کے اوقات میں برکت عطا کی جاتی ہے	۹۴
۹۹	معمولات حضرت محدث دکن	۹۵
۱۰۱	حضرت محدث دکن کا حزب اعظم کا درد کرنا	۹۶
۱۰۱	علم کے ساتھ نمونہ علم یعنی استاذ بھی ضروری ہے	۹۷
۱۰۳	حضرت محدث دکن کس طرح دعاء فرمایا کرتے تھے	۹۸

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۱۰۳	حضرت محدث دکن کے شام دسحر	۹۹
۱۰۴	سیرت مصطفوی کی ابدیت	۱۰۰
۱۰۵	علماء ربانیین زمین کا نمک اور پہاڑی کے چراغ ہیں	۱۰۱
۱۰۷	روداد شام دسحر حضرت محدث دکن	۱۰۲
۱۰۸	فاتحہ کے بارے میں چند معروضات	۱۰۳
۱۱۰	سورہ فاتحہ کا بار بار پڑھنا اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے	۱۰۴
۱۱۲	قرآن پاک کے تین حقوق	۱۰۵
۱۱۳	حضرت محدث دکن کی خدمت میں خواتین کی حاضری	۱۰۶
۱۱۴	زجاجہ المصابیح کی طباعت کی ابتداء	۱۰۷
۱۱۵	نور المصابیح کے ترجمہ کا آغاز	۱۰۸
۱۱۶	زجاجہ المصابیح کی طباعت اور اشارہ غیبی	۱۰۹
۱۱۸	اولیاء کرام کے اوقات میں برکت عطا کی جاتی ہے	۱۱۰
۱۱۸	درس مشکات شریف	۱۱۱
۱۱۹	حضرت محدث دکن کی اولیاء کرام کی مزارت پر حاضری	۱۱۲
۱۲۰	حضرت محدث دکن کا انوکھا فیصلہ	۱۱۳
۱۲۱	اولیاء کرام کی قبروں سے وہی فائدہ ہوتا جو زندگی میں ہوتا تھا	۱۱۴
۱۲۱	علامہ اقبال کی حضرت مجدد الف ثانی کا مزار پر حاضری	۱۱۵
۱۲۲	علامہ اقبال اور درگاہ محبوب الہی پر حاضری	۱۱۶
۱۲۲	ابن حجر کے قول سے اولیاء کے آثار سے تیرک حاصل کرنے کا ثبوت	۱۱۷
۱۱۸	حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کا زیارتوں کے لئے پانی پیت، سرہند، لاہور اور ملتان کا۔	۱۱۸
۱۲۳	سفر	
۱۲۳	حضرت محدث دکن کا اہتمام ماہ صیام	۱۱۹
۱۲۳	روزہ کی فضیلت پر حضرت سحبی منیری رحمہ اللہ علیہ کا ارشاد	۱۲۰
۱۲۴	ایضاً حضرت داتا گنج بخش کا ارشاد	۱۲۱
۱۲۴	ایضاً حضرت محدث دکن کا ارشاد	۱۲۲

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۲۵	ختم قرآن کی تقریب اور ہمارے حضرت کا وعظ	۲۳
۲۶	ہمارے حضرت کا اہتمام روز جمعہ	۲۴
۲۶	ہمارے حضرت عظیم البرکت کا سفر حرمین شریفین	۲۵
۲۶	باوجود استطاعت کے حج نہ کرنے پر وعید	۲۶
۲۸	حج کی حقیقت بزبان حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری بہاری	۲۷
۲۸	حضرت محدث دکن کا سفر حج ترکی حکومت میں انجام پایا	۲۸
۳۰	غار ثور کے دہانے سے ہمارے حضرت کا برکت حاصل فرمانا	۲۹
۳۰	مدینہ منورہ میں دلائل الخیرات اور حزب اعظم کی اجازت کا حصول	۳۰
۳۲	فضائل مدینہ منورہ	۳۱
۳۲	روستہ پاک پر حاضری کی فضیلت اور حاضر نہ ہونے پر وعید	۳۲
۳۴	مدینہ منورہ میں حاضری کے آداب	۳۳
۳۴	کنبد خضراء پر نظر	۳۴
۳۴	حاضری کی تیاری	۳۵
۳۴	مسجد النبی کے دروازہ پر توقف	۳۶
۳۴	بوقت حاضری کمال ادب ہو	۳۷
۳۵	تحتی المسجد اور سجدہ شکر	۳۸
۳۵	مواجه شریف میں حاضری	۳۹
۳۶	حیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۴۰
۳۷	حیاء النبی کے بارے میں حضرت محدث دکن کا ایک قول	۴۱
۳۷	حضرت سعید بن المسیب کا قبر اطہر سے اذان اور اقامت کا سننا	۴۲
۳۸	حضور کے دست مبارک کو حضرت سید احمد کبیر رفاعی نے بوسہ دیا	۴۳
۳۹	حضرت محدث دکن کے والد ماجد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کا ایک واقعہ	۴۴
۳۹	واقعہ	۴۵
۴۰	چودھویں صدی میں تجدیدی کارنامے	۴۶
۴۰	مجدد کے بارے میں حدیث شریف	۴۷

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۱۴۰	مجدد کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ کی وضاحت	۱۴۷
۱۴۱	فہرہ ہرات نے حضرت محدث دکن کو مجددین میں شمار کیا	۱۴۸
۱۴۳	امت کا ایک طبقہ قیامت تک حق پر قائم رہے گا	۱۴۹
۱۴۴	مصر کے جامع ازہر کی بنیاد محدثین کی ایک جماعت کا اخلاص ہے	۱۵۰
۱۴۶	مصر کے عظیم قائد شیخ حسن البناء کا تجدیدی کارنامہ	۱۵۱
۱۴۸	سنوسی تحریک کے تجدیدی کارنامے	۱۵۲
۱۵۲	ہندوستان میں تجدیدی کارنامے	۱۵۳
۱۵۳	حضرت خواجہ حسن نظامی اور السداد ارتداد	۱۵۴
۱۵۵	حضرت محدث دکن ایک عظیم المرتبت مجدد	۱۵۵
۱۵۶	حضرت محدث دکن کی منقبت میں چند اشعار	۱۵۶
۱۵۸	زجاجہ المصانح کا دوسرا ایڈیشن	۱۵۷
۱۵۸	حضرت ممدی علیہ السلام اور زجاجہ المصانح	۱۵۸
۱۶۰	حضرت مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ کے تجدیدی کارنامے	۱۵۹
۱۶۰	اسلام کے تین دور	۱۶۰
۱۶۰	فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ	۱۶۱
۱۶۱	ابلیس کیوں ملعون ہوا	۱۶۲
۱۶۲	نجد فتنوں کی سر زمین ہے	۱۶۳
۱۶۳	ابن عبد الوہاب کی تعلیمات	۱۶۳
۱۶۴	تقویۃ الایمان اور اہانت انبیاء	۱۶۵
۱۶۵	قرآن پاک اور تعظیم انبیاء	۱۶۶
۱۶۶	قرآن پاک اور اولیاء کی تعظیم	۱۶۷
۱۶۶	حضرت عمر نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے نصرانی کا تب کو معزول کر دیا	۱۶۸
۱۶۷	چودھویں صدی میں مسلمانان ہند و پاک کی حالت	۱۶۹
۱۶۸	مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ تجدیدی کارنامے	۱۷۰
۱۶۹	مولانا احمد رضا خان اور سیاسیات	۱۷۱

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۱۷۱	بریلوی مکتب فکر صدیوں سے اہل سنت و الجماعت کی فکر ارجمند ہے بلکہ بدعت تو وہاں سے ہے	۱۷۲
۱۷۱	امیر ملت حضرت جماعت علی شاہ کے تجدیدی کارنامے	۱۷۳
۱۷۳	حضرت امیر ملت اور قیام پاکستان	۱۷۴
۱۷۴	حضرت امیر ملت کا قائد اعظم کے نام مکتب اور تحائف	۱۷۵
۱۷۶	انبیاء کی بشریت پر مولانا روم کے فرمودات	۱۷۶
۱۷۷	توسل کا قرآن پاک سے ثبوت	۱۷۷
۱۷۹	حدیث نبوی سے توسل کا جواز	۱۷۸
۱۸۱	شاہ ولی اللہ دہلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی بھی وسیلہ کے قائل ہیں	۱۷۹
۱۸۳	ایصال ثواب مسنون ہے	۱۸۰
۱۸۵	آثار مبارکہ سے حصول برکت کا قرآن پاک سے ثبوت	۱۸۱
۱۸۶	خاک طیبہ بیماریوں کے لئے شفاء ہے	۱۸۲
	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کا مطابق عصائے مبارکہ کو حضرت ابن انیس کا ساتھ کفنا یا گیا	۱۸۳
۱۸۶	تابوت سکینہ میں کیا کیا آثار شریفہ موجود تھے وہ اب کہاں ہیں؟	۱۸۴
۱۸۷	کعبۃ اللہ میں مقام ابراہیم کی حفاظت ہزاروں برس سے کی گئی	۱۸۵
۱۸۸	آثار شریفہ کی تعظیم کا قرآن سے ثبوت	۱۸۶
۱۸۹	نجدیوں نے دلائل الخیرات کی اجازت بند کر دی	۱۸۷
۱۸۹	درود شریف کی فضیلت	۱۸۸
۱۹۰	اللہ تعالیٰ کے صلاہ پڑھنے کی وضاحت	۱۸۹
۱۹۰	فرشتوں کے صلاہ پڑھنے سے کیا مراد ہے	۱۹۰
۱۹۱	اہل ایمان کے صلاہ بھیجنے کا مفہوم	۱۹۱
۱۹۱	درود میں اللهم صل میں کیا راز پوشیدہ ہے	۱۹۲
۱۹۲	حیات النبی پر محدثین کرام کی وضاحت	۱۹۳
۱۹۵	قیام بوقت سلام حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا معمول تھا	۱۹۴

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۱۹۵	اہم تنبیہ	۱۹۵
۱۹۷	حضرت محدث دکن کے بعض مشہور کرامات	۱۹۶
۱۹۸	مقام محبوبیت رب العزت کی دین ہے	۱۹۷
۱۹۹	حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر کی ایک کرامت کا قرآن سے ثبوت	۱۹۸
۲۰۱	کرامت اول	۱۹۹
۲۰۲	کرامت دوم	۲۰۰
۲۰۲	کرامت سوم	۲۰۱
۲۰۳	کرامت چہارم	۲۰۲
۲۰۴	برادرِ طریقت بیڑ کا مکاشفہ، زجاجۃ المصابیح کی طباعت کا انتظام	۲۰۳
۲۰۵	کرامت پنجم	۲۰۴
۲۰۷	کرامت ششم	۲۰۵
۲۰۸	کرامت ہشتم	۲۰۶
۲۰۹	کرامت نور بصیرت کا نتیجہ ہیں	۲۰۷
۲۱۰	حضرت محدث دکن کے شمائل یعنی عادات اور اخلاق	۲۰۸
۲۱۱	رسول اللہ کی مبارک سیرت اولیاء کرام کی زندگیوں میں دیکھی جاسکتی ہے	۲۰۹
۲۱۲	حضرت محدث دکن کا حلیہ مبارک	۲۱۰
۲۱۳	ہمارے حضرت کی سادگی کا بیان	۲۱۱
۲۱۵	کھانے سے پہلے ہاتھوں کو دھو کر نہ پوچھنے میں کیا حکمت	۲۱۲
۲۱۷	ہمارے حضرت کی دلہی کی چند باتیں	۲۱۳
۲۱۸	ہمارے حضرت نامعقول بات پر تنبیہ بھی فرمادیا کرتے	۲۱۴
۲۱۸	ہمارے حضرت کی نماز کا حال	۲۱۵
۲۲۰	ہمارے دادا پیر اور نظام ششم	۲۱۶
۲۲۱	عمامہ باندھنے کی سنت عوام اور علماء دونوں نے ترک کر دی ہے	۲۱۷
۲۲۲	حضرت پیر جماعت علی شاہ نقشبندی اور وہابیت کا رد	۲۱۸
۲۲۳	ہمارے حضرت کی اعمال پر مداومت	۲۱۹

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۲۲۵	ہمارے حضرت کا توکل	۲۱۹
۲۲۹	ہمارے حضرت کی مسجد نشینی	۲۲۰
۲۳۰	گوشتہ نشینی سے خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے	۲۲۱
۲۳۲	ہمارے حضرت کا جو دوسخا	۲۲۲
۲۳۳	ہمارے حضرت کی مہمان نوازی	۲۲۳
۲۳۴	پیرزادگان اور سادات کرام کی تعظیم اور تکریم	۲۲۴
۲۳۶	پابندی شریعت	۲۲۵
۲۳۷	عورتوں کو احکام شریعت کا پابند بنانا	۲۲۶
۲۳۷	ہمارے حضرت کا تصوف	۲۲۷
۲۳۸	قدیم شرعی تصوف کا احیاء	۲۲۸
۲۳۹	نفس امارہ کو زیر کرنا	۲۲۹
۲۴۰	حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا اصل الفاظ یہ ہیں	۲۳۰
۲۴۰	طریقت علیہ نقشبندیہ کی افضلیت	۲۳۱
۲۴۱	حضرت مجدد قدس سرہ العزیز کے فرمودات	۲۳۲
۲۴۱	نقشبندی تصوف	۲۳۳
۲۴۲	ہمارے حضرت کی انشاء اور خطابت	۲۳۴
۲۴۲	عربی، فارسی اور اردو ادب پر کامل عبور	۲۳۵
۲۴۳	سادگی و پرکاری	۲۳۶
۲۴۴	حدیث الوصال	۲۳۷
۲۴۴	موت کی حقیقت	۲۳۸
۲۴۶	قرآن پاک سے موت کے بارے میں چند نکات	۲۳۹
۲۴۸	عالم ارواح میں نووارد روح کا استقبال	۲۴۰
۲۵۰	مخدوم بہار شریف کا سالک پر تجلیات الہیہ کا بیان	۲۴۱
۲۵۱	حضرت مجدد الف ثانی کا استقبال موت	۲۴۲
۲۵۲	حضرت شاہ سیف الدین مجددی کی بعد از وفات ایک کرامت	۲۴۳

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۲۵۲	مخدوم جہانیاں جہاں گفت کو حضرت زکریا ملتانی اور آپ کے پوتوں سے یہ خطاب ملا	۲۴۴
۲۵۲	بعد وفات حضرت خواجہ محمد چشتی کا اپنے مرید خواجہ یوسف چشتی کو حفظ قرآن کی تدبیر بتانا	۲۴۵
۲۵۳	بعد وفات حضرت محدث دکن کی ایک کرامت	۲۴۶
۲۵۴	حضرت محدث دکن اور استقبال سفر آخرت	۲۴۷
۲۵۶	علالت اور وفات	۲۴۸
۲۵۷	آخری لمحات	۲۴۹
۲۵۹	علامہ اقبال کی ایک رباعی	۲۵۰
۲۵۹	ایک درد بھری نظم از خواجہ عبدالعلی صدیقی	۲۵۱
۲۵۹	دل کے ٹکڑے از مرزا شلور بیگ	۲۵۲
۲۶۰	وصال مبارک کی اطلاع اور آخری دیدار	۲۵۳
۲۶۱	نماز جنازہ اور تدفین	۲۵۴
۲۶۱	کرامتیں متصلاً بعد وفات	۲۵۵
۲۶۳	جلوس جنازہ	۲۵۶
۲۶۳	سجادہ نشینی	۲۵۷
۲۶۶	ایصال ثواب اور چہلم	۲۵۸
۲۶۶	ماہانہ فاتحہ	۲۵۹
۲۶۷	پیغامات تعزیت	۲۶۰
۲۶۷	۱۔ مولانا سید شاہ محمد الحسینی سجادہ نشین روضہ بزرگ گلبرگہ شریف	۲۶۷
۲۶۷	۲۔ تعزیتی جلسہ مسجد چوک	۲۶۷
۲۶۸	۳۔ حضرت خواجہ نظام الدین معتد عمومی کل ہند مجلس اتحاد المسلمین	۲۶۸
۲۶۸	۴۔ مولانا حافظ قاسم صدیقی صاحب نے اپنے تعزیتی بیان میں فرمایا	۲۶۸
۲۶۸	۵۔ یوم محبوبین	۲۶۸
۲۶۸	۶۔ چیف آرگنائزر مسلم لیگ تملنگانہ	۲۶۸

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۲۶۹	۷۔ معتمد انجمن اسلامیہ	
۲۶۹	۸۔ نواب مائدور خان	
۲۶۹	۹۔ لطیفیہ عربیہ کالج مغلوپورہ	
۲۶۹	۱۰۔ بلدیہ کا اجلاس اور قرارداد تعزیت	
۲۷۰	۱۱۔ نبی خانہ حضرت خیر المسین میں انجمن قادریہ کا جلسہ تعزیت	
۲۷۰	۱۲۔ برسر نواب اکبر علی خان	
۲۷۰	۱۳۔ مسٹر مخدوم محی الدین	
۲۷۱	۱۴۔ مولانا شیخین احمد شطاری کامل نے فرمایا	
۲۷۱	۱۵۔ پروفیسر ڈاکٹر سید عبدالطیف پروفیسر انگریزی جامعہ عثمانیہ	
۲۷۱	۱۶۔ صدر مجلس اردو کا تعزیتی بیان	
۲۷۱	۱۷۔ قائد پست کردہ اقوام کا بیان	
۲۷۱	۱۸۔ رکن پارلیمنٹ کا بیان	
۲۷۲	منظومات بروصال مبارک	۲۶۱
۲۷۲	مسدس از محمد اصغر صاحب ابجد حیدر آبادی	۲۶۲
۲۷۳	قطعات از شاعر قوم جناب علمی افندی	۲۶۳
۲۷۳	تبیخ فکر صاحبزادہ میر لطف علی پاشاہ خلیفہ حضرت محدث دکن	۲۶۴
۲۷۳	نذر بہ دلگیر پیشگاہ مرشدی و مولانی ابوالحسنات سید عبداللہ نور اللہ مرقدہ	۲۶۵
۲۷۴	از شاعر قوم علمی افندی	۲۶۶
۲۷۴	از جناب محمد اصغر صاحب ابجد صدیقی	۲۶۷
۲۷۴	از جناب مولوی عبدالمجید صاحب	۲۶۸
۲۷۵	از جناب عبدالقادر خان خسرو	۲۶۹
	نذر بارگاہ شیخ طریقت عارف باللہ عاشق رسول اللہ ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ رحمہ اللہ	۲۷۰
۲۷۶	علیہ از جناب کلیم قریشی صاحب	
۲۷۸	ہمارے حضرت کے اخلاف کرام	۲۷۱
۲۷۹	حضرت مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ نقشبندی قادری علیہ الرحمہ	۲۷۲

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۲۷۹		۲۷۳ عادات کریمہ
۲۸۰		۲۷۴ شادی اور اولاد
۲۸۱		۲۷۵ جو دوستا
۲۸۲		۲۷۶ اولاد امجاد حضرت ابوالبرکات
۲۸۳		۲۷۷ حضرت سید احمد صاحب نقشبندی
۲۸۴		۲۷۸ حضرت سید حبیب اللہ صاحب نقشبندی (بی اے)
۲۸۵		۲۷۹ حضرت سید شاہر حمت اللہ (ایم اے) نقشبندی خلیفہ حضرت محدث دکن
۲۸۶		۲۸۰ حضرت محدث دکن کی صاحبزادیاں
۲۸۷		۲۸۱ اولاد معنوی
۲۹۲		۲۸۲ خلفائے عظام

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۲۹۵	معاصرین کرام (علماء اعلام عالم عرب)	۲۸۳
۲۹۵	۱۔ الامام الحقیق علامہ یوسف نبھانی رحمہ اللہ علیہ	
۳۰۰	۲۔ السید محمد عبداللہ الصومالی الصالحی الصوفی	
۳۰۱	۳۔ السید محمد بن علوی المالکی الحسنی الکی نقشبندی قادری	
۳۰۲	۴۔ شیخ محمد سعید بن عبدالرحمن محمد سعید الشامی الدافستانی البرہانی نقشبندی	
۳۰۳	۵۔ شیخ محمد ابوالخیر المیدانی الحنفی نقشبندی	
۳۰۴	۶۔ شیخ محمد امین بن فتح اللہ اردبیلی	
۳۰۴	۷۔ شیخ محمد بن حامد محمد بن ابو جماد الهاشمی المالکی الشاذلی	
۳۰۵	۸۔ شیخ محمد بدر الدین بن یوسف بدر الدین الحسنی الحنفی بالله مشفق	
۳۰۵	۹۔ شیخ شامل محمد داغستانی نقشبندی الغازی المجاہد	
۳۰۶	۱۰۔ شیخ احمد بن مصطفیٰ ابوالعباس العلوی الدر قادری الشاذلی	
۳۰۷	۱۱۔ شیخ اولیس بن محمد بن بشیر البرادی الشافعی قادری	
۳۰۸	۱۲۔ شیخ عبداللہ بن محمد بن الصدیق بن احمد الغماری الحسنی الشاذلی المالکی	
۳۰۹	۱۳۔ شیخ عبدالوکیل بن عبدالواحد بن سعید الدردوبی الصوفی الشاذلی	
۳۱۰	۱۴۔ شیخ عبدالرحمن بن عبدالرحمن الصاعغوری	
۳۱۱	۱۵۔ شیخ محمد بنحیت بن حسین المظہبی الحنفی	
۳۱۱	۱۶۔ شیخ محمد علی بن عبدالغنی الدقرالد مشقی المجاہد التیجانی	
۳۱۲	۱۷۔ شیخ یوسف بن سید ہاشم الرفاعی الهاشمی الکویتي	
۳۱۵	۱۸۔ شیخ محمد ہاشم بن راشد محمد بن عبداللہ الخطیب القادری	
۳۱۵	۱۹۔ شیخ یونس بن حمدان ابوانس الشافعی الشاذلی اللادنی	
۳۱۶	۲۰۔ برادر یوسف طلال ڈی لورنزو	
۳۱۷	۲۱۔ شیخ شعیب بن محرم بن علی ابواسامہ اللارنوط الحنفی	
۳۱۸	۲۲۔ شیخ نوح حامیم کلر الشاذلی الحنفی	
۳۱۹	۲۳۔ شیخ عبداللہ بن محمد بن یوسف ابو عبدالرحمن المروری العبدری القادری الرفاعی	
	نقشبندی	

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۳۲۰	۲۴۔ شیخ نوح بن علی بن سلمان القضاہ الشافعی الشاذلی	
۳۲۲	۲۵۔ شیخ فتح اللہ یسین جزر المصری الازہری	
۳۲۲	۲۶۔ شیخ عبداللہ الفیض الداعستانی نقشبندی	
۳۲۳	۲۷۔ علامہ العصر سید محمد صالح فرفور قادری حنفی شاذلی نقشبندی	
۳۲۸	۲۸۔ شیخ محمد معصوم ضیائے نقشبندی	
۳۲۹	۲۹۔ سید قطب مصری شہید علیہ الرحمہ ورضوان الرب	
۳۳۷	۳۰۔ شیخ محمد ناظم عادل المتقانی جیلانی نقشبندی	
۳۳۹	۳۱۔ شیخ محمد ہشام الکلبانی نقشبندی	
۳۴۲	۳۲۔ شیخ عبدالفتاح ابو غده الحلبي الشافعی الحنفی نقشبندی	
۳۴۳	نیل الشفاء بنعل المصطفیٰ (طریق توسل)	
۳۴۶	پاکستان کے معاصرین	۲۸۴
۳۴۸	۱۔ مفکر اسلام مولانا محمد ابراہیم علیہ چشتی فاروقی فریدی رحمہ اللہ علیہ	
۳۴۹	۲۔ مولانا قاری احمد حسین فیروز پوری صدیقی نقشبندی	
۳۵۰	۳۔ حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان رحمہ اللہ علیہ	
۳۵۲	۴۔ سبحان عصر علامہ اصغر علی روحی رحمہ اللہ تعالیٰ	
۳۵۳	۵۔ نقیہ العصر مولانا مفتی اعجاز ولی خان رضوی قدس سرہ	
۳۵۴	۶۔ داعی الاسلام مولانا سید محمد اکرام الدین بخاری	
۳۵۵	۷۔ حضرت مولانا الحاج ابو الحقائق پیر امانت علی شاہ کاظمی نظامی	
۳۵۷	۸۔ امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری نقشبندی قدس سرہ	
۳۷۱	۹۔ امام الحدیث حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ رضوی الوری	
۳۷۳	۱۰۔ محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد چشتی قدس سرہ	
۳۷۶	۱۱۔ عارف کمال مولانا سید امیر علوی، حیرتی قدس سرہ العزیز	
۳۷۹	۱۲۔ آفتاب ولایت حضرت میان شیر محمد شر قپوری قدس سرہ العزیز	
۳۸۲	۱۳۔ مجاہد اسلام حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی قدس سرہ	
۳۸۵	۱۴۔ استاذ الافاضل مولانا سید ضیاء الدین سلطانی پوری قدس سرہ	

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۳۸۷	۱۵۔ حضرت ابو مخدوم سید محمد طاہر اشرف شاہ جیلانی قدس سرہ	
۳۹۰	۱۶۔ حضرت مولانا پیر سید ظہور اللہ شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ	
۳۹۳	۱۷۔ مولانا حکیم سید ظہور اللہ شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ	
۳۹۴	۱۸۔ مجاہد ملت مولانا شاہ محمد عبدالحامد قادری بدایونی قدس سرہ	
۴۰۶	۱۹۔ استاذ الافاضل مولانا مفتی عبدالحفیظ حقانی قدس سرہ	
۴۰۶	۲۰۔ فاضل متبحر مولانا مفتی عبدالحمید قادری قدس سرہ العزیز	
۴۰۷	۲۱۔ مجاہد اعظم حضرت پیر عبدالرحمن بھر چونڈی شریف قدس سرہ	
۴۱۱	۲۲۔ مجاہد ملت حضرت مولانا پیر عبدالرحیم شہید قدس سرہ (بھر چونڈی شریف)	
۴۱۴	۲۳۔ مولانا ابورشید مفتی محمد عبدالعزیز چشتی قدس سرہ (مزننگ لاہور)	
۴۱۶	۲۴۔ فاضل جلیل حضرت مولانا مفتی محمد عبدالعزیز قدس سرہ (مفتی انگول)	
۴۱۹	۲۵۔ مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی قدس سرہ العزیز	
۴۲۷	۲۶۔ فاضل یگانہ مولانا ابوالبرکات محمد عبدالمالک کھوڑوی قدس سرہ	
۴۳۱	۲۷۔ فاضل جلیل حضرت مولانا عبدالواحد عثمانی بدایونی قدس سرہ	
۴۳۳	۲۸۔ عالم باعمل حضرت مولانا علی محمد جماعتی فیروز پوری قدس سرہ	
۴۳۵	۲۹۔ ثانی لاثانی حضرت میان غلام اللہ شرقی پوری قدس سرہ العزیز	
۴۳۸	۳۰۔ حضرت علامہ مولانا مفتی غلام جان ہزاروی شہر لاہوری قدس سرہ العزیز	
۴۴۰	۳۱۔ مؤرخ اہل سنت مولانا پیر غلام دستگیر نامی قدس سرہ	
۴۴۴	۳۲۔ مجاہد تحریک آزادی مولانا غلام مجدد سرہندی مجددی قدس سرہ	
۴۴۵	۳۳۔ شیخ الجامعہ حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی قدس سرہ العزیز	
۴۴۹	۳۴۔ مبلغ اسلام حضرت مولانا غلام محمد ترنم امرتسری قدس سرہ	
۴۵۱	۳۵۔ قدوہ المحققین علامہ مولانا غلام محمود قدس سرہ (محشی تاملہ عبدالغفور)	
۴۵۳	۳۶۔ مرشد طریقت حضرت خواجہ سید غلام محی الدین گولڑوی قدس سرہ	
۴۵۷	۳۷۔ بزبان الواصلین حضرت خواجہ پیر غلام محی الدین نقشبندی قدس سرہ	
۴۶۰	۳۸۔ عارف، بانی حضرت مولانا سید فتح علی شاہ قادری قدس سرہ	
۴۶۳	۳۹۔ فاضل محقق حضرت مولانا فتح الدین اذہر انصاری حسنی قادری (خوشاب)	

صفحہ نمبر	مضمون	نمبر شمار
۴۶۴	۴۰۔ فرید العصر مولانا فرید الدین رحمہ اللہ تعالیٰ (بھوتی ضلع - کیمبلپور)	
۴۶۸	۴۱۔ مبلغ اسلام مولانا ڈاکٹر فضل الرحمن انصاری قدس سرہ	
۴۷۳	۴۲۔ صدر المشائخ مولانا فضل عثمان فاروقی مجددی قدس سرہ	
۴۷۷	۴۳۔ علاء زمن مولانا فیض الحسن فیض جلیلی رحمہ اللہ تعالیٰ	
۴۸۱	۴۴۔ استاذ العلماء مولانا محمد قدیر بخش بدایونی قدس سرہ	
۴۸۵	۴۵۔ مولانا علامہ حکیم محمد قطب الدین جھنگوی قدس سرہ العزیز	
۴۸۸	۴۶۔ غازی کشمیر قائد تحریک ختم نبوت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری قدس سرہ	
۴۹۵	۴۷۔ محقق جلیل مولانا محمد اعظم قادری نوشاہی قدس سرہ العزیز	
۴۹۹	۴۸۔ شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد حسن جان فاروقی مجددی قدس سرہ	
۵۰۷	۴۹۔ آقائے سرہندی حضرت مولانا محمد حسین جان قدس سرہ	
۵۰۹	۵۰۔ سراج اللہ حضرت پیر سید محمد حسین شاہ علی پوری قدس سرہ العزیز	
۵۱۴	۵۱۔ زبدۃ السالکین حضرت الحاج میاں محمد حسین قادری نقشبندی مجددی قدس سرہ	
۵۱۴	۵۲۔ امیر جند اللہ حضرت پیر محمد شاہ غازی قدس سرہ (بھیرہ شریف)	
۵۱۹	۵۳۔ مقرر جادو بیان مولانا الحاج محمد شریف نوری قصوری رحمۃ اللہ علیہ	
۵۲۳	۵۴۔ حضرت مولانا ابوالنور محمد صدیق چشتی بصیر پوری قدس سرہ	
۵۲۵	۵۵۔ مفسر جلیل تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی قدس سرہ العزیز	
۵۲۷	۵۶۔ عارف باللہ حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی قدس سرہ العزیز	
۵۳۰	۵۷۔ مبلغ سنیت عارف حقانی مولانا پیر سید محمد معصوم شاہ قدس سرہ	
۵۳۲	۵۸۔ مبلغ اسلام حضرت مولانا پیر محمد ہاشم جان سرہندی قدس سرہ	
۵۳۶	۵۹۔ خطیب سحر بیان حضرت مولانا محمد یار قدس سرہ (گرہی شریف)	
۵۳۷	۶۰۔ مولانا رضی احمد خان میکش رحمۃ اللہ تعالیٰ	
۵۳۹	۶۱۔ فقیہ علم حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد قدس سرہ العزیز	
۵۴۳	۶۲۔ رہبر طریقت حضرت خواجہ محمد مقبول الرمول قدس سرہ (اند شریف)	

- ۶۳ - غوث الاسلام و المسلمین حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی جیلانی قدس سرہ العزیز ۵۴۶
- ۶۴ - سراج السالکین حضرت سید نور الحسن شاہ بخاری قدس سرہ (کیلیانوالہ شریف) ۵۵۲
- ۶۵ - علامہ زمان مولانا سید نور اللہ شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ ۵۵۵
- ۶۶ - فقیہ العصر استاذ مولانا یار محمد بندیا لوی قدس سرہ ۵۵۷
- حیدرآباد فرخندہ بنیاد کے معاصرین کرام ۵۶۲
- ۱ - حضرت الاستاذ مولانا سید محمود بن مبارک شاہ معروف بہ مولانا ابوالوفا افغانی قدس سرہ ۵۶۷
- ۲ - حضرت الاستاذ مولانا جمیل الدین احمد بن حضرت غلام محمد چشتی رحمہ اللہ علیہما ۵۷۷
- ۳ - حضرت الاستاذ مولانا سید ابراہیم بن سید عباس الرضوی اللادیب القادری علیہ الرحمہ ۵۸۰
- ۴ - حضرت الاستاذ مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ علیہ ۵۸۷
- ۵ - حضرت الاستاذ افضل العلماء مولانا سید عثمان جعفری طیاری رحمہ اللہ علیہ ۵۹۳
- ۶ - حضرت الاستاذ مولانا عبدالباری ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ ۵۹۸
- ۷ - حضرت الاستاذ مولانا سید نبی الحیدر آبادی علیہ الرحمہ ۶۰۳
- ۸ - مولانا حکیم محمد حسین نقشبندی قادری امیر جامعہ نظامیہ رحمہ اللہ علیہ ۶۰۷
- ۹ - عالم تجسس علامہ حافظ حکیم مولانا میر مقصود علی خیر آبادی (کراچی) ۶۰۹
- ۱۰ - حضرت الاستاذ عالی جناب عبدالستار سجانی علیہ الرحمہ ۶۱۳
- ۱۱ - پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالحق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ ۶۱۶
- ۱۲ - پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالمعید خان صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ و ناظم دائرۃ المعارف ۶۱۹
- ۱۳ - حضرت مولوی سید عبدالقادر صاحب حسنی حسینی چشتی علیہ الرحمہ ۶۲۲
- ۱۴ - حضرت شیخ محمد ابوسعید مجددی فاروقی رام پوری علیہ الرحمہ ۶۲۵
- ۱۵ - حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی دہلوی علیہ الرحمہ ۶۲۸
- ۱۶ - مولوی غوث الدین علیہ الرحمہ ۶۳۱
- ۱۷ - والد ماجد حضرت محمد اسماعیل خان ولد حضرت بہم اللہ خان علیہما الرحمہ ۶۳۴
- شجرہ عالیہ نقشبندیہ ۶۳۲
- اختتامیہ ۶۴۵
- تشریح ۶۴۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ان دلیلی اللہ الذی نزل الکتاب وهو یتولی الصالحین

(الاعراف آیت ۱۹۶)

(میرا حمایتی اللہ ہے جس نے اتاری کتاب اور وہ حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی)

تذکرہ حضرت محدث دکن علیہ الرحمۃ والرضوان

عارف باللہ، رہبر شریعت، رہنمائے طریقت

مولانا ابو الحسنات سید عبداللہ شاہ حیدر آبادی نقشبندی و قادری

خلف حضرت مولانا حافظ سید مظفر حسین رحمۃ اللہ علیہما

”زند گانی تھی تیری، مستاب سے تابندہ تر

خوب تر تھا، صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر“

(سوانح، عقائد اور اعمال)

جلد اول

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر ابو الحیرات محمد عبدالستار خان داودزی نقشبندی و قادری

(ایم اے، پی ایچ ڈی)

سابق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن (انڈیا)

باہتمام

محمد عبدالغنی بن محمد عبدالرحمن بصرای

بی ایس سی، بی ای (عثمانیہ)، انجینیئر امریکہ، مقیم نیویارک،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض ناشر

از حافظ قاری مولانا ڈاکٹر محمد غوث ندوی، بانی و صدر دارالعلوم الاسلامیہ بامریکا (کیلیفورنیا)

آشفگانِ شوق کی منزل ہے یہ مقام

سر چشمہٴ حجاز کا جاری ہے فیضِ عام

الحمد للہ وکفی و سلام علی عباده الذین اصطفی۔ اما بعد اس بندۂ عاجز پر اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنی زندگی میں جن مقبول بندوں کو پایا، دیکھا اور استفادہ کیا اور بغیر استحقاق کے ان کی عنایت اور دل میں ان کی محبت جاگزیں ہوئی ان میں حضرت محدث دکن مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ قدس سرہ کی ذات بابرکات ہے جن کا تذکرہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

یہ تذکرہ نہ صرف حیدرآباد، ہندوستان بلکہ عالمِ اسلامی کے ایک نامور عالم، فقیہ، محدث اور شیخِ طریقت کا تذکرہ ہے۔ آپ کی دینی خدمات کا ہر ایک معترف ہے۔ سارے اہل وطن کے دلوں میں آپ کا ایک خاص مقام ہے۔ امتِ مسلمہ آپ کی قومی اور دینی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی یہ تذکرہ تاریخی بھی ہے اور موجود، زمانہ کے لئے سبق بھی۔

اس تذکرہ کی خصوصیت یہ ہے کہ معاصرین میں عالمِ عرب اور پاکستان کے نامور علماء اور مؤلفِ تذکرہ کے اساتذہ کے بھی حالات موجود ہیں اس طرح یہ تذکرہ چودھویں صدی ہجری کی علمی اور دینی تاریخ ہے تذکرہ کے مؤلف (اللہ تعالیٰ ان کے دارین میں عافیت سے رکھے) پروفیسر محمد عبدالستار خان نقشبندی و قادری صاحبِ تذکرہ کے خلیفہ ہیں جنہوں نے حضرت محدث دکن قدس سرہ کی نامور عربی تصنیف زجاجۃ المصابیح کی طباعت میں حضرت کے ساتھ کام کیا ہے۔

مؤلف نے اس تالیف سے ایک ارادتمند کی حیثیت سے اپنا ایک فرض ہی ادا نہیں

کیا بلکہ مسلمانوں کی ثقافتی تاریخ میں ایک فصلِ تازہ کا بھی اضافہ کیا ہے جو مؤلف کی ایک مستقل علمی یادگار ہے اور اس شعر کے مصداق ہے:

نام نیک رفتگاں ضائع مکن

تا بماند نام نیکت برقرار

حضرت محدث دکن قدس سرہ کی خدمت میں حاضری کی سعادت مجھے سب سے پہلے ۴۷ سال قبل ۱۹۵۱ء میں ہوئی جبکہ میں جامعہ نظامیہ کے شعبہ حفظ میں زیر تعلیم تھا اور دس سال کی عمر تھی۔ اور اسی وقت سے حضرت کی محبت میرے دل میں جاگزیں ہو گئی۔ جامعہ نظامیہ میں قیام کے دوران اکثر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا کرتا۔ اپنی تعلیم کے سلسلہ میں مدراس، لکھنؤ میں تقریباً آٹھ سال گزارے اور جب ۱۹۶۳ء میں حیدرآباد واپس ہوا تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرتا رہا۔ وہ دن مجھے خوب یاد ہیں جب کہ حضرت تین مختلف موقعوں پر میرے لئے خصوصی دعائیں فرمائیں تھیں۔ ایک حفظ کلام اللہ کی تکمیل جو میرے والد ماجد علیہ الرحمہ کی درخواست پر فرمائی جو حضرت کے مرید بھی تھے۔ دوسری دعاء عالم دین بننے کی اور تیسری دعاء شادی کے سلسلہ میں نیک رشتہ کی اٹھ لٹہ یہ سب دعائیں بارگاہ الہی میں مقبول ہوئیں۔

حضرت محدث دکن قدس سرہ کی سیرت کے مطالعہ کا مجھے ایک عرصہ سے شوق تھا اور مجھے اس بات کا بھی علم تھا کہ فضیلۃ الاستاذ پروفیسر مولانا محمد عبدالستار خان صاحب حضرت کا تذکرہ لکھ رہے ہیں۔ عندالملاقات میں اس بارے میں حضرت سے دریافت کرتا رہتا۔ آخری مرتبہ ۱۷ ستمبر ۱۹۹۷ء کو میں نے جب دارالعلوم الاسلامیہ بامریکا کے شعبہ حفظ کے طلباء کی دستار بندی کے جلسہ میں شرکت کے لئے درخواست کیا تو حضرت محدث دکن قدس سرہ کے تذکرہ کے بارے میں دریافت کیا تو جواب ملا کہ الحمد للہ کام تو تیار ہے مگر نشر و اشاعت کے مصارف کی عدم موجودگی کی وجہ سے کام رکا ہوا ہے۔ میں نے یہ سنا تو فوراً اس ذمہ داری کو قبول کر لیا اور الحمد للہ اس سعادت عظمیٰ پر رب العالمین کا شکر گزار ہوں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

میں آخر میں مولف تذکرہ فضیلۃ الاستاذ پروفیسر مولانا عبدالستار خان مدظلہ کی خدمت میں دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ موصوف نے صاحب دعوت و عزیمت حضرت محدث دکن مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی حیات اور سیرت پیش کر کے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ یہ تذکرہ اپنے جلو میں بلند و بالا بصیرتوں اور حکمتوں کا سامان لئے ہوئے ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب قدر و عظمت کے ہاتھوں سے لی جائے گی اور عقیدت و محبت کی آنکھوں سے پڑھی جائے گی۔

محمد عربی کابروئے ہر دوسرا ست
کے کہ خاک درش نیست خاک بر سراو

راقم ناشر

یکشنبہ

محمد غوث ندوی

۲۲ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ

دارالعلوم الاسلامیہ

۲۳ نومبر ۱۹۹۶ء

بامریکا۔ کیلیفورنیا

تذکرہ حضرت مولانا دکن

وله الحمد

انتساب

اپنے والد مرحوم الحاج محمد اسماعیل خان داودزی

اور

والدہ مرحومہ رقیۃ بیگم نور اللہ مرقدہما

کے نام

اگرچہ میری والدہ محترمہ نے میرے ہوش سنبھالنے سے پہلے وفات پائی، مگر مجھ میں اپنی والدہ مرحومہ سے ذوق علمی کی باتیں سن کر حصول علم کا شعور بیدار ہوا۔ اور والد ماجد کی تربیت اور صحیح رہبری نے مجھے علم کی لگن سے نوازا۔

تربیت سے تیری، میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر میرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورا سے اس گھر کی نگہبانی کرے

(ابوالخیرات محمد عبدالستار خان داودزی)

قطعہ تاریخ تذکرہ محدث دکن

از ڈاکٹر خواجہ یعقوب عمر پروفیسر شعبہ فارسی جامعہ عثمانیہ

چلتا نہیں علم میں غرور نسبی ہر فتح و ظفر، ہوتی نہ ہوگی کسبی
یہ ذکر ہے ذکر حضرت عبداللہ شاہ مشہور جہاں ہے جنگی عالی نسبی
تالیف ہے جن کی وہ ہیں عبدالستار مرشد کے لکھے جنہوں نے حالات سہی

تاریخ جو پوچھی میں نے، ہاتف نے کہا
جا تذکرہ محدث دکن ہے وہی

۱۹۹۳ء

قطعہ تاریخ (فارسی)

درفن حدیث با کمال و یکتا اہل دل و اہل حال و اہل عقبی
بود اسم گرامی حضرت عبداللہ شاہ درویش و ز نقشبندیاں وابستہ
در ذات و صفات وی چگویم اے دل گفتند کہ بود بی مثال و ہمتا
استاد عربی مبین عبدالستار دانشور و عالم و حکیم و دانا
بر مرشد با کمال کردہ تحریر مبسوط کتاب خاص برجستہ
واللہ چہ کتاب کہ بعالم مثلش ہر گز نشود بہ جستجو ہم پیدا
این "تذکرہ محدث دکن" ای ہمدم لاریب صحیفہ بزرگ و اعلیٰ

آمد ز دلم صدا بگو تاریخش
"تالیف زرنگ و بے مثال و زیبا"

۱۴۱۳ھ

۲

تذکرہ حضرت محدث دکن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرف آغاز

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله سيدنا محمد وآله واصحابه اجمعين

ذرے ذرے سے نمایاں ہے مگر پنہاں ہے میرے معبود تیری پردہ نشینی ہے عجیب
دور اتنا کہ تخیل کی رسائی ہے محال اور قربت کا یہ عالم کہ رگ جاں سے قریب

چشم اعمیٰ میں خورشید دیجور ہے

دیدہ صاحب دید میں نور ہے

آنکھ والوں سے اے بے بھر پوچھ لے

میرا سرکار نور علی نور ہے

بندۂ عاجز ابوالخیرات محمد عبدالستار خان حنفی نقشبندی قادری عرض کرتا ہے کہ ایک
عرصہ سے عاجز کی خواہش تھی کہ اپنے معلم روحانی، مہر طریقت، ماہ شریعت حضرت
محدث دکن مولانا ابوالحسنات سید شاہ عبداللہ نقشبندی و قادری کے مبارک احوال کو
کتابی شکل میں جمع کروں۔ یہ عاجز اپنے فرزند دلہند محمد امان اللہ خان امجد سلمہ کے
اصرار پر امریکہ پہونچا اور یہاں کافی فارغ اوقات ملے اور مواد بھی خوب ہی میسر ہوا تو
الحمد للہ یہ کام شروع ہوا اور ثم الحمد للہ تکمیل کو پہونچا۔

اس مبارک تذکرہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس عاجز نے معاصرین میں عالم عرب
اور پاکستان کے نامور علماء کے مبارک احوال بھی جمع کر دیئے حیدر آباد کے معاصرین
میں صرف اپنے اساتذہ کرام کا تذکرہ کیا ہے۔

یہ عاجز شریعت اور طریقت کے غلاموں میں ایک ادنیٰ غلام ہے جس کی حیثیت اس تذکرہ میں اردو دان طبقہ کے لئے ایک ذریعہ ابلاغ کے سوا کچھ نہیں:

ان ہی کی بائیں سنا رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اس عاجز کے خون میں اپنے آباء و اجداد کی نیکیوں کا پرتو ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس عاجز کے خاندان کے ایک بھائی نے ام المؤمنین بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا کو خواب میں دیکھا جو حضرت ہارون علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے سلسلہ عالیہ کی دختر نیک اختر تھیں، ام المؤمنین نے فرمایا، ”بیٹا“ اور وہ بھائی صاحب ”اماں“ کہہ کر ام المؤمنین سے لپٹ گئے۔ ”واللہ اعلم بالصواب“ اس نسبت سے اکابر کے تذکرے اور بزرگوں کے حالات سے اس عاجز کی روح خود میں بالیدگی محسوس کرتی ہے۔

حیدر آباد کی مردم خیز سرزمین نے تمام شعبہ حیات میں بڑے بڑے نابغہ روزگار پیدا کئے ہیں۔ حضرت محدث دکن قدس سرہ الیہ صاحب کمال تھے جو اپنے عہد کی پہچان اور روح عصر کے ترجمان تھے۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں:

انجن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو
شمع محفل کی طرح، سب سے جدا، سب کا رفیق
مثل خورشیدِ سحر، فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزاد۔ معانی میں دقیق
اس کے احوال سے محروم نہیں پیرانِ طریق

یہ عاجز اور وہ سارے احباب جن کا تعلق سرزمین حیدر آباد سے ہے، ہم سب کو جو کچھ ملا بیس سے ملا۔ تو ہمارے حضرت کے تذکرہ کے ضمن میں شہر اور شہر والوں کا بھی ضرور تذکرہ آرہا ہے جس سے وطن کی بھی ایک خدمت مقصود ہے:

تذکرہ حضرت محدث دکن

فطرت نے سکھائی تھی ہم کو
افتاد یہاں ، پرواز یہاں
گائے تھے وفا کے گیت یہاں
پھیڑا تھا جنوں کا ساز یہاں

یہ صفحات اس ناکارہ کے قلم سے لکھوادیئے گئے اور یہ بات دکھلادی گئی کہ :

ان المقادیر اذا ساعدت
الاجت العاجز بالقادر

(یعنی جب تقدیر الہی مددگار ہوتی ہے تو بندۂ عاجز اور قاصر کو رب قادر اور قدیر سے وابستہ کر دیتی ہے) اس عاجز کا علم و عمل تو برائے نام تھا ہی اور ضعف و پیری نے رہا سہا بھی رخصت کر دیا۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کے ایک ولی کامل، جلیل القدر محدث، عالم ربانی، فقیہ زمانہ، مربی دوراں کی سوانح کا لکھنا ایک بڑی جسارت تھی، البتہ اطمینان اس بات پر تھا کہ اپنی کوئی چیز نہیں، واقعات اور حالات کو بیان کر دینا ساری محنت کا حاصل تھا۔ اور اس امید پر کہ ہمارے حضرت علیہ الرحمۃ کے وابستگان اور اہل ذوق حضرت کو نفع پہنچے اور اس احقر کے لئے زاو آخرت بن جائے۔ مؤرخین باکمال، سوانح نگار اور محققین علماء اپنی علمی تحقیقات کے کمالات دکھاتے ہیں اور اس عاجز، قاصر، ناکارہ نے اپنی علمی بے بضاعتی اور کم مانگی کو اس پردہ میں چھپایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر سے اپنی کرم گستری اور ستاری سے اپنا شایان شان معاملہ فرمائیں۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

اور اس ناکارہ کی اس خدمت کو قبول فرماویں جس میں علمی کمال کا تو کوئی شائبہ نہیں البتہ اپنے کو تھکانا ضرور ہے۔ اور یہ بھی رب العزت کی توفیق رفیق سے میسر ہوا۔ ورنہ ایک قدم چلنے کی بھی کیا مجال تھی۔ اللہ تعالیٰ اس عاجز کے تھکنے پر نظر فرمائیں اور اس

تذکرہ حضرت محدث دکن

عاجز کی کوتاہیوں کو جو اس مبارک تذکرہ کے حقوق ادا کرنے میں ہوئی ہیں معاف فرما کر شرف قبولیت عطا فرمائیں۔

نہ کحرف ساختہ سرخوشم نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تومی زخم چہ عبارت وچہ معانیم

الہی تابہ ابد آستان یار رہے
یہ آسرا ہے غریبوں کا برقرار ہے

ابوالخیرات محمد عبدالستار خان نقشبندی قادری

پروفیسر و سابق صدر شعبہ عربی

جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (انڈیا)

پنجشنبہ

۲۹۔ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۶ھ

۲۳ نومبر ۱۹۹۵ء

تذکرہ حضرت محدث دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

(از حضرت مولانا زید ابو الحسن فاروقی دہلوی علیہ الرحمۃ)

تذکرہ حضرت محدث دکن (قدس سرہ)

تالیف مولانا عبدالستار خان

ابو الخیرات مولانا محمد عبدالستار خان فرزند جناب محمد اسماعیل خان، ساکن شکر گنج، حیدر آباد صدر شعبہ عربی عثمانیہ یونیورسٹی نے یہ مبارک کتاب اپنے پیرو مرشد مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ فرزند حضرت مولانا حافظ سید مظفر حسین کے مبارک احوال میں لکھی ہے۔ حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نے تقریباً دس کتابیں اردو میں لکھی ہیں اور ایک کتاب عربی میں تحریر فرمائی ہے۔ اس کا نام زجاجۃ المصابیح ہے۔ یہ کتاب آپ نے مشکات المصابیح کے طرز پر حنفی مذہب کے استدلال کے واسطے لکھی ہے۔ اس میں قطعاً اختلاف نہیں ہے کہ ایسی کتاب ایک ہزار سال سے علماء احناف نہیں لکھ سکے ہیں۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی نے لکھا ہے کہ ایک ہزار برس سے حنفیوں کے کندھوں پر جو قرص تھا، اس کو اس حیدر آبادی فاضل نے اتارا ہے۔ اس کتاب کے درس کو مولانا ابو الوفاء قند باری نے جاری فرمایا ہے۔ یہ کتاب پانچ جلدوں میں چھپی ہے اور مقبول خلافت ہوئی ہے۔

ف: واضح باد کہ یہ ابتدائیہ حضرت مولانا زید ابو الحسن فاروقی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عاجز کی آخری ملاقات جو ۱۰ مئی سے ۱۳ مئی ۱۹۹۳ء کے قیام خانقاہ شریف حضرت شاہ ابوالخیر دہلوی قدس سرہ میں ہوئی ارقام فرمایا۔ حضرت مولانا زید علیہ الرحمۃ نے پنجشنبہ صبح ساڑھے نو بجے ۱۶ جمادی الآخرۃ ۱۴۱۴ھ ۲ دسمبر ۱۹۹۳ء خانقاہ شریف میں داعی اجل کو لبیک فرمایا اور بعد نماز مغرب اندرون خانقاہ شریف تدفین عمل میں آئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضرت کی حیات میں اس مبارک کتاب کا اردو میں ترجمہ شروع ہوا۔ اور آپ نے چار مستند اہل علم کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کریں ان چار افراد کے نام یہ ہیں:

- (۱)۔ مولانا محمد منیر الدین صاحب، شیخ الادب جامعہ نظامیہ
- (۲)۔ مولانا محمد عبدالستار خان صاحب، استاذ عربی جامعہ عثمانیہ
- (۳)۔ جناب سید غلام جیلانی صاحب، سرشہ دار عدالت عالیہ، حیدر آباد
- (۴)۔ صاحبزادہ میر لطف علی خان صاحب

ان چار حضرات کی کوششوں سے حضرت مؤلف کی حیات اور سرپرستی میں چار جلدیں ترجمہ کی شائع ہوئی ہیں جو کہ بنام نور المصابیح چھپی ہیں، اور حضرت مؤلف کے بعد مزید پانچ حصوں کا ترجمہ ہوا ہے بظاہر آٹھ حصے ترجمہ کے چھپ چکے ہیں اور نویں حصے کا مسودہ تیار ہے، بظاہر ان نو حصوں سے عربی کی ادھی کتاب کا ترجمہ ہوا ہے، اور ترجمہ کرنے والوں میں سے عین افراد رحلت فرما چکے ہیں اور اب مولانا عبدالستار خان صاحب کی مدد دو افراد کر رہے ہیں:

== مولانا نے دہلی میں تحصیل علوم کے بعد جامع ازہر مصر میں داخل ہو کر فراغت حاصل فرمائی۔ آپ ایک پہلو دار شخصیت کے حامل تھے۔ شریعت اور طریقت کے سر تاج، دین اور مذہب کے ماہر، محدث، فقیہ، سخن شناس اور عظیم محاور تھے، آپ کی چھوٹی اور بڑی تالیفات کی جملہ تعداد (۲۴) ہے، آپ کا کتب خانہ مطبوعات کے علاوہ نایاب مخطوطات کا نادر خزانہ ہے اور تحقیقی کام کرنے والے اساتذہ اور طلبہ آپ کے ان نوادر سے استفادہ کرتے ہیں۔ اس عاجز کے پیر و مرشد کی وفات کے بعد، حضرت کی اس عاجز پر سرپرستی بڑی برکات کا باعث رہی ہے۔ ابوالخیرات غفرلہ ۳۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

(۱) مولوی سید احمد علی، فاضل جامعہ نظامیہ

(۲) پروفیسر غلام محمد، صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ (۱)

اس کتاب کے متعلق جو واقعہ عاجز سے ظاہر ہوا ہے اس کو بیان کیا جاتا ہے۔ تقریباً دو یا تین سال ہوتے ہیں کہ عاجز نے افغانستان کی علماء اعلام کو اس کتاب سے آگاہ کیا اور ان سے کہا کہ اس زجاجۃ المصابیح نے علماء حنفیہ کو مشکاة المصابیح سے بے نیاز کر دیا ہے، اگر تم اس کتاب کو چھپو لو اور یہ کتاب علماء کرام کے مطالعہ میں آجائے تو بہت بہتر ہوگا۔ عاجز یہ بات کہہ کر دہلی آگیا اور دوسرے سال جب کونٹہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ علماء کرام نے یہ کتاب چھپوالی ہے اور افغانستان میں وہ مقبول خلافت ہوئی ہے۔

عاجز کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائے اور علماء احناف اپنے مسلک پر قائم رہیں و فقنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ لرضائہ و الصلاة والسلام علی سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین

شعبہ ۱۸ ذی القعدة الحرام ۱۴۱۳ھ - ۱۱ مئی ۱۹۹۳ء

زید ابو الحسن فاروقی

(۱) ڈاکٹر غلام محمد صاحب نے بعد فراغت حج اور زیارت ۲۲ جون ۱۹۹۳ء کو حیدرآباد میں انتقال فرمایا اور نقشبندی چمن واقع مصری گنج احاطہ حضرت محدث دکن قدس سرہ میں دفن ہوئے۔ احیاء المعارف العثمانیہ (حیدرآباد) جس کو حضرت الاستاذ فقیہ عصر مولانا ابو الوفا افغانی قدس سرہ نے قائم فرمایا تھا کے رکن رکن تھے۔ رحمہ اللہ وغفرلہ ۱۲ ابو الخیرات غفرلہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

از

مولانا عبدالکیم شرف قادری شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم و علی آلہ و اصحابہ اجمعین

کائنات کا تمام نظام مشیت ایزدی کے تابع ہے، جو شخص بھی کوئی اچھا کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی اس کے شامل حال ہوتی ہے، اس نے کسی کو حدیث کی خدمت کے لئے پیدا کیا، کسی کو تفسیر کی خدمت کی توفیق بخشی، کسی کو فقہ کی تدوین و اشاعت کا اعزاز بخشا، ہمارے ائمہ احناف کی توجہ زیادہ تر کتاب و سنت اور اجماع و قیاس سے مسائل فقہ کے استنباط اور استخراج کی طرف رہی اور یہ بدیہی بات ہے کہ قرآن و حدیث کے علم کے بغیر دینی مسائل کا استنباط نہیں ہو سکتا، علم فقہ اولہ اربعہ (کتاب، سنت، اجماع اور قیاس) سے حاصل کئے جانے والے مسائل کے مرتب مجموعے کا ہی نام ہے۔

تاہم امام اعظم ابو حنیفہ (۱۵۰ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ احادیث کا مجموعہ جامع المسانید کے نام سے دستیاب ہے، امام محمد بن حسن شیبانی (۱۸۹ھ) کی تصانیف مؤطا امام محمد اور کتاب الآثار معروف و مشہور ہیں، امام طحاوی کی شرح معانی الآثار بڑی اہمیت کی حامل ہے، امام علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اور علامہ بدر الدین عینی نے بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری اور دیگر تصانیف میں، حضرت ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں، شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات اور اشعۃ اللمعات میں، امام احمد رضا بریلوی نے فتاویٰ رضویہ میں کتاب و سنت کی روشنی میں فقہ حنفی کی بھرپور تائید و توثیق کی ہے، علامہ زبیدی نے عقود الجواہر المنیفہ میں

تذکرہ حضرت محدث دکن

حدیث کی مشہور کتابوں سے احناف کے دلائل جمع کر دیئے ہیں، ماضی قریب میں امام احمد رضا بریلوی کے خلیفہ اور شاگرد ملک العلماء مولانا علامہ محمد ظفر الدین بہاری نے چھ جلدوں میں صحیح البہاری کے نام سے عظیم الشان کتاب لکھی جس میں تقریباً پچاس ہزار احادیث جمع کر دی گئی ہیں، مسلک اہل سنت و جماعت اور مذہب حنفی کے دلائل کا شاندار مجموعہ ہے، لیکن افسوس کہ اس کی صرف ایک جلد چھپ سکی ہے جو کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلوٰۃ پر مشتمل ہے۔

دینی مدارس میں عرصہ دراز سے مشکوٰۃ المصابیح پڑھائی جا رہی ہے، جو اپنی جامعیت کے لحاظ سے بڑی اہم کتاب ہے، چونکہ مشکوٰۃ اور مصابیح کے مصنف شافعی ہیں، اس لئے اختلافی مقامات پر وہی احادیث لائے ہیں جن سے حضرات شافعیہ استدلال کرتے ہیں، یہ ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی کہ طلباء کو پڑھانے کے لئے مشکوٰۃ شریف کے انداز پر ایک کتاب لکھی جائے جس میں وہ احادیث جمع کر دی جائیں جن سے فقہائے احناف استدلال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت محدث دکن، حضرت علامہ ابو الحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی قادری رحمہ اللہ کو عطا فرمائی، انہوں نے زجاجہ المصابیح کے نام سے تقریباً اڑھائی ہزار صفحات پر مشتمل پانچ جلدوں میں کتاب تصنیف فرمائی جسے حنفی مشکوٰۃ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کتاب کو دینی مدارس کے نصاب میں شامل کیا جائے اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے خوشی کی بات یہ ہے کہ فرید بک سٹال لاہور کی طرف سے یہ کتاب اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کی جا رہی ہے، اس کتاب کی اشاعت سے اہل علم قارئین کو پتہ چلے گا کہ فقہ حنفی کس قدر مضبوط دلائل کی بنیاد پر استوار ہے۔

علامہ عبدالفتاح ابو غدہ، ملک شام کے شہر حلب کے رہنے والے اور علامہ زاہد الکوثری کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے حج کے موقع پر زجاجہ کی پہلی جلد دیکھی تو حضرت مصنف کو مکتوب ارسال کیا، جس میں انہوں نے لکھا:

تذکرہ حضرت محدث دکن

مجھے یہاں حضرت والا کی تصنیف ضیف زجاجہ المصانح کی جلد اول دستیاب ہوئی، جس کی وجہ سے میری بصر اور بصیرت دونوں روشن ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بیش بہا نعمت سے جو نوازا ہے اس پر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کار خیر پر اسلام اور حضرات احناف کی طرف سے جزاء خیر عطا فرمائے۔

الفقیر الی اللہ۔ عبدالفتاح ابو غدہ

۱۴۔ محرم ۱۳۷۷ھ

فقہ ہرات مولانا ابو نصر محمد اعظم برنابادی، زجاجہ کی دو جلدوں کا مطالعہ کر چکے تھے تیسری جلد کی وصول ہونے پر انہوں نے اظہار مسرت کرتے ہوئے لکھا:

زجاجہ کی دو جلدوں کی تدریس نے میری آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی اور اب عیسری جلد کی وصولی میرے دل کی کشادگی اور شرح صدر کا سبب بن رہی ہے، یہ کتاب در حقیقت صحیح ترین احادیث کا ذخیرہ ہے، مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ مجھے ایسا بحر ذخار حاصل ہو گیا ہے جو میرے لئے بالکل کافی ہے، احناف کے لئے واضح حجت ہے، جہالت اور تنقید کی بیماریوں کے لئے قانون ہے اور مذہب حنفی کی توثیق میں جواب قاطع ہے... اللہ مؤلف اور اس کتاب کی طباعت اور اشاعت میں مدد کرنے والوں کو جزاء خیر مرحمت فرمائے۔ (آمین)

مولانا ابو الحسن زید فاروقی (دہلوی) نے اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا:

”مصانح ہو یا مشکاة ان کے مؤلف شافعی ہیں اور جن کتابوں سے مصانح اور مشکاة کی تالیف ہوئی ہے وہ شوافع ہیں لہذا ان میں حضرت امام عالی مقام امام ابو حنیفہ کی ایک روایت کا بھی ذکر نہیں۔ ہمارے علماء احناف نے ان کتابوں کی شرح یا حاشیہ لکھ کر حنفی مذہب کے استدلال لکھے ہیں۔ ۳۷ھ سے ۱۳۶۸ھ تک احناف کس مہر کی حالت میں رہے، مرقات، لمعات اور اشعہ اللمعات کو ہر شخص خرید نہیں سکتا۔ وہابیت اور غیر مقلدی کے اسباب پوری طرح اثر انداز ہوتے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے محدث دکن کو توفیق دی کہ وہ حنفی مذہب کے استدلال

تذکرہ حضرت محدث دکن

احادیث شریفہ کی مستند کتابوں سے جمع کریں... تقریباً بیس سال سے یہ کتاب عاجز کے پاس ہے اور جب بھی اس کتاب کو دیکھتا ہے محدث دکن کے لئے دعائے خیر کرتا ہے قدس اللہ سرہ نور ضریحہ۔

حریفان بادبا خوردند و رفتند

تھی خم خانہ ہا کردند و رفتند

سات سو سال سے جس شیء کی تمنا احناف کو تھی اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے اب وہ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ حضرت محدث دکن نے وہ کام کیا جو سات سو سال سے کوئی حنفی نہیں کر سکا۔ اس کتاب کی اشاعت سے غیر مقلدی اور وہابیت کے اثرات پھیلنے سے انشاء اللہ بند ہو جائیں گے... عاجز نے مختصر طور پر چند سطریں لکھ دی ہیں۔ علماء کرام اس کتاب کو دیکھیں اور مدارس عربیہ میں اس کو داخل نصاب کریں۔ و فقنی اللہ و ایاہم لما یحبہ و یرضاه۔ چہار شنبہ ۲۲ صفر ۱۳۱۱ھ ۱۲ ستمبر ۱۹۹۰ء۔

حضرت محدث دکن

رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ ابو الحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی قادری کی ولادت باسعادت دس ذوالحجہ ۱۲۹۲ھ ۱۸۷۶ء بروز جمعہ حیدر آباد دکن میں ہوئی، اسی سال حیدر آباد کے مشہور جامعہ نظامیہ کی بنیاد رکھی گئی۔ آپ کا سلسلہ نسب چوالیس واسطوں سے امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے جد اعلیٰ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر حجاز سے مقدس بیجاپور، ہندوستان تشریف لائے، عادل شاہی دور میں شاہی فرمان کے مطابق تعلقہ نلدرگ، ضلع عثمان آباد، مہاراشٹرا

میں قیام پذیر رہے، آپ کے والد ماجد مولانا حافظ سید مظفر حسین نقشبندی (۱) حیدر آباد دکن میں منتقل ہو گئے اور وہیں ان کا وصال ہوا۔

یوں تو اس وقت حیدر آباد دکن اسلامی علوم و معارف کا مرکز تھا، ہر شہر اور گاؤں میں اولیاء کرام علماء، فقہاء اور شعراء موجود تھے، حضرت علامہ کا خانوادہ بھی علمی، دینی اور روحانی اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتا تھا، آپ کے والد ماجد نہ صرف عالم و فاضل تھے بلکہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت مسکین شاہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۱۳ھ) کے مرید اور خلیفہ تھے، آپ کی والدہ ماجدہ حضرت شہزادہ قادری المعروف ہونٹ کٹے شاہ کی صاحبزادی اور عابدہ زاہدہ خاتون تھیں۔

حضرت علامہ سید عبداللہ شاہ کی تعلیم و تربیت کا آغاز بڑے اہتمام سے ہوا عالم ربانی محبت رسول مقبول حضرت عاقبت شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بسم اللہ شریف پڑھائی، حیدر آباد کے مشہور فضلاء سے علوم دینیہ کی تحصیل کی، آپ کے چند اساتذہ کے نام یہ ہیں۔

۱۔ شیخ الاسلام، فضیلت جنگ مولانا انوار اللہ خاں فاروقی، بانی جامعہ نظامیہ، حیدر آباد دکن

۲۔ مولانا منصور علی خاں

۳۔ مولانا حبیب الرحمن بیدل سہارنپوری

۴۔ مولانا محمد یسین

۵۔ مولانا حکیم عبدالرحمن سہارنپوری

(۱) مولانا حافظ سید مظفر حسین نقشبندی (۱۳۵۳ھ) عالم، محدث، فقیہ صوفی، تحصیل علوم کے بعد دفتر معتمدی، حکومت آصفیہ میں ملازمت اختیار فرمائی۔ حیدر آباد کی ایک مجذوبہ کی تصرف سے منصب بھی جاری ہوئی جو ہمارے حضرت محدث دکن پر بھی جاری رہی۔ آپ طریقت میں حیدر آباد کے معروف شیخ حضرت مسکین شاہ قدس اللہ سرہ کے مجاز تھے۔ شاہ راجو قتال حسینی بمسیرہ حضرت خواجہ بندہ نواز قدس سرہ کے احاطہ واقع بیرون فتح دروازہ جانب شمال اپنے چند اقرباء کے ساتھ آرام فرمائیں۔ نور اللہ مضاف جمعہ۔ ابوالخیرات غفرلہ ۱۲

آخر الذکر بزرگ کے واسطے سے آپ کی سند حدیث شاہ محمد اسحاق دہلوی تک پہنچتی ہے۔ حضرت سید عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ حضرت پیر سید محمد بادشاہ بخاری کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور شرف خلافت سے مشرف ہوئے، آپ کے مرشد گرامی حضرت شاہ سعد اللہ کے مرید اور خلیفہ تھے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا سعد اللہ تم دکن جاؤ، شاہ سعد اللہ، حضرت شاہ غلام علی دہلوی نقشبندی کے مرید اور شاہ ابو سعید مجددی کے خلیفہ تھے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ شریعت و طریقت کی منزلیں طے کرنے کے بعد حضرت ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نے تمام زندگی مسجد علی آقا حسینی علم، حیدر آباد میں مخلوق خدا کی راہنمائی اور علوم دینیہ کی خدمت میں گزار دی۔

حضرت علامہ سید عبداللہ شاہ، صحیح معنوں میں یادگار اسلاف تھے، اتباع سنت میں راسخ قدم تھے، پانچوں وقت نماز کی خود امامت فرماتے، نماز فجر کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ حلقہ ذکر قائم کرتے، اس کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتے، حزب اعظم کی دعاؤں کا ورد کرتے، نماز اشراق ادا کرنے کے بعد گھر تشریف لے جاتے، ناشتہ کے بعد ظہر تک خواتین کو تلقین کرتے، بعض خواتین حلقہ ارادت میں داخل ہوتیں، نماز ظہر کے لئے مسجد میں آتے تو رات بارہ بجے کے بعد واپس گھر تشریف لے جاتے، اس دوران عقیدت مند حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے۔ رمضان المبارک میں خاص اہتمام فرماتے، پیرانہ سالی کے باوجود باقاعدہ روزہ رکھتے، تراویح ادا کرتے، نماز تہجد میں ختم قرآن پاک کا اہتمام کرتے اور آخری عشرے میں اعتکاف بیٹھتے۔

اللہ تعالیٰ نے عبادت و ریاضت کے ذوق کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی بہترین ملکہ عطا فرمایا تھا، عربی، فارسی اور اردو پر یکساں قدرت رکھتے تھے، تحریر اتنی سلیس اور شگفتہ تھی کہ معمولی پڑھا ہوا آدمی بھی ان کے بیان کردہ مطالب کو سمجھ لیتا ہے، ان کی تصانیف درج ذیل ہیں:

تذکرہ حضرت محدث دکن

۱۔ زجاجة المصابیح (عربی) پانچ جلدوں میں ہندوستان اور پاکستان سے چھپ چکی ہے۔ اس کا مختصر تعارف اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اس کے اردو ترجمہ کی آٹھ جلدیں چھپ چکی ہیں، ابھی نصف کتاب کا ترجمہ ہونے والا ہے۔

۲۔ سلوک مجددیہ۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے سلوک پر اہم کتاب

۳۔ یوسف نامہ۔ (گلدستہ طریقت) تفسیر سورۃ یوسف علیہ السلام۔

۴۔ گلزار اولیا۔ تذکرہ اولیاء نقشبندیہ

۵۔ فضائل نماز

۶۔ علاج السالکین

۷۔ کتاب المحبۃ

۸۔ میلاد نامہ

۹۔ معراج نامہ

۱۰۔ شہادت نامہ

۱۱۔ مواعظ حسنة

اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار صاحبزادے اور عین صاحبزادیاں عطا فرمائیں، بڑے صاحبزادے مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ نقشبندی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت کے جانشین تھے ۱۹۹۲ء کے آخر میں وصال فرما گئے، ان کے جنازہ میں تقریباً دو لاکھ افراد نے شرکت کی، دوسرے صاحبزادے میاں سید احمد صاحب مہاراشٹر (انڈیا) میں مقیم ہیں، تیسرے صاحبزادے میاں سید حبیب اللہ قادری رحمہ اللہ تھے، چوتھے صاحبزادے میاں سید شاہ رحمت اللہ قادری ایم۔ اے عثمانیہ، حیدر آباد دکن میں مقیم ہیں۔

شیخ طریقت محدث دکن نے درج ذیل حضرات کو خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا:

تذکرہ حضرت محدث دکن

- ۱۔ مولانا ابوالبرکات سید خلیل اللہ شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ (فرزند اکبر)
- ۲۔ مولانا سید رحمت اللہ شاہ (فرزند اصغر)
- ۳۔ مولانا سید عبدالرؤف رحمہ اللہ (خواہر زادہ اور داماد)
- ۴۔ حضرت سید غلام جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ (مدفون اورنگ آباد، احاطہ حضرت شاہ سراج رحمۃ اللہ علیہ)۔
- ۵۔ حضرت حافظ صدیق حسین رحمہ اللہ تعالیٰ
- ۶۔ جناب صاحبزادہ میر لطف علی خان رحمہ اللہ تعالیٰ
- ۷۔ جناب عبدالرزاق امام و خطیب مسجد شہامت جنگ، موسیٰ باؤلی حیدر آباد۔
- ۸۔ پروفیسر (ڈاکٹر) محمد عبدالستار خان، سابق صدر شعبہ عربی، جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن۔

محدث دکن حضرت علامہ ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ / ۲۷ اگست ۱۹۶۳ء بروز جمعرات بوقت اشراق ہوا، آخری آرامگاہ مصری گنج، حیدر آباد دکن نقشبندی چمن میں ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالستار خان نقشبندی قادری

درج ذیل سطور میں ڈاکٹر صاحب کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے، اس کی دو وجہیں ہیں:

۱۔ محدث دکن کی قابل قدر تصنیف زجاجۃ المصابیح کی طباعت و اشاعت میں ان کا بڑا حصہ ہے، عربی ایڈیشن کی طباعت کے وقت انہوں نے دو مرتبہ پوری کتاب اپنے مرشد گرامی کو سنائی، تیسری بار اپنے استاذ محترم مولانا ابوالوفاء افغانی کو سنائی۔ پانچویں جلد کے باب مناقب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچے تھے کہ علامہ افغانی علیہ السلام ہو گئے اور ۱۳ رجب ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء میں ان کا وصال ہو گیا، ڈاکٹر

تذکرہ حضرت محدث دکن

صاحب نے حیدر آباد شہر کی ایک مسجد میں ہر اتوار کو اس کتاب کا درس دینا شروع کیا اور اس طرح تیسرا دور بھی مکمل ہو گیا۔

پھر مولانا منیر الدین شیخ الادب جامعہ نظامیہ، حیدر آباد دکن نے ترجمہ کی پہلی دو جلدیں نور المصابیح کے نام سے تکمیل کیں تو اس پر نظر ثانی کا کام بھی ڈاکٹر صاحب اور چند دیگر حضرات نے انجام دیا۔ اب تک اردو ترجمہ کی آٹھ جلدیں چھپ چکی ہیں ان میں بھی ڈاکٹر صاحب کا حصہ ہے، جناب سید خلیل اللہ صاحب مقیم شاکو نور المصابیح کا انگریزی زبان میں ترجمہ کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں کی تحریک پر ہی فرید بک سٹال، لاہور کی طرف سے زجاجۃ المصابیح اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کی جا رہی ہے، ہمارے فاضل دوست مولانا حافظ سید اقبال عربی اور اس کے سامنے اردو ترجمہ کی ترتیب اور بعض مقامات پر ضروری حواشی کا کام انجام دے رہے ہیں، اس سلسلے میں جناب سید جنید ان کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں، امید واثق ہے کہ ارباب علم، جناب سید اعجاز احمد، مالک فرید بک سٹال، لاہور کے اس کارنامے کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ اس مختصر تفصیل سے قارئین کرام کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ڈاکٹر صاحب کو اپنے مرشد گرامی اور ان کی تصنیف زجاجہ کے ساتھ کس قدر والمانہ لگاؤ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرید صادق کو اپنے مرشد کامل قبیح شریعت کے ساتھ ایسی ہی عقیدت ہونی چاہئے کہ وہ فنا فی الشیخ کے مقام پر پہنچ جائے۔ تب ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انوار کے دروازے کھلتے ہیں۔

۲۔ ڈاکٹر محمد عبدالستار خان کی اپنے شیخ سے والمانہ عقیدت اور محبت کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اپنے مرشد کا تفصیلی تذکرہ مرتب کیا ہے، جو واقعی انہیں ہی لکھنا چاہیے تھا، اس تذکرہ میں انہوں نے محدث دکن حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا خاندانی پس منظر، سوانح حیات، تحصیل علم، بیعت و سلوک، اجازت و خلافت، شب و روز کے معمولات، سوز و گداز، اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب اکرم

تذکرہ حضرت محدث دکن

صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت، مسلک اہل سنت اور فقہ حنفی کی خدمات جلیلہ، تبلیغ دین اور رشد و ہدایت، اولاد امجاد اور خلفاء و مریدین کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے اور اس طرح بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے شیخ طریقت، محدث دکن کے نبوض و برکات سے مستفید ہونے کا ذریعہ فراہم کر دیا ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا مختصر تذکرہ بھی ہدیہ قارئین کر دیا جائے۔

ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۳ء (۱۳۴۳ھ) کو حیدر آباد دکن سے اٹھارہ میل دور ایک گاؤں میسرم میں پیدا ہوئے، ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں بن محمد اسماعیل خاں بن محمد بسم اللہ خاں بن ابراہیم خاں بن بڑے خاں۔

ان کے جد اعلیٰ بڑے خاں، قندھار، افغانستان سے سلطنت آصفیہ کے قیام کے کچھ عرصہ بعد حیدر آباد دکن، آکر میسرم گاؤں میں قیام پذیر ہوئے، یہیں ڈاکٹر صاحب کی ولادت ہوئی، پچھن میں گھریلو ماحول اسلامی آداب اور مشرقی تہذیب و تربیت کے رنگ میں رنگا ہوا ملا، اسکول سے لے کر یونیورسٹی تک تعلیم حاصل کی، فراغت کے بعد جامعہ عثمانیہ کے استاذ مقرر ہوئے یہاں تک کہ شعبہ عربی کے صدر رہے۔ لیکن دیکھنے سے وہ کسی طرح کالج یا یونیورسٹی کے پروفیسر دکھائی نہیں دیتے، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق داڑھی، سر پر عمامہ، پابند صوم و صلوة، بزرگان دین کے ساتھ عقیدت، مزاج میں سادگی اور دھیمپن، حسن اخلاق سے آراستہ، تبلیغ دین کے جذبے سے سرشار، مرشد گرامی کے انتہائی عقیدت مند، حنفیت کے دلدادہ، زجاہ المصاحح کی اشاعت اور اس کے اردو اور انگریزی ترجمہ کے لئے دن رات فکر مند، گزشتہ سال (۱۹۹۱ء) حج و زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے بعد لاہور تشریف لائے تو خاص طور پر داتا گنج بخش اور حضرت میاں میر قدس سرہ کے مزارات پر

تذکرہ حضرت محدث دکن

اہتمام سے حاضری دی۔

ان کی شخصیت کی تعمیر میں پہلے تو گھر کے دینی ماحول کا دخل ہے، پھر انہیں ایسے اساتذہ اور مشائخ ملے جن کی تعلیم و تربیت کا ان پر گہرا اثر ہے، حکومتی تعلیم کے دور میں ہی حضرت قاری حافظ مولانا عبدالرحمن حموی شیخ القرآنات والتجوید جامعہ نظامیہ اور حافظ قاری ولی اللہ شیخ المعقولات جامعہ نظامیہ سے قراءات عشر کی تعلیم حاصل کی، ابھی میرک تک تعلیم مکمل نہیں کی تھی کہ ۱۹۳۰ء میں محدث دکن مولانا سید عبداللہ شاہ رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے اور ان سے ذکر الہی کی دولت حاصل کی، ان کے علاوہ علامہ ابو الوفاء افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۹۷۵ء) سے علمی استفادہ کیا، سلسلہ چشتیہ کے ایک بزرگ مولانا جمیل الدین احمد کی خدمت میں بھی حاضری دیتے رہے اور حضرت سید قدرت اللہ شاہ قادری سے بھی روحانی استفادہ کرتے رہے۔

ڈاکٹر صاحب کے چند معروف اساتذہ کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مولانا حافظ سید مقصود علی خیر آبادی (شاگرد علامہ عبدالحق خیر آبادی)

۲۔ پروفیسر سید مناظر احسن گیلانی

۳۔ مولانا محمد عبدالباری ندوی

۴۔ مولانا سید ابراہیم ادیب حیدر آبادی

۵۔ پروفیسر محمد عبدالحق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ

۶۔ مولانا سید نبی، مؤلف منہاج العربیہ

۷۔ مولانا سید عثمان جعفری الہ آبادی

۸۔ پروفیسر محمد عبدالمعید خاں صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ

۹۔ مولانا سید فرید پاشا قادری

۱۰۔ جناب مولوی سعادت اللہ خان مندوڑی

تذکرہ حضرت محدث دکن

۱۱۔ جناب عبدالستار سجانی پرنسپل فوقافیہ، دارالعلوم، حیدرآباد

۱۲۔ مولانا محمد حسام الدین فاضل

۱۳۔ مولوی غوث الدین

وغیرہم

ڈاکٹر صاحب کی اہل اللہ سے عقیدت کا یہ عالم ہے کہ جہاں سے انہیں روحانی فیض ملا حاصل کیا، مرشد گرامی کے وصال کے بعد دہلی کے مجددی سلسلہ کے بزرگ مولانا ابوالحسن زید فاروقی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۹۳ء) سے وابستہ رہے اور اکتسابِ فیض کیا۔ آج کل ڈاکٹر صاحب اپنے صاحبزادے امان اللہ خاں امجد کے پاس شکاگو، امریکہ میں مقیم ہیں اور شکاگو میں دینی سرگرمیاں جاری رکھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے اور دینِ متین کی بیش از بیش خدمات کی توفیق عطا

فرمائے، آمین

محمد عبدالحکیم شرف قادری

جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

(پاکستان)

۶ شعبان ۱۴۱۳ھ

۲۹ جنوری ۱۹۹۳ء

تذکرہ حضرت محدث دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش گفتار

پروفیسر نثار احمد فاروقی، دہلی یونیورسٹی دہلی

قدیم داستان کا ہیرو حاتم طائی جن سات سوالوں کا جواب لینے کے لئے ہفت خواں طے کرتا ہے ان میں سے ایک رمز یہ تھا کہ ” ایک بار دیکھا ہے دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے۔“ میرے لئے اس پہلی کا جواب حضرت مولانا سید عبداللہ شاہ نقشبندی مجددی محدث دکن قدس اللہ سرہ العزیز کی مقدس اور بابرکت شخصیت ہے۔ میں نے حضرت کو غالباً جون ۱۹۵۹ء میں پہلی اور آخری بار دیکھا تھا۔ محترم پروفیسر عبدالستار خان مدظلہ العالی حضرت کو لے کر آئے تھے۔ میرے ماموں زبدۃ الحکماء حکیم شبیہ احمد چشتی صابری ہادوی رحمۃ اللہ علیہ (مدوگار ناظم محکمہ طبابت یونانی) مرض الموت میں مبتلا تھے۔ انھیں بھی حضرت محدث دکن سے دلی محبت اور عقیدت تھی انھوں نے حضرت کی خدمت میں درخواست بھیجی تھی کہ تشریف لائیں اور دعا فرمائیں۔ حضرت محدث دکن کو ٹلہ عالی جاہ، کوچہ شادی لال میں تشریف لائے تھے۔ مولانا عبدالستار خان صاحب شروانی میں ملبوس، کندھے پر رومال پڑا ہوا، نہایت مستعدی کے ساتھ حضرت کی خدمت فرما رہے تھے۔ اس کو آج ۳۴ سال ہو گئے ہیں مگر حضرت محدث دکن علیہ الرحمۃ کا فرشتوں جیسا نورانی چہرہ آج بھی نگاہوں کے سامنے ہے۔ انھیں دیکھ کر واقعی اللہ یاد آتا تھا، اور بے ساختہ ان کی قدمبوسی کو دل چاہتا تھا۔ حضرت کچھ دیر تک میرے ماموں صاحب مرحوم کے پاس رہے، دعائیں پڑھیں، نصیحت کی، فاتحہ خوانی کی اور تشریف لے گئے۔ اس دن کے بعد سے برابر یہ تمنا رہی کہ حضرت کی قدم بوسی کا شرف دوبارہ حاصل ہو مگر یہ سعادت پھر نصیب نہ ہو سکی تا آن کہ ۱۹۶۳ء میں حضرت کا وصال ہو گیا۔

حضرت مولانا سید عبداللہ شاہ نقشبندی علیہ الرحمۃ کی مبارک ذات حیدر آباد کے لئے ہی نہیں تمام ہندوستان بلکہ عالم اسلام کے لئے آیۂ رحمت تھی۔ انہوں نے اپنی پاکیزہ زندگی کا ایک ایک لمحہ خلق خدا کی ہدایت و ارشاد میں اپنے رب کی عبادت اور ذکر و فکر میں اللہ کے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں اور احادیث نبوی کی خدمت و اشاعت میں صرف کیا۔ ایسے نفوس قدسیہ کسی علاقے اور کسی زمانے میں اللہ کی خاص عنایت اور بندوں پر اس کی رحمت کا مظہر ہوا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا سید عبداللہ شاہ علیہ الرحمۃ فقیہ صوفی تھے اور حضرت خواجہ گیسو دراز علیہ الرحمۃ نے جوامع الکلم میں فرمایا ہے کہ ”فقیہ صوفی“ کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے یعنی بہت کمیاب ہوتا ہے وہ اپنے عہد کے ممتاز محدث بھی تھے انہوں نے زجاچہ المصانیح جیسی اہم کتاب پانچ جلدوں میں مرتب فرما کر علم حدیث نبوی کے ذخیرے میں نہایت قابل قدر اضافہ کیا ہے خصوصاً مسلک حنفی کے ماننے والوں کے لئے یہ کتاب دلیل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

حضرت محدث دکن علیہ الرحمۃ نقشبندی سلسلے کے نہایت ممتاز بزرگ بھی تھے انہوں نے ہزاروں بندگان خدا کی روحانی تربیت کی اور ان کے نفوس کا تزکیہ و تجلیہ فرمایا۔ سلوک و تصوف کے اہم موضوعات پر انہوں نے نہایت قابل قدر کتابیں بھی لکھیں جو ایک صوفی باصفا کے مطالعہ اور مشاہدے پر مبنی ہیں اور جن کی روشنی میں سلوک نقشبندیہ کے اسرار و رموز تک ہماری رہنمائی ہو سکتی ہے۔

مولانا پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالستار خان صاحب زید مجدہ و متع اللہ المسلمین بطول حیات بڑے خوش قسمت ہیں کہ انہیں اساتذہ بھی نہایت جلیل القدر ملے اور انہوں نے حضرت مولانا سید عبداللہ شاہ نقشبندی قدس سرہ جیسا مرشد کامل بھی پایا اور ان کے فیوض باطنی سے بہرہ ور ہوئے، انہیں یہ سعادت بھی ملی کہ حضرت محدث دکن علیہ الرحمۃ کا تذکرہ مرتب فرمائیں ان کے سوا یہ کام ایسے سلیقے اور ذوق و شوق سے

تذکرہ حضرت محدث دکن

دوسرا کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ شاید اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی خدمت کے لئے امریکہ بھیجا تھا کہ یہاں دین کی تعلیم دیں، نقشبندی سلسلے کی اشاعت کریں اور اپنے پیرومرشد علیہ الرحمہ کا تذکرہ لکھیں۔ الحمد للہ کہ یہ سب کام بہ حسن و خوبی ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ جب مولانا عبدالستار خان صاحب مدظلہ امریکہ آ رہے تھے تو دہلی میں راقم الحروف سے ملے تھے، میں نے اسی وقت یہ عرض کیا تھا کہ آپ امریکہ جا کر خانقاہ قائم کریں اور اپنے سلسلے کی اشاعت کریں کیونکہ نہایت مکار اور بدکار لوگوں نے روحانیت کے نام پر وہاں شیطانیت پھیلا رکھی ہے اور اسے فروغ اسی لئے ہو رہا ہے کہ صحیح راستہ دکھانے والے میدان میں نہیں آتے۔ اللہ نے ایسی صورت پیدا کر دی ہے کہ یہاں نقشبندیہ فاؤنڈیشن قائم ہو گئی، اس کی جانب سے کئی شہروں میں خانقاہیں بن گئیں جہاں حلقہ ذکر و فکر ہو رہا ہے اور روحانی پیاس بجھانے کا سروسامان اللہ نے پیدا کر دیا ہے پھر حضرت مولانا ناظم عادل الحقانی نقشبندی اور حضرت مولانا محمد ہشام الکلبانی نقشبندی مدظلہما جیسے بزرگوں سے ان کا رابطہ قائم ہوا ہے جنہوں نے تعلیمات اسلامی کو عام کرنے میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہے، دوسری اقوام اور ملتوں کے لوگ جوق در جوق اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں اور یہ تحریک اپنا عالمی کردار بنا چکی ہے۔

مولانا عبدالستار خان مدظلہ سے میں نے یہ بھی عرض کیا ہے کہ ہندوستان میں نقشبندی اور چشتی بزرگوں کے ملفوظات پر مشتمل بہت سی نہایت ہی قابل قدر کتابیں ہیں اسی طرح تصوف کے علمی مسائل اور قواعد پر مشتمل کتابیں بھی مستند اور باعمل بزرگوں کی لکھی ہوئی ہیں، ان میں سے کچھ منتخب کتابوں کا انگریزی ترجمہ حواشی اور تصریحات کے ساتھ پیش کیا جائے تو اس سے بہت نفع ہوگا اور یہ کتابیں بھی اس طرح محفوظ ہو جائیں گی۔ حضرت مولانا عبدالستار خان صاحب مدظلہ اس خصوص میں بھی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

اس تذکرے کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں حضرت محدث دکن کے معاصر علماء کا حال بھی قلمبند کر دیا گیا ہے جس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک مخصوص دور میں اللہ کے نیک بندے اور علماء کہاں کہاں کیسی خدمت دین کر رہے تھے۔ یقین ہے کہ حضرت محدث دکن کے عقیدت مندوں میں ہی نہیں بلکہ عام طور پر اس صدی میں علوم دین اور سلوک و احسان کے مطالعہ سے دل چسپی رکھنے والے اس کتاب سے رہنمائی حاصل کریں گے اور اسے قدر دانی کے ہاتھوں لے لیں گے، مصنف کے لئے دعائے خیر فرمائیں گے۔ والسلام

نثار احمد فاروقی

سان فرانسسکو (امریکہ)

۱۳ اگست ۱۹۹۶ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِهِ وَصَحْبِهِ اَفْضَلَ صَلَوَاتِكَ عَدَدَ مَعْلُومَاتِكَ
وَبَارِكْ وَسَلِّمْ. اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَمِنْتُ بِاَنَّكَ مَوْجُودٌ، وَهَبِیْكَ سَيِّدَنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَحْمُودٌ، وَمَنْ اَتْبَعَهُ مَسْعُودٌ، وَآمَنْتَ بِاَنَّكَ مَشْهُودٌ، وَدُوْنَكَ مَفْقُودٌ،
وَمَنْ خَالَفَ نَبِیْكَ فَهُوَ مَرْدُودٌ، یَا سُبُوْحُ یَا قُدُّوسُ یَا بَدِیْعُ یَا وُدُّودُ صَلِّ وَسَلِّمْ
عَلٰی اَحْمَدٍ مَحْمُودٍ وَافْضَلِ مَوْلُودِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ ظِلِّ الْوَجُودِ وَعَلٰی آلِهِ
الاطهار واصحابه الاضیاء المنفذين للحقوق والمحدود.

ترجمہ۔ الہی! میرا ایمان اور یقین ہے کہ آپ موجود ہیں اور آپ کے جیب ہمارے
سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم محمود ہیں اور جس نے آپ کی پیروی کی وہ مبارک ہے
اور مجھے اس بات پر بھی یقین ہے کہ آپ حاضر ہیں اور آپ کے سوا سب معدوم ہیں
اور جو آپ کے نبی کی مخالفت کرے وہ مردود ہے۔ اے سبوح! اے قدوس! اے
بدوح! اے ودود! صلاۃ و سلام اور برکت نازل فرمائیے احمد محمود اور افضل مولود
ہمارے سردار، ہمارے آقا محمد پر جو ظل وجود (ذات واجب الوجود) کے سایہ میں
اور آپ کی آل اطہار پر اور اصحاب اختیار پر جنہوں نے حقوق اور حدود کو نافذ اور
جاری فرمایا۔

حمد

ذره ذره سے نمایاں ہے مگر پنہاں ہے میرے معبود تیری پردہ نشینی ہے عجیب
دور اتنا کہ تخیل کی رسائی ہے محال اور قربت کا یہ عالم کہ رگ جاں سے قریب

نعت

شہنشاہ ارض و سما بلغ العلیٰ بکمالہ وصف رخ او را لضعی کشف الدجی بحمالہ
قرآن با خلاقش گواہ . هُنت جمیع خصالہ صدقا یقینا راحنا . صلوا علیہ وآلہ

حمد باری تعالیٰ

(از کتاب سبع سنابل تالیف شیخ عبدالواحد بلگرامی)

تمام تعریف اس اللہ رب العزت کے لئے ہے جس نے دلوں کی زمین کو فضل و کرم کی بارش سے زندہ فرمایا اور اس سے رشد و ہدایت کا غلہ پیدا فرمایا، اس کو گلستان معرفت اور بوستان محبت سے آراستہ فرمایا، اس میں حکمت کے چشمے بہائے اور مشاہدات وحدت کے پھلوں سے بہرہ ور کیا۔ چنانچہ ارشاد ربی ہے: ”وآیة لهم الارض الیة امینا ہاد اخر جنانھا صبا فمناہ یا کلون . وجعلنا نھا جنت من نخیل و اعناب و فجرنا نھا من العیون لیا کلوا من ثمرہ و ما عملتہ ایدھم افلا یشکرون . سورہ یسین)

(ترجمہ) اور ان کے لئے ایک نشانی مردہ زمین ہے، ہم نے اسے زندہ کیا اور اس سے اناج نکالا تو یہ اسی میں سے کھاتے ہیں۔ اور ہم نے اس میں باغ بنائے کھجور اور انگور کے اور ہم نے اس میں چند چشمے بہائے کہ اس کے میووں میں سے کھائیں۔ اور یہ ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا۔ پھر کیوں شکر نہیں کرتے:

باغما و میوہ ہا اندر دلست عکس لطف آں بریں آب و گل است
(بہت سارے باغ اور میوے دل کے اندر ہیں اور اس کے لطف کا عکس اس پانی اور مٹی پر ہے)

درود و سلام . حضور خواجہ انام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اور نامی درود اور گرامی سلام اس رسول پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جو گزار عنایت ربانی کی بہار اور عالی مرتبہ باغیچہ ہدایت ہیں، اور ایسے برکت والے عربی

تذکرہ حضرت محدث دکن

درخت ہیں کہ نہ پورب ہی کے ہیں نہ پچھم ہی کے (بلکہ ان کی ہدایت ہر سو ہے) اللہ تعالیٰ ان پر درود و سلامتی نازل فرمائے اور ان کے تمام اصحاب ابرار اور اہل بیت اطہار اور جملہ امت مرحومہ پر کہ یہ سب انہی کی رسالت کے صاف، شفاف اور شیریں پانی کے پرورہ ہیں اور اسی دریائے ہدایت سے سیراب ہیں۔ (سورۃ رعد، آیت ۴) ”یستقی ماء واحد وفضل بعضها علی بعض فی الاکل“

(سب کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور پھلوں میں ہم ایک کو دوسرے سے بہتر کرتے ہیں) رضوان اللہ علیہم ان سب پر اللہ تعالیٰ کی رضائیں اور خوشنودیاں ہیں۔ اس کے بعد حضرت میر عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۷ھ) نے اولیاء کرام کی سوانح کے مطالعہ کی ترغیب بڑے دلکش انداز سے دی ہے جو فارسی ابیات میں ہے۔

سوانح اولیاء کرام کے مطالعہ کی ترغیب

اے دل زاخلاقِ مردان بہرہ منداری نیستی بارے اخلاقِ بزرگان را، زجاں تکرار کن
 ذکرِ الصالحین، زحق نزولِ رحمت است ہر زماں ذکرِ جوانمردانِ دیں، بسیار کن
 گاہ از خوبی احوالِ شاں، مشتاق باش گہ زچشم، ازپاکی اخلاقِ آں اشک ایثار کن
 (ترجمہ)

۱۔ اے دل! تو اگر مردانِ خدا کے اخلاق سے حصہ پانے والا نہیں تو (یاد رکھ) بزرگوں کی عادتوں کا دل لگا کر بار بار مطالعہ کر۔

۲۔ چوں کہ اولیاء اللہ کے مبارک ذکر کے وقت رحمتِ خداوندی کا اثرنا ثابت ہے، اس لئے تو ہر وقت دین کے جوانمردوں کا ذکر کثرت سے کیا کر۔

۳۔ کبھی تو ان کے مبارک احوال کا مشتاق بن، اور کبھی ان کی پاکیزہ سیرت اور کردار پر اپنی آنکھوں سے آنسو نچھاور کر، اس کے بعد اولیاء اللہ کا واسطہ دے کر

تذکرہ حضرت محدث دکن

مناجات فرما رہے ہیں اور اپنی مغفرت کا سامان کر رہے ہیں:

یا خدا در معصیت دارم ، باہل اللہ صفا آں صفا را چارہ ، عفو من مدکار کن
در کتاب آید کہ لاخوف علیہم ولا ہم یخزنون بندہ مملوک ، آزاد از عذاب نار کن
اے خدا ایں از من نااہل طلبیس است اگر ہم تو بر مستہزیٰ موسیٰ پیمبر کار کن
(ترجمہ):

۴۔ خداوند! میں گنہ گار ہوتے ہوئے ، اللہ والوں سے محبت رکھتا ہوں ، تو اس
محبت کو مجھ بدکار کی بخشش کا سہارا بنا دے (آمین یا رب العالمین)

۵۔ تیری کتاب میں وارد ہے کہ ان مبارک ہستیوں کو نہ تو (دنیا میں) کسی کا ڈر ہے
اور نہ (آخرت میں) یہ غم کھاویں گے (بہر حال) اس غلام کو عذاب دوزخ سے آزاد فرما۔

۶۔ مجھ نااہل کا لباس اگر ازراہ فریب ہے تو تو اس سے وہی معاملہ فرما جیسا کہ حضرت
موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ٹھٹھا کرنے والے کیساتھ کیا ہے (یعنی چوں کہ وہ تیرے
محبوب کی ہیئت میں ہونے سے بخش دیئے گئے ، مجھے بھی ویسا ہی بخش دے) سنج
سنابل کی عبارتیں یہاں ختم ہوئیں۔ (والحمد للہ علی ذلک)

قرآن میں انبیاء کرام کے واقعات

سورہ مریم پ ۱۶ آیت ۵۱ تا ۵۳ میں ارشاد رب العزت ہے "واذکرفی الکتب
موسیٰ انہ کان مخلصا وکان رسولا نبیا (اور کتاب میں حضرت موسیٰ کو یاد کرو ،
بیشک وہ منتخب تھے اور رسول نبی تھے)۔

ونادینہ من جانب الطور الایمن ، وقربنہ نجیا (اور ہم نے کوہ طور (جو مصر اور
مدین کے درمیان ایک پہاڑ ہے) اس کی داہنی جانب سے ندا فرمائی اور اپنا راز ان
کو بتانے کیلئے ان کو قریب کیا) او وہبنا لہ من رحمتنا اذہاء ہزون نبیا (اور ہم نے
ان کے لئے اپنی مہربانی سے ان کے بھائی حضرت ہارون کو بھی نبی بنایا۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

اسی سورہ مریم میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے ذکر کے بعد حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبارک ذکر اس طرح ہے:

”واذکر فی الکتب اسمعیل انہ کان صادق الوعد وکان رسولاً نبیاً وکان یامر اہلہ بالصلوٰۃ والزکوٰۃ وکان عند ربہ مرضیاً (اور کتاب میں حضرت اسماعیل کو بھی یاد کرو، بیشک وہ (بات کے پکے اور) وعدہ کے سچے اور رسول نبی تھے اور اپنے گنہگاروں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے رب کو بڑے پسند تھے)

اس کے بعد حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبارک ذکر اس طرح ہے:

”واذکر فی الکتب ادریس انہ کان صدیقاً نبیاً ورفعنہ مکانا علیاً (اور کتاب میں حضرت ادریس کو بھی یاد کرو، بے شک وہ بڑے سچے نبی تھے اور ہم نے ان کو بلند مکان پر اٹھالیا یعنی دنیا میں مراتب عالیہ دیئے اور پھر ان کو آسمان پر اٹھالیا) چنانچہ اس وقت وہ جنت میں ہیں۔

ان انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبارک ذکر کے بعد رب العزت کا ارشاد ہے یہ وہ (تقدس ماب) ہستیاں ہیں جن کے اوپر اللہ تعالیٰ نے احسانات فرمائے ہیں۔

تذکیر یا یام اللہ قرآن پاک کے علوم پیچگانہ میں شامل ہے۔

واضح باد کہ پچھلی قوموں کے واقعات اور قصص قرآن پاک کے اہم موضوعات میں ہیں اس لئے کہ ان میں ہمارے لئے بڑی عبرتیں، حکمتیں اور اسباق ہیں۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ تو مسلسل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو احسن القصص فرمایا۔

حقیقت یہ ہے کہ تاریخ عالم اور ماضی کے تجربات میں انسان کی آئندہ زندگی کے لئے بڑا سبق ہوتے ہیں جن کی قدرتی تاثیر انسان کے دل اور دماغ پر عام تعلیمات سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے بلکہ دانشمند انسان اخبار اور واقعات کو سننے اور دیکھنے سے اپنے حال اور عمل کی اصلاح بہ آسانی کر سکتا ہے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی پر فضل فرماتا ہے تو دنیا کی ساری قوتیں مل کر بھی اس کو روک نہیں سکتیں، نہ بھائیوں کا حسد، نہ دشمنوں کی دشمنی، نہ زلیخا کے ناپاک ارادے اور نہ زندان کی کال کو ٹھہری، بہر حال فضل الہی حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر شر سے محفوظ رکھتا ہے اور یہ سبق ملتا ہے کہ انسان ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اور اس کی عبادت سے غافل نہ ہو۔

اسلاف کے کردار میں ہماری ہدایت کا سامان ہے

ہر قوم اپنی تاریخ رکھتی ہے لیکن - الحمد للہ ثم الحمد للہ - ہم مسلمانوں سے زیادہ مستند تاریخ کسی قوم کے پاس نہیں، پھر ہمیں اس لحاظ سے بھی تمام اقوام عالم میں امتیاز حاصل ہے کہ اسلام سیرت و کردار کا جو سانچہ اپنے پیروکاروں کو دیتا ہے، تاریخ کے ہر دور میں اس سانچہ میں ڈھلی ہوئیں بے شمار شخصیتیں ایک سے ایک عظیم تر دکھائی دیتی ہیں، دوسرا کوئی دین اور قوم ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ان عظیم اور مقدس شخصیتوں نے اپنے اعلیٰ کردار کے چراغ روشن کیے ہیں۔ یہ حضرت بلاشبہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زبان میں زمین کا نمک اور پہاڑی کے چراغ ہیں، جن سے نہ صرف ان کی ہم عصر دنیا رشد و ہدایت کا نور حاصل کرتی ہے بلکہ آج کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں بھی ہم ان کے بلند کردار کی شعاعوں سے اپنی زندگیاں منور کر سکتے ہیں۔ ایسے ہی مردانِ حق کے بارے میں شاعر قرآن علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے:

خاک و نوری نہاد، بندۂ مولیٰ صفات ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل اس کی ادا دلفریب، اس کی نگہ دلنواز
رزم دم گفتگو، گرم دم جستجو رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز
اس کے زمانے عجیب، اس کے فسائے غریب عہد کمن کو دیا، اس نے پیام رحیل

تذکرہ حضرت محدث دکن

ساتی اربابِ ذوق ، فارسِ میدانِ شوق ، بادہ ہے اس کا رقیق ، تیغ ہے اس کی اصیل
سورۃ الحج پ ، ۱ نمبر ۵ ، میں رب العزت کا ارشاد ہے ۔ اللہ یصطفیٰ من الملائکۃ رسلا و
من الناس (اللہ تعالیٰ انتخاب فرماتے ہیں فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے
پیغام پہنچانے والوں کو) حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت
پاک کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ” ساری مخلوق میں بہتر وہ لوگ ہیں جو پیغام
پہنچانے والے ہوں ” اس سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ پیغام پہنچانے والے جن
کو ہم داعی کہتے ہیں ان کی تقریر اور تحریر کا جوہر دل پذیری اور یقین افروزی ہوا کرتا
ہے اور ان کے کارنامے وقتی اور عارضی نہیں ہوتے بلکہ ان میں ابدیت ہوتی ہے
اور وہ زبان اور مکان کی قید سے بلند و بالا ہوتے ہیں۔

اولیاء کرام کی حکایات خدا کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے

حضرت سید الطائفة جنید بغدادی قدس سرہ سے کئی اصحاب نے صالحین اور اولیاء کی
حکایات کے بارے میں دریافت کیا: ان کا بیان کرنا اور سننا کیسا ہے ، حضرت نے
جواب دیا اس کی مثال خدا کے لشکر کی سی ہے ، جس سے مریدوں کی حالت درست
ہوتی ہے ، عارفوں کے اسرار زندہ رہتے ہیں ، عاشقوں کے دلوں میں ذوق و شوق
پیدا ہوتا ہے ، مشائقوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں ، دلیل پوچھنے پر فرمایا
(سورہ ہود کی آیت ۱۲۰) پڑھ لو ” وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ
فوادک (اور ہم آپ سے ان سب رسولوں کے احوال بیان کرتے ہیں ، جن سے
آپ کے دل کو تقویت پہنچائیں) اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے :
نیکیوں کا ذکر کیا کرو تم پر برکت نازل ہوگی اور نیکیوں کے ذکر کے وقت رحمت نازل
ہوتی ہے۔

اسی پس منظر میں یہ عاجزا اپنے شیخ مکرم ، پیر و مرشد ، محدث دکن ، عارف باللہ ، الجامع
بین المنقول والمعقول کی مبارک زندگی کے تذکرہ کو بیان کر رہا ہے :

ان کا سایہ اک تجلی، ان کا نقش پا چراغ وہ جدھر گزرے، ادھر ہی روشنی ہوتی گئی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”انفاس العارفین“ کے مقدمہ میں جو خود ان کے، ان کے والد اور عم اکبر یعنی تایا۔ شاہ عبدالرحیم اور شیخ ابو الرضا محمد اور ان کے مشائخ و اجداد کرام کے سوانح حیات پر مشتمل ہے، لکھتے ہیں: اہل بصیرت پر مخفی نہیں کہ مشائخ کی حکایات اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے، اور مشائخ صوفیہ کے اقوال و احوال کہ وہ ان کی کرامت اور استقامت پر مشتمل اور علوم ظاہر و باطن پر جامع ہیں، مبتدی سالکین کو ترغیب دیتے اور شوق دلاتے ہیں اور منتہی سالکین کے لئے دستور اور میزان ہوتے ہیں، خاص طور سے اولاد و احفاد کو اپنے آباد و اجداد کے کارنامے سننے سے فائدہ پہنچنے کی توقع ہوتی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ کارنامے استعداد رکھنے والے میں غیرت پیدا کرتے ہیں اور یہ غیرت اس کو ایک مقام پر پہنچا دیتی ہے یا انھیں سن کر ایک منصف مزاج کو اپنی کوتاہی کا احساس ہوتا ہے اور اس سے ایک دانا کے سامنے در توبہ کھل جاتا ہے:

خوش دلکش است قصہ خوبان روزگار تو یوسفی و قصہ تو احسن القصص
سبب تالیف تذکرہ پیرو مرشد (قدس سرہ)

پیرو مرشد قدس سرہ کے اس عاجز پر جو احسانات ہیں ان کے بیان کا احاطہ امکان سے باہر ہے اور کسی حیثیت سے یہ بندہ کترین اس کام کا اہل نہیں، کہاں نائب شفیع یوم النشور اور کہاں یہ بندہ سرتا پاخطا و قصور! اس نا اہلی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ کر کے جس نے یہ جذبہ اور تحریک اس عاجز کے دل میں پیدا کی قلم ہاتھ میں لیا ہے:

از سر شوقی کنم سخنے در نہ بدحش چه حد ہم چو منے
ہمچو اوئے سزد معرف او در جہاں لیک ہمچو اوئے کو
قرنہا دور آسماں گردد تا چو او اخترے عیاں گردد
۳۳

عمر با ابر مکرمت بارد تا چو او گوہرے۔ پدید آرد
ترجمہ

۱۰۔ اپنے شوق اور محبت میں کچھ باتیں کر رہا ہوں، ورنہ مجھ جیسا شخص آپ کی تعریف
کیا کر سکتا ہے۔

۲۔ آپ کی تعریف کے لئے بھی آپ جیسا شخص ہی ہونا چاہیے۔ لیکن دنیا میں اس
جیسا ہے کون؟

۳۔ آسمان صدہا سال گردش کرے تو اس جیسا ستارہ عیاں ہو

۴۔ ابر کرم مدتہائے دراز تک عزت و شرف کا پانی برسائے تو اس جیسا موتی پیدا
ہو۔

اللہ تعالیٰ بہ طفیل حضرت پیر و مرشد اپنے فضل و کرم سے اس تذکرہ کو قبول فرمائے
تو زہے سعادت! ”وما ذلک علی اللہ بعزیز“

باز خوانم قصہ پیر بو الحسنات خود تا در و دیوار را آرم بوجد

اس حقیر نے جو واقعات، اخبار اور احوال دیکھے اور سنے ان کو بیان کرے گا اور اس
سلسلہ میں حضرت ممدوح کے کچھ ارشادات بھی مسلمانوں کے کانوں تک پہنچانے کا
ایک ذریعہ ہاتھ آگیا عجب نہیں کہ ان کے پڑھنے اور سننے سے کسی سعادت مند کا کام
بن جائے اس وجہ سے کہ حضرت ممدوح کے ارشادات میں تعلق مع اللہ اور نسبت
ربانیہ اس طرح جلوہ گر ہے جیسے گلاب کی خوشبو اس کے پھول کی ہر ہر پتی میں:

در سخن پنہاں شدم، مانند بو در برگ گل ہر کہ دارد آرزویم، در سخن بیند مرا

(ترجمہ) میں اپنے کلام میں اس طرح پوشیدہ ہوں جس طرح پھول کی خوشبو اس کی ہر
پتی میں، جو شخص مجھے دیکھنے کی آرزو رکھتا ہو وہ مجھے میرے کلام میں دیکھے۔

نام و نسب

نام مبارک آپ کا سید عبداللہ اور کنیت ابوالحسنات، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید مظفر حسین، نسب شریف آپ پینتالیس واسطوں سے امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، آپ نجیب الطرفین سادات حسینی ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت یوم جمعہ دس ذوالحجہ ۱۲۹۲ھ پانچ ساعت صبح شہر حیدرآباد میں ہوئی، آپ کی ولادت دن وہی مبارک دن ہے جس دن حجاج کرام عرفات میں حاضری دے کر، منیٰ میں قربانیاں ادا کر کے کعبۃ اللہ میں طواف میں مشغول رہتے ہیں، یقیناً جو ذات عالی رتبت عرفات کا پیامِ صدق و صفالے کر طلوع ہوگی وہ معرفت کا آفتاب اور ولایتِ ممتاز ہوگی۔

صبح طالع ہوئی، خورشیدِ ولایت کا ڈرے ضوء ریز ہوئے، مہرِ حقیقت چمکا شاد ہیں اہل جہاں، اخترِ قسمت کا خوش ہیں عشاق، مہِ عشق و محبت چمکا یادگار منانا فطری بات ہے

ایک اور بات عرض کرتا چلوں کہ حضرت پیرو مرشدِ قدس سرہ فرمایا کرتے کہ میں اس دن پیدا ہوا جس دن دکن کے عالم ربانی حضرت مولانا زماں خان شہید شاہجہان پوری رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی مسجد واقع شاہ علی بندہ میں شہید کیا گیا۔ حضرت ممدوح کی زبانِ درفشان سے یہ سن کر رب العزت کا یہ ارشاد یاد آجاتا ہے: (سورہ بقرہ آیت ۱۰۶) ما نسیخ من آیۃ او نسیھات بظہر منھا او مثلھا الم تعلم ان اللہ علی کل شیء قدير (جو موقوف کرتے ہیں ہم، کوئی نشانی یا بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر نشانی لاتے ہیں یا اس کے برابر، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں) چوں کہ علماء ربانیین اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ایک نشانی کو لیجاتے ہیں تو اس کی جگہ دوسری نشانی قائم فرمادیتے ہیں۔

یادگار منانے پر قرآن حکیم سے دلیل

اس موقع پر ایک بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ زرگوں کی یاد منانے کو اس دہریت اور مادیت کے دور میں قدامت پسندی سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس قوم نے اپنے محسنوں کو بھلا دیا تو آنے والی نسلوں نے اپنی قومیت ہی کو بھلا دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یادگار منانا ایک فطری جذبہ ہے، اسلام جس کا دوسرا نام ہی دین فطرت ہے اس میں اس جذبہ کو اجاگر رکھنے کی تعلیم اپنے روحانی انداز میں بڑی صراحت کے ساتھ موجود ہے چنانچہ رب الزبت کا ارشاد ہے (سورہ ابراہیم پ ۱۶ آیت نمبر ۵) و ذکر ہم بایام اللہ (اور ان کو اللہ تعالیٰ کے دنوں کی یاد دلاتے رہو) یوں تو سب دن اللہ تعالیٰ کے ہیں مگر ان سارے دنوں میں قدرت کا انتخاب یومِ پیدائش، یومِ وصال اور یومِ حشر ہے۔ قرآن حکیم میں مقبولانِ درگاہ برحق کے لئے یہ بھی ارشاد فرمایا گیا ہے (سورہ مریم پ ۱۶ آیت نمبر ۱۵) و السلام علیہ یوم ولد و یوم یموت و یوم یبعث حیا (ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے ان کی پیدائش کے دن اور ان کے وصال کے دن اور جب وہ میدانِ حشر میں اٹمائے جائیں گے) یہ ارشاد حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شان میں ہے اور اسی سورہ میں (آیت نمبر ۳۳) اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے سیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کا واضح بیان مذکور ہے:

”والسلام علی یوم ولدت و یوم اموت و یوم البعث حیا (مجھ پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہے، میری پیدائش کے دن، اور میرے وصال کے دن اور جب میں میدانِ حشر میں اٹھایا جاؤں گا)۔“

ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہو گیا کہ خاصانِ خدا کے عین وقتوں کا تعین فرمایا گیا یومِ میلاد، جیسا کہ ہم مسلمان میلاد شریف کی محفل کر سکتے ہیں، دوسرے یومِ وصال جیسا کہ ہم مسلمان بزرگانِ دین کا عرس کرتے ہیں اور تیسرا دن یومِ حشر ہے جبکہ مقبولانِ بارگاہِ الہی کے شفاعت فرمانے کا دن ہوگا۔ اس دن کی یادگار منانا ہمارے

بس کی بات نہیں، اس دن باذن الہی وہ خود ہم پر کرم فرمائیں گے۔ یہ تجربہ ہے کہ جو لوگ یوم میلاد اور یوم وصال کی یادگار منانے پر غم و غصہ سے بھر جاتے ہیں وہ کھلم کھلا مسئلہ شفاعت کا انکار کرتے ہیں یا ایسا اقرار کرتے ہیں جو انکار سے بھی بدتر ہے، وہ انبیاء عظام اور اولیاء کرام سے اس طرح مایوس ہو چکے ہیں جیسا کہ رب العزت کا ارشاد ہے (سورہ ممتحنہ پ ۲۸ آیت نمبر ۱۳) قدینسوا من الآخرة کمائیس الکفار من اصحاب القبور (وہ آخرت سے اس طرح آس توڑ چکے ہیں جیسے کفار قبر والوں سے آس توڑ چکے ہیں)۔

محدث دکن کا وطن اور آباء و اجداد کرام

وطن قدیم آپ کے آباء کرام کا بعد مکہ مکرمہ قصبہ نلدرگ ضلع عثمان آباد (مہاراشٹر، انڈیا) تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ حضرت سید علی رحمۃ اللہ علیہ بامثال امر نبوی سیاحت فرماتے ہوئے عادل شاہی دور میں شہر بیجا پور تشریف لائے، علی عادل شاہ نے آپ کی سیادت، علم اور فضیلت کے پیش نظر شاہی جامع مسجد اندرون قلعہ نلدرگ کی تولیت اور امامت پیش کر کے فکر معاش سے بے نیاز رہنے کے لئے ایک وسیع اور زرخیز رقبہ اراضی بطور انعام نسلاناً بعد نسل عطا فرمایا جس کو آپ نے دینی خدمات کے شوق میں قبول فرما کر مفوضہ فرائض کے علاوہ خلق اللہ کی رشد و ہدایت میں اپنی زندگی گزار دی۔

آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا حافظ سید مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ عہد طفولیت میں بغرض حصول علم نلدرگ سے بلدہ حیدر آباد تشریف لائے اور علوم متداولہ کے علاوہ علوم دینیہ تفسیر، حدیث اور فقہ میں بھی مہارت حاصل فرمائی اور طریقت میں نقشبندی طہلقہ میں حیدر آباد کے معروف صوفی اور لی کامل حضرت مسکن شاہ نقشبندی قدس سرہ سے سلوک طے فرما کر خلافت حاصل فرمائی۔

تسمیہ خوانی

آپ اس عالم ہست و بود میں جس حیثیت سے جلوہ فرما ہوئے اس کے پیش نظر حقیقت تو یہ ہے کہ عالم الغیب نے آپ کا مبارک سینہ علوم و معارف کا گنجینہ بنا دیا اور ذہن و دماغ، قلب اور روح کو ایمان و یقین کے مقدس فکر و شعور اور پاکیزہ احساس و تخیل سے لبریز فرما دیا تھا۔ لیکن چوں کہ ہر انسان کا عالم اسباب سے بھی کسی نہ کسی نوج سے رابطہ استوار ہوتا ہے اس لئے بظاہر حضرت محدث دکن کو بھی عالم اسباب کی راہوں پر چلنا پڑا۔ آپ کی رسم تسمیہ خوانی اس دور کے ایک صاحب دل ولایتی عالم عاشق سرور کونین حضرت سید عاقبت شاہ افغانی مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے انجام پائی۔ حضرت عاقبت شاہ کے مرتبہ بلند کا اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب آپ اپنی مبارک عمر کی آخری منزلوں میں تھے سردار دو جہاں محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رویا میں جلوہ فرمایا اور ارشاد ہوا ”عاقبت شاہ تم مدینہ آ جاؤ“ بس اس ارشاد پر لبیک فرمایا اور مدینہ منورہ پہنچے اور وہیں جنت البقیع میں آسودہ خاک ہوئے۔

تحصیل علم

مملکت آصفیہ کا وہ زمانہ جو حضرت محدث دکن کے تحصیل علم کا دور تھا حکومت آصفیہ کا خیر القرون تھا۔ ہر عالم دین اپنی جگہ ایک مدرسہ تھا اور ہر شیخ کامل اپنی جگہ ایک خانقاہ، دینی مدارس اور خانقاہیں علم و معرفت، رموز و حکمت، احسان و سلوک کا سرچشمہ تھیں ۱۷۲۳ء میں نظام الملک آصف جاہ اول نے شہر اورنگ آباد میں نوکھنڈے کی تہکنی عمارت میں صوبہ داری کی بجائے علاقہ دکن پر اپنی حکومت کا آزادانہ اعلان فرمایا تو یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کے مسلمان ایک نہایت ہی نازک دور سے گزر رہے تھے۔ سلطنت مغلیہ کا آفتاب غروب ہوا چاہتا تھا۔ معاشرہ پر انحطاطی رنگ چھا رہا تھا۔ زندگی سکر و وام میں تبدیل ہو رہی تھی، ہر شخص ایک گونہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

بے خودی کے عالم میں مست و خراب تھا۔ نظام الملک آصفجاہ اول مغلیہ سلطنت کے اہم وزیر تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ سلطنت مغلیہ کو بچانا اور سنبھالنا مشکل ہے تو کم از کم صوبہ دکن ہی کو سنبھال لو، اس علاقہ پر مسلم حکمرانی کا تسلط حقیقت میں جنوبی ہند میں بڑی حد تک احیاء ملت اور اعلاء کلمہ الحق کی کوششیں تھیں چنانچہ آصفی دور اسلامی ہند کی تاریخ میں اب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضرت محدث دکن کا دور

حضرت نظام الدین چشتی اورنگ آبادی کی خدمت میں نظام الملک آصف جاہ اول کی حاضری

اس موقع پر ایک تاریخی روایت جس کی توثیق حضرتہ الاستاذ مولانا ابو الوفا علیہ الرحمہ نے بھی فرمائی بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ نواب نظام الملک آصف جاہ اول نے جب یہ فیصلہ کر لیا کہ علاقہ دکن کی صوبیداری پر اب ان کو آزادانہ خود مختاری اور اپنی بادشاہت کا اعلان کرنا ہے تو حضرت نظام الدین اورنگ آبادی خلیفہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی چشتی رحمۃ اللہ علیہما (دہلوی) (م ۱۱۴۲ھ / ۱۷۲۹ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنا ارادہ عرض کیا، صبح کا وقت تھا، حضرت نے اپنے خادم کو آواز دی اور فرمایا کہ بادشاہ حاضر ہے کچھ کھانے کو لاؤ تو خادم نے بہت ساری روٹیاں حاضر کیں، حضرت نظام الملک آصف جاہ اول نے سات روٹیاں کھائیں، حضرت نے فرمایا اور کھاؤ جواب دیا۔ حضرت اس سے زیادہ نہیں کھا سکتا فرمایا تمہارے خاندان میں سات بادشاہ ہوں گے، تاریخ شاہد ہے کہ دو سو برس کی آصفی سلطنت نواب میر عثمان علی خان شاہ ہنتم پر اختتام کو پہنچی اور حکومت ہند نے ۱۹۴۸ء میں پولیس ایکشن کر کے مسلمانوں کی اس یادگار سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون) سلطان اورنگ زیب کے دکن پر حملہ کا ایک پس منظر

یہاں یہ بات واضح کرنا مقصود ہے کہ ہمارے اسلاف شاہ و گدا، امیر و فقیر، حاکم و محکوم کس طرح اولیاء کرام کی سرپرستی اور ان کی خدمت میں حاضری کو ضروری سمجھتے تھے۔ جنوبی ہند دکن میں بہمنی سلطنت کو جب زوال نے آدبوچا تو یہ عظیم سلطنت پانچ حصوں میں بٹ گئی جس میں ایک گو لکنڈہ کی سلطنت تھی اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ بنفس نفیس اس سلطنت کو ختم کرنے تشریف فرما تھے۔ اس عاجز نے اپنے

تذکرہ حضرت محدث دکن

استاد مولانا سید ابراہیم ادیب علیہ الرحمہ استاذ عربی جامعہ عثمانیہ سے یہ واقعہ سنا کہ اکتادانا اس سلطنت کے آخری تاجدار سلطان ابوالحسن تانا شاہ کا وزیر تھا اس کا مستقر قریہ مہیشورم (قدیم میسرم تھا) جو حیدر آباد شہر سے (۱۸) میل پر جانب جنوب واقع ہے، پہاڑی شریف حضرت بابا شرف الدین سروردی خلیفہ بابا شہاب الدین سروردی بغدادی علیہما الرحمۃ سے بارہ میل پر ہے۔ اس قریہ میں ایک بزرگ جن کا نام نامی کمال شاہ ولی ہے تشریف فرما ہوئے اور اس وزیر کی باؤلی پر جس کا نام شیوگنگا ہے وضو فرمایا، وزیر کو اس کی اطلاع ہوئی کہ ایک مسلمان فقیر نے ان کی اس باؤلی کو ہاتھ پیر ڈبو کر گندہ کر دیا ہے اس کی کیا سزا دی جائے؟ اس نے حکم دیا کہ اس فقیر کی ایک چھنگلی کاٹ دی جائے اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ حضرت اپنی اس انگلی کو لے کر اپنے پیر حضرت شاہ جھاڑو مستان رحمۃ اللہ علیہ (جن کا مزار شاہ علی بندہ اسری دواخانہ کے قریب ہے) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے فرمایا تم اپنی آنکھیں بند کرو، میں تمہیں ایک دہکا دوں گا اور تم دلی میں سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے پاس پہنچ جاؤ گے جن کی سواری برآمد ہو رہی ہے، بس یہ اپنی انگلی لیکر سلطان کی خدمت میں پہنچے اور کہا کہ دکن کا یہ حال ہے ابوالحسن تانا شاہ کے وزیر کی باؤلی میں وضو کرنے کی مجھے یہ سزا ملی ہے۔ بس سلطان اورنگ زیب نے دکن کا رخ کیا اور جو واقعات ہوئے تاریخ کے اوراق میں سب محفوظ ہیں۔

اسی سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے یہ عاجز اولیاء کرام کے تصرفات کے چند واقعات ہندوستان کی تاریخ سے سنانا چاہتا ہے تاکہ اس مادیت کے دور میں قارئین کرام روحانیت سے لگاؤ پیدا کریں اور بزرگان دین سے اپنے رشتہ کو مضبوط کریں۔ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے کیا خوب لکھا ہے:

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا کہ تیرے زمین و مکان اور بھی ہیں

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضرت سلیم چشتی کی دعاؤں کے طفیل بابر نے رانا سانگا کو شکست دی

پانی پت کے تاریخی میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر بابر ہندوستان کی قسمت کا مالک ہو چکا ہے۔ ابھی اس نے پوری طرح سکون کا سانس بھی نہ لیا تھا کہ ہندوستان کی کئی دوسری طاقتیں بابر کے خلاف متحد ہو گئیں۔ ان میں ہندو مسلمان کی کوئی قید نہ تھی۔ اس متحدہ محاذ نے میواڑ کے سورج بنسی راجا رانا سانگا کو اپنا سپہ سالار اعظم مان لیا۔ سیکری (آگرہ سے چند میل دور) کے جنوب میں پانچ میل دور خانوا (کنواہہ) نامی گاؤں کے میدان میں رانا سانگا دو لاکھ فوج کے ساتھ خیمہ زن ہو گیا۔ بابر بھی اپنی بیس ہزار فوج لے کر نکلا اور سیکری میں خیمہ زن ہو گیا۔ یہیں کی ایک مسجد میں بابر نے شراب نوشی سے توبہ کی اور جام دسبوا، ساغرو مینا توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیئے۔ اس کے ساتھی ہمت ہار رہے تھے اور ان کو اپنی کامیابی پر یقین نہیں تھا۔ یہ معرکہ بابر و رانا سانگا نہیں تھا بلکہ معرکہ کفر و اسلام تھا۔ کیونکہ رانا سانگا نے یہ طے کر لیا تھا کہ اگر وہ کامیاب ہو گیا تو شمالی ہند اور بعد میں پورے ہندوستان سے مسلمانوں کو نکال باہر کرے گا۔

غضب کا رن پڑا اور شام ہوتے ہوتے زخمی رانا سانگا نے راہ فرار اختیار کی حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی دعائیں بابر کے حق میں تھیں اور کم نفری کے باوجود بابر نے اپنی بے پناہ شجاعت، عسکری فراست اور حضرت سلیم چشتی کی دعاؤں کے طفیل رانا سانگا کو عبرتناک شکست دی۔

پہلے یہ جگہ سیکری تھی۔ بابر نے فتح مندی کے بعد اس کا نام شگری رکھ دیا۔ اور شگری سے خانواتک شہیدوں کی ایک بستی قائم ہو گئی جو گنج شہیداں کہلاتی ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین، نختیار کاکی کے ہاتھوں تاتاریوں کے ظلم
و استبداد کا خاتمہ

ساتویں صدی ہجری میں تاتاریوں نے عالم اسلامی کو زیر و زبر کیا۔ شہروں کے شہرتباہ و
برباد کر دیئے، قتل و خون سے ندیاں بہادیں، استاذ محترم حضرت مولانا ابوالوفا علیہ
الرحمۃ جو علوم اسلامیہ کے علامہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم تاریخ دان بھی تھے
فرمایا کرتے تھے کہ اس دور کے اولیاء اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ملتان
پہنچائے تو وہاں اس کا خاتمہ ہوگا۔ تاتاریوں کی اس ہزیمت کا ماجرا بھی سن لیں۔

حضرت خواجہ قطب الدین، نختیار کاکی قدس سرہ اپنے پیرو مرشد خواجہ معین الدین
چشتی قدس سرہ سے ملاقات کے لئے لہتمیر شریف کے ارادہ سے نکلے ہیں راستہ میں
ملتان واقع تھا یہاں حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہ سے ملاقات فرمائی،
دونوں مل کر بیحد خوش ہوئے۔

آپ کو ملتان میں قیام فرما ہوئے چند ہی دن گزرے تھے کہ تاتاریوں نے ملتان کا
محاصرہ کر لیا، پورا شہر خوف و ہراس میں مبتلا ہو گیا، حاکم شہر بیحد خوف زدہ تھا، فوج
محدود اور کسی طرف سے کمک ملنے کی امید نہ تھی، مقابلہ کی ہمت نہ پا کر شہر کے حاکم
نے تلوار اپنے گلے میں لٹکائی اور مجرموں کی طرح حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی
خدمت میں حاضر ہو گیا۔ وہیں حضرت، نختیار کاکی بھی تشریف فرما تھے، حاکم شہر کی
آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں حضرت خواجہ بہاؤ الدین سے عرض کیا: حضرت!
وحشی تاتاریوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے، سخت اندیشہ ہے کہ وہ فاتحانہ شہر میں داخل
ہو جائیں گے اور شہریوں کی دولت اور ناموس پر وحشیانہ ہاتھ صاف کرنے لگیں گے
خدا کے لئے کچھ کیجئے! حضرت بہاؤ الدین نے معزز مہمان کو معنی خیز نظروں سے دیکھا،
گویا اس بات کا اشارہ تھا کہ آپ کی موجودگی میں ہم کیا اقدام کریں۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضرت خواجہ قطب الدین نے حاکم شہر سے دریافت کیا: وہ تاتاری کہاں ہیں؟ وہاں ہمیں لے چلو، حاکم شہر نے آپ کو قلعہ کی صدر پھاٹک کی برجی میں لے جا کر کھڑا کر دیا، آپ نے دیکھا۔ حد نظر تک سیاہ، نیلے اور سرخ خمیوں کا ایک جنگل سا پھیلا ہوا تھا۔ اور خمیوں کے سامنے میدان میں بڑے بڑے بالوں اور چوڑے اور ابھرے ہوئے جبروں اور کھلی رنگت کے مسلح اور خون خوار تاتاری دمدموں اور منجھتیوں کے آس پاس چل پھر رہے تھے، حضرت قطب الدین نے برجی میں متعین ایک سپاہی کے ترکش میں سے ایک تیر نکال لیا اور حاکم شہر کے حوالے کرتے ہوئے کہا: ”اسے چلتے میں رکھ کر پوری قوت سے دشمنوں کی طرف چھوڑ دو“ حاکم شہر نے گلے کی تلوار اتار کر ایک طرف رکھ دی اور سپاہی سے کمان لے کر چلتے پر تیر چڑھایا اور پوری قوت سے کھینچ کر چھوڑ دیا، تیر ہوا میں لہراتا ہوا ایک منجھتی پر پہاڑی چٹان کی طرح جاگرا، منجھتی چکنا چور ہو گئی، اس کے آس پاس موجود وحشی خوف زدہ ہو کر ادھر ادھر دبک گئے، یہ بات ان کی سمجھ سے باہر تھی کہ یہ کیا ہوا؟ ابھی یہ معمہ حل نہ ہوا تھا کہ مغرب سے گرد و ہوا کا طوفان اٹھا اس نے تاتاریوں کو محاصرے میں لے لیا، دمدے اڑ گئے، منجھتیاں کہاں سے کہاں پہنچیں، خیمے ہوا میں غباروں کی طرح اڑنے لگے، تاتاری بے قابو ہو کر ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے، یہ طوفان ابھی کم نہ ہوا تھا کہ موسلا دھار بارش نے آ لیا اور تاتاریوں میں یہ فرعونی لشکر ڈوب گیا۔ اس طرح ظلم کی راجدھانی کا خاتمہ ایک اللہ کے ولی کے ہاتھوں ملتان کی سرزمین پر ہوا۔

عنایت را کمن دامن درویش ز بند صد سکندر قوتش بیش
 (اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے لئے اللہ والے کا پرانا دامن یعنی اس کی سرپرستی سکندر
 ذوالقرنین کی سو دیواروں سے بڑھ کر طاقت رکھتی ہے)۔ (ملاحظہ ہو سیر الاولیاء از
 امیر خورد کرمانی قدس سرہ ص ۱۳۵)

امام ناصر الدین شہید اور چتوڑ کے قلعہ کی فتح

اولیاء اللہ بعد وفات بھی تصرف فرماتے ہیں جس طرح نبی کی نبوت بعد وفات ختم نہیں ہوتی اسی طرح ولی کی ولایت بعد وفات بھی باقی رہتی ہے۔ ذیل کا یہ واقعہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف "انفاس العارفین سے ماخوذ ہے:

"یہ فقیر (شاہ ولی اللہ) بیان کرتا ہے کہ شیخ عبدالغنی جلال الدین اکبر مغل شہنشاہ کے دور کے ایک بڑے عالم اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ اکبر بادشاہ بھی آپ کی تعظیم کیا کرتا تھا۔ لیکن جب بادشاہ نے بے دینی اور گمراہی اختیار کر لی تو تعلق ختم ہو گیا ایک مدت کے بعد بادشاہ کو چتوڑ کی مہم پیش آئی۔ لگاتار فوجیں بھیجی جاتی تھیں اور فتح حاصل نہیں ہوتی تھی۔ اسی زمانہ میں ایک رات کو امام ناصر الدین شہید بن محمد باقر کے مزار (درگاہ) میں بعض اعتکاف کرنے والوں نے بیداری کی حالت میں دیکھا کہ ایک سردار اور اس کی جماعت آلات جنگ کے ساتھ آئی ہے اور ان کے پاس ایک مشعل تھی وہ مزار کے قبہ میں داخل ہو گئے۔ کسی (معتکف) نے خیال کیا کہ مسافر ہیں جو زیارت کی غرض سے آئے ہیں۔ وہ آگے بڑھا تو اس نے دیکھا کہ وہ رئیس (جماعت) قبر میں داخل ہو گیا۔

کسی نے اس سے سوال کیا کہ یہ رئیس کون ہے اور یہ جماعت کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت امام ناصر الدین ہیں، شہیدوں کی جماعت کے ساتھ ہیں۔ اس نے پھر سوال کیا کہ کہاں گئے تھے اور کیا کیا؟ اس نے کہا چتوڑ کو فتح کرنے کے لئے گئے تھے اور اس کو اسی وقت اس برج کی طرف سے فتح کر لیا۔ شیخ عبدالغنی کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے فتح کی بشارت اور صورت واقعہ اسی طرح بادشاہ (اکبر) سے عرض کر دی۔ کچھ دنوں بعد چتوڑ کی فتح بے کم و کاست اسی طریقے سے عمل میں آئی۔"

اس موضوع پر ایک اور تاریخی روایت سن کر یہ عاجز حضرت پیر و مرشد قدس سرہ کی سوانح حیات کے سلسلہ کو جاری رکھے گا۔

حضرت یوسفین شریفین رحمۃ اللہ علیہما قلعہ گوکنڈہ کی فتح کا سبب ہیں

حضرت سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ قلعہ گوکنڈہ کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں، فتح کی کوئی صورت نہیں! ایک رات عالمگیری فوج کے کیمپ کو باد و باراں کے طوفان نے آیا۔ خمیے اکھڑ گئے، پورا کیمپ خوف و ہراس کا شکار ہو چکا ہے۔ بادشاہ بنفس نفیس معائنہ کے لئے نکلے، کیا دیکھتے ہیں کہ صرف ایک خیمہ ہے جس میں حضرات یوسفین شریفین تلاوت میں مشغول ہیں، محفوظ ہے، عالمگیر وہیں رک گئے اور اجازت لے کر خیمہ میں داخل ہوئے، عرض کیا آپ جیسے حضرات یہاں موجود ہوں اور فتح کی کوئی صورت نہ لکے! آپ حضرات کچھ کریں۔ حضرت نے فرمایا ایک ٹھیکری لاؤ، حاضر کی گئی، اس پر آپ نے کچھ لکھا اور فرمایا فوراً اس کو اسی وقت لے جاؤ اور قلعہ کے دروازہ کے پاس موچی کے بھیس میں ٹاٹ کے ایک چھوٹے سے خیمہ کے اندر ایک صاحب بیٹھے ہوئے ہیں ان کو پہنچا دو۔ حکم کی تعمیل ہوئی، ان حضرت نے پھر کچھ لکھا اس کو ان حضرت کے پاس لایا گیا اور جواب کو پھر ان حضرت کے پاس پہنچایا گیا۔ انہوں نے اس کو دیکھ کر اپنا خیمہ برخاست کیا اور چلتے بنے اور اسی دن قلعہ گوکنڈہ فتح ہوا۔

اولیاء کرام علیہم الرحمۃ کے تصرفات کے چند واقعات کو بیان کرنے کے بعد یہاں یہ عاجز آصفی دور سے پہلے قطب شاہی دور میں مدارس کی بہتات کی بجائے شیعہ حکومت نے تعلیم کی طرف جو سرور مہری برتی تھی اس کو اپنے بے مثال پیشوا حضرت محدث دکن کے الفاظ میں بیان کرنا مناسب سمجھتا ہے۔ فرمایا کہ قطب شاہی دور نے مسلمانوں کو علم ایستادگی اور خود حضرت قبلہ کے الفاظ میں ”دولہ علی“ میں لگائے رکھا تھا۔

آصفی حکومت کی علمی سرپرستی کا ایک جائزہ

سلطنت آصفیہ جب وجود میں آئی تو حکومت نے مدارس قائم کئے علماء، ادباء، شعراء کی سرپرستی کی، قدیم دارالعلوم جس کی ترقی یافتہ شکل عثمانیہ یونیورسٹی ہوئی، جامعہ نظامیہ اور مدرسہ محبوبیہ واقع شاہ علی بندہ حیدر آباد جیسی عظیم درسگاہیں تھیں جہاں سینکڑوں تشنگان علم اقطاع عالم سے اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے آتے تھے۔ جامعہ نظامیہ جس سے ایک دارالاقامہ بھی ملحق ہے بخارا، سری لنکا، یمن اور ملیشیا کے طلباء بھی یہاں موجود رہے ہیں۔ ۱۹۱۸ء میں جامعہ عثمانیہ کے دوش بدوش دارالترجمہ کا قیام عمل میں آیا تو ہندوستان میں پہلی مرتبہ ہندوستانی زبان اردو کو یونیورسٹی تدریس کا ذریعہ تعلیم قرار دے کر کامیاب تجربہ کیا گیا اور سارے قدیم اور جدید علوم و فنون اردو زبان میں پڑھائے جانے لگے جو درحقیقت دور عثمانی کا ایک مجیر العقول علمی کارنامہ ہے، اور آج ہندوستان کو آزادی حاصل کئے ہوئے اُنچاس سال ہو چکے لیکن کسی ہندوستانی زبان کو ایسی معراج نصیب نہیں ہوئی کہ وہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ تدریس بن سکے۔

آصفی دور کے بادشاہوں، امراء اور وزراء کی علمی سرپرستی کی بدولت ممالک محروسہ، ہر شہر بلکہ اضلاع و تعلقہ جات حتیٰ کہ بعض دیہات بھی علماء اور اہل اللہ کی فرودگاہیں اور مسکن بن چکے تھے۔ مشرقی تہذیب اور تمدن نے آداب اور اخلاق کے سانچوں میں راعی اور رعایا، حاکم اور محکوم، اکابر اور اصاغر سب کو ڈھال لیا تھا اور پوری ریاست امن و امان سکون اور اطمینان کا گہوارہ بن چکی تھی۔

اگر میں تفصیلات میں جاؤں تو مقصود سے بہت دور جا پڑوں گا صرف ایک عالم ربانی کا واقعہ جس کو میں نے اپنے استاذ اور مربی حضرت فقیہ العصر مولانا سید ابو الوفا افغانی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے بیان کر کے حضرت محدث دکن کے مبارک تذکرہ کو جاری رکھوں گا:

بعد از وفات تربت ما برز میں مجھے در سینہ ہائے مردم دانا مزار ما حکومت آصفیہ کے وزیر اعلیٰ مختار الملک سالار جنگ اول نواب تراب علی خان بہادر نے اعلان دیا کہ حکومت کو قاضی القضاة (Chief justice) کی ضرورت ہے علماء جو خود کو اس عہدہ کے اہل سمجھتے ہوں درخواستیں دیں اور انتخاب حاضرین علماء میں باہمی مناظرہ سے ہوگا۔ کئی علماء نے درخواستیں دیں لیکن جب علم ہوا کہ مولانا عبدالصمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ بھی درخواست گزار ہیں تو کسی عالم کی ہمت نہیں ہوئی کہ آپ سے مناظرہ کر سکے۔ پس سالار جنگ اول نے حضرت کو طلب فرمایا اور عرض کیا کہ حضرت آپ اپنا عہدہ سنبھال لیں۔

مولانا عبدالصمد قندھاری کا زہد و قناعت

حضرت نے فرمایا اس جلیل القدر عہدہ پر کام کرنے کے لئے میری چند شرائط ہیں:

۱۔ میں پیدل آیا جایا کروں گا

۲۔ فرش پر بیٹھ کر کام کروں گا

۳۔ میرا کوئی دربان یا حاجب نہیں ہوگا اور بھی کئی شرائط بیان فرمائے۔

سالار جنگ اول نے کہا حضرت قاضی القضاة کو شاہی آداب بجالانا ہوگا اور حکومت جن شرائط کی پابندی لازمی قرار دے ان سب کی انجام دہی لازمی ہوگی یہ سن کر مولانا ممدوح نے فرمایا کہ ایسی صورت میں مجھے اس عہدہ کی ضرورت نہیں! اس پر سالار جنگ بہادر نے عرض کیا حضرت: خیر اس عہدہ پر میں کسی اور کا انتخاب کر لوں گا مگر میری درخواست ہے کہ آپ مدۃ العمر ہماری اس ریاست اور ہمارے اس شہر میں رہ جائیں اور آپ کو ماہانہ چار سو روپیہ بطور منصب ملا کریں گے، حضرت نے جواب دیا چار سو بہت ہیں میرے لئے دو سو کافی ہیں۔ چنانچہ حضرت نے یہیں قیام فرمایا اور انتقال کیا اور حضرت کی جمعرات بازار میں تدفین عمل میں آئی لیکن اب اس جگہ

بازار ہے، آہ و احسرتاہ ایسے اللہ وانوں کو اہل دکن نے ایسا گم کیا کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رکھا "اناللہ وانا الیہ راجعون۔"

مولانا عبدالوہاب کا عشقِ نبوی

مولانا عبدالصمد قندھاری علیہ الرحمہ کی روحانی بلندی کا ایک واقعہ سناتا چلوں آئندہ کے معلوم کہ ایسا سنانے والا کوئی اور ہو کہ نہ ہو! یہ واقعہ بھی حضرت مولانا ابو الوفا علیہ الرحمہ کا بیان کردہ ہے اس سے پہلے، راوی محبر کا بھی تعارف کروادوں۔ حضرت مولانا ابو الوفا کے ایک استاذ حضرت مولانا عبدالوہاب علیہ الرحمہ تھے، شیخ الاسلام بانی جامعہ نظامیہ حضرت مولانا انوار اللہ خان علیہ الرحمہ نے حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب کے لئے کچھ نذرانہ مقرر فرمایا اس پابندی کے ساتھ کہ آپ جامعہ نظامیہ کی مسجد میں صبح کے اوقات میں تشریف رکھا کریں اور جو طالب علم چاہے آپ کو حدیث کی کوئی کتاب سنا دیا کرے۔ مولانا ابو الوفا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میں نے مؤطا امام محمد علیہ الرحمہ سنانا شروع کیا، جب حدیث شریف کی روایت کو شروع کرتا اور سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پر پہنچتا تو حضرت مولانا عبدالوہاب علیہ الرحمہ پر گریہ طاری ہو جاتا اور کئی منٹ یہ حالت رہتی جس کی وجہ سے مجھے اتنی دیر توقف کرنا پڑتا، مجھے ناگوار ہوتا کہ حضرت کی اس حالت سے کتاب کے تکمیل کرنے میں دیر ہو جائے گی، مگر مجبور تھا کہ حضرت سے اس بارے میں کچھ عرض کروں۔ لیکن چند دنوں کے بعد حضور سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کو سن کر اب رونے والے دو ہو گئے یعنی حضرت کی رقت نے مجھے بھی اس کیف و رقت میں اپنا شریک بنالیا اور یہ رقت دونوں پر طاری ہونے لگی سبحان اللہ کیسے اسانڈہ تھے اور کیسا عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھا اللہ تعالیٰ اس دولت سے ہر امتی کو سرفراز فرمائے آمین۔

حضرت مولانا عبدالوہاب علیہ الرحمہ شاگرد اور معتقد تھے حضرت مولانا عبدالصمد

تذکرہ حضرت محدث دکن

قندھاری علیہ الرحمۃ کے، وہ بعد وصال آن ممدوح آپ کی زیارت کو جمعرات بازار تشریف لے جاتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ نماز میں مشغول ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا ہمارے پاس بے وضو آیا کرتے ہو؟ میں بڑا شرمندہ ہوا دوسری مرتبہ با وضو حاضری دی، ارشاد فرمایا ہاں اس طرح آیا کرو۔

خدا نیک توفیق دے موجودہ زمانہ کے بد عقیدہ انسانوں کو وہ ایسی باتوں کا سراسر انکار کر دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو نہ زندگی کی حقیقت کا پتہ ہے اور نہ موت کا اور نہ زندگی بعد الموت کا باع:

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں یہ لوگ توحیدِ ابلہ کی مستی میں وہ ساری قرآنی آیات جو کفار اور مشرکین سے متعلق ہیں ان کو اولیاء سے منسوب کر کے اپنے دل و دماغ کو سیاہ کرتے ہیں۔

مولانا نظر محمد نقشبندی کابلی گلبرگوی

سطور بالا میں اس عاجز نے آصفی بادشاہوں اور امراء کی سرپرستی کا ذکر کیا ہے۔ اس لحاظ سے ضروری ہے کہ اپنے اس دعویٰ پر چند دلیلیں بھی پیش کروں۔

نہ صرف شہر حیدرآباد بلکہ صوبہ جات کے مستقر علماء اور اہل اللہ کے وجود سے بڑی برکتوں سے مالا مال تھے، ان مقامات میں دینی مدارس قائم تھے جہاں قیصر علماء اور اہل اللہ اپنے علم اور دینی تربیت کی مسندیں بچھائے ہوئے تھے۔ گلبرگہ شریف کے مدرسہ روضتین میں مولانا نظر محمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ ایک تاجر عالم جو حضرت قدرت اللہ شاہ نقشبندی کا شغری رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز اور خلیفہ تھے ان کے وجود سے پورا علاقہ ذکر الہی کی برکتوں اور آپ کی توجہات سے مالا مال تھا۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضرت پچھلی والے شاہ صاحب اور مولانا سید برکات احمد ٹونکی

خلد آباد شریف میں حضرت شیخ الاسلام مولانا انوار اللہ خان علیہ الرحمۃ نے حضرت شاہ زین الدین داؤد حسینی معروف بہ بانیس خواجہ کی خانقاہ میں ایک عظیم دینی مدرسہ جس کا الحاق جامعہ نظامیہ سے تھا قائم فرمایا۔ شہر حیدر آباد میں ایسی باکمال ہستیاں تھیں کہ جن کے معارف کی شہرت سنکر اصحاب فضل دور دور سے آکر اپنی روحانی تشنگی بجھاتے تھے، مسجد الہی چمن، چادر گھاٹ میں ایک باکمال صاحب دل چشتی سلسلہ کے بزرگ حضرت کمال اللہ شاہ معروف بہ پچھلی والے شاہ رحمۃ اللہ علیہ رہا کرتے تھے، آپ سے ٹونک کے معروف عالم اور محدث مولانا سید برکات احمد ٹونکی نے حیدر آباد آکر چشتی نسبت حاصل کی تھی۔

حضرت ناظم ونیرتی اور جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ

حضرت پچھلی والے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نامور خلفاء میں حضرت محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ معروف بہ ناظم ونیرتی تھے جن کی خدمت میں عثمانیہ یونیورسٹی کے معروف اساتذہ مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مولانا عبدالباری ندوی، مولانا الیاس برنی، ڈاکٹر میر ولی الدین اور اس عاجز کے استاذ مولانا جمیل الدین احمد نے طریقت میں زانوئے ادب طے کیا۔ پروفیسر مولانا عبدالباری ندوی جو تفسیر میں اس عاجز کے استاذ ہیں فرمایا کرتے کہ حضرت ناظم صاحب ونیرتی کی مجلس میں بیٹھنے اور ان کے ارشادات کو سننے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ پکڑ میں آتے ہیں، علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی زبان میں:

بڑاں بکند آور اے ہمت مردانہ

حضرت سید محمد جیلانی معروف بہ منجھلے بغدادی (قدس سرہ)

بادشاہوں، امراء اور حکام کی سرپرستی کی وجہ سے بڑے بڑے اہل اللہ نے بھی اس ریاست کو اپنی روحانیت کا مرکز بنایا تھا کہ ان کے روحانی دبدبہ سے بادشاہ وقت بھی

تذکرہ حضرت محدث دکن

مرعوب رہتا تھا۔ حضرت الاستاذ مولانا ابوالوفا افغانی علیہ الرحمۃ نے یہ واقعہ سنایا کہ حضرت سید محمد بغدادی مدنی قدس سرہ جو حضرت منجھلے بغدادی صاحب کے لقب سے معروف تھے، حضرت کے زہد کا یہ عالم تھا کہ اپنی جیب میں کسی وقت سکہ یا رقم نہیں رکھتے تھے؛ حضرت کا خرچہ حضرت کے ایک خادم انجام دیا کرتے۔ بطور آزمائش حضرت کے بڑے بھائی حضرت بڑے بغدادی صاحب نے ان کے ایک خاص مرید سے کہا جب یہ سو رہے ہوں خاموشی سے ان کے جیب میں کچھ رقم ڈال دو، یہ کام ہوا، بس کچھ دیر نہیں گزری کہ وہ گھبرائے ہوئے نیند سے چونک پڑے جب چیمبوں کو ٹٹولا تو یہ رقم نکلی اسی وقت خادم کو بلایا اور یہ رقم ان کے حوالہ کر دی۔ پھر یہ واقعہ صبح کو ان کے بڑے بھائی حضرت کو سنایا گیا۔ ایک مرتبہ حضرت بابا شریف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کر کے واپس ہو رہے تھے اور شاہ وقت نواب میر عثمان علی خان بھی ہمراہ تھے کسی بات پر بادشاہ اور حضرت منجھلے بغدادی صاحب قدس سرہ میں کچھ تکرار کی نوبت آگئی تو بادشاہ نے کہا: حضرت آپ ہمیشہ مجھے بعض باتوں میں برا بھلا فرماتے ہیں تو جواب دیا: عثمان علی! بادشاہ لغزش کھاتا ہے تو فقیر ہی اس کو سنبھالا دیتا ہے بادشاہ یہ سن کر دم بخود اور لا جواب ہو گیا۔

حضرت منجھلے بغدادی علیہ الرحمۃ کا ایک اور واقعہ

اظہر جنگ شاہ وقت کی پیشی کا معتمد تھا۔ خطہ صالحین میں جہاں ذی وجاہت اور اصحاب علم و فضل شاہی فرمان سے دفن ہوا کرتے تھے کسی رئیس کی تدفین عمل میں آئی جس میں شاہ وقت بھی موجود تھے اظہر جنگ نے بطور تفریح طبع حضرت منجھلے بغدادی صاحب سے کہا: حضرت آپ جگہ بتادیں تو میں ابھی سے انتظام کر دیتا ہوں؛ فوراً حضرت نے فرمایا میں تو مدینہ منورہ میں مروں گا اور تو یہاں دفن ہوگا اور تیری قبر پر جو تختی ہوگی اس پر کتبہ ہوگا "و کلہم باسط ذراعیہ بالوصید" (سورہ کھف) حضرت کے مقام اور مرتبہ کا اندازہ لگایا جائے کہ مدینہ منورہ ہجرت فرمائی وہیں انتقال ہوا اور

تذکرہ حضرت محدث دکن

اپنے نانا جان کے اہل بیت کے احاطہ میں تدفین عمل میں آئی۔
 حضرت منجھلے بغدادی قدس سرہ شاہ فصیح اللہ حسینی صاحب کے والد بزرگوار استاذ
 مکرم مولانا سید فرید پاشاہ صاحب کے خسر اور عزیز گرامی قدر سید نذیر الدین حسینی
 (ام۔ اے) مقیم ظہران (سعودی عربیہ) کے جد امجد تھے، حضرت مولانا ابو الوفا افغانی
 علیہ الرحمۃ نے حضرت ممدوح سے استفادہ فرمایا ہے۔

ان علماء کے مبارک احوال کو پڑھ کر ایک شاعر ربانی کے اشعار یاد آرہے ہیں:
 خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتے نبوت کے ہی وارث، یہی ہیں ظل رحمانی
 یہی میں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر انھیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
 انہی کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے انہی کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
 رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
 اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزا آئے اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخن دانی
 حیدر آباد کے نامور مدارس اور ادارے

ان نامور علماء اور اہل اللہ کے علاوہ جامعہ نظامیہ، قدیم دارالعلوم، مدرسہ محبوبیہ اور
 علمی تحقیقی اداروں میں دائرۃ المعارف العثمانیہ، مکتبہ آصفیہ، کتب خانہ سعیدیہ، کتب
 خانہ سالار جنگ، کتب خانہ روضۃ الحدیث (رین بازار) نہ صرف مطبوعات بلکہ نادر
 مخطوطات سے بھرپور تھے جس کی وجہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر کے محققین
 اور ریسرچ اسکالران اداروں کے علمی خزانوں سے استفادہ کرنے کے لئے حیدر آباد
 کی آمد کو اپنے پروگراموں میں شامل کرتے تھے اور اس زمانہ میں بھی ان حضرات کی
 آمد جاری ہے، دائرۃ المعارف نے آٹھ سو صدی بھری سے قبل کے جن اہم
 مخطوطات کو اعلیٰ تصحیح کے ساتھ سینکڑوں کی تعداد میں شائع کیا ہے اس سے حیدر آباد
 مشہور بین الاقوامی شہرت کا حامل ہو گیا۔ اس ادارہ میں علماء محققین کی ایک جماعت
 تحقیقی کام کرتی تھی۔ حضرت الاستاذ مولانا ابو الوفا علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ فن حدیث کی

تذکرہ حضرت محدث دکن

معروف کتاب کنز العمال جو سولہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے اس پر علماء دائرۃ المعارف نے پہلی مرتبہ احادیث شریفہ پر نمبر شماری شروع کی پھر اس طریقہ کو مصر نے اپنایا اس طرح اس کا موجد حیدر آباد کا یہ دائرۃ المعارف ہے۔

دارالترجمہ کا قیام

اسی طرح دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں قدیم علوم کے تراجم کا کام محققین علماء کے سپرد تھا جن میں نامور مرزا ہادی رسوا، مولانا عبداللہ عمادی، علی حیدر طباطبائی، مولانا ابوالخیر مودودی وغیرہم تھے۔ ان حضرات نے سارے علوم مشرقیہ کی اہم کتابوں کو اردو زبان میں منتقل کیا۔

اس عاجز راقم کو عربی زبان اور ادب میں تحقیق کا جو تجربہ حاصل ہوا وہ دائرۃ المعارف کے علماء کے ساتھ کام کرنے کا صلہ ہے۔ اس ادارہ کے عرب فاضل مولانا حبیب عبداللہ المدیح علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری دانست میں دائرۃ المعارف نے عربی مخطوطات کو شائع کرنے کا جو اہتمام کیا اور جس کی وجہ سے بیسیوں امہات کتب جو تحقیقاتی کاموں کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہیں اور جن کا نام صرف زبانوں اور کتابوں میں تھا اس ادارہ نے شائع کیں، عرب اور عجم میں کسی ادارہ کو یہ دولت نصیب نہ ہوئی۔

پروفیسر سالم کرنلو کی خدمات

حکومت آصفیہ کی قدر دانی کا ایک اور واقعہ بھی قارئین سن لیں: انگلستان کے ایک معروف نو مسلم محقق استاذ سالم کرنلو کو ماہانہ پانچ سو روپیہ وظیفہ ان کی خدمت میں بھیجا جاتا تھا اور وہ اپنے ہاتھ سے عربی امہات کتب کے ہزاروں صفحات مخطوطات سے نقل کر کے اعلیٰ معیاری تصحیح کے ساتھ دائرۃ المعارف کو روانہ کرتے اور یہاں نظر ثانی کے بعد اس کی طباعت اور اشاعت عمل میں آتی۔ فن رجال کی مشہور کتاب "کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم الرازی" ذیل مرآة الزمان للعلامة الیونینی، ابو ریحان بیرونی کی القانون المسعودی وغیرہم ان ہی کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

مولانا ظفر علی خاں ظفر لاہوری جنہوں نے ایک سال دارالترجمہ میں کام کیا اور انگریزی حکومت کے اشارے سے سبکدوش کر دیئے گئے فرماتے ہیں:

رعایا شاد، ملک آباد اور آزاد ملت ادا حق کر دیا شاہِ دکن نے حکمرانی کا یہ تھا مرحوم حیدر آباد اور اس کی علمی اور دینی سرپرستی کا ایک جائزہ، سکندر علی وجد اورنگ آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

بہت خوش نما شہر دیکھے ہیں میں نے مگر تیرا جادو کہیں بھی نہیں ہے
علامہ اقبال اور حیدر آباد

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ بھی جب حیدر آباد تشریف لائے تو ان کو بھی حیدر آباد کو "بوستانِ غیرت فردوس" کہے بغیر چارہ کار نہ ہوا۔ ان کے چاروں ابیات کو سن لیں، پھر کون آپ کو سنائے:

کیا کہوں اس بوستانِ غیرت فردوس کو جس کے پھولوں میں ہوا، انے ہم نواتیرا گزار
خطہ جنتِ فضا جس کی ہے دامن گیر دل عظمتِ دیرینہ ہندوستان کی یادگار

تذکرہ حضرت محدث دکن

ریاست آصفی دور میں اہل علم اور اہل فضل سے بھرپور تھی

یہ ریاست حیدر آباد کا وہ مبارک دور تھا جس میں حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھیں کھولیں اور تحصیل علم کے لئے کمر ہمت باندھی۔ پورا شہر اہل علم اور اہل فضل سے بھرپور تھا۔ یہاں یہ عاجز اپنے استاذ مولانا سید نبی علیہ الرحمۃ (م ۱۹۷۰) مصنف منہاج العربیہ کا ایک قول سنانا چاہتا ہے۔ فرمایا کہ علماء کی ایک محفل میں حیدر آباد کے ایک بڑے عالم کا ذکر ہوا جو ایک ادارہ کے صدر کی حیثیت سے باحسن الوجہ اپنی مفوضہ خدمات انجام دے کر وظیفہ پر سبکدوش ہوئے تو سامعین نے کہا کہ اس زمانہ میں ان عالم کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ ان کا شمار تو حشرات الارض میں ہوتا تھا۔ اس قول سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اہل علم اور اصحاب فضیلت اس کثیر تعداد میں اس شہر فرخندہ بنیاد میں موجود تھے:

ذرے الماس کے تیرے خس خاشاک میں ہیں ہڈیاں اپنے بزرگوں کی تری خاک میں ہیں
حیدر آباد دکن کے ایک جوان سال شاعر مقیم شکاگو عزیزم احمد عبدالحکیم صاحب
(ام، اس سی، علیگ، ام، اس، یونیورسٹی آف الی نائی، شکاگو، کیمسٹ ایوٹ لیبس،
شکاگو) نے اپنے وطن کو اس طرح یاد کیا ہے:

پھولوں کی طرح تیری ہر اک صبح ہے رنگیں اے ارضِ دکن! شام تری کتنی حسین ہے
دامن ہے ترا اولیاء اللہ کا مسکن تو خلد ہے، فردوس ہے، فردوس بریں ہے
حضرت محدث دکن کے اساتذہ کرام

اس دور میں جب کہ اہل علم اور اصحاب فضیلت کی کثیر تعداد موجود تھی اور علماء اپنی جگہ مسند علم و فن کو بچھائے ہوئے تھے اور خالصتہ لوجہ اللہ علوم کے دریا بہا رہے تھے، ہم نے سنا کہ حضرت محدث دکن علیہ الرحمۃ کے والد بزرگوار حضرت مولانا حافظ سید مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر فن کے کامل ترین استاذ کی خدمت میں اپنے اس نور نظر کو پہنچاتے اور اپنی طرف سے اس عالم کی خدمت میں

تذکرہ حضرت محدث دکن

نذرانہ بھی پیش کرتے حالانکہ اس زمانہ میں ایسے کام لُٹ اور فی اللہ انجام دیئے جاتے تھے۔ حضرت قبلہ قدس سرہ کے معروف اساتذہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا شاہ انوار اللہ خان فاروقی فضیلت جنگ بانی جامعہ نظامیہ، مولانا منصور علی خان والد محترم نواب حکیم مقصود جنگ، مولانا عبدالرحمن سہارنپوری، مولانا حبیب الرحمن سہارنپوری بیدل، حضرت محب اللہ معروف بہ شاہ پیراں (م ۱۹۵۰)، مولانا محمد یسین علیہ الرحمۃ والرضوان جیسے متبہر اساتذہ تھے۔ سہارنپور کے یہ دونوں بھائی مولانا احمد علی سہارنپوری شارح بخاری کے فرزند ہیں اور یہ شاگرد ہیں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی مہاجر کی (م ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۵ء) رحمۃ اللہ علیہ کے جو حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نواسہ ہیں۔

ابوالحسنات سے ابوالحسنات تک

حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الاسلام شاہ انوار اللہ خان علیہ الرحمۃ کا نام نامی ذکر کیا گیا اور حضرت شیخ الاسلام کے اساتذہ میں مولانا ابوالحسنات عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ تھے چنانچہ حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ کے بعد وصال ایک یادگار مکہ مسجد والی مجلس میں حضرة الاستاذ مولانا ابوالوفا علیہ الرحمہ کی تقریر کا عنوان تھا "ابوالحسنات سے ابوالحسنات تک" یعنی فرنگی محلی (لکھنؤ) کے علمی گھرانے کا علم و فضل جو ابوالحسنات فرنگی محلی کو ملا تھا وہ شیخ الاسلام حضرت شاہ انوار اللہ خان علیہ الرحمہ کے واسطے سے دکن کے ابوالحسنات محدث دکن حضرت عبداللہ شاہ صاحب تک پہنچا ہے جو عربی زبان میں زجاجة المصابیح کی پانچ جلدوں کی صورت میں عالم اسلامی کو اور اردو زبان کی دس کتابوں کی صورت میں ہندو پاک اور اردو بولنے والوں کو فیض یاب کر رہا ہے اور انشاء اللہ قیامت تک فیضیاب کرتا رہے گا۔

شہر حیدرآباد کے نبی خانے

اہل طلب جن کو علم دین کی پیاس بکھانی مقصود تھی ان کے لئے تو مدارس اور علماء تھے اور ایسے حضرات جن کو اپنے کاروباری اور معاشی حالات نے باقاعدہ طلب علم کے مواقع بہم نہ پہنچائے ہوں ان کے لئے ہفتہ میں کم از کم ایک بار وعظ اور پسند و نصیحت کی مجلسیں تھیں، اس کے لئے حکومت آصفیہ نے قدیم شہر کے بڑے بازار میں دو نبی خانے تعمیر کروائے تھے ایک نبی خانہ مولوی احمد خیر الدین صاحب علیہ الرحمۃ اور دوسرے نبی خانہ مولوی محمد اکبر علیہ الرحمۃ، ان دونوں نبی خانوں میں باقاعدہ ہفتہ واری مجلس وعظ مقرر ہوتی اور بعض اوقات شاہ وقت خود محفل وعظ میں حاضر ہوتا۔ یہ دونوں نبی خانے پتھر گٹھی پر ایک جانب مغرب پٹیل مارکٹ میں اور دوسرا بجانب مشرق کمان منڈی میر عالم کے پاس موجود ہیں۔ ان میں بعض مرتبہ باہر کے علماء بھی جب وہ تشریف لاتے تو وعظ اور تذکیر سے عوام اور حاضرین کو بہرہ ور فرماتے۔ چنانچہ حضرت پیر جماعت علی شاہ علیہ الرحمۃ محدث علی پوری جب حیدرآباد تشریف لاتے تو نبی خانہ مولوی احمد خیر الدین صاحب میں وعظ فرماتے۔

حضرت پیر و مرشد قدس سرہ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ مولوی محمد اکبر رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم تھے کہ ان کے وعظ میں اکثر علماء شریک ہوا کرتے، اور حضرت علیہ الرحمۃ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا سید حافظ مظفر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مولوی محمد اکبر علیہ الرحمۃ کی محفل وعظ میں شریک ہوئے ہیں اور حضرت نے موصوف کے وعظ کا طریقہ بھی بتایا۔ ایک مرتبہ مولوی صاحب موصوف نے شادی نہ کرنے اور تنہا رہنے کی خوبیاں بتائیں، بڑی تفصیل کے بعد حاضرین سے کہا بھائی کیا کوئی ایسا شخص اس مجلس میں موجود ہے تو ایک صاحب خوش خوش کھڑے ہوئے تو مولوی صاحب نے فرمایا۔ بھائیو اگر کسی نے شیطان کو نہ دیکھا ہو تو اس شخص کو دیکھ لے۔ یہ تھا انداز برائیوں کو سمجھانے کا کہ ان پڑھ آدمی

تذکرہ حضرت محدث دکن

بھی بات کو اچھی طرح سمجھ لے۔

حیدر آباد کی فضاء میں خوش عقیدگی، سادگی اور اپنائیت کی جو اعلیٰ اقدار پنہاں ہیں وہ اس عظیم شہر کا عظیم ورثہ ہیں۔

میلاد مبارک، گیارہویں شریف اور شہادتِ امام کی محفلیں

ماہ مبارک ربیع الاول، ربیع الثانی اور محرم میں۔ میلاد النبی، گیارہویں شریف اور ذکر شہادتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کی محفلیں گھر گھر ہوتیں، بیرون ریاست سے علماء بھی تشریف لاتے اور ایک رونق ان مہینوں میں پورے شہر پر چھا جاتی۔ بعض حضرات ایسا اہتمام فرماتے کہ میلاد النبی کی محفل صبح صادق سے پہلے یعنی تہجد کے وقت منعقد فرماتے اس لئے کہ سردارِ دہلی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا وقت وہی ہے اور اس وقت میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ حضرت پیر و مرشد قدس سرہ نے ایک مرتبہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ایک مفسر صاحب کی تفسیر کا درس بھی تہجد کے وقت ہوتا اور صبح صادق کے وقت ختم ہو جاتا تھا۔ افضل الدولہ آصف جاہ پنجم کا واقعہ ہے کہ ایک بار ان کے پڑوس میں میلاد کی محفل سبھی تھی دیوڑھی میں آواز آنے لگی تو وہ رات بھر بیٹھے ہوئے اس محفل کو سنتے رہے اور رات بھر جاگ کر اس محفل میں گویا غائبانہ شریک رہے۔ یہ تھیں برکتیں اور روحانیتیں اور نورانیتیں جو حیدر آباد کو نصیب ہوئی تھیں اب کہاں ہیں ایسی باتیں؟ ایک نام نہاد فرقے کے ہاں تو یہ شرک اور بدعت کی باتیں ہیں! اللہ تعالیٰ ان کی ایسی بد عقیدگی کی نحوست سے امت مرحومہ کی حفاظت فرمائے آمین۔ بحرمة سید المرسلین۔

علماء امت انبیاء کرام کے وارث ہیں

سالارِ انبیاء، منبعِ علم و حکمت، حاملِ علوم الاولین والآخرین کا ارشاد گرامی ہے العلماء ورثة الانبیاء (علماء انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں) اور یہ بھی ارشاد مبارک ہے کہ علماء ہذہ الامۃ کا نبیاء بنی اسرائیل (اس امت کے علماء بنی اسرائیل کے

تذکرہ حضرت محدث دکن

نبیوں کے مانند ہیں) اور یہ بھی ارشاد ہے الشیخ فی قومہ کالتبى فی امتہ (شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے، جیسے نبی اپنی امت میں)

ان ارشادات کی روشنی میں اگر ہم اپنی تاریخ کے اوراق اٹھیں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قرن اول سے لے کر آج تک علماء امت نے ہر زمانے میں امت کی رہنمائی فرمائی ہے۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ چنانچہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے لا تزال طائفۃ من امتی علی الحق (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ تاریخ کے ہر دور میں اسلامی سیرت اور کردار کے سانچے میں ڈھلی ہوئی بے شمار شخصیتیں ایک سے ایک عظیم تر دکھائی دیتی ہیں۔ ان شخصیتوں نے اپنے کردار کے چراغ جلائے ہیں۔ یہ حضرات بلاشبہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ دُرُفشان میں زمین کا نمک اور پہاڑی کا چراغ ہیں جن سے نہ صرف ان کی ہم عصر دنیا رشد و ہدایت کا نور حاصل کرتی رہی بلکہ آج کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں بھی ان کے مثالی کردار کی شعاعوں سے ہم اپنی زندگیاں منور کر سکتے ہیں۔

تحصیلِ طریقت

پیر و مرشد حضرت محدث دکن قدس سرہ کے تحصیلِ طریقت کے بیان سے پہلے یہ عاجز شاعر اسلام، شاعر قرآن، شاعر مشرق علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے چند ابیات کو اس موضوع کے سرنامے کے طور پر سنانے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ پڑھنے والے کو اندازہ ہو جائے گا علم اور فقر یعنی شریعت اور طریقت مردِ مسلم یعنی طائرِ لاہوتی کے دو پر ہیں جن کے بغیر سالک اور طالب کی پرواز ناممکن ہے ملاحظہ فرمائیے:

تذکرہ حضرت محدث دکن

علم کا مقصود ہے پاکی ، عقل و خرد فقر کا مقصود ہے ، عفتِ قلب و نگاہ
 علم فقہی و حکیم ، فقر مسیح و کلیم علم ہے جو یائے راہ ، فقر ہے دانائے راہ
 فقر مقامِ نظر ، علم مقامِ خبر فقر میں مستی ثواب ، علم میں مستی گناہ
 علم کا موجود اور ، فقر کا موجود اور اشمہ ان لا الہ ، اشمہ ان لا الہ

طریقت اور اسلام

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے اس الہامی قطعہ کو بیان کرنے کے بعد یہ عاجز ضروری سمجھتا ہے کہ ذیل میں تصوف یا طریقت کا ایک تاریخی جائزہ بھی لے لیا جائے اس لئے کہ دورِ حاضر کی مادیت نے حقیقتوں کو چھپا دیا ہے ، اور مذہبی اقدار کو ایسا بدل دیا ہے کہ بڑے بڑے ہمز ظاہر بینوں کی نگاہ میں بڑے بڑے عیوب بن گئے ہیں۔ کسی شاعر حقیقت آگاہ نے کیا خوب کہا ہے۔

بے خردے چند ، زخود بے خبر عیب پسندند ، بزعم ہمز
 (ترجمہ۔ چند بے عقل ، اپنے آپ سے بے خبر ، عیب کو ہمز سمجھ کر اس کو اچھی نگاہ سے دیکھتے ہیں)

ان سے تو یورپ کے بعض مستشرقین غنیمت ہیں کہ وہ حقائق کی ترجمانی میں راہِ راست پر ہیں۔ پروفیسر ایچ اے آر گب نے کتنا صحیح لکھا ہے:

”تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا، لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ صوفیہ کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخشش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی (اسلامک کلچر مطبوعہ لندن)

واضح ہو کہ تصوف کی بنیاد اسلام ہے۔ تصوف اسلامی اخلاق اور کردار پر زور دیتا ہے اور اسلام کے اصولوں کو عملی صورت میں پیش کرتا ہے۔ صوفیاء کرام نے اپنے ممتاز کردار کے ذریعہ اسلام کی جو تبلیغ کی ہے اور عوام کے کردار کو جو سنوارا ہے

تذکرہ حضرت محدث دکن

وہ اسلامی تمدن اور تہذیب کا ایک تابناک باب ہے۔ صوفیہ کرام کے افکار کی بنیاد قرآن پاک اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار اور گفتار ہے۔ سید الطائفۃ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ (م ۲۵۳ھ) قرآن کریم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ”دو چراغ“ قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ”انھیں کی روشنی میں راستہ طے کرنا چاہئے تاکہ نہ تو شبہات کے گڑھوں میں گرے اور نہ بدعت کے اندھیرے میں پھنسے۔“ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کا ارشاد ہے ”اگر تم اہل اللہ کے مراتب کا پتہ لگانا چاہتے ہو تو ان کی اتباع سنت اور شریعت پر نظر کرو کہ شریعت معیار ہے۔ اس کسوٹی پر فقیر کی حقیقت روشن ہو جاتی ہے۔“

صوفیہ کرام علیہم الرحمۃ گفتار اور کردار کے غازی ہیں

صوفیہ کرام علیہم الرحمۃ ہر عہد میں نہ صرف اعلیٰ اخلاق و کردار کے حامل رہے ہیں بلکہ وہ ارباب علم و فضل بھی تھے۔ شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۷۰ھ) کا قول ہے کہ جاہل پیر مسخر شیطان ہو جاتا ہے آپ کے خلیفہ اجل حضرت نظام الدین محبوب الہی (م ۷۲۵ھ) بے علم لوگوں کو اپنا خلیفہ بنانے سے گریز فرماتے تھے، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ علم کو پیر کے لئے لازمی قرار دیتے تھے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عین قسم کے آدمیوں کی صحبت سے بچنا چاہئے۔

ایک غافل عالم

دوسرے مکار فقیر

تیسرے جاہل صوفی

کاملین کی صحبت میں راز کیا ہے؟

حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اسلام کے عین اجزاء ہیں (۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص، اس تیسرے جزء کے لئے اولیاء

تذکرہ حضرت محدث دکن

طریقت کی ضرورت ہے جس کے بغیر یہ جوہر حاصل نہیں ہو سکتا اور اس تیسرے جزء اخلاص کے لئے صحبت پیر کی ضرورت ہے :

پیر بن مدعا نہیں طلبہ خضر بن راستہ نہیں ملتا اور یہی وہ صحبت ہے کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نگاہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ساری قلبی کدوریں کافور ہو جاتی تھیں اور بڑے سے بڑا ولی کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ علامہ اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے :

جو نہ تجھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا اسی موضوع کو عارف شیرازی حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے کس خوبی سے بیان فرمایا ہے :

سگ اصحاب کھف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد
(ترجمہ۔ اصحاب کھف کا کتنا چند روز نیک لوگوں کی صحبت میں رہا آدمی بن گیا)
حضرت مولانا روم نے اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں :

ہم نشینی مقبلاں چوں کیمیاست چوں نظر شاں کیمیائے خود کجاست
(اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی مصاحبت کیمیا ہے کیمیا بھی ان کی نظر کا مقابلہ نہیں کر سکتی)

چشم احمد بر ابو بکرے زوہ او ز یک تصدیق صدیقیہ شدہ
(حضور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک حضرت ابو بکرؓ پر پڑی اور وہ ایک تصدیق سے تصدیق ہو گئے)

ایک اور جگہ حضرت مولانا نے روم نے یوں فرمایا :
از حدیث اولیاء نزم و درشت تن مپوش زانکہ دغیت را راست پشت
(اولیاء کرام کی نزم اور سخت بات سے پہلو تھی نہ کر کیونکہ وہ تیرے دین کی پشت و پناہ ہیں)

تذکرہ حضرت محدث دکن

آنانکہ بجان و دل او را یاد کنند جان و دل خود بیاد وے شاد کنند
(ترجمہ۔ وہ لوگ جو جان و دل سے اس کو یاد کرتے ہیں، حقیقت میں وہ اپنی جان
اور اپنے دل کو اس کی یاد سے خوش کرتے ہیں)۔
ذکر الہی میں کیا راز پوشیدہ ہے

اسلام اور اسلامی تصوف کا سبب سے اہم اور ضروری رکن کلمہ طیب ہے جس کے
پڑھے بغیر نہ انسان مسلمان ہو سکتا ہے اور نہ اس کے ذکر کی کثرت کے بغیر راہ
سلوک طے ہو سکتی ہے اس کلمہ طیب کے ذکر، نفی اثبات لا الہ الا اللہ یا اللہ هو اللہ
کے ذکر میں یہی راز پوشیدہ ہے کہ اس عالم کے سب باطل معبودوں اور تمام عارضی
مقصودوں اور جملہ فانی موجودوں کو دل سے نکال کر ان سب کی نفی کر دی جائے اور
ایک اور صرف ایک اصلی حقیقی حی قیوم، معبود برحق کے ذکر اور خیال کو دل میں
ثابت اور قائم رکھا جائے۔ یہی اصل کار ہے اور اسی پر ساری مذہبیت اور روحانیت کا
دارومدار ہے:

سیاحی دل کن کہ دیارے بہ ازیں نیست در یاد خدا باش کارے بہ ازیں نیست
(دل کی سیاحت کر کہ اس سے بہتر کوئی مقام نہیں ہے، خدا کی یاد میں رہو اس سے
بہتر کوئی کام نہیں)

ایک اور رباعی بھی سن لیں:

یاد تو روح پرور وصف تو دل فریب نام تو غم زوا، و کلام تو دل ربا
فرخندہ طالعے کہ کند یاد تو بخیر برگشتہ دولتے کہ فرامش کند تیرا

شہنوی مولانا نے روم دفتر اول ص ۲۸۵، ایضاً ص ۲۲۵

(تیری یاد روح پرور ہے اور تیرا وصف دل فریب ہے، تیرا نام غم کو دور کرنے والا
اور تیرا کلام دل ربا ہے)۔

(وہ شخص کسی قدر خوش قسمت ہے جو تجھے صدق دل کے ساتھ یاد کرتا ہے، اور وہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

انسان لقمہ بد قسمت ہے جو تجھے بھلا دیتا ہے۔

واضح ہو کہ یادِ الہی کو دل میں بسانے سے بندہ مؤمن کا دل جو بدن کا بادشاہ ہے قابو میں آجاتا ہے۔ اور جب یہ قابو میں آگیا تو پورا جسم قابو میں آگیا۔ بخاری شریف کی حدیث ہے:

ان فی جسد ابن آدم لمضغۃ. اذا صلحت صلح الجسد کلہ. و اذا فسدت فسد الجسد کلہ
الا ربی القلب!

(ترجمہ) بے شک انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہو جاتا ہے تو سارا بدن درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ سن لو: کہ وہ قلب ہے!

حضرت مولانا رومی نے اس بات کو اپنے انداز میں کیا خوب فرمایا ہے:

دل بدست آور کہ حج اکبر است از ہزاراں کعبہ . یک دل بہتر است
کعبہ بنگاہ خلیل آذر است دل گذرگاہ جلیل اکبر است
ترجمہ (دل پر قابو حاصل کرو، یہی حج اکبر ہے، ہزار کعبہ سے ایک دل بہتر ہے، کعبہ تو حضرت خلیل علیہ السلام کی تعمیر ہے، اور دل ذوالجلال والاکرام کی گذرگاہ ہے۔)

اسی دل اور حال دل کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے امت کے اس عظیم طبقہ صوفیاء کرام کے سپرد فرمائی ہے، جس طرح شریعت کے ظاہر کی خدمت اور حفاظت علماء اور فقہاء کے سپرد فرمائی، شریعت دین کا ظاہر ہے تو طریقت دین کا باطن ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں اسی حقیقت کو صوفی اور ننگ آبادی دکنی حیدر آبادی نے کس واضح انداز سے اپنے شعر میں بیان فرمایا ہے

انہی الفاظ سے پھر ذہن خفہ کو جگانا ہے شریعت نہر تھکانا ہے طریقت دل لگانا ہے

تذکرہ حضرت محدث دکن

امام غزالی کا عظیم کارنامہ

اسی موضوع کو مولانا محمد حنیف ندوی نے اپنی کتاب ”تعلیمات غزالی“ کے تعارف میں بڑے اچھے انداز سے اس عاجز کے الفاظ میں ”سمندر کو کوزہ“ میں سمویا ہے:

”فقہ سے اگر تصوف کے لطائف اور حکم و اسرار کو الگ کر لیا جائے تو یہ ایک بے جان اور بے کیف قوانین کا مجموعہ بن جاتی ہے اسی طرح اگر تصوف فقہ اور تشریح کی پابندیوں سے آزادی حاصل کر لے تو اس کا رخ الحاد اور زندقہ کی طرف ہو جاتا ہے، امام غزالی کی دور رس نگاہ نے اس اشکال کو محسوس کیا اور اپنی بے نظیر تصنیف ”احیاء العلوم“ کے متعدد ابواب اس کے حل کے لئے وقف کر دیئے جس میں انہوں نے وضاحت کی کہ اسلام اور شریعت نے انسانی زندگی کے لئے جو ایک مربوط لائحہ عمل پیش کیا تھا اس کی تہ میں کیا فلسفہ اور حکمت کارفرما ہے۔“

”تعلیمات غزالی“ انہی مطالب کی آزاد اور توضیحی تلخیص ہے، شروع میں ایک مبسوط مقدمہ ہے جس میں فاضل مرتب نے تصوف کے نکات اور رموز پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ ذوق اور وجدان کا یہ لطیفہ تزکیہ باطن اور تعمیر سیرت کے لحاظ سے کن اہمیتوں کا حامل ہے۔ ارتقاء کے کن کن مراحل سے دو چار ہوا ہے۔ اس کے مشائخ کون ہیں؟ مصطلحات کیا ہیں اور ان سے واردات قلب کی کن کن کیفیتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

آخر میں اسلام کی رو سے اس کے مقام اور موقف کو متعین کرنے کے سلسلہ میں فلسفہ دین کی اہم اور نازک گتھیوں کو کامیابی اور توازن کے ساتھ سلجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ نیز اس کا بھی تشفی بخش جواب دیا گیا ہے کہ موجودہ زمانہ میں تصوف کو کن صحت مند سانچوں میں ڈھلنا چاہیے؟ (اقتباس ختم ہوا)۔

اب یہاں صرف اختصار کے طور پر چند تاریخی عوامل کو بیان کرنا مقصود ہے جن کی بناء پر یہ مبارک طبقہ صوفیہ کرام وجود میں آیا:

تذکرہ حضرت محدث دکن

صوفیاء کرام کے ظہور کا تاریخی پس منظر

تاریخ شاہد ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد جب ملوکیت کا دور آگیا، فتوحات تو بہت ہوئیں، اسلام کا پرچم مشرق و مغرب میں لہرانے لگا لیکن رفتہ رفتہ روح جہاد ختم ہونے لگی اور اقتدار کی ہوس بڑھ گئی۔ خدا کے بعض نیک بندوں سے یہ صورت نہ دیکھی گئی۔ ان حضرات نے ملوکیت سے قطع تعلق کر لیا۔ مبصرین کہتے ہیں کہ ان صلح جو صالح طبیعت بزرگوں کے سامنے تین راستے تھے:

۱۔ بادشاہوں اور حکام کی کھلم کھلا مخالفت کریں۔ یا

۲۔ ان کی ہاں میں ہاں ملائیں۔ یا

۳۔ ترک تعلق کر کے خود اپنا نمونہ عوام کے سامنے پیش کریں

اور اس طرح احکام خداوندی اور ارشادات نبوی پر عمل کر کے دوسروں کو عمل کی ترغیب دیں:

آدی نہیں سنتا آدی کی باتوں کو پیکرِ عمل بن کر مظہرِ خدا بن جا
صوفیہ کرام کا پہلا طبقہ

صوفیہ کرام کے اولین طبقہ نے تیسرا طریقہ اختیار فرمایا۔ یہ اسلام کی پہلی صدی تھی اگر یہ حضرات مخالفت فرماتے تو اندیشہ تھا کہ ملت پارہ پارہ ہو جائے، مخالف طاقتیں تو عرصہ سے تاک میں تھیں کہ جہاں کمزوری دیکھیں ضرب کاری لگائیں اور دین محمدی کا۔ نعوذ باللہ۔ خاتمہ کر دیں، اگر موافقت کرتے تو گویا بادشاہوں اور حاکموں کی تمام پالیسیوں پر صاد کرتے اور ان کے ظلم کے شریک کار ہو جاتے جس کی نہ تو شریعت اجازت دیتی ہے اور نہ انکی طبیعت! لہذا آج کل کی زبان میں انہوں نے ترک موالات اور غیر متابعت کی پالیسی کو اپنایا۔ دیوڑھیوں اور درباروں سے منہ موڑا، عبادت، توبہ استغفار اور ذکر الہی میں مشغول ہو کر عوام کے لئے نمونہ بن گئے۔ اس مبارک طبقہ کے دور اول کی کھکشاں کے درخشنده ستارے اہل بیت اطہار

تذکرہ حضرت محدث دکن

میں امام زین العابدین (م ۹۴ھ) امام محمد باقر (۱۱۷ھ) امام جعفر صادق (م ۱۴۸ھ) ہیں پھر حضرت خواجہ حسن بصری (م ۱۱۰ھ) حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق (م ۱۱۳ھ) پھر حضرت مالک بن دینار (م ۱۳۱ھ) حضرت ابراہیم بن ادھم بلخی (م ۱۶۲ھ) حضرت داؤد طائی (م ۱۶۵ھ) حضرت فضیل بن عیاض (م ۱۸۷ھ) رحمۃ اللہ علیہم اور ان حضرات کے دوسرے ہم عصر تھے۔

حضرت سفیان ثوری کا خلیفہ منصور کو ڈانڈنا

یہ حضرات جاہ و حشم کے خلاف تھے، بادشاہوں سے ملتے جلتے نہ تھے اور اگر کبھی سامنا ہو جاتا تو انھیں سختی سے تنبیہ کرتے تھے۔ روایت ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۶۱ھ) نے خلیفہ منصور کو مٹی میں پکڑا اور کہا تو بے شمار مال خرچ کرنا ہے جب کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ سے ایک حج میں ۶۱ دینار خرچ ہو گئے تو وہ افسوس کے ساتھ فرماتے تھے کہ گویا سارا بیت المال خرچ ہو گیا۔ یہ طریقہ مردانِ حق کا ہمیشہ طرہ امتیاز رہا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ (م ۱۵۰ھ) نے خلیفہ منصور کی دین کے معاملہ میں بات نہ مانی تو آپ کے کوڑے لگائے گئے پھر قید کئے گئے۔ ان حضرات نے اپنے کردار کے چراغ جلائے ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات ان میں ان کے رگ گلو کا خون بھی شامل ہو گیا۔ اور اس طرح ان کو قید حیات اور بند غم دونوں سے نجات مل گئی۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

عباسی دور میں صوفیہ نے یونانی فلسفہ کے زور کو توڑا

خلافت عباسی میں یونانی فلسفہ کا دور شروع ہوا۔ فلسفہ یونان کی کتابیں اونٹوں پر لاد کر دار الخلافہ میں لائی گئیں۔ اس کے اثر سے ”عقلیت“ (Rationalism) کی کھنگھور گھٹا اس زور و شور سے اٹھی کہ عقائد کی روشنی پر اس کی دھند چھانے لگی، اس دور کا مبارک طبقہ صوفیہ پھر سامنے آیا۔ حضرت معروف کرخی (م ۲۰۰ھ) حضرت بشر حافی (م ۲۲۷ھ) حضرت ذوالنون مصری (۲۳۵ھ) حضرت سری سقطی (م ۲۵۲ھ) حضرت جنید بغدادی (م ۲۹۳ھ) رحمۃ اللہ علیہم اور آپ کے امثال نے اس آڑے وقت میں کتاب اللہ کی اور سنت رسول اللہ کی حفاظت فرمائی۔ ان بزرگان ملت نے عشق الہی پر زور دے کر یقین اور ایمان کی آبیاری کی اور تشکیک پر ضرب کاری لگائی، حضرت معروف کرخی نے استغراق پر زور دیا، حضرت سری سقطی نے توحید خالص کا قرآنی نظریہ پیش کیا۔

برصغیر میں صوفیہ کرام کا ورود مسعود

جب فقہ کی تدوین کا دور آیا تو فکر و عمل کو آہنگ کیا گیا۔ چوتھی صدی ہجری میں تصوف کی تحریک بہت آگے بڑھی۔ پانچویں صدی میں حضرت داتا گنج بخش جویری لاہوری (م ۴۷۰ھ) مصنف ”کشف المحجوب“ اور سلطان ابو سعید ابوالخیر رونق بخش عالم ہوئے۔ اگلے سو سال کے اندر حضور غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) اور حضرت شیخ شہاب الدین سروروی (م ۶۳۲ھ) نے شجر اسلام کی آبیاری کی، پانچویں صدی ہجری میں امام غزالی (م ۵۰۵ھ) نے احیاء العلوم لکھی۔ علامہ شبلی کی رائے میں اس کی گونج حضرت جلال الدین رومی (م ۶۷۲ھ) ابن رشد اور شاہ ولی اللہ کے ہاں سنائی دیتی ہے۔ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے علمی اعتبار سے ارشاد اور تلقین کا جو کام شروع کیا اس کے باعث ہزاروں غیر مسلم اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ لحمیر میں پر تھوی راج کے عہد میں خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

(م ۶۳۲ھ) نے اپنی خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔ کفرستان ہند میں جہاں چھوت چھات اور برہمنی استحصال کا دور دورہ تھا ایک زبردست سماجی انقلاب رونما ہوا۔ آپ کے خلفاء میں شیخ خواجہ قطب الدین، نختیار کاکی (م ۶۳۳ھ) رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ ہوئے۔ حضرت نظام الاولیاء خواجہ نظام الدین محبوب الہی (م ۶۲۵ھ) (جن کا ولی میں لقب "حضرت سلطان جی" ہے) کا سلسلہ طریقت حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر (م ۶۴۰ھ) کے واسطے سے حضرت خواجہ قطب الدین، نختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۳ھ) تک پہنچتا ہے۔

حضرت خواجہ بندہ نواز کا دکن میں فیضان

اس طرح اس برصغیر میں صوفیہ کرام نور اللہ مراقد ہم کے تمام سلاسل خوب ہی پھلے پھولے۔ ان سلسلوں میں چشتیہ، سرورویہ، قادریہ اور نقشبندیہ نے جو مقبولیت حاصل کی وہ محتاج بیان نہیں۔ ان حلقوں کے بزرگوں اور خلفائے عظام نے اپنے سلاسل کی ترویج میں مادی ذریعوں سے نہیں بلکہ روحانی وسائل سے کام لیا۔ حیدرآباد فرخندہ بنیاد کے قدیم علاقے میں حضرت خواجہ شاہ راجو قتال حسینی رحمۃ اللہ علیہ جو آٹھویں پشت میں حضرت خواجہ بندہ نواز قدس سرہ کے پوتے ہیں کا شاندار تاریخی گنبد اور روضہ ہے۔ یہ گولکنڈہ کے آخری تاجدار سلطان ابوالحسن تانا شاہ کے پیر عالی قدر تھے۔ حضرت کے پائین میں اس عاجز کے پیر و مرشد حضرت محدث دکن علیہ الرحمۃ کے والدین ماجدین اور دیگر اعضاء آرام فرما ہیں۔ ہر سال حضرت علیہ الرحمۃ اپنے والد بزرگوار کی فاتحہ سالانہ کی تقریب منعقد فرماتے۔ قرآن خوانی ہوتی اور قصیدہ بردہ بھی پڑھا جاتا۔ ایک مرتبہ اس موقع پر حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ان حضرات نے "سوکھے ٹکڑے کھا کر، اس کفرستان میں دین کی شمع روشن کی ہے۔"

دکن میں حضرت چراغ دہلوی قدس سرہ (م ۶۵۷ھ) کے خلیفہ نامور حضرت سید محمد

تذکرہ حضرت محدث دکن

گیسورد از بندہ نواز قدس سرہ (م ۸۲۵ھ) نے سارے جنوبی ہند سے اپنی عظمتوں کا لوہا منوالیا اور آپ کے انفاس قدسیہ سے چشتی سلسلہ کو دکن میں بڑا فروغ حاصل ہوا اور آج تک اس سلسلہ کے برکتیں جاری و ساری ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہیں گی۔ آپ کی عظمت اور مقبولیت کا اس بات سے اندازہ لگایا جائے کہ جس مہینہ یعنی ذوالقعدہ میں آپ نے انتقال فرمایا ہے اس مہینہ کو سارے دکن میں ”بندہ نواز“ کہا جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی عظیم دینی خدمات

بزرگان نقشبند میں سے ایک بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ (م ۱۰۲۲ھ) نے دلی کو اپنے قدم پاک سے نوازا، مغلیہ دور کی گمراہیوں کے اندھیرے میں چراغ معرفت روشن کیا اور اپنی نگاہ حقیقت میں سے آسمان سرہند کے ایک ستارے کو ایسے چمکایا کہ یہ روشن ستارہ فلک معرفت کا خورشید تاباں بن گیا۔ اور پورے عالم اسلامی میں مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۳ھ) کے لقب سے پہچانا گیا۔ آپ کے انفاس قدسیہ نے ایسا اصلاحی کام کیا کہ اکبری دور کے الحاد اور بے دینی کی تیز و تند آندھی سست رفتار پڑ گئی اور شاہجہاں کے دورِ معدلت پرور میں اس شہنشاہ کے پاکیزہ دینی خیالات اور تقویٰ شعار مزاج نے بے دینی کا قلع قمع کر دیا۔ اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے مرید خاص حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی بلند پایہ اور گراں مایہ دینی تصانیف اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے انفاس قدسیہ کی بدولت شریعت اور طریقت کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔

حضرت مجدد کے روضہ پر علامہ اقبال کی حاضری اور اظہارِ نیاز مندی اس موقع پر علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے حضرت مجدد الف ثانی کو جو خراج عقیدت پیش فرمائی ہے اس کو یہاں بیان کرنا بے محل نہ ہوگا:

تذکرہ حضرت مجدد دکن

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلع انوار
 اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے اس خاک میں پوشیدہ ہے ایک صاحب اسرار
 گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار
 وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان اللہ نے بروقت کیا اس کو خبردار
 ہندوستان کی مسلم ریاستوں میں علماء اور مشائخ کا مدار اس اور خانقاہوں کو قائم کرنا
 جب تقدیر الہی نے ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت کے لئے زوال اور اختتام کا
 فیصلہ فرمایا اور مسلمانوں کی شامت اعمال سے انگریز اس ملک کے فرما زوا بن گئے اور
 دلی کی مرکزی سلطنت کی بجائے ہندوستان کے طول و عرض میں انگریزوں کے زیر
 اقتدار چند مسلمان ریاستیں قائم ہو گئیں تو حکمرانوں نے اپنے مقدر بھر گزری ہوئی
 سلطنتوں کی آن بان قائم رکھنے اہل علم اور اہل دین کی قدر دانی اور سرپرستی کرنے
 کی کوششیں کیں۔ ایسے وقت میں مجددی خاندان نے اور دیگر سلسلوں کے مشائخ
 کرام نے ان ریاستوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا، یہاں خانقاہیں تعمیر کیں اور علماء نے
 مدرسے قائم کئے۔ اس طرح تعلیم، تربیت اور اصلاح کا کام شروع کیا۔ چنانچہ ہم کو
 اس زمانہ کی تقریباً ہر مسلمان ریاست میں ان عالی خانوادوں کا کوئی نہ کوئی فرد اور ان
 گرامی سلسلوں کا کوئی نہ کوئی صاحب ارشاد شیخ نظر آتا ہے۔

نقشبندی مجددی مشائخ کرام کی ہندوستان کے طول و عرض میں اصلاحی سرگرمیاں
 حیدر آباد دکن میں حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی مجددی مرید حضرت شاہ علی غلام
 دہلوی اور خلیفہ شاہ ابو سعید مجددی، رام پور میں شاہ محمد معصوم مجددی، ٹونک میں
 نواب امیر خان مرید حضرت شاہ غلام علی دہلوی، افغانستان میں حضرت حاجی دوست محمد
 قندھاری خلیفہ حضرت شاہ احمد سعید مجددی، بھوپال میں شاہ رؤوف احمد مجددی
 خلیفہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی، لکھنؤ میں حضرت شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی
 خلیفہ حضرت خواجہ شاہ محمد آفاق دہلوی، پنجاب میں حضرت اکمل الدین محمد بخاری اور

تذکرہ حضرت محدث دکن

ملک شام میں حضرت خالد رومی کردی نقشبندی مجددی (م ۱۲۴۲) خلفاء حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ ان سارے حضرات کرام نے اپنے اپنے زمانہ میں اپنی اپنی حکمت عملی کے مطابق حکمران طبقہ، خواص اور عوام کی تربیت اور اصلاح پر خصوصی توجہات مرکوز کیں۔ اور زندگی بھر سرگرم اصلاح اور ارشاد رہے۔ یہ تمام کوششیں اسی طلائی زنجیر کی کڑیاں ہیں جس کو سرہند شریف کے اللہ والے نے متحرک اور متعدی فرمایا تھا اور ایسے اخلاص اور ایسے "نفس گرم" سے حرکت دیا تھا کہ ان شاء اللہ قیامت تک اس میں حرکت رہے گی۔ ع

ایں سلسلہ از طلائے ناب است این خانہ تمام آفتاب است
(یعنی یہ زنجیر خالص سونے کی ہے اور یہ تمام تر خاندان آفتاب ہے) یہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ نے اپنے مرید حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی اولاد امجاد کے بارے میں بطور پیشین گوئی ارشاد فرمایا جس کا گواہ زمانہ ہے کہ افغانستان، ہندوستان اور ملک شام حتی کہ روس میں بھی حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد امجاد دین کے کاموں میں سرگرم عمل ہے واللہ علی ذلک۔

پچھلے اوراق میں حضرت محدث دکن علیہ الرحمۃ کے تحصیل طریقت کے عنوان پر کئی ضروری باتیں عرض کر دی گئیں تاکہ قارئین کو طریقت کی اہمیت اور ضرورت کا یقین ہو جائے۔ حضرت محدث دکن علیہ الرحمۃ نے بچپن میں ابتداء اپنے والد بزرگوار کے پیر و مرشد حضرت مسکن شاہ قدس سرہ سے نقشبندی سلسلہ میں بیعت فرمائی۔ حضرت علیہ الرحمۃ کے والد ماجد حضرت مسکن شاہ قدس سرہ کے نقشبندی سلسلہ میں خلیفہ اور مجاز تھے۔ اور حضرت مسکن شاہ خلیفہ اور مجاز تھے حضرت شاہ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضرت خواجہ باقی باللہ کا اشارہ غیبی سے ہندوستان تشریف لانا اور نقشبندیہ کا آغاز فرمانا

ہندوستان کی سرزمین نسبت نقشبندیہ سے محروم تھی اس سلسلہ عالیہ کے سب سے پہلے بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ (م ۱۰۱۲ھ) ہیں جو کابل سے اشارہ غیبی کی بنا پر دلی تشریف فرما ہوئے۔ آپ کا خود ارشاد ہے:

اسی تخم پاک را از زمین سمرقند و بخارا آوردم و در زمین برکت آمین ہند کشتیم، الحمد للہ کہ بعنایت الہی شجرہ طیبہ اصلہا ثابت و فرعمانی السماء ظاہر شد

(ترجمہ) اس پاک بیج کو سمرقند اور بخارا کی زمین سے ہم لائے اور ہندوستان کی برکت والی زمین میں بویا۔ الحمد للہ عنایت الہی سے اس کا پاک درخت جس کی جڑ مضبوط ہے اور جس کی شاخیں آسمان تک پہنچ چکی ہیں ظاہر ہو چکا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر حضرت شاہ سعد اللہ کا دکن میں ورود

سلسلہ نقشبندیہ دکن میں حضرت شاہ سعد اللہ قدس سرہ سے پہنچا۔ حضرت نے مناسک حج سے فراغت کے بعد جب مدینہ منورہ حاضری دی تو سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ سعد اللہ تم ہندوستان میں جاؤ، وہاں تم سے بہت لوگ فیضیاب ہونے والے ہیں، اس ارشاد کی تعمیل میں آپ ہند کا ارادہ فرما کر مدراس و کرنول ہوتے ہوئے حیدرآباد دکن تشریف لائے۔ اور پھر مختلف مقامات پر قیام فرما کر بالآخر محلہ اردو شریف میں نواب جان کے باغ کا ایک بڑا حصہ خرید فرمایا پھر یہاں آپ کے لئے ایک مسجد بنائی گئی اور پھر ایک خانقاہ بھی تیار ہوئی جس میں ہر روز ڈیڑھ سو طالبان حق موجود رہتے اور ان کے دو وقت کے کھانے اور لباس کا انتظام آپ ہی فرماتے (گلزار اولیاء از حضرت محدث دکن)۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضرت محدث دکن کے پیرو مرشد

حضرت شاہ سعد اللہ کے خلیفہ ہمارے حضرت دادا پیر قدس سرہ حضرت سید محمد بادشاہ بخاری ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہ سے ملتا ہے۔

حضرت کے جد اعلیٰ بخارا کے رہنے والے تھے مگر چند پشت سے آپ کے اجداد ذی شان شہر کرنول میں رونق افروز رہے۔ آپ کا مولد کرنول ہے۔ اس وقت حیدر آباد فرخندہ بنیاد گہوارہ علوم و فنون تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں کا تسلط پورے ہندوستان پر قائم ہو گیا تو شمالی ہند کے بیشتر علماء، ادباء، شعراء، محدثین اور فقہاء نے حیدر آباد کا رخ کیا۔ چنانچہ نہ صرف ممالک محروسہ آصفیہ کے بڑے بڑے شہر بلکہ تعلقہ جات تک علماء کی برکتوں سے مالا مال تھے۔ ہر عالم ایک مدرسہ تھا اور ہر صوفی ایک جیتی جاگتی خانقاہ تھی، جہاں عوام اور خواص شریعت اور طریقت کے میدان میں اپنے زانوائے ادب تہ کرتے تھے۔

حضرت دادا پیر قدس سرہ ظاہری اور باطنی علوم کے متبحر عالم با عمل تھے اور عدالت میں منصف کے عمدہ جلیلہ پر فائز تھے۔ باوجود اس دنیوی وجاہت اور تمول کے طبیعت درویشانہ تھی اور زاہدانہ زندگی بسر فرماتے تھے، جب تک عدالت کی کرسی پر رونق افروز رہتے دست بہ کار دل بہ یار کا نمونہ بن کر خلق خدا کو زبان حال سے سکھاتے کہ اگر ایسی دنیا کی جائے تو مذموم نہیں بلکہ سراسر محمود ہے۔

حضرت دادا پیر قدس سرہ کی نسبت قادریہ عالیہ تو خاندانی تھی اور اس کے دوش بدوش طریقہ عالیہ نقشبندیہ حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی قدس اللہ سرہ سے حاصل فرمایا جن کا مبارک ذکر اوپر ابھی گذرا ہے۔ حضرت دادا پیر قدس سرہ حضرت شاہ مسکین (م ۱۳۱۷ھ) قدس سرہ جن کا مزار مبارک مسجد الماس واقع اندرون علی آباد (حیدر آباد) ہے کے خواجہ تاش تھے یعنی یہ دونوں حضرات شاہ سعد اللہ قدس سرہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

کے مرید اور خلیفہ تھے۔ حضرت محدث دکن نے بھی حضرت شاہ مسکین سے بچپن میں بیعت فرمائی تھی۔

حضرت مستان شاہ صاحب مجذوب کا حضرت دادا پیر پر تصرف

حضرت دادا پیر کا معمول تھا کہ عدالت کے مقررہ وقت میں سرکاری کام سے فراغت کے بعد فاضل وقت حضرت حاجی مستان شاہ صاحب مجذوب کی حضوری میں گزارتے۔ گویا حضرت شاہ سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ پر طریقت تھے اور حضرت مجذوب صاحب پر صحبت، ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت دادا پیر نے حضرت مجذوب صاحب کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرت صاحب نے پانی مانگا۔ آپ نے پانی پیش فرمایا، حضرت نے تھوڑا سا پی کر باقی آپ کو پینے کے لئے دیا۔ آپ نے اس کو پی لیا۔ کچھ دیر بعد آپ نے دفتر کے لئے اٹھنے کا ارادہ کیا تو فرمایا: بیٹھ جا، آپ بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد حضرت مجذوب صاحب پر عالم نزع طاری ہوا اور پھر انتقال ہو گیا۔

حضرت مجذوب صاحب علیہ الرحمہ کو درگاہ حضرت اجالے شاہ صاحب واقع سعید آباد کے قریب دفنایا گیا، حضرت دادا پیر بھی وہیں بیٹھ گئے اور جذب کا علم طاری ہو گیا نہ گھر کی فکر، نہ ملازمت کی پروا، نہ کھانے پینے کا ہوش البتہ پانچوں نمازوں کے اوقات میں افاقہ ہو جاتا اور آپ نمازیں ادا فرمالتے پھر وہیں بیٹھ رہتے کوئی کام نہیں کر سکتے تھے۔ کسی صاحب دل شاعر نے ایسے ہی موقع پر یہ شعر کہا ہے:

جب سے نسبت ہوئی ساقی تیرے میخانے سے ہر گھڑی آنکھ لگی رہتی ہے پیمانے سے

اور اسی مضمون کو حضرت فخر دہلوی علیہ الرحمہ کس خوبی سے فرمایا ہے:

شہ اقلیم فقرم، بنجودی تحت روان من نہ چوں فرہاد مزدورم نہ چوں مجنون نہ میں دارم

(ترجمہ) میں اپنی سلطنت فقر کا بادشاہ ہوں۔ بے خودی میرا تحت رواں ہے نہ تو میں

فرہاد کی طرح مزدور ہوں اور نہ مجنون کی طرح زمیندار ہوں۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

دلی کے ایک مجذوب کا حضرت کلیم اللہ جہاں آبادی کو پیر کامل کی طرف رہبری فرمانا اس موقع پر یہاں یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ مجذوب حضرات بھی صاحب خدمت اور عالم روحانیت کے امور پر فائز رہتے ہیں اور ان حضرات کرام کے ذمہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی رہبری کے کام تفویض فرماتے ہیں۔ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی دہلوی (م ۱۱۳۲ھ - ۱۷۲۹ء) حضرات یوسفین شریفین اور حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی (مہاراشٹرا، انڈیا) کے پیرو مرشد ہیں شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کو بھی ایک مجذوب سے رہبری ملی تھی۔ مقدمہ کشلول قلمی سے اس واقعہ کو شائقین کے استفادہ کے لئے بیان کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

”تکمیل علوم کے بعد، شاہ کلیم اللہ رحمہ اللہ کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اور وہ یک لخت مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ حافظ محمد جمال ملتانی علیہ الرحمۃ سے روایت ہے کہ اوائل عمر میں ان کو ایک کھتری لڑکے سے گرویدگی پیدا ہو گئی اور عشق اس درجہ تک پہنچ گیا تھا کہ ایک لمحہ بھی اس کے بغیر چین نہ پڑتا تھا۔ دلی میں ایک مجذوب تھے جن کے متعلق عام عقیدہ یہ تھا کہ وہ صرف اسی شخص کی نذر قبول کرتے ہیں جس کا کام ہونا ہو۔ شاہ صاحب کچھ شیرینی لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے یہ نذر قبول کر لی۔ دوسرے دن شاہ صاحب اس لڑکے کے پاس گئے، اس نے نہایت ہی لطف اور توجہ سے ان کو اپنے پاس بٹھایا اور بڑی محبت سے پیش آیا۔ لڑکے کی اس ملاطفت سے شاہ صاحب کی طبیعت بھر گئی، اور ان کی مذہبی احساس نے پکار کر کہا:

ہمت عشق نہ ہو حسنِ خط و خال میں بند صید ہر مور و گس ہوتے ہیں شہباز کہیں

(قائم چاند پوری)

اب شاہ صاحب کی طبیعت ان مجذوب کی طرف راغب ہو گئی، مجذوب صاحب کی صحبت سے شاہ صاحب میں جذب کی ایک کیفیت پیدا ہو گئی۔ احترامِ شرع میں وہ اپنی

تذکرہ حضرت محدث دکن

حالت چھپانے کی کوشش کرتے تھے لیکن جب ضبط نہ ہو سکا اور بالکل مجبور ہو گئے تو مجذوب صاحب سے اپنی حالت بیان کی اور امداد کے طالب ہوئے۔ انہوں نے جواب دیا:

”اگر آتش ازیں قسم خواہند نزد من بسیار است و آب نزد حضرت شیخ یحییٰ مدنی است، آنجا روید“

(اگر اس قسم کی آگ چاہتے ہو تو میرے پاس بہت ہے لیکن پانی حضرت شیخ یحییٰ مدنی کے پاس ہے۔ وہاں جاؤ۔) (کشکول کلمی ص ۳۲) مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ۔ لاہور

اب یہاں سے ہم پھر اپنے موضوع پر واپس ہوتے ہیں۔ جب دادا پیر رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا کے سارے کام چھوڑ دیئے اور آپ پر جذب کی کیفیت نے دائمی ہیئت اختیار کر لی، اس زمانے کے ارباب اقتدار جیسے نواب تراب علی خان سالار جنگ اول نے بڑی تدبیریں کیں کہ نیشنل معرفت کا یہ شیر پھر سے دنیا کے تنگ و تاریک پنجرہ میں مقید ہو جائے حضرت پیر و مرشد محدث دکن کی مبارک زبان درفشان سے اس کیفیت کو سینے اور جذبہ معرفت خداوندی کو ابھاریے:

”مگر یہ بیٹھنا کچھ معمولی بیٹھنا نہیں تھا، کسی دل جلے کے بیٹھانے سے بیٹھنا پڑا تھا، اسی لئے اس کو وہ ثبات کو کسی دنیا دار کی باتوں کے تیز جھونکے اپنی جگہ سے نہ ہلا سکے، سچ پوچھیئے تو سُدھ ہی کس میں تھی، ایک دل تھا وہ تو دلدار نے لے لیا، اب دل ہی کہاں سے لائیں جو اوروں کو دیں؟ اس وقت آپ اس شعر کے مصداق بنے ہوئے تھے۔

یکے بن دیکے داں دیکے گوی یکے خواہ دیکے خواں دیکے جوئے
(دیکھو تو ایک کو دیکھو، جانو تو ایک کو جانو، کہو تو ایک ہی کو کہو، چاہو تو ایک کو چاہو، پڑھو تو ایک ہی کا نام پڑھو، اور ڈھونڈو تو ایک ہی کو ڈھونڈو) (گلزار اولیاء ص ۶۰)

تالیف حضرت محدث دکن

بالآخر حضرت دادا پیر قدس سرہ کی اس حالت کو دیکھ کر نواب تراب علی خان سالار

تذکرہ حضرت محدث دکن

دادا پیر قدس سرہ مسجد میں یہاں تشریف رکھتے، اور حجرہ میں اس جگہ تشریف رکھتے حجرہ میں اس جگہ حضرت دادا پیر کی چوکی برابر رہا کرتی۔

انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی جائے قیام کا تقدس اور ان سے برکت حاصل کرنا یہاں یہ بات واضح کرنا مفصود ہے کہ جس مقام پر کوئی اہل اللہ کچھ عرصہ قیام کرے تو اس جگہ آسمان سے برکات اور سکینہ کا نزول ہوتا ہے جس کی وجہ سے دل اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچتے ہیں اور وہ جگہ متبرک ہو جاتی ہے۔ تفسیر مظہری (۱/۱۲۸) میں آیت شریفہ واتخذوا من مقام ابراہیم مصلیٰ (سورہ بقرہ پ ۱ آیت نمبر ۱۲۵) کے تحت مفصل تفسیر اور تحقیق کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

”یہاں اہل اعتبار نے یہ استنباط کیا کہ جس مقام میں کوئی شخص اہل اللہ میں سے کچھ عرصہ قیام کرے تو اس جگہ آسمان سے برکات اور سکینہ کا نزول ہوتا ہے، جس سے قلوب کا انجذاب حق تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور اس جگہ نیکیاں کرنے سے ان کا اجر مضاعف ہو جاتا ہے اور برائیوں کا گناہ بھی وہاں زیادہ ہوتا ہے، واللہ اعلم“

ملفوظات محدث کشمیری جو علامہ انور شاہ کشمیری..... کے گرانقدر ملفوظات پر مشتمل ہے ص ۱۷۹ کی عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہے جس میں اس موضوع پر و لیلیں پائی جاتی ہیں:

”قولہ اتخذہ مصلیٰ الخ علامہ نووی نے فرمایا ”اس جملہ سے صالحین اور ان کے آثار سے برکت حاصل کرنے کا ثبوت و استحباب نکلتا ہے، اور جن مواضع میں انہوں نے نماز پڑھی ہے وہاں نماز پڑھنا اور ان سے برکت طلب کرنا بھی ثابت ہوا“ پھر یہ کہ حضرت ابن عمرؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار کی تلاش میں رہتے تھے، اور جہاں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی ہے ان میں نماز پڑھنے کا التزام کرنا بخاری شریف کے ”باب المساجد بین مکہ والمدینہ“ سے بھی ثابت ہے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضور نے سفر معراج میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت پر نماز پڑھی
”اور ہم بعض احادیثِ اسراء کے ذیل میں یہ بھی ذکر کر آئے ہیں کہ حضرت جبریل
علیہ السلام نے سفر اسراء میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو براق سے اتر کر مدینہ
منورہ، طور سینا، مدائن (مسکن حضرت شعیب علیہ السلام) اور بیت لحم (جائے ولادت
حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام) میں نماز پڑھنے کی تلقین کی تھی۔ یہ حدیث نسائی
شریف اور دوسری دس کتب حدیث میں ہے“ (ملفوظات کی عبارت ختم ہوئی)۔

معرفت خداوندی کیوں کر حاصل ہوتی ہے

پیر کامل کی نگرانی اور تربیت میں اپنے مولیٰ کا طالب جب سرگرم عمل ہو جاتا ہے تو اس کو معرفت خداوندی اور نسبت یعنی تعلق مع اللہ نصیب ہوتا ہے۔ معرفت خداوندی جب انسان کو حاصل ہوتی ہے تو گویا اپنی حقیقت سے باخبر ہو جاتا ہے رب العزت کا ارشاد ہے (سورہ بقرہ پ ۱، آیت ۱۳۰) ”ومن یرغب عن ملتہ ابراہیم الامن سفہ نفسہ“ (اور جو کوئی پسند نہ کرے دین ابراہیمی کو تو گویا وہ اپنے آپ سے غافل ہے) اسی کو صوفیہ کرام یوں فرماتے ہیں ”ومن عرف نفسہ فقد عرف ربہ“ (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا) جب یہ عرفان حاصل ہوا تو اللہ تعالیٰ سے نسبت بھی قائم ہوگی۔

سطور بالا میں جہاد اکبر کے سلسلے میں، اس عاجز نے تعلق مع اللہ اور نسبت کا ذکر کیا ہے۔ نسبت کی ضرورت اور اہمیت پر سطور ذیل میں حضرت شاہ ولی اللہ فاروقی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”القول الجمیل“ سے اقتباسات پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے تاکہ محدث، مفسر، محقق، صوفی، متکلم، مؤرخ، مفکر، مصنف، جامع بین المنقول و المعقول، صاحب مسند و ارشاد بزرگ عالم ربانی سے زیر نظر موضوع پر قول فیصل سن کر قارئین کرام کما حقہ استفادہ کریں۔

ذکر الہی طریقت میں بنیادی شرط ہے

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب ”القول الجمیل“ میں مشائخ کرام کے اشغال بیان کئے ہیں، اپنے مریدین کی باطنی تربیت کی تفصیلات بھی دی ہیں۔ بتایا ہے کہ طریقت میں ”ذکر الہی“ سلوک کی بنیادی شرط ہے خواہ ذکر خفی ہو یا ذکر بصری۔ اس کے بعد اس باطنی مجاہدہ اور ریاضت کی اصل غرض بیان فرمائی ہے۔

طریقت کا مقصود کیا ہے

تصوف کے سارے طریقوں کا مقصد یہ ہے کہ طالب کے نفس ناطقہ یعنی اندرون میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو جائے جس کو صوفیہ کرام نے ”نسبت“ کا نام دیا ہے، یہ نسبت دوسرے معنوں میں اللہ تعالیٰ سے تعلق کا نام ہے، اس کو سکینہ بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (سورہ فتح پ ۲۶۰، آیت ۴) ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المؤمنین لیزادوا ایماناً مع ایمانہم (وہی ہے جس نے اتارا چین دل میں ایمان والوں کے تاکہ زیادہ ہو جائے ایمان، ان کے اپنے ایمان کے ساتھ) اس تعلق مع اللہ کو ”نور“ بھی کہتے ہیں۔ رب العزت کا ارشاد ہے (سورہ الزمر پ ۲۳ آیت ۲۲) امن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ (بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے مسلمانی پر، پس وہ اجالے میں ہے اپنے رب کی طرف سے) جب یہ کیفیت نفس ناطقہ میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور چوں کہ ملائکہ سے مشابہ ہوتی ہے تو صاحب نسبت کی نگاہ عالم جبروت کی حقیقتوں پر پڑتی ہے۔

نسبت یا سکینہ کب حاصل ہوتی ہے

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ طالب جب طہارت، پاکیزگی، عبادتوں اور اذکار و اشغال، تلاوت کلام پاک، درود شریف کی کثرت پر برابر پابندی کے ساتھ عامل رہے تو اس کے باطن میں دو باتیں پیدا ہو جاتی ہیں (۱) ملکوتی صفت یعنی فرشتوں سے مشابہت والی صفت (۲) عالم جبروت کی طرف توجہ کی پختہ استعداد۔ یہ دونوں نسبت یا سکینہ یا نور ربانی کی دو شاخیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک شاخ کی بہت سی قسمیں ہیں ان میں ایک عشق اور محبت کی نسبت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (سورہ ماندہ پ ۶ آیت ۵۴) کجھم ویکبونہ (وہ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو چاہتا ہے اور وہ بھی) اس کو چاہتے ہیں) اسی کو شاعر قرآن علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔

کبھی آتش عشق اندھیر ہے مسلمان نہیں راہ کا ڈھیر ہے

تذکرہ حضرت محدث دکن

حیات مستعار کاراز کیا ہے

الغرض جب طالب کے باطن میں نسبت یعنی سکینہ اور نور جاگزیں ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جن معنوی کمالات، اخلاق حمیدہ اور صفات حسنہ سے نوازا ہے سب اس میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہاں موقع نہیں ہے کہ تفصیل میں جاؤں البتہ اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ اٹھارویں پارہ کا ابتدائی رکوع جو ”قد افلح المؤمنون“ سے شروع ہوتا ہے اور انیسویں پارہ کے سورہ الفرقان کا آخری رکوع جس میں رب العزت جل مجدہ نے ”و عباد الرحمن“ یعنی رحمان کے بندوں کی صفات عالیہ بتائی ہیں اور اسی طرح سے جہاں جہاں قرآن پاک میں اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مؤمنین کے اخلاق بتائے گئے ہیں کم و بیش سب اس میں پیدا ہو جاتے ہیں اور یاد رکھیں اس دو روزہ زندگی اور حیات مستعار کا یہی راز ہے ورنہ کھانا، پینا اور نسل کو بڑھانا، ان چیزوں میں تو جانور اور تمام حیوانات بھی سرگرم عمل ہیں تو پھر انسان اور حیوان میں فرق ہی کیا رہ گیا؟ اللهم حسب الینا الایمان وزینہ فی قلوبنا وکرہ الینا الکفر و الفسوق و العصیان واجعلنا من الراشدین۔ (الہی! محبت ڈال دے ہمارے دل میں ایمان کی، اور اچھا دکھا اس کو ہمارے دلوں میں، اور برا بنا دے ہمارے لئے کفر کو، گناہ کو اور نافرمانی کو، اور بنا دے ہم کو نیک چال چلنے والوں میں ایک شاعر ربانی کیا پیاری لکار ہے:

آدمی نہیں سنتا آدمی کی باتوں کو پیکرِ عمل بن کر مظهرِ خدا ہو جا
آدابِ خود آگاہی کب کھلتے ہیں؟

اس موضوع پر شاعر فطرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ سے کچھ سن لیں:
بے آہ سحر گاہی تقویمِ خودی مشکل یہ لالہ پیکانی خوشتر ہے کنار جو
(لالہ پیکانی کہا آنکھوں کو، جیسا کہ گل لالہ میں سیاہ داغ ہوتا ہے، ایسی ہی آنکھوں میں سیاہی ہوتی ہے۔ پیکان سے مراد پلکیں، خوشتر ہے کنار جو سے مراد رونا ہے یعنی

آنکھ کا کمال یہ ہے کہ عشقِ الہی میں روتی رہے، خودی سے مراد خود آگاہی ہے۔
یہ بھی شاعرِ فطرت کا قول ہے:

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی
یعنی جب اللہ تعالیٰ سے محبت اور عشق ہو جاتا ہے تو پھر عرفان نصیب ہوتا ہے
زندگی کے اس راز بے بہا کو علامہ ہی کی زبان سے ذرا کچھ تفصیل سے سن لیں:
شام جس کی آشنائے نالہ یارب نہیں جلوہ پیرا جس کی شب میں اشک کے کوب نہیں
جس کا سازِ دل شکستِ غم سے ہے نا آشنا جو سدا مستِ شرابِ عیش و عشرت ہی رہا
کلفتِ غم گرچہ اس کے روز و شب سے دور ہے زندگی کا راز اس کی آنکھ سے مستور ہے
اللہ تعالیٰ کے مراقبہ کی تاکید

زندگی کا راز گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضوری کی نسبت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا (سورۃ الحدید پ ۲۸ آیت ۴) ”وہو معکم ایما کنتم“ (وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں
کہیں ہو) ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے ”راقب اللہ تجده تجاہک“ (تو اللہ تعالیٰ
کا مراقبہ کر تو اس کو اپنے سامنے پائے گا) اور بخاری شریف اور مسلم شریف میں
حضور نبی کریم صلی اللہ وآلہ وسلم نے احسان کی تعریف یوں ارشاد فرمائی ”الاحسان
ان تعبد اللہ کانک تراه، فان لم تکن تراه فانه یراک“ (احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ
کی اس طرح عبادت کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، اور اگر تو اس کو نہیں دیکھ
سکتا ہے وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے) اور نسبت ہی احسان کا دوسرا نام ہے اور اسی کو
صبغۃ اللہ (اللہ کا رنگ) کہا ہے کہ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے (سورہ بقرہ پ ۱ آیت
۱۲۸) ”صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ و نحن لہ عبدون“ (ہم نے لیا رنگ
اللہ کا، اور کس کا رنگ ہے اللہ سے بہتر، اور ہم اسی کی بندگی پر ہیں)۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

طریقت کی نسبت وراثت چلی آرہی ہے

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعین ابرار اس نسبت سکینہ کو تنہائیوں میں خضوع اور حضور کے ساتھ نمازیں پڑھنے، ذکر اور تسبیح کرنے، طہارت پر برابر قائم رہنے، موت جو دنیاوی لذتوں کو مٹانے والی اس کو ہر دم یاد کرنے، اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں پر دھیان کرنے سے حاصل فرماتے تھے۔ اور جب یہ صفت اور ملکہ پیدا ہو جاتا تو زندگی بھر اس کی حفاظت فرماتے۔ اور یہی کیفیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین عظام اور مشائخ کے ذریعہ وراثت چلی آرہی ہے اس کے برحق ہونے میں کوئی شک نہیں البتہ اس کیفیت کے کئی رنگ ہیں اور اس کے حصول کے کئی طریقے ہیں اسی نسبت، سکینہ اور نور کو حاصل کرنے کے لئے مرید اپنے پیر کا دامن تھامتا ہے۔ اسی کو بیعت کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت پیر و مرشد محدث دکن نے اسی کے لئے اپنے پیر و مرشد حضرت سید محمد بخاری قدس اللہ سرہ کا دامن تھاما۔ پیدل حسینی علم کے محلہ سے سعید آباد تک جو ایک گھنٹہ کا راستہ ہے تشریف لیجا کر تے اور یہ آمد و رفت چودہ برس رہی۔

بالعموم فجر کی نماز باجماعت مسجد بخاری گلشن میں اپنے پیر و مرشد کے ساتھ ادا فرماتے اور اگر کبھی دیر ہو جاتی تو مسجد چوک میں نماز فجر ادا ہوتی۔ اس زمانہ میں اس مسجد کے امام اور خطیب حضرت شیخ آدم ترکی علیہ الرحمۃ تھے۔ ان حضرت کا یہ معمول تھا کہ ہر روز نماز فجر کی فرض رکعتوں میں قرآن شریف کی سلسلہ وار تلاوت فرماتے تو جو کوئی فجر کی نماز میں آپ کے ساتھ پابندی سے شریک ہوتا تھا وہ تراویح کی طرح قرآن پاک کے سماعت کی سعادت حاصل کر لیتا، یہ تھیں اس زمانے کی برکتیں! اسی طرح استاذی مولانا ابوالوفا افغانی علیہ الرحمۃ ایک سال علالت کی وجہ سے تراویح میں قرآن نہیں سنا سکے تو عشاء کے فرض میں قرآن پاک کا پورا دور مکمل فرمایا۔

پیرِ کامل، قابلِ اساتذہ اور اچھے مشیرِ خدا کی عظیم نعمتوں میں ہیں۔ اس زمانہ کی برکتوں کا ذکر چھڑ گیا تو اپنے استاذِ عالی قدر جناب عبدالستار صاحب سبجانی علیہ الرحمۃ کی رہبری کا ایک واقعہ جو اس راقمِ عاجز سے متعلق ہے سنا تا چلوں۔ اس عاجز نے ۱۹۴۵ء میں عثمانیہ یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی، والد بزرگوار جناب الحاج محمد اسماعیل خان نقشبندی و قادری علیہ الرحمۃ مجھے عالی جناب سبجانی صاحب کی خدمت میں لے گئے اور کہا کہ آپ کے اس شاگرد نے بی اے کی ڈگری حاصل کر لی ہے میں اس کو دائرہ ملازمت میں داخل کرنا چاہتا ہوں۔ موصوف نے فرمایا: آپ تھوڑا توقف کریں، میں اس سے پوچھ لوں کہ اس کی کیا خواہش ہے؟ اس عاجز نے عرض کیا۔ صاحب! میں ایم اے میں شریک ہو کر اپنے سلسلہٴ تعلیم کو جاری رکھنا چاہتا ہوں! یہ سنکر عالی جناب سبجانی صاحب نے والد بزرگوار سے دریافت فرمایا۔ آپ پر اس کا کیا بوجھ ہے کہ اس کے تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے سے آپ سخت حالات میں گرفتار ہو جائیں گے؟ والد محترم نے جواب دیا۔ اس کا کوئی بوجھ نہیں ہے اس کا کھانا، رہن سہن سب سادہ ہے تو فرمایا سن لو: پڑھائی کے بس یہی دو سال ہیں پھر زندگی بھر ملازمت ہی کرنی ہے! قارئین کرام سن لیں کہ استاذ محترم نے المستشار مؤتمن (جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے) کی روشنی میں کتنا بہترین مشورہ دیا کہ اس عاجز نے الحمد للہ یونیورسٹی کی اعلیٰ ترین ڈگری حاصل کی یونیورسٹی کی اعلیٰ ترین خدمت پروفیسری اور صدارت شعبہ پر فائز رہا۔ حکومت ہند کے اعلیٰ اعزاز صدر جمہوریہ عربی الیوارڈ کا مستحق قرار پایا اور زندگی بھر قابل ترین اساتذہ سے استفادہ کرتا رہا اور اب پیرِ کامل کی صحبت، خدمت اور برکتوں کی وجہ سے نئی دنیا شاگاؤ اور اب سان فرانسسکو (امریکہ) میں ان ہی تجربوں کی بدولت اپنی بساط بھر دین کی کچھ نہ کچھ خدمت پر مامور ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذلک:

کیمیا پیدا کن از مشقِ گلے بوسہ زن بر آستانِ کاٹے

تذکرہ حضرت محدث دکن

نقشبندیت کیا ہے؟

اوپر نقشبندیت کا ذکر کیا گیا جو درحقیقت اللہ تعالیٰ تک رسائی کا ایک طریقہ ہے چنانچہ نسبت نقشبندیت نام ہے ”دوام حضور اور آگاہی“ کا جس کے ساتھ غیبت بالکل نہ ہو، اسی حالت کو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کانک تراہ (گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو) سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

حضرت شاہ محمد معصوم نقشبندی مجددی فاروقی مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”ریاض الحکم فی مناقب القدم“ جو ابھی مخطوطہ کی شکل میں ہے فرمایا ہے کہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱ھ) پندرہ دن سجدہ ریز رہے صرف نمازوں کے لئے اٹھ جاتے پھر سجدہ میں پڑے رہتے۔ مقصود یہ تھا کہ امت کی صحیح رہبری کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نکتہ مل جائے تو آپ کو ذکر خفی ”اللہ ہو اللہ“ دیا گیا چنانچہ ذکر خفی نقشبندی سلسلہ میں طالب اور سالک کی غذا ہے۔ جس پر پیر کامل کی رہبری میں مداومت اور پابندی سے دوام حضور حاصل ہوتا ہے۔

خواجہ خواجگان نقشبندی کی اس مذکورہ حالت پر یہ شعر صادق آتا ہے:

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی میں اسی لئے مسلمان ہیں اس لئے ہوں غازی

اسی نسبت نقشبندیت کے لئے حضرت محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر و مرشد کی مسجد بخاری گلشن سعید آباد تشریف لیجایا کرتے تھے۔

مفرد ذکر ”اللہ“ کہنا بدعت نہیں، قرآن اور حدیث سے اس کا ثبوت

بعض حضرات مفرد ذکر اللہ یا اللہ ہو اللہ کے مبارک کلمات سے ذکر کرنے کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ مسلم شریف میں صحیح حدیث موجود ہے کہ جب تک زمین پر اللہ اللہ کہنے والا کوئی شخص بھی باقی رہے گا قیامت قائم نہ ہوگی اس طرح ذکر کرنے والا کیسے بدعتی ہو سکتا ہے۔ اور ترمذی شریف میں بھی یہی حدیث باب اشراط الساعة

تذکرہ حضرت محدث دکن

میں موجود ہے اور علماء کی تحقیق ہے کہ حق تعالیٰ کا مفرد نام بھی ذکر ہے۔ اور یہ بھی علماء کرام کی تحقیق ہے کہ دنیا کی روح لا الہ الا اللہ میں ہے جب روح نہ رہے گی تو دنیا ختم ہو جائے گی۔ رب العزت کا ارشاد ہے (سورہ انعام پ ۶ آیت ۲۹)

”قل اللہ ثم ذرہم فی خودھم یلعبون“ (کہہ دو۔ اللہ! پھر چھوڑ دو ان کو اپنی بک بک میں کھیلا کریں) طبقات ابن سعد (۱۹/۲) میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوہ بدر میں دیکھا کہ آپ سجدہ ریز ہیں اور زبان مبارک پر یا حتی یا قیوم جاری ہے۔ اس کے علاوہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ”احد“ کا نعرہ لگاتے تھے جبکہ امیہ بن خلف آپ کو زدو کوب کیا کرتا تھا (دیکھو ابن ماجہ) کیا یہ کہنا بدعت تھا۔ اللہ تعالیٰ ایسے افراد کو توفیق خیر سے نوازے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین۔

اپنے پیرو مرشد کی طرف سے حضرت محدث دکن کو خلافت کی سرفرازی

خرقہ خلافت کے عطا ہونے کا واقعہ یوں ارشاد فرمایا کہ میں حسب عادت مسجد بخاری گلشن پہونچا۔ حضرت پیرو مرشد بخاری شاہ صاحب قدس سرہ نے سند خلافت اور شایہ تیار رکھا اور فرمایا کہ ہم تم کو خرقہ خلافت دیتے ہیں، سلسلہ جاری رہنا ہے۔ ہمارے طریقہ میں تشہیر اور شہرہ نہیں کہ رسم خلافت کی تکمیل جلسہ منعقد کر کے کی جائے۔ چنانچہ حضرت پیرو مرشد حضرت محدث دکن نے جب ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء میں اپنے چند منتخب مریدوں کو خلافت سے سرفراز فرمایا تو ارشاد ہوا کہ کل نماز فجر کے بعد آپ اصحاب میرے گھر کے دیوان خانہ پر آجائیں تاکہ آپ کو سند خلافت دی جاسکے۔ حسب یہ کام انجام پایا۔ اس موقع پر یہ عاجز نقشبندیت کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔

قانون اسلامی کی مشہور کتاب ہدایہ کیوں مقبول ہے؟ اس کا راز!

اللہ تعالیٰ کی شان سرفرازی بھی عجیب ہے جس علاقہ کو چاہا اس کو دین مبین کا مرکز

تذکرہ حضرت محدث دکن

بنا دیا۔ حنفی فقہ کا مرکز یا تو کوفہ تھا پھر بخارا روس کا ایک شہر ہو گیا چنانچہ اسلامی قانون کی مستند ترین کتاب ہدایہ علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے بارہ برس میں لکھی اور بارہ برس تک روزہ رکھ کر لکھا اور اس طرح کہ گھر والوں کو بھی خبر نہیں ہوئی کہ یہ مسلسل روزہ رکھ رہے ہیں۔ جس مدرسہ اور مسجد میں قیام رہتا دو وقت کا کھانا گھر سے آجاتا، افطار اور سحر کے لئے تھوڑا سا کھانا رکھ لیتے باقی شاگردوں کو کھلا دیتے تو گھر والے یہ سمجھتے کہ ہم تو دونوں وقت کا کھانا ان کو بھجواتے ہیں۔ جب ہدایہ کی تصنیف مکمل ہوئی تو یہ عقدہ کھلا۔ یہی وجہ ہے کہ ہدایہ کا ایک ایک لفظ الہامی ہے اور قانون کا ایک نکتہ ہے۔ یہ ہیں ہمارے اسلاف کے کارنامے اور ایسی ہیں ان کی برکتیں! جس طرح فن حدیث شریف میں بخاری شریف کی مقبولیت ہے کہ بتا دیا جائے کہ یہ حدیث شریف بخاری کی ہے تو سننے والا اپنے سر کو جھکا دیتا ہے اسی طرح کسی قانونی بات کے بارے میں یہ بتا دیا جائے کہ یہ ہدایہ کا قول ہے تو سننے والا اپنا سر خم کر دیتا ہے۔ اللہم بارک علینا معہم انک حمید مجید۔

حنفی فقہ اور نقشبندیہ کا مرکز بخارا ہے

اسی طرح طریقت میں بخارا اور اس کے اطراف و اکناف کے شہر نقشبندیہ کا مرکز رہے ہیں، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی قدس سرہ سے لیکر حضرت خواجہ مولانا خواجگی املنگی رحمۃ اللہ علیہ یعنی خواجہ خواجگان حضرت خواجہ محمد باقی اللہ کابلی دہلوی کے پیر تک بلکہ خواجہ بہاؤ الدین قدس سرہ کے اوپر کے تمام تر شیوخ طریقت کا مولد، جائے تربیت اور ان کے تربیت یافتگان کے علاقے اور ان نفوس قدسیہ کی محنت کے میدان اسی بخارا کے گرد ہیں۔ اسی وجہ سے بخارا کے بارے میں قدیم تذکروں میں یہ قول ملتا ہے:

بخارا قوت روئے زمین است (بخارا روئے زمین کی قوت ہے)

تذکرہ حضرت محدث دکن

نقشبندیت کا تعارف، حضرت جامی کے کلام بلاغت نظام میں یہاں یہ عاجز مناسب سمجھتا ہے کہ حضرت جامی علیہ الرحمۃ کے اشعار کو بیان کر دوں جن میں نقشبندیت کے شہ بخارا میں ابتداء اور نشوونما کا ذکر ہے اور ان اشعار میں بلیغ اسلوب میں اپنے پیرو مرشد خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت کا بھی بیان ہے ارشاد فرماتے ہیں:

سکہ کہ در یرب و بطحا زدند نوبت آخر بخارا زدند
از حظ آن سکہ نشد بہرہ مند جز دل بے نقش شہ نقشبند
تاج بہا بر سر دیں او نہاد قفل ہوی از در دیں او کشاد
زد یہماں نوبت شہنشاہی کوکبہ فقر عبید اللہی
آن کہ زخریت فقر آگاہ است خواجہ احرار عبید اللہ است
(ترجمہ)

۱۔ دین کا وہ سکہ جس کو ڈھالنے والوں نے یرب یعنی مدینہ منورہ اور بطحاء یعنی مکہ معظمہ میں ڈھالا تھا، بالآخر بخارا کی باری آلی کہ دین کا یہ سکہ یہاں ڈھالا گیا۔
۲۔ اس سکہ سے صرف شہ نقشبند یعنی حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ کے مصفا قلب نے فائدہ حاصل کیا۔

۳۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نے دین کے سر پر بلند و بالا تاج رکھا اور آپ ہی نے خواہشات نفس کے قفل کو جو دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر لگا ہوا تھا کھولا۔

۴۔ دنیا میں نقشبندیت کی شہنشاہی کا نقارہ، حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے مقدمۃ الجیش نے بجایا اور عام کیا۔

۵۔ فقر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی حریت سے جو باخبر ہیں وہ تو حضرت خواجہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

عبید اللہ احرار ہیں۔

حضرت جہا علیہ الرحمۃ نے اپنے پیرومرشد کی منقبت میں ایک شعر اور فرمایا ہے جو زبان زد خاص و عام ہے:

چوں فقر اندر قبائے شاہی آمد بدبیر عبید اللہ آمد
(فقر یعنی روحانیت اور ربانیت جب شاہی لباس میں ظاہر ہوئی تو حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ کی تدبیر سے وجود میں آئی)۔

حضرت مجدد الف ثانی کا اپنے پیرومرشد کی جناب میں اظہار تشکر مرید کو جب اپنے پیرومرشد سے یہ دولت سرمدی حاصل ہوتی ہے تو مرید صادق کو اس احسانمندی کی شکر گزاری کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیرزادوں یعنی خواجہ عبید اللہ اور خواجہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہما کو لکھتے ہیں (مکتوب ۲۱۲ و فتراول حصہ چہارم)
(مکتوب مذکور کا ترجمہ لکھا جا رہا ہے)

”یہ فقیر از سر تا قدم آپ کے والد بزرگوار کے احسانوں میں غرق ہے، اس راہ میں الف باء کا سبق انہی سے لیا ہے، اور اس راہ کے حروف تہجی انہی سے سیکھے ہیں اور ابتدا میں انتہا کے مدارج حاصل ہونے کی دولت انہی کی صحبت بابرکت سے حاصل کی ہے اور ”سفر در وطن“ کی سعادت انہی کی خدمت کی صدقہ میں پائی ہے... جب اس فقیر کو ایسی بلند مرتبہ دولت آپ کے والد بزرگوار سے حاصل ہوئی تو اگر یہ فقیر عمر بھر آپ کے دربار عالی کے خدام کے قدموں میں اپنا سر پامال کرے تب بھی اس نے کوئی حق ادا نہ کیا... (یہ مکتوب بڑا طویل ہے، صاحبزادوں کو شریعت اور طریقت کے بارے میں کئی بائیں تعلیم فرمائی ہیں اور ضمناً علم کلام کے اہم مسائل بھی آگئے ہیں)۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضرت محدث دکن کا اپنے پیرومرشد کی جناب میں جذبہ اقتنان
اسی طرح حضرت محدث دکن اپنے پیرومرشد کے لئے یوں گوہر افشاں ہیں (گلزارِ
اولیاء ص ۶۹) اپنے پیرومرشد کے سو مند نصائح بیان فرما کر لکھتے ہیں۔
”یہ ناچیز اسی در دولت کا ادنیٰ خادم ہے“

اپنے پیرومرشد کی احسانمندی میں یہ کس کے کلمات نامدار ہیں جو تفقہ کا سورج ہے،
علم قرآن و حدیث کا ماہتاب ہے، عشق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھکشاں ہے۔
فانتسبروا یا اولی اللباب!

طریقت کی نعمت سنت نبوی کی پیروی سے وابستہ ہے

حضرت محدث دکن قدس سرہ سے ایک عالم باعمل نے دریافت کیا: حضرت! طریقت
کا مقصود اور منتہی کیا ہے؟ ارشاد فرمایا۔ اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ ان کو
ایک عالم نے بتایا تھا کہ طریقت کا منتہی ”علم اور عمل کا من اللہ ہو جانا“ ہے۔

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

(دفتر اول مکتوب ۷۸) ترجمہ لکھا جا رہا ہے۔

”اس نعمت عظمیٰ (یعنی طریقت کی نسبت) کا حاصل ہونا سردار اولین و آخرین صلی
اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے وابستہ ہے، سالک جب تک اپنے کو شریعت میں بالکل گم
نہ کر دے اور اپنی زندگی کو بالکل شریعت کے مطابق نہ بنالے، اس نعمت کی خوشبو
بھی نہیں سونگھ سکتا۔“

حضرت مجدد قدس سرہ ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرماتے ہیں (مکتوب ۱۸۳، دفتر
اول)

”اے فرزند جو چیز کل کام آنے والی ہے وہ صرف صاحب شریعت صلی اللہ علیہ
وسلم کی پیروی ہے، باقی احوال و کیفیات، علوم و معارف اور اشارات اگر اس پیروی

تذکرہ حضرت محدث دکن

شہنشاہ اکبر کے دور میں اس کے درباریوں نے اکبر کی خوشامد میں اس کو یہ نوید سنائی کہ ہزارہ اول میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوئے اور اب ہزارہ دوم (الف ثانی) میں تمہاری شخصیت ہے چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ایک نیا دین ”دین الہی“ کے نام سے شروع ہوا لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مولانا عبدالحمیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ سنا کہ الف ثانی کے آغاز پر اکبر بادشاہ کی شخصیت منظر عام پر آرہی ہے تو آپ نے فرمایا، لوگ بے خبر ہیں انکو معلوم ہو جانا چاہئے کہ الف ثانی کا خطاب تو حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کے شایانِ شان ہے چنانچہ آج چار سو سال سے مجدد الف ثانی گویا امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی کا علم اور اسم خاص ہو گیا ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو حضرت کے نام نامی سے تو واقف نہیں مگر مجدد الف ثانی کا خطاب سنتے ہی حضرت شیخ احمد سرہندی ہی مراد لیتے ہیں۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کابلی دہلوی قدس سرہ کے مرید حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی ہندوستان کے ایک عالم، صوفی اور مجدد کی حیثیت سے معروف ہیں درحقیقت آپ کی مجددیت اور آپ کے تجدیدی کارناموں سے تقریباً تمام اسلامی ممالک فیضیاب ہوئے ہیں۔ اس امر واقعہ کو استاذ محترم مولانا سید مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمۃ سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن (انڈیا) سے سنئے:

مکتوبات امام ربانی سے پوری اسلامی دنیا فیض یاب ہے

”سلسلہ مجددیہ کی ایک بڑی شاخ خالدیہ سلسلہ کے نام سے عراق، شام اور عرب اور مصر خصوصاً ترکی کی ریاستوں میں بیحد مقبول ہوئی آپ کے ”مکتوبات“ ان علاقوں میں فارسی زبان میں بکثرت پڑھے گئے اور جو اس سے ناواقف ہیں ان تک آپ کی مکتوبات عربی اور اردو زبانوں میں پہنچائے گئے ملا مراد (روس کے رہنے والے) بعد ہجرت مکہ معظمہ میں قیام فرما ہوئے، ان مکتوبات کا عربی میں ترجمہ فرمایا اور یہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

ترجمہ سارے عربی ملکوں میں پھیل گیا۔ اس کے بعد حدیث اور تفسیر میں جتنی اچھی کتابیں لکھی گئیں ان میں ”مکتوبات کے مضامین نقل کئے گئے۔ خصوصاً عصر جدید کی مشہور تفسیر ”روح المعانی“ جو سلطان عبدالحمید خان مرحوم خلیفہ ترکی کے عہد میں لکھی گئی اس میں مصنف علیہ الرحمۃ علامہ شہاب محمود آلوسی علیہ الرحمۃ نے جگہ جگہ ”قال المجدد الفاروقی“ کے نام سے آپ کے نظریات اور جدید تعبیرات بڑے افتخار اور ناز سے پیش کرتے ہیں اور اہم مسائل کے تصفیہ میں بطور سند ذکر کرتے ہیں۔“

حضرت پیر و مرشد اور خطاب محدث دکن

حضرت پیر و مرشد مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی وقادری رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب ”محدث دکن“ بھی غیب سے حضرت کی تصنیف ”زجاجۃ المصابیح“ کی وجہ سے زبان زد خاص و عام ہو گیا حالانکہ سر زمین دکن میں کتنے محدثین تشریف فرما ہوئے اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک درس کی مسندیں بچھائیں مگر یہ خطاب پیر و مرشد قدس سرہ کے حصہ میں تھا:

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ورنہ ہر تدعی کے لئے دار و رسن کہاں
زجاجۃ المصابیح کا دوسرا ایڈیشن معیاری کوئٹہ سے شائع ہوا

حضرت کے وابستگان اس فکر میں تھے کہ زجاجۃ المصابیح کی پہلی دو جلدیں نایاب ہو چکی ہیں، اس کی طبع ثانی کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے کہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی دہلوی قدس سرہ کی ترغیب پر نقشبندی حنفی بھائیوں نے کوئٹہ سے پانچوں جلدیں زرد اعلیٰ کاغذ پر پہلی طباعت کا عکس لے کر ۱۹۹۱ میں شائع فرما دیا۔

جزاہم اللہ عنا و عن الاحناف و عن الامۃ المسلمۃ خیر الجزاء آمین۔ بحرۃ سید
المرسلین! وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرامین!

اولیاء اللہ کے اوقات میں برکت عطا کی جاتی ہے

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کرام کے اوقات میں ایسی برکت عطا فرماتا ہے کہ ان کے روزانہ کے مشاغل سن کر عقل حیران ہو جاتی ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ دن رات کے چوبیس گھنٹے ان تمام کاموں کے لئے کس طرح کفایت کر سکتے ہیں، خصوصاً وہ لوگ جن کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا (سورۃ الروم پ ۲۱ آیت ۷) یعلمون ظاہر امن المحیوۃ الدنیا و ہم عن الآخرة ہم غفلون

(جانتے ہیں اوپر اوپر دنیا کا جینا اور ان لوگوں کو آخرت کی خبر نہیں)

انہی لوگوں کے بارے میں ایک اور جگہ ارشاد ہے (سورۃ النجم پ ۲۷، آیت ۳۰) ذلک مبلغهم من العلم (یہیں تک پہنچی ہے ان کی سمجھ) اس طرح یہ لوگ ایسے بیانات کو مبالغہ قرار دیتے ہیں، مولانا نے روم نے کیا خوب فرمایا ہے:

کارِ پاکاں را قیاس از خود گمیر در نوشتن ہم چو باشد شیر و شیر
(پاک طینت مروان خدا کے کاموں کا قیاس اپنے اوپر نہ کر، اگر چہ کہ لکھنے میں شیر
(درندہ جو جنگل کا بادشاہ کہلاتا ہے) اور شیر (دودھ) دونوں برابر ہیں۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا (ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں، اپنے نفسوں کی شرارتوں سے)

اوقات میں برکت ایک عظیم کرامت ہے

در حقیقت اوقات میں برکت عظیم الشان خرق عادت اور عظیم الشان کرامت ہے، جن لوگوں نے ایسا کوئی مقدس نمونہ دیکھا ہو، ان کو تو کوئی تردد نہیں ہو سکتا اور جنہوں نے نہیں دیکھا ہو انکو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی ان برگزیدہ ہستیوں کو اپنے اوپر قیاس نہ کریں۔

بارے ارنیت وجدانے ترا معتقد باش و بیار ایمانے

(اگر یہاں تک تیری رسائی نہیں ہے تو تو عقیدت مند ہو جا اور یقین کر لے)
معمولات حضرت محدث دکن

سورۃ منزل کی آیت نمبر (۷) ان لک فی النہار سجا طویلا (بے شک آپ کے لئے دن میں بہت مشغولی ہے) کی تفسیر میں مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مشغول پروگرام آج تک دنیا میں کسی کا نہیں ہوا ہے۔ آپ کی مبارک زندگی کا ہر لمحہ طاعت الہی اور خدمت خلق ہی کی نذر رہتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر گرامی کا ایک سیکنڈ بھی ضائع ہونے نہیں دیا۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اسوۃ حسنہ کو سامنے رکھ کر اگر ہم اپنے سلف صالحین کی مبارک زندگیوں پر نظر ڈالیں تو تمام اقوام عالم میں الحمد للہ اس امت مرحومہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ہر دور میں ہم کو ایسی عظیم شخصیتیں ملتی ہیں جنہوں نے اپنے گفتار اور کردار سے اپنے زمانہ کو روشن کیا اپنے علمی اور تحقیقاتی کارناموں سے آنے والی نسلوں کے لئے ہدایت اور رہبری کا سامان فراہم کیا۔ کسی شاعر نے کیا پیاری مناجات کی ہے:

یہ ریاستیں یہ وزار میں، سبھی چاروں کی ہے چاندنی
مجھے اس فقیر کی شان دے کہ زمانہ جس کی مثال دے

یہ مبالغہ نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ حضرت پیر و مرشد محدث دکن قدس سرہ کی مبارک شخصیت گفتار و کردار میں اللہ کی برہان اور اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا اور کامل نمونہ تھی۔

علم کے ساتھ نمونہ علم یعنی استاذ بھی ضروری ہے

یہاں ایک اور بات کی وضاحت مقصود ہے کہ ہر کام کی دو جہتیں ہیں ایک علمی یا نظری دوسرے عملی۔ جب تک ہم اس کام کو کسی سے کرتے ہوئے نہ دیکھیں وہ کام سمجھ میں نہیں آتا۔ جس طرح طب کی کتاب پڑھنے سے انسان طبیب نہیں بن جاتا بلکہ عملاً اس کو کسی طبیب کے ساتھ کام کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ایک مشہور واقعہ سناؤں ملا علی قاری رحمۃ اللہ ہرات (افغانستان) کے ایک بڑے عالم اور کئی کتابوں کے مصنف گذرے ہیں انہوں نے حج کے مسائل پر ایک کتاب ”المناسک“ لکھی۔ جب حج کے لئے کعبۃ اللہ پہنچے تو سوچا کہ میں نے تو کتاب المناسک لکھی ہے، کسی کو کیوں معلم بناؤں کہ وہ مجھے طواف کرنا بتائے؟ یہ سوچ کر حجر اسود کے پاس کھڑے طواف شروع کیا تو حجر اسود کے پاس نیت کر کے خانہ کعبہ کو اپنے بائیں ہاتھ پر لے کر چلنا شروع کرنے کی بجائے کعبۃ اللہ کو اپنے دائیں طرف لے کر طواف شروع کیا۔ دیکھنے والے نے کہا: تم پر افسوس ہے کہ اتنی بڑی عبادت کے لئے آئے ہو اور بغیر کسی کو معلم بنائے طواف کر رہے ہو اور غلط کر رہے ہو یہ سن کر ملا علی قاری کو بڑی شرمندگی ہوئی۔ اب اس زمانہ کا یہی المیہ ہے کہ چند کتابیں پڑھ کر ہر شخص خود کو عالم سمجھ رہا ہے۔

دعا کی فضیلت، ضرورت اور اہمیت تو آپ کو کتابوں میں ضرور مل جائے گی لیکن دعاء کس طرح کی جاتی ہے جب تک کسی اللہ والے کو دعاء کرتے ہوئے نہیں دیکھیں گے دعاء کرنے کا صحیح طریقہ نہیں آئے گا۔

حضرت محدث دکن کس طرح دعاء فرمایا کرتے تھے؟

اس سلسلے میں یہ عاجز اپنے پیر و مرشد قدس سرہ کے دعاء کرنے کے طریقہ کو بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ حضرت قدس سرہ جب دعاء فرماتے تو ہر دعا کو کئی بار تکرار سے پڑھتے جاتے مثال کے طور پر مسجد علی آقا حسینی علم میں نماز فجر کا

تذکرہ حضرت محدث دکن

وضوء فرمانے کے بعد گوشہ مسجد میں اپنی جگہ کھڑے ہو کر جالی تھام کر وضوء کے بعد کی دعاء کو بتکرار پڑھتے جاتے جس کی وضاحت کی جاتی ہے۔

دیر تک بحالت قیام یوں فرمایا کرتے: اللهم اجعلني من التوابين اللهم اجعلني من التوابين اللهم اجعلني من التوابين (اے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں میں بنا دے) واجعلني من المتطهرين واجعلني من المتطهرين واجعلني من المتطهرين۔ (مجھے خوب پاک رہنے والوں میں شامل فرما) واجعلني من عبادك الصالحين واجعلني من عبادك الصالحين واجعلني من عبادك الصالحين (اور تو مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما) وفي الذين لا خوف عليهم ولا هم يحزنون! وفي الذين لا خوف عليهم ولا هم يحزنون! (اور ان لوگوں میں شامل فرما جن کہ نہ تو دنیا میں کسی کا خوف ہو اور نہ آخرت میں وہ رنجیدہ ہوں) ادعاء کی تکرار کے دوران حضرت کے چہرہ انور کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک نورانی ہالہ احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اسی طرح دعاء میں تکرار نماز وتر میں دعاء قنوت کے پڑھتے وقت بھی ہوا کرتی تھی، حضرت قدس سرہ نماز وتر میں اللهم انا نستعينك کی دعاء ختم کرنے کے بعد اس دعاء کو بھی بتکرار پڑھتے اللهم اهدنا فيمن هديت (الہی! ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ ہدایت دے جن کو تو نے ہدایت دی ہے)۔

اللهم وعافنا فيمن عافيت (الہی ہم کو ان لوگوں کے ساتھ عافیت دے جن کو تو نے عافیت دی ہے) اللهم وتولنا فيمن توليت (الہی ہماری سرپرستی فرما ان لوگوں کے ساتھ جن پر تیری سرپرستی قائم اور دائم ہے) اللهم وبارك لنا فيما اعطيت (الہی! تو نے ہمیں جو بھی دیا ہے اس میں برکت عطا فرما) اللهم وقنا شر ما قضيت (الہی تو نے جس برائی کا فیصلہ فرمایا ہے اس سے ہم کو محفوظ رکھ) اس طرح اس دعاء کے آخر تک بتکرار اس دعاء کو پڑھتے جاتے۔ ایک مرتبہ اس عاجز نے اس دعاء کو

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضرت جب پڑھ رہے تھے وقت شمار کیا تو صرف اس دعاء کے بتکرار پڑھنے میں چار منٹ صرف ہوئے۔ اس طرح حضرت قدس سرہ کی چار رکعت نماز بیس منٹ میں انجام پاتی تھی۔

شاعر اسلام علامہ اقبال نے ایسی مناجات کا کس خوبی کے ساتھ خاکہ کھینچا ہے:

مرے دیدہ تر کی بے خوابیاں مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں
 انگلیں مری ، آرزوئیں مری امیدیں مری ، جستجوئیں مری
 ہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر اسی سے فقیری میں ، ہوں میں امیر
 چنانچہ تقریباً ایک مرتبہ ہمارے احباب نے حضرت قدس سرہ ، حضرت مولانا ابوالوفا افغانی علیہ الرحمۃ اور شیخ حبیب عبداللہ المدنیج صدر مصلح دائرہ المعارف جامعہ عثمانیہ کی معیت میں تالاب میرعالم پر ایک شب و روز کا قیام کیا۔ حضرت پیر و مرشد قدس سرہ نے نماز عصر میں امامت فرمائی اور بیس منٹ میں نماز تکمیل ہوئی تو مولانا حبیب عبداللہ رحمۃ اللہ نے نماز کے ختم پر فرمایا۔ ہکذا صلاۃ العلماء (علماء کی نماز اسی طرح ہوا کرتی ہے)

حضرت محدث دکن کے شام و سحر

جناب سید حامد حسین صاحب امر و صوی مقیم شکاگو نے اپنی ایک نعت سنائی جس کا مطلع ہے:

میں نہیں کہتا کہ تم ایسا کرو ویسا کرو ان کی سیرت آئینہ ہے آئینہ دیکھا کرو
 مذاہب عالم کو دیکھئے اور پیشوایان مذاہب کے حالات تلاش کیجئے ، یا تو وہ معدوم ہو گئے یا مسخ ہو کر رہ گئے۔ محبت اندھی ہو گئی ، عشق رسوا ہو گیا۔ لیکن ہمارے آقا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو دیکھئے ایک ایک بات اور ایک ایک ادا محفوظ ہے۔ اور یہی سیرتِ طیبہ کا اعجاز ہے۔ علامہ ظفر علی خان ظفر لاہوری نے کیا خوب فرمایا ہے:

تذکرہ حضرت محدث دکن

فقط دو حقائق پہ ہے دنیا قائم بقائے خدا و دوام محمد
 حیات طیبہ، سیرت پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف کتابوں میں محفوظ ہے
 بلکہ چودہ سو برس گزر جانے کے بعد آج بھی عرفاء اور اولیاء کرام کی پاک
 زندگیوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ایسی جیتی جاگتی سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی ہستیوں کو دیکھنے کے بعد یہ شعر زبان پر آجاتا ہے۔
 ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا این جاست
 (سر سے لے کر پیر تک میں جہاں نظر ڈالتا ہوں دل اس بات کی طرف کھینچتا ہے کہ
 مقصود یہیں ہے)

حضرت محدث دکن قدس سرہ کے شام و سحر بیان کرنے کی سعادت سے پہلے
 حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام بلند پر کچھ عرض کرنے کی سعادت بھی
 حاصل کر لوں!

صاحبو! انسان کی سعادت و نبوی اور اخروی اور نورانیت کا سرچشمہ مرکز اور مبداء
 انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وجود مسعود ہے اور حقیقت محمدیہ ارشاد رب
 العزت کے مطابق (سورہ النساء ۴۰) وَجَنَابِكِ عَلٰی هَوْلَاءِ شٰهِيْدًا (اور بلاویں گے ہم
 آپ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا) حیات جاودانی اور قائم و دائم زندگی کا دُرّ
 یتیم اور فرد فرید دائرہ حقیقت محمدی قرار پایا۔ اسی لئے حضرت شیخ اکبر اور حضرت
 عبدالکریم جبلی قدس سرہما نے حقیقت محمدیہ کو ”حقیقت الاسمائیہ“ اور ”لوح
 محفوظ“ سے تعبیر دیا ہے۔

سیرت مصطفوی کی ابدیت

سبحان اللہ! کیا عظیم اور واقعی تعبیر اور تفہیم ہے۔ دنیا میں ابتدائے آفرینش
 سے جس قدر بھی ہدایت، تعلیم اور نورانیت کی لوحیں اور تختیاں تھیں سب کے
 لئے تغیر اور تبدیلی مقدر تھی یہاں تک کہ آج کوئی بھی محفوظ نہیں لیکن اللہ اکبر!

تذکرہ حضرت محدث دکن

اللہ اکبر! مقام محمدی، سیرت مصطفوی اور اس مبارک حیات جاودانی کی لوح محفوظ کا ایک حرف تو کجا ایک نقطہ بھی نہ مٹ سکا۔ اور قرآن محفوظ ”و کتاب مسطور فی رق منشور اور ”فی صدور الذین اتوا العلم“ میں اس کا ایک ایک حرف، ایک ایک لفظ اسی طرح نقش اور ثبت ہے اور ہمیشہ رہے گا جس طرح قلم ازل نے تعین اول کی کرنوں سے لکھ دیا تھا۔ پس قرآن حکیم کے بعد اگر کوئی اور ہستی ”لوح محفوظ“ ہو سکتی ہے تو وہ صرف وہی روح اعظم ہے جس کے ذکر کو قرآن نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔ اولیاء کے سرادر شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم نے اسی مقام بلند کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

افلت شمس الاولین و شمسا ابد علی افق البقاء لا تغرب
(انگلوں کے تمام سورج ڈوب گئے، اور ہمارا سورج ہمیشہ ابدیت کے آسمان پر ہرگز نہیں ڈوبے گا)

اسی مفہوم میں ایک اور شعر کیا خوب ہے:

شمس تصادم قبل آدم طلعا ابد علی افق البقاء لا تغرب
(وہ آفتاب عالمتاب جس کو طلوع میں حضرت آدم علیہ السلام پر تقدم حاصل ہے ہمیشہ افق پر جلوہ فرما رہے گا اور کبھی غروب نہ ہوگا)

یہی وجہ ہے کہ اس دنیا میں ذکر ہو تو ذکر محمدی اور قول ہو تو قول محمدی اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ نادانی ہے، بے حاصلی ہے، ضیاع اوقات ہے۔

اوقات ہمہ بود کہ با دوست بسر رفت باقی ہمہ بے حاصلی و بے خردی بود
(وقت وہی ہے جو دوست کے ساتھ گزرے، باقی لا یعنی اور کم عقلی ہے)

علماء ربانیین زمین کا نمک اور پہاڑی کے چراغ ہیں

ہر قوم اپنی تاریخ رکھتی ہے، لیکن الحمد للہ ثم الحمد للہ ہم مسلمانوں سے زیادہ مستند تاریخ کسی قوم کے پاس نہیں۔ پھر ہمیں اس لحاظ سے بھی تمام اقوام عالم میں امتیاز

تذکرہ حضرت محدث دکن

حاصل ہے کہ اسلام سیرت و کردار کا جو سانچہ اپنے پیروکاروں کو دیتا ہے، تاریخ کے ہر دور میں اس سانچہ میں ڈھلی ہوئی بے شمار شخصیتیں ایک سے ایک عظیم تر دکھائی دیتی ہیں دوسرا کوئی دین اور قوم ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ان مبارک شخصیتوں نے اپنے کردار کے چراغ جلائے ہیں۔ یہ مقدس حضرات بلاشبہ حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زبان میں زمین کا نمک اور پہاڑی کا چراغ ہیں، جن سے نہ صرف ان کی ہم عصر دنیا رشد و ہدایت کا نور حاصل کرتی رہی بلکہ آج کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں بھی ان کے کردار کی شعاعوں سے ہم اپنی زندگیاں روشن کر سکتے ہیں۔

اس تاریخی پس منظر میں یہ عاجز اپنے شیخ اور پیرومرشد، حضرت محدث دکن قدس سرہ کے اعمال الیوم والدلیلۃ یعنی لیل و نہار اور شام و سحر بیان کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے جو درحقیقت ایک عالم ربانی، پیر کامل، فقیہ زمانہ اور محدث دوران کے آٹھوں پہر یعنی ۲۴ گھنٹوں کی روداد ہے تاکہ اس مبارک تذکرہ کا مطالعہ کرنے والا اپنے لئے مشعل راہ بنا سکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجسم جہاں و کمال کے ساتھ اخلاق محمدی کا ایک زندہ نمونہ صفحہ، قرطاس پر رونق افروز ہے۔ حضرت والا کی زندگی ایک مثالی زندگی ہے، زندگی کے جس پہلو پر بھی نظر ڈالیں وہ مطلع انوار اور مہبط برکات نظر آتا ہے اور قوم و ملت کو اپنی منزل مقصود متعین کرنے کی راہ دکھاتا ہے۔ ایسی مقدس ہستی تک جس کی رسائی ہو جاتی ہے وہ زبان حال سے کہ اٹھتا ہے:

شاہم امروز کہ سنگ در تو یافتہ ام گرچہ مورم مگر اورنگ سلیمان دارم
(تیرے آستانہ تک میری جو رسائی ہوئی ہے گویا آج میں بادشاہ ہو گیا ہوں، اگرچہ کہ
میں ایک چیونٹی سا ہوں مگر تحت سلیمان رکھتا ہوں)

حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی دہلوی مدظلہ العالی نے ۱۹۳۵ء میں بغداد شریف

تذکرہ حضرت محدث دکن

میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری دی تو فرماتے ہیں کہ بے ساختہ یہ شعر زبان پر آگیا:

اس سنگ آستان پہ جبیں نیاز ہے وہ اپنی جانماز ہے اور یہ نماز ہے
 حضرہ الاستاذ مولانا ابوالوفا افغانی علیہ الرحمۃ ہم سے فرمایا کرتے کہ تم بڑے خوش
 نصیب ہو کہ محدث دکن جیسا پیر کامل تم کو اپنے وطن میں مل گیا اگر تم کو طلب
 صادق ہوتی اور ایسا پیر کامل ہزاروں میل دور ہوتا تو تم کو سفر کرنا پڑتا۔ جزاء اللہ
 عنائیر الجراء

زندگانی تھی تری ، مہتاب سے تابندہ تر
 خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

روداد شام و سحر حضرت محدث دکن

حضرت محدث دکن کا مسجد علی آقا حسینی علم میں دن رات میں تقریباً چودہ پندرہ گھنٹے گزارنے کو دیکھ کر ، سرتاج نقشبندیہ ، خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ارشاد یاد آجاتا ہے۔ علیکم بالمساجد (تم مسجدوں کو پکڑ لو) اور حقیقت مسجد مسلمان کی زندگی کا عظیم مرکز ہے۔ حضرت قدس سرہ بعد نماز تہجد صبح صادق سے پہلے مسجد تشریف لاتے اور پھر تازہ وضوء فرماتے ، سخت سردیوں میں بھی حوض کے پانی سے ہی وضوء فرماتے۔ اور وضوء کے بعد جیسے اوپر عرض کیا گیا ہے دیر تک وضوء کے بعد کی دعا بتکرار فرمایا کرتے پھر فجر کی سنتوں کو ادا فرما کر اقامت پڑھنے پر محراب میں تشریف لاکر فجر کے فرض طویل تلاوت یعنی طوال مفصل کے سورتوں کے مماثل قراءت سے ادا فرماتے ، تلاوت کلام پاک کافی بلند آواز سے ہوا کرتی اور ایسے دلچسپ اور دلگیر انداز سے کہ پوری مسجد نورانیت سے بھر جاتی تھی ، فرض ادا ہونے کے بعد جنوب کی جانب رخ کر کے بیٹھ جاتے اور سات مرتبہ اللهم اجرنا من النار (الہی ! ہم کو دوزخ سے بچا پڑھتے اور اسی دعاء کو مغرب کی نماز فرض کے بعد بھی پڑھتے۔ پھر

تذکرہ حضرت محدث دکن

گو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ
 آزادی افکار ہے اہلیں کی ایجاد

”سورۃ فاتحہ“ کا پڑھنا اولیاء کرام علیہم الرحمۃ کے معمولات میں داخل ہے ”نقد ملفوظات“ میں مذکور ہے کہ امیر خسرو علیہ الرحمۃ کوئی نئی کتاب تصنیف فرماتے تو سب سے پہلے اس کا نسخہ حضرت کی خدمت میں نذر کرتے، حضرت محبوب الہی قدس سرہ اسے دست مبارک میں لے کر فرماتے کہ ”فاتحہ پڑھیں“... پھر سورۃ الحمد پڑھ کر کتاب کی قبولیت و برکت کی دعا مانگتے۔ (نقد ملفوظات، تحقیق ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ص ۱۷۵)۔

ترکی اور افریقہ میں بھی فاتحہ کا پڑھنا مسلمانوں کے معمولات میں داخل ہے پروفیسر سید ابراہیم ندوی مرحوم صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ اگست ۱۹۸۹ء میں حکومت ہند کے مندوب بن کر ترکی کی ایک اسلامی کانفرنس میں شریک ہوئے اور واپس سہو کر بتایا کہ ترکی میں ہر نماز کے بعد فاتحہ پڑھی جاتی ہے یہی بات عزیزم جلال الدین استاذ انگریزی

(HIGHER INSTITUTE OF TECHNOLOGY ALSHATI LIBIYA)

نے مکہ مکرمہ میں حج کے موقع پر جون ۱۹۹۱ء میں جب کہ حج اکبر سے حجاج کرام مشرف ہوئے اس عاجز کو بتایا کہ تقریباً پورے افریقہ میں ہر نماز کے بعد مؤذن اس طرح کہتا ہے:

”اللہم بسر ثواب الفاتحہ“

یہ عاجز جولائی ۱۹۹۲ء ایک اسلامی سنٹر کی دعوت پر ڈیالس (ٹیکساس) گیا دیکھا کہ مسجد واقع رچرڈسن اسپرٹ کے امام پروفیسر حافظ یوسف خطیب ترکی اپنے یومیہ درس کے ختم پر ”فاتحہ“ باواز بلند فرماتے ہیں۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

سورۃ فاتحہ کا بار بار پڑھنا اللہ تعالیٰ کو بیحد پسند ہے

عزیزم جناب عابد خان صاحب حیدر آبادی ایک جماعت میں ۱۹۶۲ء شب معراج کو بیت المقدس پہنچے بتایا کہ بیت المقدس میں جو فلسطینی بھی داخل ہو رہا تھا وہ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوتے ہی ”فاتحہ“ باواز کھکر سورۃ فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ سورۃ فاتحہ کی تکرار یعنی اس مبارک سورہ کو بار بار پڑھنا رب العزت کو بیحد پسند ہے چنانچہ سورۃ الحجر کی آیت نمبر ۸۷ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے۔

والقد آتینک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم

(بیشک ہم نے آپ کو سات آیتیں عطا فرمائی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم) بھی مرحمت کیا ہے۔

امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت بیان کی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ ام القرآن وام الكتاب والسبع المثانی (الحمد للہ یعنی سورہ فاتحہ ام القرآن ہے اور ام الكتاب ہے اور ایسی سات آیتیں ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں) امام بخاری نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا ہے۔ ام القرآن ہی السبع المثانی (ام القرآن یعنی سورہ فاتحہ سات آیتیں ہیں جن کو بار بار پڑھا جاتا ہے)۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس امام کے لئے تو ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس امام اور مقتدی دونوں کے لئے سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔

لفظ ”مثنیٰ“ (بار بار دہرائی جانے والی آیتیں) سے یہ بھی مسئلہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس مبارک سورہ کا دہرایا جانا بیحد پسند ہے تو آج کل وہابی حضرات نمازوں کے بعد یا ہر اچھے کام میں اس کے پڑھنے کو جو بدعت قرار دیتے ہیں حقیقت میں یہ خود بدعتی ہیں کہ رب العزت اس کے دہرانے کو پسند فرماتے ہیں اور یہ اپنے زعم

تذکرہ حضرت محدث دکن

واجب ہیں اور جو بہتمام و کمال شیخی و سندی حضرت محدث دکن قدس سرہ نے انجام دیئے ہیں تو قارئین حضرات کو استفادہ کا موقع میسر آجائے گا۔

قرآن پاک کے تین حقوق

قرآن پاک کے یہ تین حقوق ہیں (۱) تلاوت (۲) تذکرہ (۳) تدبر

۱۔ تلاوت یہ ہے کہ ہر مسلمان مرد ہو کہ عورت قرآن پاک روزانہ کم از کم پاؤ پڑھا کرے اور اس طرح چار مہینہ میں قرآن پاک کا کم از کم ایک دور ہو جائے اور زندگی میں کم از کم ایک بار کسی قاری اور مجود کو تجوید کے ساتھ پورا قرآن پاک سناوے اور یہ اسقدر اہم بات ہے کہ مشہور تابعی حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۰ھ) نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو آپ کے دور خلافت میں قرآن پاک کے دو دور سنائے۔

۲۔ تذکرہ یہ ہے کہ قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر کسی مستند تفسیر سے روزانہ کم از کم ایک رکوع پڑھا کرے چنانچہ ہمارے بچپن میں حضرت الاستاذ مولوی غوث الدین صاحب علیہ الرحمۃ محلہ بیرون لال دروازہ کی مسجد لائن مگلوٹ میں بعد نماز مغرب تفسیر حسینی سنایا کرتے تھے اور مصلیان مسجد چھوٹے بڑے سب سماعت کرتے تھے۔

۳۔ تدبر یہ علماء کرام کا حق ہے جن کو عربی زبان اور ادب پر کافی مہارت ہو کہ وہ علوم قرآنیہ میں تسبیح حاصل کرنے کے بعد ملت اسلامیہ کے لئے اپنے دور کی ضروریات کے پیش نظر اور اس زمانہ میں دین میں جو فتنے دشمنوں نے پیدا کر رکھے ہیں ان کی مدافعت میں قرآن اور حدیث کی روشنی میں زبان اور قلم سے جہاد کریں مثال کے طور پر جس طرح امام غزالی نے احیاء العلوم کے ذریعہ اور امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر کے ذریعہ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی نے تفسیر مظہری کے ذریعہ اور مصر کے سید قطب شہید نے اپنی تفسیر فی ظلال القرآن کے ذریعہ اس دور کے سارے "ازم" کو اسلامی قانون کی حقانیت اور برتری ثابت کر کے

تذکرہ حضرت محدث دکن

پامال کیا ہے اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اور ان کے امثال کو ملت کی طرف سے جزاء خیر عطا فرمائے آمین۔

الحمد للہ حضرت محدث دکن قدس سرہ نے اپنے مواعظ، اپنی تصنیفات اور اپنے جلقہ ذکر اور شب و روز کے معمولات کے ذریعہ پیکرِ علم و عمل بن کر قرآن پاک کے تینوں حقوق ادا فرمائے جزاء اللہ عننا وعن الملتہ الاسلامیۃ خیر الجزاء واحسنہ!

حضرت محدث دکن کی خدمت میں خواتین کی حاضری

حضرت محدث دکن قدس سرہ کی صبحی نشست فجر کی نماز کے بعد تقریباً ڈھائی عین گھنٹہ کی ہوا کرتی تھی۔ اس دوران میں اگر کوئی حاجتمند کسی وظیفہ یا تعویذ کی درخواست کرتا تو آپ بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ سائل کی اس درخواست کو منظور فرماتے۔ مسجد علی آقا حسینی علم میں ان صبحی معمولات کے بعد حضرت محدث دکن نواب عبدالباسط خان کے گھر ناشتہ پر تشریف لیجاتے جہاں روزانہ تیس چالیس اصحاب ناشتہ پر رہا کرتے تھے۔ نواب صاحب موصوف باوجودیکہ حضرت علیہ الرحمۃ نے ناشتہ کی دعوت کو مستقلاً قبول فرمایا تھا مگر ہر روز اپنے خادم کو حضرت کی خدمت میں روانہ کرتے کہ نواب صاحب ناشتہ پر آپ کے منتظر ہیں، حیدر آباد کے رؤساء کا یہ معمول تھا کہ ان کے پاس ہر روز صبح و شام اہل علم اور احباب ناشتہ اور عشاء پر جمع ہوا کرتے تھے اور ان حضرات کا دسترخوان بڑا وسیع ہوا کرتا تھا۔ چوں کہ حیدر آباد آصفی سلطنت کا پایہ تخت تھا اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے اہل علم اور اہل فضل روزگار کی تلاش میں حیدر آباد منتقل ہو جاتے تو وہ ملازمت اور خدمت کے حصول تک ان رؤسا اور نوابوں کے ہاں مہمان رہتے۔ حضرت محدث دکن ناشتہ کے بعد گھر تشریف لیجاتے اور تھوڑی دیر آرام فرماتے یہاں تک کہ خواتین کثیر تعداد میں حاضر ہوتیں اور اپنے مسائل عرض کرئیں اور حضرت علیہ الرحمۃ خواتین کے حالات سن کر مشورے دیتے، وظائف بتاتے اور

تذکرہ حضرت محدث دکن

درخواست پر تعویذ بھی عنایت فرماتے یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت آجاتا۔
حضرت محدث دکن ظہر، عصر اور عشاء کی نمازیں کچھ تاخیر کے ساتھ مگر مستحب
اوقات میں ادا فرماتے۔ ظہر کی نماز کے بعد مرد حضرات سے ملاقات کا وقت مسجد ہی
میں ہوتا اور حاضرین میں ہر شخص اپنی حاجت عرض کرتا اور حضرت قدس سرہ اس
کو مشورہ دیتے یا وظیفہ بتاتے۔

زجاجۃ المصانیح کی طباعت کی ابتداء

الحمد للہ ۱۹۵۱ء میں جب زجاجۃ المصانیح (عربی) کی طباعت کا کام شروع ہوا اور اس
عاجز کو حضرت قدس سرہ نے کاپی اور پروف کے مقابلہ کے لئے یاد فرمایا تو یہ کام
ناشتہ سے پہلے انجام پاتا۔ حضرت قدس سرہ کے خادم خاص جناب عابد حسین
صاحب مرحوم اس عاجز کے گھر تشریف لاتے اور فرماتے کہ عربی کی کاپی کتابت کے
بعد کاتب صاحب نے بھجوا دی ہے اور حضرت قبلہ نے آپ کو کل صبح حاضر ہونے
کو کہا ہے یہ عاجز بعد نماز فجر اپنے گھر سے روانہ ہوتا اور حضرت قبلہ تو مراقبہ میں
مشغول رہتے مگر اس عاجز کو یہ حکم تھا کہ تم جب عربی کے کام کے لئے آؤ تو میرے
قریب آکر آواز سے ”السلام علیکم“ کہہ دینا! میں مراقبہ ختم کر کے زجاجہ کے کام
کے لئے اٹھ جاؤں گا۔ حسب الحکم یہ عاجز تعمیل حکم کرتا، حضرت قبلہ فاتحہ پڑھتے اور
بعد اداے اشراق گھر تشریف لیجاتے اور وہاں اصل مسودہ سے کاپی کا مقابلہ ہوتا
اور اسی طرح پروف کا مقابلہ بھی انجام پاتا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ اس عاجز کو اس
طرح زجاجۃ المصانیح (عربی) کی قراءت حضرت مصنف قدس سرہ کو دو مرتبہ سنانے
کا شرف حاصل ہوا ہے اور عیسرا دور حضرت الاستاذ، مربی بے بدل حضرت مولانا
ابوالوفا افغانی علیہ الرحمۃ کو درساً ورساً سنایا گیا جو حضرت علیہ الرحمۃ کی وفات تک
مناقب سیدنا ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ پر ختم ہوا۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

عالی شان میاں سید شاہ انور اللہ سلمہ اللہ جانشین حضرت ابوالبرکات اس مسجد عالی شان کے سارے معمولات کو اپنے جد امجد قدس سرہ کی پیروی میں بتمام و کمال جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ہنوز آں ابر رحمت در فشاں است مئے و میخانہ با مہر و نشان است

(آج بھی وہ ابر رحمت برس رہا ہے اور میخانہ اسی شان سے آباد ہے)۔

آمین بحرمۃ سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرامین!

زجاجۃ المصابیح کی طباعت اور اشارہ غیبی

اس موقع پر زجاجۃ المصابیح کی طباعت کے سلسلہ میں برادر طریقت جناب حاجی عبدالرزاق صاحب ساکن بیڑ (مہارا شٹرا) کو اشارہ غیبی ہوا اور انہوں نے اس عظیم کام کے لئے کمر ہمت باندھ لی، اس کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا۔ حضرت محدث دکن قدس سرہ نے جب زجاجۃ المصابیح کی تالیف مکمل فرمائی تو ادارہ اشاعت العلوم جو جامعہ نظامیہ کی نگرانی میں علمی اور دینی کتابوں کی اشاعت کرتا تھا، آپ نے اس کتاب کو اس ادارہ میں بھجوا دیا۔ مولانا ادریس کاندھلوی کی التعلیق المصباح علی مشکاة المصابیح اسی ادارہ سے شائع ہوئی۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ کی زجاجۃ المصابیح عین سال اس ادارہ میں الماریوں کی زینت بن کر رہی مگر ارباب انتظام نے اسکو اپنی اشاعتوں کے پروگرام شامل نہیں فرمایا۔ یہ سنا گیا کہ ارباب انتظام نے کہا کہ مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ صاحب نے تنہا ایک جماعت کا کام انجام دیا ہے اگر یہ کتاب شائع ہو جائے تو ان کا نام عالم اسلام میں روشن ہو جائے گا اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک توفیق دے یقیناً معاشرت بڑا حجاب ہے۔ حضرت قبلہ یوں فرمایا کرتے کہ ”میں نے اپنا کام کیا اور میرے پاس اتنا سرمایہ نہیں کہ اس کتاب کو شائع کر سکوں اے مالک الملک! تیرے بہت سے غیبی خزانے ہیں ان میں سے تو اس کی اشاعت کا انتظام فرما“۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

سے اس کی اشاعت کا انتظام فرمایا اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزاء خیر عطا فرمائے۔
اولیاء کرام کے اوقات میں برکت عطا کی جاتی ہے

ہم نے اپنے اساتذہ سے سنا تھا کہ اولیاء کرام کے اوقات میں برکت عطا کی جاتی ہے
عالم اسلامی کے اولیاء کرام کے احوال اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس وقت محدث
دکن قدس سرہ کا مبارک تذکرہ آپ کے زیر مطالعہ ہے جو اس کا شاہد ہے کہ آپ
نے ابھی حضرت علیہ الرحمۃ کی شب و روز کی مشغولیت کا مطالعہ فرمایا۔ مشکل سے
تین چار گھنٹہ آرام کرنے کا وقت ملتا تھا لیکن آپ غور فرمائیں کہ اسی ہماہمی میں
زجاجۃ المصابیح (عربی) کی پانچ جلدیں جو تقریباً ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل ہیں اس
کے علاوہ اردو میں تقریباً دس کتابیں جو مختلف موضوعات کو محیط ہیں تالیف فرمائیں
چنانچہ حیدر آباد یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی کے طالب علم عزیزم عظمت اللہ خان سلمہ
حضرت علیہ الرحمۃ پر اردو کے ایک عظیم مصنف کی حیثیت سے شعبہ اردو
سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے کام کر رہے ہیں۔ الحمد للہ مقالہ تکمیل پاچکا اور
امتحان کے لئے داخل کر دیا گیا اور فروری ۱۹۹۶ء میں موصوف کو ڈگری بھی مل گئی۔

درس مشکاۃ شریف

حضرت محدث دکن قدس سرہ کی ایک اہم مشغولیت کا ذکر رہ گیا اور وہ مشکاۃ
المصابیح کا درس ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے
بعد یہ درس شروع ہوتا۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ کے بعض ارادت مند اور شاگرد
اصحاب نے درخواست کی کہ ہم آپ سے عربی زبان سیکھنا اور پھر مشکاۃ شریف کا
درس لینا چاہتے ہیں ظاہر ہے کہ عربی زبان سیکھے بغیر مشکاۃ شریف کا درس کیونکر
ہوتا۔ اس لئے پہلے ان حضرات نے حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ سے صرف و نحو اور عربی
زبان و ادب کی کتابیں پڑھیں پھر مشکاۃ کا درس شروع ہوا اور الحمد للہ پوری کتاب
درساً درساً ختم ہوئی۔ یہ عاجز کے بچپن کا واقعہ ہے۔ اس درس کے معروف اور

تذکرہ حضرت محدث دکن

پابند اصحاب میں جناب حکیم محمود خان صاحب، ساکن نام پٹی، استاذی مولوی غوث الدین صاحب، مددگار مدرس مدرسہ تختانیہ لال دروازہ، قاری حافظ مولوی عبدالرحیم صاحب، امام و استاذ مدرسہ حفاظ مکہ مسجد اور حضرت غلام جیلانی صاحب سررشتہ دار عدالت تھے، دیگر شاگرد اصحاب کے علاوہ مصلیان مسجد علی آقا حسینی علم اور سامعین بھی ہوا کرتے تھے اور یہ درس عشاء کی نماز کے بعد شروع ہو کر رات کے بارہ بجے تک جاری رہتا۔ اس عاجز کو یہ بھی یاد ہے کہ مولوی غوث الدین صاحب بڑی تقطیع کی مشاکاة شریف اٹھائے ہوئے پیدل لال دروازہ سے حسینی علم تشریف لے جایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان سارے شرکاء درس کے درجات جنت الفردوس میں بلند فرمائے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی دنیوی زندگی ختم کر کے پہنچ چکے ہیں۔ آمین۔ بحرمتہ سید المرسلین۔

حضرت محدث دکن کی اولیاء کرام کی مزارات پر حاضری

حضرت علیہ الرحمۃ کے اس موضوع پر لکھنے سے پہلے اس عاجز کی نظر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء کرام کی مزارات پر حاضری کے بارے میں کچھ لکھتا چلوں۔ مولانا شاہ زید ابوالحسن فاروقی دہلوی سجادہ نشین خانقاہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہ نے اپنی کتاب ”مولانا اسماعیل دہلوی اور ان کی تقویۃ الایمان“ میں کیا خوب لکھا ہے کہ ”انگریز جب ہندوستان آئے تو بد قسمتی سے مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے ایک دیوبندی دوسرے بریلوی اور دونوں میں غلو ہے“ ایک گروہ تو بچارے مسلمانوں پر کفر و فسق کے فتووں کی بھرمار کر رہا ہے تو دوسرا گروہ مشرک، بدعتی، قبر پرست وغیرہ القاب کی بے باکانہ تقسیم میں مشغول ہے، حضرت حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ نے اپنے معجزانہ کلام میں کیا خوب فرمایا ہے:

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بند چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند
(بہتر فرقوں کے جنگ کی نسبت یہ سمجھ کہ یہ معذور ہیں ان کو حقیقت کا علم نہیں،

تذکرہ حضرت محدث دکن

قصے اور کہانیاں بیان کرتے ہیں (واقعہ یہ ہے کہ حقیقت تو ایک ہی ہے دو ہو نہیں سکتی، اور حقیقت سے آگاہی تو صرف عشق حقیقی کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے ”والذین آمنوا شد حباً للذکر“ اس موقع پر حضرت محدث دکن قدس سرہ کا اس موضوع پر ایک مبارک فیصلہ سناتا چلوں:

ایک برادر طریقت نے جو بڑے جذباتی مسلمان تھے ایک مجلس میں عرض کیا کہ جو لوگ بات بات پر اہل نسبت اور اصحاب طریقت پر شرک اور کفر کے فتوے صادر کرتے ہیں حضرت ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعاً عشق نہیں ہے۔ پھر ان حضرات کی عبادتیں بیکار ہیں یا نہیں؟

حضرت محدث دکن کا انوکھا فیصلہ

حضرت علیہ الرحمہ نے جواباً ارشاد فرمایا میاں! ایک آقا کے دو غلام ہیں ایک اپنے آقا کی ہر طرح سے خدمت کرتا ہے لیکن اس کو اپنے آقا سے نہ تو اخلاص ہے نہ عشق گویا جو کچھ کر رہا ہے باہول ناخواستہ کر رہا ہے، یقیناً یہ قابل نفرت ہے، دوسرا غلام اپنے آقا کی محبت کا دم تو بھرتا ہے لیکن خدمت کچھ نہیں کرتا اسے بھی قابل نفرت ہی کہنا چاہیے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ پہلے غلام کو خلوص اور محبت کی اور دوسرے غلام کو اطاعت کی توفیق عطا فرمائے کسی صاحب دل شاعر نے اسی مضمون کو کسی خوبی کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

خانہ شرع خراب است کہ ارباب صلح در عمارت گری گنبد و دستار خود اند
(شریعت مقدسہ کو نام نہاد ارباب شریعت نے خراب کر رکھا ہے اس لئے کہ ان کو خود اپنی پگڑی اور دستار کو باقی رکھنا ہے)

اولیاء کرام کی مزارات پر حاضری کی ممانعت دیو بندی حضرات کی طرف منسوب کی جاتی ہے حالانکہ مشائخ دیو بند خود اس پر کار بند رہے ہیں بلکہ اس کی وصیت بھی کی ہے۔

اولیاء کرام کی قبروں سے وہی فائدہ ہوتا ہے جو زندگی میں ہوتا تھا
 حضرت میانجی نور محمد جھنجانوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۹ھ) حضرت امداد اللہ مہاجر
 مکی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱۷ھ) کے پیر ہیں اور علماء دیوبند سب حضرت امداد اللہ رحمۃ
 اللہ علیہ کے مرید ہیں۔ جب میانجی نور محمد علیہ الرحمۃ کے انتقال کا وقت آیا تو
 حضرت امداد اللہ رونے لگے تو حضرت میانجی نے تسلی اور تشفی دی اور فرمایا کہ ”فقیر
 مرتا نہیں، بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال کرتا ہے، فقیر کی قبر سے
 وہی فائدہ ہوگا جو ظاہری زندگی میں ہوتا تھا“

مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ کا قول رسالہ اضافات صحائف معرفت ص ۳۱۷-
 میں موجود ہے: ”اور جاننا چاہئے کہ اولیاء اللہ سے بعد انتقال کے بھی تصرفات
 و خوارق سرزد ہوتے ہیں اور یہ امر حد تو اتر تک پہنچ گیا ہے“ (مولانا تھانوی کی
 عبارت ختم ہوئی)۔

اولیاء کرام کی مزارات پر حاضر ہونے اور ان مقدس حضرات سے استفادہ کرنے پر
 نقلی اور عقلی دلائل سے کتب خانے بھرنے پڑے ہیں۔ اس عاجز نے بطور دلیل اور
 حجت کے صرف چند باتوں پر اکتفا کیا ہے کہ عقلمند کے لئے یہ اشارہ کافی ہے:

العبد یضرب بالعصا والعقل تکفیه الاشارہ

(غلام کو لکڑی سے پیٹا جاتا ہے اور عقلمند کو اشارہ کافی ہے)

علامہ اقبال کی حضرت مجدد الف ثانی کے مزار پر حاضری

اس مضمون کو یہ عاجز شاعر مشرق علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے حسب ذیل ابیات پر
 ختم کرتا ہے جن کو آپ نے حضرت مجدد الف ثانی، امام ربانی، شیخ احمد سرہندی
 قدس سرہ کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر پڑھا ہے:

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلع انوار

تذکرہ حضرت محدث دکن

اس خاک کے ذروں سے میں شرمندہ ستارے اس خاک میں پوشیدہ ہے ایک صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے اس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان اللہ نے بروقت کیا اس کو خبردار

علامہ اقبال اور درگاہ محبوب الہی پر حاضری

اسی طرح علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے اپنی نظم التجائے مسافر بندرگاہ محبوب الہی میں
اپنی نیاز مندی کا اظہار کیا ہے، اقبال کے ہم نام حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام
الدین محبوب الہی کے خادم خاص تھے اسی بات کو علامہ نے اپنے اس شعر میں بیان
کیا ہے۔

محو اظہارِ تمنائے دلِ ناکام ہوں لاج رکھ لینا کہ میں اقبال کا ہم نام ہوں
ابن حجر کے قول سے اولیاء کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت

علامہ ابن حجر نے بخاری شریف کی شرح فتح الباری میں حضرت عتبان رضی اللہ عنہ
کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے گھر لے گئے کہ آپ
وہاں کسی جگہ نماز پڑھ لیں تاکہ وہ اس کو اپنا مصلیٰ بنالیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے وہاں نماز پڑھی اور حضرت عتبانؓ نے اس مبارک جگہ کو اپنا
مصلیٰ بنایا۔ یہ واقعہ بیان کر کے علامہ ابن حجر نے لکھا ہے۔ هو حجۃ فی التبرک بآثار
الصالحین یعنی یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے آثار سے برکت حاصل کرنے
کے لئے حجت ہے۔

یسی وجہ ہے کہ حضرت محدث دکن حیدرآباد دکن کے اولیاء کرام حضرت بابا شرف
الدین قدس سرہ (جو بابا شہاب الدین سروردی بغدادی قدس سرہ کے خلیفہ اور
فرستادہ ہیں) اور حضرات یوسفین شریفین مریدین حضرت خواجہ کلیم اللہ جہاں
آبادی دہلوی، حضرت سید احمد بادپا، واقع فرسٹ لانس اور حضرت خواجہ سید محمد
گیسودراز گلبرگوی قدس سرہ کے مزارات پر حاضری دیتے اور مراقب رہا کرتے

تذکرہ حضرت محدث دکن

تھے اور ایک سفر تو پورے ہندوستان کے اولیاء کرام کے مزارات کی زیارت کے لئے کیا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ محدث دہلوی کا زیارتوں کے لئے پانی پت، سرہند، لاہور اور ملتان کا سفر

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا بھی یہی معمول رہا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے ۱۱۴۳ھ میں جب حرمین شریفین کے مبارک سفر کا ارادہ فرمایا تو براہ لاہور روانہ ہوئے اور جہاں کہیں بھی کسی ولی کا مزار ہوتا وہاں جاتے چنانچہ پانی پت میں حضرت شاہ بوعلی قلندر، شاہ شمس الدین ترک اور شاہ جلال قدس اللہ اسرارہم کے مزارات پر حاضری دی، بعد ازاں سرہند میں حضرت مجدد شیخ احمد سرہندی، لاہور میں حضرت شیخ علی بھویری داتا گنج بخش، ملتان میں مخدوم خواجہ بہاؤ الدین زکریا اور شاہ رکن عالم قدس اللہ اسرارہم کی مزارات پر تشریف فرما ہوئے۔

حضرت محدث دکن کا اہتمام ماہ صیام

ہمارے حضرت علیہ الرحمہ کے معمولات میں ماہ رمضان المبارک کا حد درجہ اہتمام، آخری دہے کا اعتکاف اور قرآن پاک کا ایک دور نماز تراویح میں اور دوسرا دور آخری دہے کی نماز تہجد میں زندگی بھر کا معمول رہا ہے۔

روزہ کی فضیلت پر حضرت یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

روزہ کی فضیلت اور اس کی برکتوں سے الحمد للہ مسلمانوں کے چھوٹے بڑے سب واقف ہیں۔ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (۷۸۲ھ) رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مکتوبات صدی میں فرماتے ہیں جس طرح جسمانی قوت کھانے پینے پر موقوف ہے اسی طرح روحانی طاقت بھوکے پیاسے رہنے سے پیدا ہوتی ہے الجوع طعام اللہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

فی ارضہ (بھوک خدا کی زمین میں خدائی غذا ہے) روزہ دار میں محبوب حقیقی کی ایک خاص صفت پائی جاتی ہے وهو یطعم ولا یطعم (حق تعالیٰ کھلاتا ہے مگر خود نہیں کھاتا) سچے روزہ دار کو یقینی مقام تقرب حاصل ہوتا ہے۔

ایضاً حضرت داتا گنج بخش کا ارشاد

حضرت داتا گنج بخش علی جویری رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں "روزہ جو ارجح کے لئے بلاء ہے، دل کے لئے صفا ہے، جان کے لئے ولا (تقرب) ہے اور سر کے لئے بقا ہے۔ اتنے بہترین سامان مہیا ہوں کہ دل کو صفا، جان کو ولا اور سر کو بقا حاصل ہو۔ ایسی صورت میں اگر جسم بتلائے بلا رہے تو کیا مضائقہ ہے اور کیا نقصان ہے" (کشف المحجوب)۔

حضرت محدث دکن کا ارشاد

ہمارے حضرت محدث دکن قطب زمن فرمایا کرتے کہ لوگ نادانی سے روزہ دار کو بھوکا سمجھتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ روزہ دار اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے جب روزہ کی نیت کر لیتا ہے، کھانے پینے اور خواہش نفسانی سے بچا رہتا ہے تو فوراً اللہ تعالیٰ اس کے لئے روحانی غذا شروع فرما دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ مطمئن رہتا ہے اس کے برخلاف اگر کوئی فاقہ رہے تو اس کو ایسا اطمینان حاصل نہیں ہوتا، روزہ دار کا دل اولیاء اللہ کا دل ہو جاتا ہے ہمیشہ نیکی کا خیال، تلاوت کلام اللہ کی مشغولی اور نہیں تو آرام چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ روزہ دار کی نیند بھی عبادت ہے۔ تلاوت کلام پاک اور نوافل کے علاوہ حضرت محدث دکن اپنے اہل بیت کی خوشی کے لئے ہر روز ماہ صیام میں کھانوں کا نیا انتظام فرماتے کبھی پھلی منگواتے، کبھی پلاؤ بنواتے، کبھی گوشت کھلانے کا اہتمام فرماتے۔ غرض اس مبارک مہینہ میں ہمارے حضرت کے گھر میں خوشیاں ہی خوشیاں رہتیں گویا ہر دن عید کا دن ہے۔ نماز تراویح میں ایسے حافظ صاحب کا انتظام فرماتے جو خوش الحان قاری ہو، قرآن پاک کی

تذکرہ حضرت محدث دکن

طلاوت میں وہ جلدی نہ کرتا ہو، رکوع اور سجدے بھی اطمینان سے ادا ہوتے ہوں چنانچہ تراویح میں قرآن پاک کو ہمارے حضرت کی مسجد میں سنانے کی عزت جناب بھائی حافظ محمد حسین صاحب عرف نواب جانی بن حافظ حضرت محمد امام صاحب علیہم الرحمۃ کو حاصل ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تراویح میں جو قرآن پڑھا جا رہا ہے وہ ایسا ہی پڑھا جا رہا ہے جیسا کہ عام دنوں میں صہری نمازوں میں پڑھا جاتا ہو۔

ختم قرآن کی تقریب اور ہمارے حضرت کا وعظ

یہی وجہ ہے کہ دو گھنٹہ سے زائد وقت میں ہر دن سوا پارہ قرآن پاک کا پڑھا جاتا تھا۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ قرآن پاک کا ختم ۲۹ ویں رمضان کو کرواتے اور یوں فرماتے کہ بالعموم ۲۷ ویں شب کو جو قرآن کا دور ختم کیا جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو روزے پہلے ہی ماہ مبارک کو رخصت کر دیا گیا۔ اور قرآن پاک کے ختم کی تقریب پر پُر اثر اور درد انگیز، سحر بیان و وعظ فرماتے سارے حاضرین پر آہ و زاری طاری رہتی اور ایسا معلوم ہوتا کہ گویا پوری مجلس پر نورانیت کی چادریں تنی ہوئی ہیں اور رحمت کے فرشتے اپنے پروں کو سامعین کے سروں پر پھیلا رہے ہیں۔ مسجد علی آقا حسینی علم کا دالان اور صحن بھر کر سامعین سڑک پر بھی بیٹھ جاتے اور دو تین گھنٹہ تک راستہ کا رخ بدل جاتا تھا۔

جو حضرات اس مبارک محفل میں شریک رہے ہیں اس روحانی کیف اور سرور کو وہی بتا سکتے ہیں۔

آہ! آل قدح بشکت وآل ساقی نہ ماند

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں زندگی بھر ہمارے حضرت نے اعتکاف فرمایا ہے اور اسی دہے میں باجماعت نماز تہجد میں قرآن پاک کا ایک اور دور ہوتا اس کی سعادت حافظ قاری مولوی عبدالرحیم صاحب امام و خطیب کہ مسجد کے نصیب میں رہی۔ ان حافظ صاحب کی تلاوت میں بڑا سوز ہوتا تھا خود روتے اور اوروں کو رلاتے تھے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

عیدین کی راتیں متبرک راتوں میں شمار ہوتی ہیں اور ان راتوں میں عبادت کی بڑی فضیلت ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ ان راتوں میں عبادت کرنے والے کا دل قیامت کے دن زندہ رہے گا۔ اس کے پیش نظر ہمارے حضرت علیہ الرحمہ ان راتوں میں مسجد ہی میں عبادت میں مشغول رہ کر بعد اداے نماز فجر گھر تشریف لیجاتے اور عید کی نماز کے لئے عید گاہ اول وقت تشریف لیجاتے اور صف اول میں نماز عید ادا فرماتے۔

ہمارے حضرت کا اہتمام روز جمعہ

ہمارے حضرت کا ایک معمول جمعہ کے دن اور نماز جمعہ کا اہتمام بھی تھا ہمارے حضرت نہادھو کر، صاف کپڑے زیب تن فرما کر اول وقت شہر کی جامع مسجد یعنی مکہ مسجد تشریف لیجا کر امام کے پیچھے پہلی صف میں تشریف رکھا کرتے۔ اس دوران میں سورہ کہف اور درود شریف پڑھا کرتے کہ عام دنوں کے مقابلہ میں جمعہ کے دن درود شریف بکثرت پڑھنے کی تاکید احادیث شریفہ میں وارد ہے۔ جمعہ کے دن ہمارے حضرت نماز عصر کی ادائیگی کے بعد غروب آفتاب تک دعائیں کیا کرتے اور بالعموم ملا علی قاری علیہ الرحمۃ کی حزب اعظم کا ورد فرماتے اس لئے کہ جمعہ کے دن ایک ساعت ہے جس میں دعاء قبول ہوتی ہے اور وہ ساعت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق میں عصر اور مغرب کے درمیان ہوا کرتی ہے۔

الغرض ہمارے حضرت کی زندگی اور زندگی کا ہر دن عبادت، علم دین کی مشغولی، مسلمانوں کی خیر خواہی، ان کے حالات سن کر ان کو صحیح مشورے دینا، ذکر اور مراقبہ کی محفل کو سجانا جو عموماً بعد نماز فجر ہوا کرتی ان بہترین کاموں سے بھرپور تھا یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے دور میں مرجعیت کے تاجدار تھے اور کسی شیخ اور پیر کو ایسا رجوع نصیب نہ ہوا۔

فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینچاست

تذکرہ حضرت محدث دکن

حج کی حقیقت بزبان حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری بہاری

حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری بہاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۲ھ) فرماتے ہیں کہ کعبۃ اللہ کی زیارت حقیقت میں خداوند قدوس کی زیارت ہے، محب صادق کے لئے جمال کعبہ محبوب بے نشان کا ایک نشان ہے۔ آخر کریں تو کیا کریں وہاں پہنچ کر اپنے دل کو تسلی دیتے ہیں من منع عن النظر تیسلی بالاثر جو شخص جمال محبوب کے دیکھنے سے قاصر ہے وہ لا محالہ اس کی نشانی سے دل بہلاتا ہے۔ طالبان صادق جب خانہ کعبہ میں پہنچتے ہیں تو جہین نیاز اس آستانہ کی خاک پر ملتے ہیں۔ اور وردِ دل سے نالہ کرتے ہیں اس آرزو میں کہ شاید گھر دیکھتے دیکھتے صاحب خانہ بھی نظر آجائے اور ”در چشم طلبگار عیانم“ (میں ڈھونڈھنے والے کی آنکھ میں ظاہر ہوں) کا جلوہ ظاہر ہو جائے۔ جب محب نے محبوب کی محبت میں بال بچوں کے تعلقات سے جان و دل کی بازی لگا دی تو اس کو رضا اور لقاء کی خلعت سے مشرف کیا جاتا ہے۔ وہ ہمہ تن متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے اور جس وقت طائر حرم جمال کعبہ دیکھتا ہے تو اس کو ایسی قلبی راحت ملتی ہے کہ سامان عافیت اس کو سراسر تکلیف نظر آنے لگتے ہیں اور اگر خوش نصیبی سے نسیم عنایت چل گئی اور وجود کا حجاب اٹھ گیا تو عرش الہی جو دل کا کعبہ ہے آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ (حضرت مخدوم شرف الدین قدس سرہ کی عبارت ختم ہوئی)۔

شکر خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے جس پر نثار جان، فلاح و ظفر کی ہے اس عاجز کے والد بزرگوار الحاج محمد اسماعیل خان علیہ الرحمہ فرمایا کرتے کہ مسلمان نے اپنی زندگی میں حرمین شریفین کی زیارت نہ کی تو پھر کیا کیا؟

حضرت محدث دکن کا سفر حج ترکی حکومت میں انجام پایا

ہمارے حضرت محدث دکن قدس سرہ نے غالباً یہ مقدس سفر عیسوی صدی کے پہلے دے یعنی ۱۹۱۰ء کے دوران فرمایا۔ یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ قوم میں اتنا شعور نہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

تھا کہ اس عظیم البرکت ہستی کا یہ عظیم اور مبارک سفر اور اس کی رویداد محفوظ کر لی جاتی کہ آنے والے زمانہ میں شائقین کے لئے دستور العمل کا کام دیتی۔ اس مبارک سفر میں آپ اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا حافظ سید مظفر حسین رحمۃ اللہ علیہ اور ارادتمندوں کی ایک جماعت کے ہمراہ تھے اس زمانہ میں حجاز مقدس پر ترکوں کی حکمرانی تھی، ترکوں کے عثمانی خلیفہ نے اپنا لقب خادم الحرمین الشریفین اختیار کیا تھا اور حرمین شریفین کے انتظام پر اپنا نائب سادات گھرانے کی ایک عظیم شخصیت کو متعین کیا تھا جن کا لقب شریف مکہ ہوا کرتا۔ انگریزوں نے سعودی حکومت کے بانیوں سے ساز باز کر کے شریف مکہ کو تمام ملک شام کی حکومت کا لالچ دے کر حجاز مقدس سے ہٹا دیا، اس وقت اردن پر انہی شریف مکہ کی اولاد حاکم ہے۔

ہمارے حضرت کا یہ سفر بادبانی جہاز سے انجام پایا اور ہر مسافر کو ان دنوں اپنی جانب سے اپنا کھانا پکانے کی اجازت تھی۔ فرمایا کرتے کہ دوران قیام مکہ مکرمہ کھانے پر بجائے پانی کے زمزم شریف کا انتظام فرمایا تھا اور زمزم شریف کو پانی کی بجائے نوش فرماتے۔ حج کی ادائیگی کے بعد ”کعبہ کا کعبہ“ مدینہ منورہ حاضری ہوئی۔ اللہ اللہ! وہ کتنی مبارک ساعت رہی ہوگی جب یہ عاشق صادق سردار عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ رحمت میں حاضر ہوا ہوگا اور دونوں عالم کے داتا نے اپنے محب سائل کے دامن کو گل مقصود سے بھر دیا ہوگا۔ اس کیفیت اور حالت کا صحیح اندازہ وہی مبارک اور مسعود انسان کر سکتے ہیں جن کی اس منزل تک رسائی ہو۔

حضرت محدث دکن قدس سرہ نے مکہ معظمہ میں کیا کیا عبادتیں فرمائیں اس کی کوئی یادداشت موجود نہیں البتہ حضرت کی عادت مبارک یہ تھی کہ عازم حرمین شریفین آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور کچھ نصیحت کی درخواست کرتے تو آپ ارشاد فرماتے کہ میاں! بعض عبادتیں صرف مکہ معظمہ ہی میں کی جاسکتی ہیں جیسے

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضرت سلیمان جزولی (م ۱۸۷۰ء) کی دلائل الخیرات (درود شریف کی مشہور کتاب) اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے الحزب الاعظم (ماثورہ دعاؤں کا مستند ترین مجموعہ) کی اجازت اس زمانے کے شیخ الدلائل سے حاصل فرمائی۔ ان دونوں کتابوں کی اجازت ہمارے حضرت علیہ الرحمۃ ہر سال ماہ رمضان المبارک کے آخری دہے میں جب اپنے محلہ کی مسجد علی آقا حسینی علم میں معتکف ہوتے اور اس کا ورد ہوتا تو آپ قاری اور سامع کو اجازت مرحمت فرماتے۔ الحمد للہ اس عاجز سے یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ واضح ہو کہ دلائل الخیرات درود شریف میں اور حزب اعظم کو دعاؤں میں اللہ تعالیٰ نے مقبول خاص و عام بنایا ہے، عالم اسلامی کے عالی مقام بزرگان دین ان کتابوں کا بطور وظیفہ ورد کرتے رہے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی ان پر عامل تھے۔ افسوس کہ دلائل الخیرات کو حکومت سعودیہ نے اپنے ملک میں ممنوع قرار دے دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ہمارے بزرگ برادر طریقت اور خلیفہ حضرت محدث دکن حضرت سید غلام جبیلانی علیہ الرحمۃ عرف نانا میاں فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے حضرت مسجد نبوی میں مواجہ شریف میں جب مراقب رہتے تو گھنٹوں گزر جاتے اور حضرت علیہ الرحمۃ کے ہم سفر زائرین آپ کو زبردستی اٹھاتے تو اٹھتے تھے۔ حضرت محدث دکن قدس سرہ کی اس حالت پر یہ شعر ورد زبان ہے:

سکونِ قلبِ ملا ، لذتِ حیاتِ ملی درِ جیبِ ملا ، ساری کائناتِ ملی
شکر ہے رحمتِ باری تیرا کعبہ دیکھا طیبہ دیکھا ، ترے محبوب کا روضہ دیکھا

اسی سلسلہ میں شاعر اسلام علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے واردات قلبی کو بھی سن لیں:

از رسالت در جہاں نکوین ما از رسالت دین ما آمین ما
قوتِ قلب و جگر گرد نبی از خدا محبوب تر گرد نبی
یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کرام کے لئے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

شریف کے طول و عرض اور بلندی کو دیکھے نہ اس کے نقش و نگار کی طرف نظر کرے نہ فرش و مصلے کا لحاظ کرے، نہ حاضرین مسجد کی طرف التفات کرے، ہاں اگر کسی کا سامنا ہو جائے تو محض سلام یا جواب سلام پر اکتفا کر کے اپنی حاضری کو مقبول بنانے میں مشغول ہو۔

در بزمِ وصال تو ہنگامِ تماشا نظارہ زجبیدینِ مشرکان گہ دارد
(آپ کے وصال کی مجلس میں دیدار کے وقت پلکوں کی حرکت بھی ناقابل برداشت ہے زیارت کرنے والا اس امر کی بھی شکایت کرتا ہے)۔

تحیۃ المسجد اور سجدہ شکر

مسجد اقدس میں پہنچ کر تحیۃ المسجد قل یا قل ہو اللہ سے پڑھے، نماز پڑھ کر سجدہ شکر کرے اور دعا کرے: الہی اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اپنا قبول اس عاجز گنہگار کو اپنی مہربانی سے نصیب فرما۔ آمین۔ حرمتک و حرمتہ جیبیک!

مواجهہ شریف میں حاضری

اب کہ تحیۃ المسجد اور سجدہ شکر سے فارغ ہو چکے ادب میں ڈوبے ہوئے گردن جھکائے ہوئے، گناہوں کی ندامت سے شرمسار اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عفو و کرم کے امیدوار مواجہہ عالیہ میں حاضر ہو۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار پر انوار میں جلوہ فرما ہیں زائر کی حاضری پر حضور کی نگاہ بے کس پناہ اس حاضر کی طرف ہوگی اور یہ سعادت زائر طیبہ کے لئے دارین میں کافی ہے، الحمد للہ کہ حاضر نگاہ رحمت کے سایہ میں آگیا۔

تو کہ کیمیا فروشی نظرے بقلب ماکن کہ بضاعتے نداریم و فلندہ ایم دامے
(اے کہ تو کیمیا فروش) مراد وہ دوا ہے جس سے معمولی دھاتیں سونا بن جاتی ہیں)
(میرے دل پر نگاہ کرم ڈالینے، اگرچہ میرے پاس کوئی پونجی نہیں ہے، جو تھی وہ میں

نے ضائع کر دی۔

مواجه شریف میں کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے سے قبلہ کو پیٹھ کر کے، مزار انور کی طرف منہ کر کے نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر نہایت ادب و وقار کے ساتھ آواز حزیں و درد آگیں سلام عرض کرے، امام ابن حاج کی مالکی (م ۳۷۷ھ) اپنی کتاب مدخل میں اور امام احمد قسطلانی مصری شافعی (م ۹۲۳ھ) اپنی کتاب مواہب لدنیہ میں اور اسی طرح دیگر ائمہ دین فرماتے ہیں (عربی متن کا ترجمہ یہ ہے)۔

”حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور وفات میں اس بارے میں کوئی فرق نہیں کہ وہ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں، اور ان کی حالتوں، ان کی نیتوں، ان کے ارادوں اور ان کے دلوں کے خیالوں کو پہچانتے ہیں اور یہ سب حضور پر ایسا روشن ہے جس میں اصلاً کوئی پوشیدگی نہیں۔“

فتاویٰ عالمگیری اور اختیار شرح مختار میں ہے یقف کما یقف فی الصلوٰۃ حضور کے سامنے ایسا کھڑا ہو جیسا نماز میں کھڑا ہوتا ہے (کتاب الحج کے اقتباسات ختم ہوئے)

حیاء التنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حیاء التنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قارئین کرام کے لئے کچھ مواد مہیا کر دیا جائے اس لئے کہ ماذیت نے کئی حقیقتوں کو بدل دیا ہے اور امت کا ایک بڑا طبقہ غفلت اور کم علمی کے تہ بہ تہ پر توں میں گم ہے۔

مشکاۃ شریف کے باب الصلاۃ فصل دوم اور زجاۃ المصابیح (۱/۲۷۸) میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے (ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے جو بھی مجھ پر سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتے ہیں تاکہ میں اس کا جواب دوں (ابوداؤد، بیہقی۔ دعوات کبیر)

تذکرہ حضرت محدث دکن

حیاء النبی کے بارے حضرت محدث دکن کا ایک قول

اس عاجز کے پیرو مرشد محدث دکن مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ قدس سرہ حدیث شریف میں مولانا عبدالرحمن سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ (مزار خطہ صالحین حیدر آباد دکن میں ہے) کے شاگرد ہیں اور آپ کی سند حدیث حضرت شاہ اسحاق محدث مہاجر مکی رحمہ اللہ علیہ تک پہنچتی ہے۔ جس وقت اس عاجز نے مذکورہ حدیث شریف اپنے پیرو مرشد کو سنائی تو آپ نے اپنے استاذ کے حوالہ سے اور استاذ، محدث نے سلسلہ اسنادہ حدیث کے حوالہ سے یہ نکتہ بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین کے بعد پہلی مرتبہ جب آپ پر درود پڑھا گیا اور سلام کے جواب کے لئے روح مبارک جسم اطہر میں داخل ہوئی تو پھر نہیں نکلی، اس کام کے لئے مقرر فرشتے دنیا کے گوشہ گوشہ سے تسلسل کے ساتھ امت کا تحفہ صلاۃ و سلام آپ کو پہنچاتے ہیں اور آپ جواب دیتے رہتے ہیں اور یہ سلسلہ ایک لمحہ کے لئے بھی منقطع نہیں ہوتا۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن (ص ۲۸) میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ (ترجمہ حدیث شریف) اللہ تعالیٰ نے روئے زمین میں چند فرشتوں کو مقرر فرمایا ہے جو اس غرض کے لئے سیاحت فرماتے ہیں کہ میری امت میں سلام پڑھنے والوں کے سلام میرے پاس پہنچائیں۔

حضرت سعید بن المسیب کا قبر اطہر سے اذان اور اقامت کا سننا

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ثبوت میں دو تاریخی واقعات بیان کئے جاتے ہیں ایک واقعہ سید التابعین، فقیہ مدینہ منورہ حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جس کو ابن سعد نے اپنی طبقات کے جلد پنجم ص (۱۰۰) پر بیان فرمایا ہے:

تذکرہ حضرت محدث دکن

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد یزید نے مسلم بن عقبہ مری کو ایک بڑا لشکر دے کر اہل مدینہ سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا اس لئے کہ اس وقت تک اہل حرمین شریفین نے اس کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی، عین دن تک گفت و شنید ہوتی رہی، حضرات صحابہ اور تابعین کرام اس فاسق و فاجر کے سامنے سر خم تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ نتیجتاً زبردست لڑائی شروع ہوئی۔ امام قرظی کے بیان کے مطابق ایک ہزار سات سو مدنی قتل ہوئے جن میں سات سو حفاظ قرآن اور (۹۷) قریشی سردار تھے۔ قتل و غارت کا بازار جب گرم ہوا تو بعض حضرات نے شہر چھوڑ دیا اور بعض گھروں میں چھپ رہے تین دن تک مسجد نبوی میں نہ اذان ہوئی اور نہ جماعت! حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ میں نے مسجد نبوی میں پناہ لی اور فوجی مجھے دیوانہ سمجھ کر چھوڑ دیئے! گرد و غبار میں اوقات نماز بھی معلوم نہیں ہو رہے تھے فرماتے ہیں (آپ کے قول کا ترجمہ یہ ہے)۔

”جب بھی نماز کا وقت آتا تو قبر اطہر سے اذان کی آواز سنتا، پھر اقامت ہوتی اور اسی پر میں آگے بڑھ کر اپنی نمازیں ادا کر لیتا، مسجد میں میرے سوا کوئی نہیں ہوتا تھا“

حضور کے دست مبارک کو حضرت سید احمد کبیر رفاعی نے بوسہ دیا

دوسرا واقعہ حضرت الشیخ الکبیر سید احمد رفاعی قدس اللہ سرہ کا ہے۔ ۵۵۵ھ میں جب آپ مدینہ منورہ پہنچے تو روضہ اقدس میں مواجہ شریف کے روبرو عرض کیا السلام علیک یا جدی! جواب میں آواز آئی، وعلیک السلام یا ولدی! اس پر حضرت رفاعی پر وجد طاری ہوا اور عرض کیا:

فی حالۃ البعد روتی کنت ارسھا تقبل الارض عنی و اھی نابیتی
وہذہ دولۃ الاشباح قد حضرت فامد یمینک تحلی بما شفقتی

(جب میں دور تھا تو اپنی روح کو بھیج دیا کرتا تھا، وہ میری طرف سے نائب ہو کر آپ کی قدم بوسی کیا کرتی تھی اور اب تو میں اپنی شکل و صورت کے ساتھ در دولت پر

تذکرہ حضرت محدث دکن

تشریف لائے اور مولانا مظفر حسین صاحب کی جانب اشارہ کر کے فرمایا یہ حیدر آباد دکن کے بڑے نیک آدمی ہیں ان کے ساتھیوں کے پاس وطن واپس ہونے کے لئے خرچہ نہیں ہے تم اس کا انتظام کرو، یہ تاجر حضرت کوڈھونڈھتے ہوئے پونچے اور واپسی کا خرچہ دیا، حضرت مولانا مظفر حسین علیہ الرحمہ نے حیدر آباد واپس آکر یہ قرضہ حسنہ واپس فرمایا۔

چودھویں صدی میں تجدیدی کارنامے

مجدد کے بارے میں حدیث شریف

سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”ان اللہ یبعث لہذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من تجددا لہا امر وینہا“۔ (بیشک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے سرے پر ایک مجدد بھیجتا ہے جو اپنے رب کے دین کی تجدید فرماتا ہے) شیخ الاسلام بدر الدین ابدال رسالۃ مرضیۃ فی نصرۃ مذہب الاشعریہ میں فرماتے ہیں (ترجمہ) ”مجدد کی شناخت قرآن و احوال سے کی جائے، اور یہ دیکھا جائے کہ اس کے علم نے نیا نفع پہنچایا ہو، اور مجدد وہی ہوگا جو علوم دینیہ ظاہرہ اور علوم باطنہ کا عالم، عارف اور سنت نبویہ کا مددگار ہو اور بدعت کا قلع قمع کرنے والا ہو۔“

اور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ مرقات السعود شرح سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں (ترجمہ عبارت) صدی کا مجدد وہ شخص ہوگا جو مشہور اور معروف ہو اور امر دین میں جس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہو اور پہلے بھی ہر صدی میں مجدد ہوتے ہیں اور مراد یہ ہے کہ مجدد گذشتہ صدی کے خاتمہ پر اپنی زندگی میں مشہور عالم اور علماء کا مشار الیہ رہ چکا ہو“ ۱۱

مجدد کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ کی وضاحت

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ (م ۱۱۶۶ ھ / ۱۷۶۳ء) اپنی کتاب ”ازالۃ

تذکرہ حضرت محدث دکن

الخفاء عن خلافة الخلفاء" میں فرماتے ہیں، جس کا اقتباس حسب ذیل ہے:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اس امت میں ہر صدی کے سرے پر ایک مجدد پیدا ہوا کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا! ہر صدی کے سرے پر ایسا مجدد ظاہر ہوتا رہا جس نے از سر نو دین کا احیاء کیا، پہلی صدی میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہوئے جنہوں نے بادشاہوں کے ظلم کو ختم کیا اور اچھی روایات کی بنیاد ڈالی، علم و فضل اور زہد سے آراستہ تھے، اور آپ سے عمدہ آثار دنیا میں باقی رہے جن میں سے ایک علم حدیث کی کتابت اور احادیث کا جمع کرنا ہے اور دوسرا عمدہ اثر اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین پر لعن طعن کرنے سے روکنا ہے۔

تیسری صدی میں امام ابوالحسن اشعری (م ۳۲۳ھ / ۹۳۶ء) ہوئے جنہوں نے اہل سنت کے لئے عقائد کے قواعد مستحکم کئے اور اہل بدعت کا مقابلہ کیا۔ چوتھی صدی میں جلیل القدر محدث حاکم صاحب مستدرک (م ۴۰۵ھ / ۱۰۱۴ء) بیہقی صاحب سنن کبری (م ۴۵۸ھ / ۱۰۶۶ء) اور دوسرے حضرات پیدا ہوئے جنہوں نے علم حدیث کی بنیاد مضبوط کی اور دوسرے علماء نے فقہ میں فروعات کو واضح کیا، پانچویں صدی میں امام غزالی، حجة الاسلام (م ۵۰۵ھ / ۱۱۱۱ء) جنہوں نے فقہ، تصوف اور علم کلام کو ہم آہنگ کیا جس کی وجہ سے ان علوم کے حقائق اور معارف میں نزاع ختم ہو گیا۔ چھٹی صدی میں شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) اور ساتویں صدی میں امام نووی (م ۶۳۲ھ / ۱۲۴۴ء) نے علم فقہ اور حدیث اور امام رازی نے علم کلام کی اشاعت کی اسی طرح اس وقت تک ہر صدی کے سرے پر ایک امام اور مجدد ہوتا رہا۔ (ازالۃ الخفاء کا اقتباس ختم ہوا)

فقہیہ ہرات نے حضرت محدث دکن کو مجدد دین میں شمار کیا

حضرت الاستاذ فقہ العصر مولانا ابو الوفا افغانی علیہ الرحمۃ نے اپنے شاگرد فقہیہ ہرات (افغانستان) مولانا ابو نصر محمد اعظم برنابادی علیہ الرحمۃ کو زجاہۃ المصانح تالیف

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضرت محدث دکن قدس سرہ روانہ فرمایا کرتے تھے، زجاجہ کی جب تیسری جلد فقیہ موصوف کے پاس پہنچی تو انہوں نے ان الفاظ میں حضرت محدث دکن کا شکریہ ادا کیا۔

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ! جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء فقد فزت بما رجوت بعد دراستہ الجزئین الاولین من وصول ثلاث نسخ من الجزء الثالث من افضانکم..... بارک اللہ تعالیٰ فیکم فقلت الحمد للہ الذی انشا رجلا یحیون رسوم الدین. والصلاة والسلام علی من بشرنا بظهور المجددین للمدین فی کل قرن وصین وعلی آلہ المہادین المہتممین... (الی آخر المکتوب)

(ترجمہ) السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ! اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کو جزاء خیر عطا فرمائے، آپ کے کمال عنایات سے (زجاجہ) کی پہلی دو جلد کی تدریس کے بعد مجھے تیسری جلد کے تین نسخے وصول ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی برکتیں آپ پر نازل ہوتی رہیں اور (بے ساختہ) میری زبان سے یہ الفاظ نکل پڑے ہر قسم کی تعریف اللہ بزرگ و برتر کو زیبا ہے جو دین کے آثار کو زندہ کرنے والے افراد کو معرض و جود میں لایا اور درود و سلام ہو اس ذات اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جس نے ہر زمانے میں ہم کو مجددین کے ظہور کی خوش خبری سے سرفراز فرمایا اور (درود و سلام ہو) آپ کی آل اطہار پر جو ہدایت کرنے والے اور ہدایت یافتہ ہیں۔

مذکورہ بالا عنوان کے تحت دین کے مجددین کے بارے میں یہ عاجز (اللہ تعالیٰ) اس کو دارین میں عافیت سے رکھے (کچھ معروضات پیش کر رہا ہے۔ اس مواد کے پیش نظریہ بات واضح ہے کہ ہر زمانہ میں ہر ملک میں اس ملک کے احوال و ظروف کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اپنے دین مہین کی حجت پوری فرمانے کے لئے مجددین کرام کو ظاہر فرماتا رہے گا۔ یہاں چودہ سو برس کی تاریخ تجدید بیان کرنی مقصود نہیں، بطور نمونہ عالم اسلامی کی چند ایسی ہستیوں کے تجدیدی کارناموں کو بیان کرنا پیش

تذکرہ حضرت محدث دکن

میں مسلمان کمزور ہو جائیں گے تو دوسرے علاقے میں اللہ تعالیٰ ان کو طاقتور بناوے گا جیسا کہ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔

جہاں میں مردِ مؤمن صورتِ خورشید جیتے ہیں اُدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے، اُدھر نکلے چنانچہ اسپین میں مسلمانوں کا زوال جس سنہ میں ہوا اسی سنہ یعنی نویں صدی ہجری میں ہندوستان پر مغلیہ دور کے اقتدار کا آغاز ہوا جو انگریزوں کی آمد تک قائم رہا۔ ۱۹۴۸ء میں سلطنتِ آصفیہ ختم ہوئی تو ایک سال قبل ۱۹۴۷ء میں پاکستان کا قیام وجود میں آیا۔

اب اختصار کے ساتھ بیسویں صدی میں عالمِ اسلامی کے جن دانشوروں اور مجاہدین نے تجدیدی کام انجام دیئے ہیں ان کو بطور نمونہ بیان کرنے کی یہ عاجز عزت حاصل کرتا ہے (اللہ تعالیٰ اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) وهو الموفق للصواب (سیدھے راستے کی توفیق حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتی ہے)۔

مصر کے جامع ازہر کی بنیاد محدثین کی ایک جماعت کا اخلاص ہے

عالمِ اسلامی میں مصر کے مجدد بانی "الاخوان المسلمون" شیخ حسن البنا شہید علیہ الرحمۃ کے تجدیدی کارناموں کو اولاً بیان کیا جاتا ہے۔ مصر سے اس وجہ سے ابتداء کی گئی کہ اس ملک کے دار الحکومت قاہرہ میں عالمِ اسلامی کی قدیم ترین یونیورسٹی جامع ازہر ہے تقریباً ایک ہزار برس سے عالمِ اسلامی کے لپٹے علومِ اسلامیہ کے حصول میں ایک سمندر کا کام کر رہی ہے۔ جامع ازہر کی بنیاد بھی محدثین کی ایک مقدس جماعت کے اخلاص پر رکھی گئی ہے۔ مصر میں ابن طولون کی حکومت کا زمانہ ہے، محدثین کی ایک جماعت مصر پہنچی اور یہاں ان کا زاد راہ ختم ہو گیا۔ انہوں نے قاہرہ کے گوشہ میں ایک دور افتادہ مسجد میں جس کو مقبرہ کی مسجد کہا جاتا تھا قیام کیا۔ تین دن کا فاقہ گذر چکا تھا، مشورہ کیا کہ ہم کو اب مانگنا جائز ہے تو یہ طے کیا کہ جماعت میں سے ایک شخص بازار جا کر کچھ مانگ لائے تاکہ قوتِ لایموت حاصل ہو

تذکرہ حضرت محدث دکن

جائے، چنانچہ ایک محدث کے نام قرعہ نکلا اور وہ بازار کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں ایک مسجد پر سے گزرے یہ سوچا کہ مانگنا طے ہوا ہے تو کیوں نہ میں سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق دو رکعت صلاۃ الحاجۃ پڑھ کر اپنے رب سے مانگ لوں؟ چنانچہ مسجد میں داخل ہوئے تازہ وضوء کیا اور دو رکعت صلاۃ الحاجۃ پڑھ کر اپنے مولیٰ سے دست بدعاء ہوئے دیر تک آہ و زاری کرتے رہے۔ ان کو ایسا القاء ہوا کہ ان کی دعاء قبول ہو چکی ہے۔ اس لئے بازار جانے کی بجائے اٹلے پاؤں مقبرہ کی مسجد واپس ہوئے، کیا دیکھتے ہیں کہ ابن طولون کا وزیر حاضر ہے اور ان محدثین کی خدمت میں ابن طولون کا ایک پیغام پہنچا رہا ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ بادشاہ ناشہ کھا کر کے دن کے گیارہ بجے لیٹا ہوا ہے، نیم خوابی کا عالم ہے۔ ایک سوار اس حالت میں پہنچا اور یوں کہہ رہا ہے کہ ”مقبرہ کی مسجد میں محدثین کی ایک جماعت مقیم ہے، ہلاکت سے پہلے ان کی خبر لے“ بادشاہ بیدار ہوا تو اس اشارہ پر دھیان نہ دیا اور پھر سو رہا۔ کچھ دیر بعد وہی سوار خواب میں پہنچا اور وہی الفاظ دہرایا، بادشاہ نے خیال کیا کہ میرا پرانا خیال مجھ پر طاری ہے اور یہ سوچ کر پھر سو گیا۔ تیسری بار وہی سوار خواب میں آدھمکا اور اپنے انہی الفاظ کو دہرایا کہ ”مقبرہ کی مسجد میں محدثین کی ایک جماعت ہلاکت سے قریب ہے ان کی خبر لے“ اور اپنے نیزہ سے بادشاہ کے ہاتھ پر ایک ضرب لگائی اور خون بہنے لگا۔ بادشاہ بیدار ہوا اور اپنے وزیر کو بلا بھیجا اور یہ واقعہ سنا کر وزیر کو مقبرہ کی مسجد کی جانب روانہ کیا۔ وزیر ان حضرات کے حالات دریافت کرنے کے بعد بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور تمام ماجرا بیان کر دیا۔ بادشاہ نے کھانا، غلہ اور کچھ رقم محدثین کے پاس روانہ کی اور وزیر کو حکم دیا کہ کل دربار بلایا جائے اور بھرے دربار میں محدثین کی اس مقدس جماعت کا استقبال ہو۔ وزیر کھانا، غلہ اور بڑی رقم لے کر ان حضرات کی خدمت میں پہنچا اور ان چیزوں کو پیش کر کے دوسرے دن بھرے دربار میں

تذکرہ حضرت محدث دکن

ان کے تشریف لانے کی درخواست کر کے واپس ہو گیا۔ وزیر تو واپس ہو گیا لیکن ان محدثین کرام نے مشورہ کیا کہ ہمارا راز فاش ہو گیا معلوم نہیں ہماری تعظیم کس نوبت کو پہنچے؟ تو ہم مغرب کا انتظار کریں، یہاں سے کوچ کریں، اور قرب ترین سرحد پار کر کے مصر کے حدود سے نکل کر دوسرے ملک میں داخل ہو جائیں۔

محدثین نے نماز مغرب ادا کی اور مقبرہ کی مسجد کو چھوڑ دیا۔ دوسرے دن جب وزیر وہاں پہنچا تو دیکھا کہ محدثین کی جماعت غائب ہے، فوراً تیز گھوڑے سواروں کو چاروں طرف روانہ کیا گیا مگر ساری کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اور تمام سوار نامراد واپس آئے۔ بادشاہ نے بھرے دربار میں کہا کہ میں نے ایک عظیم دارالحدیث کے قیام کی رائے قائم کر لی تھی اب میں مایوسی کا شکار ہوں۔ حاضر علماء نے کہا کہ بادشاہ کا فیصلہ قابل قدر ہے۔ اور ایک دارالعلوم قائم کر دینا چاہئے، چنانچہ ایک بڑی رقم سے ازہر نامی مسجد میں اس جامعہ کی بنیاد رکھی گئی جس کا باعث محدثین کی وہ گم نام مقدس جماعت ہے اور یہ جامعہ ایک ہزار برس سے عالم اسلامی کی دینی اور علمی پیاس بجھا رہا ہے۔

مصر کے عظیم قائد شیخ حسن البناء شہید کا تجدیدی کارنامہ

اسی شہر قاہرہ میں مصر کے عظیم قائد شیخ حسن البناء شہید نے ایک ایسا تجدیدی کارنامہ انجام دیا جس نے تاریخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا۔ خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد مصر یورپ کے چنگل میں تھا۔ نئی نسل کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ اسلام ایک بے مایہ مذہب ہے۔ صدیوں پیشتر اس نے عربوں کو ایک مستحکم معاشرہ دیا لیکن اب بیسویں صدی میں عصر حاضر کی قیادت اور تنظیم اس کے بس کا روگ نہیں شاعر التلیل حافظ ابراہیم جیسے نامور شاعر نے ۱۹۰۶ء میں مصر میں امریکن گریڈ کالج کی تقریب میں اپنی نظم میں ایک شعر پیش کیا تھا:

لینا نقدی بکم او بحاریکم عسی نترتہ ما کان ضاماً

تذکرہ حضرت محدث دکن

(کاش اے اہل مغرب! ہم تمہاری پیروی کرتے یا تمہاری ہمنوائی کرتے اس طرح شاید ہم اپنی گم شدہ عزت کو بحال کر لیتے)۔

الغرض مادی ترقی کی یلغار نے مصریوں کے دل دماغ کو مسحور کر لیا تھا۔ ہر جگہ شراب خانے کھل گئے، بڑے بڑے شہروں میں لائسنس یافتہ قحبہ گری کا آغاز ہو گیا۔ شخصی آزادی کے نام پر کھلم کھلا برائیاں عام ہو گئیں۔

ان حالات میں حسن البناء نامی ایک ۲۲ سالہ نوجوان ایک نیا عزم لے کر اٹھا ۱۹۲۸ء میں الاخوان المسلمون کی بنیاد رکھی اور ۲۰ سال کے اندر ایک ایسی تحریک ملک کے اندر کھڑی کر دی جس نے مصر میں ایک ذہنی اور فکری انقلاب برپا کر دیا۔ وہ قوم جو مغربی جاہلیت کے زخموں میں جا چکی تھی اسے دوبارہ اسلام کی طرف موڑ دیا اب مصریوں کا یہ نعرہ تھا: اللہ غایتنا (اللہ کی خوشنودی ہمارا اصلی مدعا ہے) الرسول زعمینا (رسول ہمارے قائد ہیں) القرآن دستورنا (قرآن ہمارا دستور ہے) الجہاد سبیلنا (جہاد ہمارا راستہ ہے) الموت فی سبیل اللہ اسمی امانینا (اللہ کی راہ میں جان دینا ہماری بلند ترین آرزو ہے)

اس ایمانی فراست سے بھرپور تحریک کا یہ نتیجہ نکلا کہ مصر کے اندر الاخوان کے مخلص کارکنوں کی تعداد ۵ لاکھ تک پہنچ گئی اس کی شاخیں مصر میں دو ہزار اور سوڈان میں ۵۰ ہو گئیں اور دوسرے عرب ملکوں میں بھی اس کی ان گنت شاخیں قائم ہو گئیں۔ اس عظیم قائد کو شہید کرنے کے لئے انگریز، یہودی اور مصر کی کٹھ پتلی حکومت اور خود شاہ فاروق نے مل کر سازش تیار کی اور ۴۳ سالہ مجاہد اور مجدد کو ۱۹۴۹ء میں قاہرہ کی سب سے بڑی سڑک پر شہید کر دیا گیا (ملاحظہ ہو حسن البناء شہید کی ڈائری از خلیل احمد حامدی)۔

سرکشتہ نیزہ بھی زد نفس کہ معراج مردان ہمیں است و بس
(شہید کا سر نیزہ پر پکار رہا ہے کہ مردان خدا کی معراج تو یہی ہے)

تذکرہ حضرت محدث دکن

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگر است
(خنجر تسلیم کے شہیدوں کو غیب سے ہر زمانہ میں ایک اور جان ملتی ہے)
سنوسی تحریک کے تجدیدی کارنامے

سنوسی تحریک کے بانی سید محمد بن علی السنوسی الجزائر کے شہر مستغانم میں ۱۷۸۷ء میں پیدا ہوئے اور مراکش کی مشہور یونیورسٹی جامعۃ القرویین میں علوم اسلامیہ کی تحصیل کی۔ مکہ معظمہ میں حج کے دوران مراکش کے شہرہ آفاق شیخ طریقت سید احمد ابن ادریس الفاسی سے ملاقات ہوئی جو سلسلہ خضرویہ کے ایک عظیم پر طریقت تھے۔ شیخ سنوسی نے ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی اور دونوں یمن پہنچے اور جب شیخ الفاسی کا انتقال ہوا تو شیخ السنوسی مکہ معظمہ واپس ہوئے اور یہاں سے واپس ہو کر لیبیا کے شہر بیضاء کے قریب ۱۸۴۲ء میں اپنی پہلی خانقاہ قائم کی جس کو افریقہ میں زاویہ کہا جاتا ہے۔ سنوسی تحریک کا مقصد خالص کتاب و سنت کی اساس پر عالم اسلامی کا مکمل دینی احیاء تھا۔ جب ان کے وطن الجزائر پر فرانسیسی قابض ہو گئے، تو انہوں نے اپنی تحریک کا مرکز صحراء کے ایک دور افتادہ علاقے جنجوب میں جو ایک ویران نخلستان تھا ۱۸۵۳ء میں منتقل کر لیا یہاں انہوں نے ایک بڑا زاویہ یعنی خانقاہ قائم کر لی اور اپنے مضبوط کردار اور سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسب فرمان ”اپنے گرد و پیش کے لوگوں میں امن و امان قائم کرو“ مقامی قبائل کے ماہین اتحاد پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ شیخ سنوسی کو زبردست کامیابی اس وقت حاصل ہوئی جب زویا قبیلہ کی استدعاء پر مقام کفرہ میں اپنی خانقاہ قائم کی۔ یہ قبیلہ سیرینیکا اور جھیل شاد کے بیس ہزار مربع میل کے رقبہ پر نخلستانوں میں آباد تھا۔ اس کی وجہ سے ہزاروں قبائلی جو صدیوں سے برائے نام مسلمان تھے ان میں ایک زبردست روحانی انقلاب آگیا اور ان کی زندگیوں کا رخ بدل گیا اس کے علاوہ افریقہ کے منطقہ حارہ کے بیشتر لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

سید محمد بن علی السنوسی کا ۱۸۵۹ء میں انتقال ہوا تو آپ کے بڑے صاحبزادے سید المہدی آپ کے جانشین ہوئے اور آپ کی قیادت میں سنوسی تحریک اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ جنغوب در حقیقت ایک یونیورسٹی شہر (University town) تھا جس کے گرد پاک، صاف اور سیدھی سادھی جماعت کی زندگی مرتکز تھی۔ کالج کے اساتذہ ہف اول کے علماء اور فضلاء تھے، اساتذہ عمامہ باندھتے، سفید ریش، سبز یا نیلے رنگوں کی عبا زین تن کرتے۔ طلبہ کے لئے تحصیل علم کے علاوہ تربیت کا پورا پورا اہتمام تھا۔ طلبہ کو صنعت و حرفت بھی سکھائی جاتی تھی اور جمعہ کا دن فوجی تربیت اور جنگی مشقوں کے لئے وقف تھا۔ شیخ مہدی سنوسی اس طرح موجودہ لیبیا سے لیکر مغربی مصر اور شمال مغربی سوڈان پر حاکم تھے۔ لاکھوں نو مسلم اسلام کے سایہ رحمت میں داخل ہو رہے تھے۔ سنوسی حضرات جب کبھی حج کرنے جاتے تو زائرین کرام تک احیاء اسلام کی دعوت پہنچاتے جس کے نتیجے میں یہ تحریک ملایا، انڈونیشیا اور فلپائن جیسے دور افتادہ ملکوں میں بھی معروف ہو گئی۔

۱۹۰۲ء میں شیخ مہدی سنوسی کا انتقال ہوا اور تحریک کی قیادت ان کے عم زاد بھائی سید احمد شریف نے اپنے ہاتھ میں لے لی اور ادھر اٹلی نے ترکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، طرابلس اور بنغازی پر قبضہ کرنے کے لئے اپنی فوجیں روانہ کر دیں۔ ترکی کے وزیر جنگ انور پاشا اور سید احمد الشریف اپنے جنگجو قبائل کو لے کر اٹلی کی طاغوتی قوتوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو گئے اور اس تعاون کے نتیجے میں اطالویوں کی یلغار ناکام ہو گئی۔ لیکن فرانس نے جب یہ محسوس کیا کہ سنوسی تحریک سے ان کے استعماری مفادات متاثر ہو رہے ہیں تو اس نے اس علاقے میں وسیع پیمانہ پر فوجی کارروائی شروع کر دی اور انتہائی جان توڑ جدوجہد کے بعد سنوسیوں کو ۱۹۱۹ء میں شکست ہو گئی اور فرانس کی افرادی طاقت، غیر محدود ذرائع، جدید ترین ہتھیار اور سامان جنگ کی وجہ سے یہ پورا علاقہ ان حضرات کے ہاتھوں سے نکل گیا سنہ ۱۹۱۷ء

تذکرہ حضرت محدث دکن

اس عاجز راقم (اللہ تعالیٰ اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) یہ شعر پیش ہے:

ہم سے کتنے ہی تری راہ میں برباد ہوئے تو سلامت رہے کوچہ ترا آباد رہے

پچھلے صفحات میں اس عاجز نے (اللہ تعالیٰ اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) مصر کے شیخ حسن البناء شہید اور سنوسی تحریک کے تجدیدی کارناموں کا ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ افریقہ کے متعدد ملکوں میں متعدد مجاہدین نے اپنے علاقوں میں طاغوتی طاقتوں کا قلع قمع کیا ہے جیسے شیخ عثمان مغربی القادری (م ۱۸۱۷ء) نے شمالی نائجیریا میں حضرت غوث اعظمؒ کے اشارہ پر، شیخ شامل داغستانی الغازی نقشبندی (م ۱۸۳۲ء) نے کاوکسیا (روس) میں، شیخ اویس البروانی القادری (م ۱۹۰۹ء) اور سید محمد عبداللہ الصومالی الشاذلی المجاہد نے صومالیہ میں، اور شیخ عبد القادر الجزائرئی المجاہد (م ۱۸۸۳ء) نے الجزائر میں انگریز، اطالوی اور فرانسیسی حکومتوں کے تسلط سے اپنے ملکوں کو آزاد کروایا ہے۔ ۱۹۹۱ء میں مجاہدین افغانستان نے روس کی عظیم یلغار کو تیرہ برس کی مدت میں جہاد کر کے اپنے ملک سے روس کو نکال باہر کیا اور اولین صدر جمہوریہ اسلامیہ افغانستان شیخ صبغۃ اللہ مجددی نقشبندی مدظلہ قرار پائے اور شاعر اسلام علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی پیش گوئی سچ ثابت ہوئی:

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی یا بندۂ صحرائی یا مردِ کستانی

بندۂ صحرائی عرب ہیں اور مردِ کستانی افغان ہیں۔ مذکورہ فقرہ میں جن مجاہدین کرام کا ذکر کیا گیا ان میں یہ وصف پایا گیا کہ وہ کسی نہ کسی شیخ طریقت سے کسی نہ کسی سلسلہ میں بیعت ہیں۔ ٹورنٹو کے امریکن نو مسلم بھائی جناب عبداللہ حکیم گوپیک کی بات یاد آئی کہ مسلمان کی باطنی قوت کا انحصار تصوف پر ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں

نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ کا عنوان INTERACTION BETWEEN

SHARIAH AND TASAWWUF رکھا ہے۔ جو اصحاب تصوف کو غیر اسلامی

سمجھتے ہیں ہوش میں آئیں۔ (The Reliance of The Traveller P.1075)

تذکرہ حضرت محدث دکن

ہندوستان میں تجدیدی کارنامے

پچھلی صدی میں مختلف اسلامی ملکوں میں تجدیدی کارناموں کا بیان آپ نے پڑھا۔ مناسب ہوگا کہ ہندوستان میں ان تجدیدی کارناموں کا بھی کچھ تذکرہ ہو جائے۔ سب سے پہلے مولانا الیاس کاندھلوی ثم دہلوی علیہ الرحمۃ کی تبلیغی جماعت کا جائزہ لیا جائے۔ اس صدی کے آغاز میں یہ کام شروع ہوا اور حضرت کا اخلاص تھا کہ آگ کی طرح یہ کام سارے عالم میں پھیل گیا۔ یہ عاجز بھی (اللہ تعالیٰ اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) اپنے شیخ حضرت محدث دکن جن کا تذکرہ پیش نظر ہے۔ اور حضرت الاستاذ مولانا ابو الوفا افغانی علیہ الرحمۃ کی اجازت سے ایک چلہ کے لئے ۱۹۵۳ء میں دہلی روانہ ہوا اور میوات اور مظفرنگر (سہارنپور) میں یہ وقت گذرا، حیدرآباد کے احباب بھی رفیق سفر تھے، میوات میں مولانا الیاس علیہ الرحمۃ کے تربیت یافتہ حضرات میاں جی کریم خان صاحب، میاں جی رحیم خان صاحب کے ساتھ دیہات میں وقت لگایا گیا۔ ان حضرات کے ساتھ جو وقت گذرا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرشتوں کی رفاقت میسر ہے۔ میاں جی کریم خان علیہ الرحمۃ کے الفاظ اس عاجز کے کانوں میں گونج رہے ہیں فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا الیاس علیہ الرحمۃ نے حاضرین سے جن میں موصوف بھی موجود تھے دریافت کیا کہ بھائی! ہم لوگ کیوں گھروں کو چھوڑ کر نکلتے ہیں؟ جب حاضرین خاموش رہے تو خود فرمایا: ”سن لو ہم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے، اپنی آخرت کو سنوارنے کے لئے اور اپنی قبر کے گڈھے کو روشن کرنے کے لئے نکلتے ہیں“ ان بنیادوں پر جو کام شروع ہوا تھا بعد میں بے تربیت افراد کے ہاتھوں جس نوبت پر پہنچ گیا ہے اس عاجز کی زبان سے نہیں بلکہ مولانا الیاس کے برادر نسبتی مولوی احتشام الحسن صاحب سے سینے جو حضرت کے خلیفہ اول اور معتمد خصوصی ہیں اور جنہوں نے عمر کا طویل حصہ تبلیغی جماعت کی قیادت اور رفاقت میں گزارا ہے، نجدی حکومت کے ساتھ اس

تذکرہ حضرت محدث دکن

جماعت کے معاہدہ کا سارا مرحلہ آپ ہی کا انجام دیا ہوا ہے اور اب آپ نے دہلی کو چھوڑ کر کاندھلہ میں مستقل قیام کر لیا ہے۔ اپنی کتاب ”اصول دعوت و تبلیغ“ کے آخری ٹائٹل پیج پر اور اپنی دوسری کتاب ”زندگی کی صراطِ مستقیم“ کے اخیر میں ”ضروری انتباہ“ کے عنوان سے فرماتے ہیں:

”میری عقل و فہم سے بہت بالا ہے کہ جو کام حضرت مولانا الیاس کی حیات میں اصولوں کی انتہائی پابندی کے باوجود صرف ”بدعتِ حسنہ“ کی حیثیت رکھتا تھا اس کو اب انتہائی بے اصولیوں کے بعد دین کا اہم کام کس طرح قرار دیا جا رہا ہے۔ اب تو منکرات کی شمولیت کے بعد اس کو بدعتِ حسنہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ میرا مقصد اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا ہے۔“

جناب مولوی عبدالرحیم شاہ دیوبندی دہلوی جنہوں نے مولانا الیاس اور مولانا محمد یوسف علیہما الرحمۃ کے ساتھ ایک عرصہ دراز تک تبلیغی جماعت میں کام کیا ہے لکھتے ہیں۔ ”خیال کیجئے جو تحریک علماء اور عوام میں ربط پیدا کرنے کے لئے شروع کی گئی تھی وہی تحریک آج علماء و مدارس سے بعد اور دوری کا سبب بنتی جا رہی ہے۔ کچھ عجیب سی بات ہے جو تبلیغی جماعت سے جتنا قریب ہوتا ہے وہ اتنا ہی دوسرے علماء سے بعید تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ آخر ایسا کیوں؟

اور جس نے دو چار چلے دے دیئے تو پھر اس کی ترقی درجات کے کیا کہنے؟ پھر تو وہ علماء کی بھی کوئی حقیقت اپنے سامنے نہیں سمجھتا۔“ (اصول دعوت و تبلیغ ص ۵۰)۔

بہر حال ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی تقسیم کے بعد ملک بھر میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ خون کی ندیاں بہادی گئیں، مگر ان جماعتوں کی نقل و حرکت سے مسلمانوں میں خود اعتمادی بحال ہوئی۔

حضرت خواجہ نظامی اور انسداد ارتداد

اسی طرح اس صدی کے تیسرے دہے کہ دورانِ شردھانند نے مسلمانوں کو آریہ

بنانے یعنی مرتد کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ تنہا خواجہ حسن نظامی علیہ الرحمۃ اس شدھی تحریک کے خلاف کھڑے ہو گئے اور لاکھوں مسلمانوں کو ارتداد سے بچایا۔ گاندھی جی نے اپنے ہاتھ سے اردو میں خط لکھا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنا دل بدل لیں، خواجہ صاحب نے جواب لکھا:

”میں جیسا تھا ویسا ہی ہوں، اگر اسلام کی خدمت کرنا اور ارتداد کے حملہ سے مسلمانوں کو بچانا تعصب ہے تو میرا یہ تعصب پیدائشی ہے۔ اگر خدا نخواستہ اس سے محروم ہو جاؤں تو سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور ایمان کی نعمت مجھ سے چھین لی ہے۔“

خواجہ حسن نظامی خود حملہ نہیں کرتے تھے مسلمانوں کو سمجھاتے تھے کہ اسلام مت چھوڑو آریوں سے نہیں اچھتے۔ مسلمانوں کو سمجھانے کے لئے خواجہ صاحب نے کروڑوں کی تعداد میں ہینڈ بل، پوسٹر اور پمفلٹ شائع کئے۔ کاٹھیاواڑ میں ایک چھوٹی سی ریاست تھی جس کا نام وزیر یہ تھا۔ والی ریاست نو مسلم راجپوت تھے جو ٹھاکر صاحب کہلاتے تھے وہ اور ان کے پانچ چھ لاکھ ہم قوم آریہ ہونے پر تل گئے خواجہ صاحب فوراً پہنچ گئے اور ان سے فرمایا کہ ہمارے علاقے کے مسلم راجپوتوں نے تو آریوں کو یہ جواب دے کر ان کو مایوس کر دیا کہ ”مسلمانوں کی تلوار سے بنیے نہیں ڈرے، چہرے چوہڑے نہیں ڈرے مگر بہادر راجپوت ڈر گئے؟ اور تلوار کی ڈر سے مسلمان ہو گئے؟ یہ ہمارے باپ دادا کی توہین ہے! ہم تو بہادر ہیں اور ہم نے بہادروں کا دین قبول کیا ہے!“

دوسرا واقعہ متھرا کے اطراف و اکناف کا ہے، علماء نامدار ملکانہ کے راجپوتوں کو اسلام کی حقانیت کے دلائل دیتے دیتے تھک گئے تو خواجہ صاحب نے ان سے ایک فقرہ کہا، مجھے بتاؤ کہ کونسا دین سچا ہے؟ پکی نشانی والا یا کچی نشانی والا؟ دیہاتی مسلمان بولے۔ جی! سچو وہ جس کی نشانی پکی! تو خواجہ صاحب نے فرمایا سن لو! ہندومت کی

تذکرہ حضرت محدث دکن

نشانی چوٹی ہے اور اسلام کی نشانی ختنہ؛ چوٹی ہر آن کٹ سکتی ہے، ختنہ مٹائے نہیں مٹ سکتا۔ دیہاتی اس دلیل کو مان گئے اور اسلام پر قائم رہے۔

اس طرح خواجہ صاحب نے انسداد ارتداد کی گاڑی تنہا ایسی مستعدی سے اور ایسی ہوشیاری سے چلائی کہ ”شدھی“ کی گاڑی بار مان گئی اور شردھانند حضرت خواجہ صاحب کے مقابلہ میں ایک جگہ بھی کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ جزاہ اللہ عنا وعن الاسلام خیر الجزاء، چنانچہ حضرت اکبر الہ آبادی نے خواجہ صاحب کے بارے میں لکھا:

حسن نظامی کو میں نے دیکھا، شریف خصلت فقیر صورت

عمل ہے اپنے ہی عنصر میں، اگر چہ دہلی کی ہے ذہانت

گاندھی جی اور مسلمان کانگریسی لیڈروں نے خواجہ صاحب کو خوب سمجھایا مگر خواجہ صاحب کا ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ میں نے حملہ نہیں کیا ہے، میں مدافعت کر رہا ہوں، کیا آپ لوگ چاہتے ہیں کہ شردھانند مسلمانوں کو آریہ بناتا رہے اور میں ٹک ٹک بیٹھا دیکھا کروں۔ آپ شردھانند سے کہیئے کہ خیال خام سے باز آجائے اس کے باز آنے کے بعد میرا کام خود بخود ہو جائے گا (ملاحظہ ہو سوانح عمری حضرت خواجہ حسن نظامی از ملأ واحدی)

حضرت محدث دکن ایک عظیم المرتبت مجدد

جب بد مذہبی کی وباعام ہو کر ادھر ادھر پھیلنے لگتی ہے، امت مسلمہ اسلام کی حقیقی راہوں سے ہٹ کر دوسری غلط راہوں پر چل پڑتی ہے، جب اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سستی پیدا ہونے لگتی ہے، بندوں کے حقوق پامال ہونے لگتے ہیں، طریقہ رسول اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلاة والسلام کے آثار اور نقوش مٹنے لگتے ہیں، ایسے وقت ضرورت ہوتی ہے کہ پرستار حق پیدا ہو اور احیائے سنت اور تجدید ملت کا پرچم لے کر کاسبات پر چھا جائے۔ گم گشتگان راہ حقیقت کو ان کی صحیح راہ بتا دے اور ایمان و یقین کے مٹتے ہوئے آثار و نقوش کو اپنے تجدیدی کارناموں سے اجاگر فرما دے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

پچھلے اوراق میں مجدد کے عنوان پر صدر میں ہر صدی میں ایک مجدد کی تشریف آوری کی بشارت پر حدیث شریف سنائی گئی۔ حضرت محدث دکن قدس سرہ کی تبسم علمی، مہارت علوم اسلامیہ، مستحبات، سنن، واجبات اور فرائض کی پابندی، دنیا سے بے رغبتی، عالی ہمتی، مسلمانوں کی یوری، وراثت نبوی شریعت اور طریقت کی جامعیت، تقریر اور تحریر سے امت مسلمہ کی خدمت، اور خصوصاً فن حدیث میں زجاہ المصانح جیسی ضخیم کتاب کی تالیف جس نے ہند، سندھ، افغانستان، عراق و حجاز اور انگلستان کے علماء سے عقیدت کے کلمات نذر حاصل کئے جن کو قارئین کرام نے سنا ہے ان سارے مناقب اور فضائل کی روشنی میں کیا یہ عرض کرنا غلط ہے کہ حضرت محدث دکن حقیقت میں اور دیگر مجددین کے دوش بدوش اپنے صدی کے ایک عظیم المرتبت مجدد ہیں۔ یقیناً آپ مجدد ہیں ۱۲۹۲ھ میں سادات حسینی کے مقدس گھرانے میں پیدا ہوئے اور اپنے زمانہ کے علماء سے استفادہ کے بعد پروان چڑھے اور علوم نبوت کے سر تاج ہو کر منصب ولایت اور طریقت کو عزت بخشی اور چودھویں صدی میں اپنی تصانیف سے علوم کے دریا بہا دیئے یہاں تک کہ عرب اور عجم نے سر عقیدت جھکا دیا۔ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ یہ عاجز (اللہ تعالیٰ اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) حضرت مخدوم مولانا زید ابوالحسن فاروقی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ اور والد ماجد علیہ الرحمۃ کی منقبت میں جو اشعار شجرہ منظومہ میں لکھے ہیں عرض کرتا ہے کیوں کہ وہ اشعار اس عاجز کے پیرو مرشد پر بھی صد فی صد منطبق ہوتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

حضرت محدث دکن کی منقبت میں چند اشعار

وہ عبد اللہ شہ قطب عالی گمر مجدد تھے از قرن رابع عشر
 ہوا ان سے روشن طریق صفا ہوئی ان سے آباد راہ رضا
 بنا ان کی صحبت سے صبا ولی مرے پیرو مرشد وہی ہیں وہی

تذکرہ حضرت محدث دکن

کرم ہے خدا کا کہ مرشد ملا وہ مرشد بھی ایسا کہ صلہ غلا
 وہ حسن مجسم وہ شمس کمال وہ بستان حیدر کا ہے نونہال
 وہ باغ مجدد کا شیریں شمر لطافت میں بہ از نسیم سحر
 وہ گلزار عرفاں کا سرو بلند زمانہ میں اپنے وہی ارتبند
 بہ ظاہر شریعت سے آراستہ بہ باطن طریقت سے پیراستہ
 رضائے خدا کے طلب گار تھے وہ دل سے نبی کے پرستار تھے
 زسرتا قدم غرق دریائے نور ہمہ وقت در ذکر و فکر و حضور

حضرت محدث دکن کی تجدیدی حیثیت پر ہندوستان کے نامور علماء نے اپنی مہر
 توشیح ثبت کی ہے۔ ۱۹۵۵ء میں مدیر الفرقان (لکھنؤ) مولانا منظور نعمانی حیدر آباد
 تشریف لائے تو ملاقات فرمائی اور زجاہۃ المصاحیح کی تالیف کی قدردانی کا اظہار فرماتے
 ہوئے یوں فرمایا۔ ”حضرت حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قصر میں ایک
 اینٹ رہ گئی تھی الحمد للہ! آپ نے وہ رکھ دی ہے“ یعنی زجاہۃ کی تصنیف سے
 حدیث شریف کا یہ قصر مکمل ہوا، حضرت محدث دکن نے مولانا منظور نعمانی سے
 زجاہۃ کے بارے میں یہ سنا تو آنسو تڑپائی آنکھوں کے ساتھ فرمایا ”رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم اس کو قبول فرمائیں“ مولانا منظور نعمانی نے جب یہ سنا کہ یہ
 عاجز (اللہ تعالیٰ اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) زجاہۃ کی طباعت میں حضرت
 محدث دکن کا خادم ہے تو اس عاجز سے فرمایا۔ ”اس کام کو سلوک سمجھ کر کرو“ اس
 عاجز نے یہ بات حضرت پیر و مرشد کو بتائی تو فرمایا: ”الحمد للہ!“

اسی طرح مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر صدق لکھنؤ نے لکھا ہے ”ایک ہزار برس
 - سنہوں کے ذمہ جو قرض تھا اس قرض کو اس حیدر آبادی فاضل نے ان سے
 بکدوش کیا ہے۔“

تذکرہ حضرت محدث دکن

زجاجۃ المصانح کا دوسرا ایڈیشن

زجاجۃ المصانح کے استناد اور اس کی عالمگیر افادیت کے پیش نظر حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جانشین خانقاہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں قدس اللہ سرہ کی تحریک پر کونٹہ (پاکستان) کے ایک تاجر نے پہلے ایڈیشن کا زیر افس لے کر عمدہ زرد کاغذ پر اعلیٰ معیار اور شایانِ شان تجلید کے ساتھ دوسرا ایڈیشن شائع کر دیا اور پہلی اشاعت کے نایاب ہونے سے پہلے پھر یہ مبارک تالیف شائقین کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔ جزا ہم اللہ عنا وعن الاحناف خیر الجزاء واحسنہ!

حضرت مہدی علیہ السلام اور زجاجۃ المصانح

مراد آباد (یوپی - انڈیا) کے ایک عظیم قائد جناب افتخار فریدی صاحب کہا کرتے تھے کہ حضرت محدث دکن قدس سرہ کی تالیف جلیل زجاجۃ المصانح کی افادیت اس زمانہ میں عام ہوگی جب کہ حضرت مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ اس لئے کہ یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام اپنے کشف سے فروعات میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو اختیار فرمائیں گے۔

حضرت محدث دکن کے اس تجدیدی کارنامے اور مسجد علی آقا حسینی علم (حیدر آباد دکن) جو مسجد کے ساتھ ساتھ ایک خانقاہ بھی ہوگئی تھی جہاں تلاوت کلام پاک اور ذکر الہی کی محفلیں، اور حدیث شریف کے مبارک کام کی مجلسیں سرگرم ہوا کرتی تھیں۔ اس کے بارے میں ایک قصیدہ معمولی تبدیلی کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہے، اس قصیدہ کو مولانا محمد حسنی لکھنوی علیہ الرحمہ نے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کی شان میں لکھا تھا اور جس کا عنوان "ایک مرد باخدا" ہے (ملاحظہ ہو احوال العارفین از حافظ غلام فرید)، یہ قصیدہ پیرو مرشد حضرت محدث دکن پر من و عن صادق آتا ہے:

تذکرہ حضرت محدث دکن

ایک مسجد ہے ”علی آقا“ شہر حیدر آباد میں
 حوض ہے مسجد کے کنارے مسجد کے سایہ تلے
 اس جہاں میں اللہ اللہ کرنے والے ہیں بسا
 ایک مرد باخدا اللہ والوں کا امام
 شاہ عبداللہ عالی مرتبت والا ہم
 جن کی صحبت سے یقین ہوتا ہے دل میں موجزن
 ان کی مجلس میں جو بیٹھا تو ملا دل کو سکون
 ان کی خدمت میں چلو تم ان کی صحبت میں رہو
 مت کرو ضائع خدا را قیمتی لمحات کو
 صبر و ہمت اور توکل ، فکر و ایثار و غنا
 راہ حق پر چلنے والے تیز کر اپنے قدم
 تو جہاں رنگ و بو کی ظلمتوں کا ہے شکار
 ہر دم و طہ تجھے اب فکر عقبی چاہیے
 کر عطا تو یا الہی دیدہ عبرت نگاہ
 خیر کر یارب بڑی ہے گردش لیل و نہار

اور قدمی پل اس سے ذرا سا دور ہے
 ذاکروں کے ایک جہاں سے یہ جگہ آباد ہے
 اس جہاں کا ذرہ ذرہ ذکر سے معمور ہے
 جو خدا کے خلق کی اصلاح پر امور ہے
 جن کی ہستی مسند آرائے جہاں نور ہے
 زہد و تقویٰ جن کا عالم میں بہت مشہور ہے
 ان کی صحبت میں رہا جو وہ بہت مسرور ہے
 گر تمہیں اصلاح باطن اپنی کچھ منظور ہے
 بچھ نہ جائے وہ کسی دم جو چراغ نور ہے
 راہ حق پر چلنے والوں کا یہی دستور ہے
 شام تو ہونے لگی منزں ابھی کچھ دور ہے
 اس جہاں کی فکر کر تو جو سراپا نور ہے
 جس پہ تکیہ ہے ترا ، وہ زندگی کافور ہے
 رونق بزم جہاں سے چشم و دل مسحور ہے
 تیرا بندہ بے سہارا ، بے بس و مجبور ہے

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضرت مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کے تجدیدی کارنامے

اس عاجز نے (اللہ تعالیٰ اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) پچھلے اوراق میں گذشتہ صدی کے تجدیدی کارناموں کی ایک جھلک دکھائی ہے۔ بے حد ناسپاسی ہوگی اگر یہ عاجز حضرت مولانا احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی کارناموں کا ایک جائزہ نہ لے بلکہ اگر حضرت کا تذکرہ اس باب میں نہ ہو تو یہ باب ناقص ہی رہے گا۔ ہزار آندھیاں اٹھیں انہیں بجھانے کو حرم کعبہ کے پھر بھی چراغ جلتے رہے اسلام کے تین دور

اسلام پر تقریباً چودہ سو برس میں دو دور گزر چکے ہیں اور ایک طویل عرصہ سے وہ تیسرے دور سے گذر رہا ہے۔ پہلا دور کمال عروج اسلام کا تھا جو سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی "خیر القرون قرنی ثم الذین یلوئھم ثم الذین یلوئھم" کے مطابق دور صحابہ، دور تابعین اور دور تبع تابعین ہے جس کو بہترین زمانہ فرمایا گیا۔ اس کے بعد دوسرا دور شروع ہو گیا جس میں مسلمانوں کا عروج اور زوال دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ یہ دور بھی الحمد للہ صدیوں تک چلتا رہا۔ اسلام دنیا میں پھیلتا بھی رہا اور مسلمان آپس میں لڑتا بھی رہا۔ اور اس سارے دور میں بد اعتقادی پھولتی پھلتی رہی۔ یہ تیسرا دور جو مسلمانوں کے مستقل زوال کا دور ہے صدیوں سے چل رہا ہے۔ اور ہم سب اسی دور سے گذر رہے ہیں۔

فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ

پچھلی امتوں میں بھی بننے اور بگڑنے کا مدار ہمیشہ ان کے عقائد کے بننے اور بگڑنے پر رہا ہے اور اب بھی نہ صرف مسلمان بلکہ ہر انسان کا بننا بگڑنا اس کی خوش اعتقادی اور بد اعتقادی پر موقوف ہے۔ یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں، رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے بنایا اور آپ کی پیشانی میں نور

تذکرہ حضرت محدث دکن

محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ودیعت فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام کو ایسی عظمت ملی کہ رب العالمین کا فرشتوں کو حکم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں

اس حقیقت کو علامہ زرقانی نے مواہب لدنیہ (۱۱ / ۶۳) میں کس خوبی سے ادا فرمایا ہے۔

لو ابصر الشیطان طلعة نوره

فی وجه آدم مکان اول من سجد

(اگر شیطان نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چمک کو حضرت آدم علیہ السلام کے چہرہ انور میں دیکھ لیتا تو سجدہ کرنے والوں میں پہلا ہوتا)

اسی کو ایک فارسی شاعر ربانی نے ذیل کے شعر میں اس طرح ادا فرمایا ہے۔
کے ملک کردے بہ پیش آدم خاکی سجود نور تو دروے نہ بودے گردیعت اے ہدی

(اے سراپا ہدایت! اگر آپ کا نور مبارک حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں امانت نہ رکھا جاتا تو فرشتے آدم خاکی کو کب سجدہ کرتے) ابلیس کیوں ملعون ہوا

سارے فرشتوں نے بلا تامل حضرت آدم کو سجدہ کیا مگر شیطان نے جو معلم الملکوت تھا سجدے سے انکار کیا۔ شیطان کا یہ فعل خدا کی نافرمانی اور ایک جلیل القدر نبی کی توہین کا مسئلہ تھا۔ اس پاداش میں اس کو بہ یک بینی و دوگوش جنت الفردوس سے نکال باہر کیا گیا تو ابلیس توہین نبوی کی وجہ سے ملعون ہوا۔

یہ ابلیس لعین موحد عابد پہلا جہنمی ہوا تو شرک کر کے نہیں بلکہ نبی اللہ کی توہین کر کے وہ جہنم کے لئے ابھی سے نامزد ہو گیا۔ اور سارے کافر، مشرک، مرتد اسی کے بھکانے سے واصل جہنم ہوں گے اور ان کا سردار وہی مدعی توحید ہوگا جو توہین

تذکرہ حضرت محدث دکن

سرکار نبوت کی پاداش میں واصل بہ جہنم ہوا ہے۔ قارئین کرام خوب یاد رکھیں کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توہین ایسا جرم عظیم ہے! اسی توہین و بے اعتقادی کی وبا آج کل امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں پھیل رہی ہے اور اس بے اعتقادی کی وبا کو اس دن سے قوت ملی جس دن سے نجدیوں نے ظلم و ستم، انگریزوں کی سازش اور مدد سے حجاز مقدس پر حکومت اور اقتدار کو سنبھالا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بخاری اور مسلم میں روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز دربار رب العزت میں دعا فرما رہے تھے۔
اللھم بارک لنا فی شامنا، اللھم بارک لنا فی یمیننا۔ الخ

(اے اللہ! تو برکت دے ہمیں ہمارے ملک شام میں، اے اللہ تو برکت دے ہمیں ہمارے ملک یمین میں)۔

نجد قتنوں کی سرزمین ہے

بعض حاضر الوقت صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ و فی نجدنا یعنی اس دعا خیر اور برکت میں نجد کو بھی شامل فرما لیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد سے نفرت اور بیزاری کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

هناک الزلازل و الفتن و بها یطلع قرن الشیطان

(اس جگہ یعنی نجد سے زلزلے اور قتنے اٹھیں گے اور وہیں سے شیطان کے سینک ظاہر ہوں گے یعنی وہ نمودار ہوگا)۔

(بخاری و مسلم، مشکاة المصابیح۔ باب ذکر الیمین والشام، زجاجة المصابیح۔ باب ذکر الیمین والشام)

ترمذی شریف میں بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسی ہی روایت

تذکرہ حضرت محدث دکن

موجود ہے۔

قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی المنبر نقال ہاھنا ارض الفتن
واشار الی المشرق حیث یطلع قرن الشیطان (ترمذی)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے اٹھ کر منبر شریف پر رونق
افروز ہوئے اور مشرق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ہے سر زمینِ قننہ! یہیں سے
شیطان ظاہر ہوگا۔ (ترمذی)

بخاری اور مسلم کی مذکورہ بالا روایتوں اور دیگر احادیث شریفہ سے ثابت ہوتا ہے
کہ نجد سے قننوں کا اٹھنا اور (دین میں) زلزلے آنا اور وہیں سے شیطان کا ظاہر
ہونا وضاحت کے ساتھ ارشاد نبوی ہے۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں ایک روایت
ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

کان یری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابلیس فی صورة الشیخ النجدی
(ترجمہ) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شیطان کو اکثر شیخ نجدی کی صورت میں دیکھنا
کرتے تھے)۔

ابن عبد الوہاب کی تعلیمات

تیرھویں صدی ہجری کے آغاز میں حسب ارشاد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
قرن الشیطان کا وہاں سے ظہور ہوا۔ حرمین شریفین میں ابن عبد الوہاب اور اس کے
گروہ کے نادر شاہی قتل عام نے نجد کو تاریخ میں روشناس کروایا۔ ابن عبد الوہاب کی
تعلیمات کا خلاصہ توہمیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ ابن عبد الوہاب کی
ذہنیت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے اس کی کتاب التوحید سے دو ایک عبارتیں بطور
نمونہ یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

”اما السابقون فاللوات والعزى والسواع . واما اللہ حقون فحمدوا وعلیاء و

تذکرہ حضرت محدث دکن

عبدالقادر والکل سوا“

(اگلے کافر (کفار مکہ) لات و عزی اور سواع (یہ تینوں نام بتوں کے ہیں) کو پوجتے تھے اور یہ پچھلے کافر (یعنی مسلمان) محمد، علی اور عبدالقادر کو پوجتے ہیں اور یہ سب برابر ہیں۔

اس کے پیرو بھی یہی کہتے تھے:

”عصای هذا خیر من محمد لانھا ینتفع بھافی قتل الحیة ونحوھا و محمد قدمات ولم یبق فیہ نفع اصلا“

(میری یہ لکڑی بہتر ہے (معاذ اللہ) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس لئے کہ یہ سانپ مارنے میں کام آتی ہے اس کے اور بھی کام ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو وفات پاگئے ان سے کوئی نفع نہ رہا۔
یہ اور بھی کہتا تھا:

انما هو طارش وقد مضی (ترجمہ) وہ ڈاکیہ جیسے تھے اور گزر بھی گئے (معاذ اللہ)
تقویۃ الایمان اور ابانت انبیاء

یہ تو کتاب التوحید کے چند نمونے تھے اب مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کی کتاب تقویۃ الایمان کے بھی چند نمونے ملاحظہ ہوں:

ہر مخلوق چھوٹا ہو یا بڑا خدا کے آگے چوڑھے چہار سے زیادہ، ذلیل ہے، ایک اور جگہ یوں کہا ہے۔ اللہ کی شان بہت بڑی ہے، سب انبیاء اور اولیاء اس کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہیں“

یہ ان کی توحید کی جھلکیاں ہیں۔ اور خداوند عالم کا فرمان قرآن پاک میں ملاحظہ فرمائیے۔ وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولكن المنافقین لا یعلمون (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے عزت ہے لیکن منافق لوگ نہیں جانتے)

تذکرہ حضرت محدث دکن

یہ ہے نجدیوں، وہابیوں، غیر مقلدوں اور موذیوں کے پاس اسلام کی نشاۃ ثانیہ!
قرآن پاک اور لعظیم انبیاء

اللہ تعالیٰ تو اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں یوں ارشاد فرمائیں:

وجعلناهم ائمة یھدون بامرنا (سورۃ الانبیاء آیت ۳۴)

اور ہم نے ان کو (لوگوں کا) امام بنایا کہ وہ ہمارے حکم سے (لوگوں کی) رہبری فرماتے تھے (یعنی ایسے کامل تھے کہ دوسروں کی تکمیل بھی کرتے تھے)۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ کی شان میں یوں فرمایا:

ورفعنا لک ذکرک (اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کیا)

شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت پاک کی شرح یوں فرماتے ہیں ”یعنی پیغمبروں میں اور فرشتوں میں آپ کا نام بلند ہے“

حدیث شریف میں ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل سے اس آیت کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے تو میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جائے، حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر دنیا اور آخرت میں بلند کیا ہر خطیب ہر تشہد پڑھنے والا اشہد ان لا الہ الا اللہ کے ساتھ اشہدان محمد رسول اللہ کا اعلان کرتا ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے آپ پر ایمان لانے کا عہد لیا ہے۔

اب رہا اولیاء اللہ کی شان میں رب العزت کا ارشاد ہے:

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یخزنون (سورہ یونس آیت ۶۳)

(سن لو! بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم)

تذکرہ حضرت محدث دکن

قرآن پاک اور اولیاء کی تعظیم

اور رب العزت اپنے اولیاء کرام علیہم الرحمہ کے بارے میں یہ بھی فرمائیں:

لهم البشرى فى الحياة الدنيا وفى الآخرة (سورہ یونس آیت ۶۴)

(انھیں خوش خبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی)۔

لا تبدل لکلمات اللہ۔ ذلک هو الفوز العظیم (ایضاً ۶۴)

(بدلتی نہیں اللہ کی باتیں، یہی ہے بڑی کامیابی) (سورہ یونس ۶۴)

بشری (خوش خبری) کے بارے میں مفسرین کرام نے بتایا ہے کہ وفات کے وقت اور قبر سے اٹھتے وقت فرشتے ان کی ولایت کی گواہی دیں گے اور صاحب قبر کی کامیابی پر بشارت، قبروں سے اٹھتے وقت جنت کا مشرودہ اور رضاء الہی کی خوشخبری سنائیں گے۔ یہ تھیں چند باتیں جو انبیاء کرام علیہم السلام اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولیاء کرام علیہم الرحمۃ کی تعریف اور منقبت میں خالق کائنات نے فرمائیں اور پھر اوپر ابن عبدالوہاب اور مولوی اسماعیل دہلوی کی ان مقدس ہستیوں کے بارے میں یا وہ گوئی پر غور کریں اور بتائیں کہ ایسا کتنا کس حد تک درست ہے اور کیا ایسے گمراہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کر سکتے ہیں؟ آخر میں تاریخ اسلام کے اس عظیم المیہ اور فتنہ کو واضح کرنا چلوں

حضرت عمر نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے نصرانی کاتب کو معزول کروایا

(سورہ مائدہ آیت نمبر ۵) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارى اولياء

(اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ)

اس آیت کی توضیح میں امیر المؤمنین حضرت عمرؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری بصرہ کے گورنر ہیں اور آپ کا کاتب

تذکرہ حضرت محدث دکن

نصرانی تھا حضرت امیر المؤمنین نے ان سے فرمایا کہ تم کو نصرانی سے کیا واسطہ؟ کیا تم نے یہ آیت نہیں سنی۔ یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود۔ الیہ۔ انہوں نے عرض کیا اس کا دین اس کے ساتھ مجھے تو اس کی کتابت (یعنی دفتریت اور حساب دانی) سے غرض ہے۔ اس کے بغیر بصرہ کی حکومت کا کام چلانا دشوار ہے! یہ سن کر امیر المؤمنین نے فرمایا اگر وہ مر جائے تو کیا کرو گے؟ اُس وقت جو انتظام کرو گے وہی اب کرو اور اس سے ہرگز کام نہ لو یہ آخری بات ہے! (تفسیر خازن) اس آیت کی روشنی میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو ہدایت کی روشنی کے خلاف ۱۹۹۱ء میں نجدی حکومت نے امریکہ کو جزیرۃ العرب میں بسا دیا اور انہی کے اشاروں پر نجدی حکومت کا نظم و نسق جاری ہے جس کی وجہ سے عرب کی آمدنی کا بڑا حصہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

چودھویں صدی میں مسلمانان ہند و پاک کی حالت

الغرض چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں مسلمانان پاک و ہند کے مذہبی، سیاسی، معاشی اور تمدنی حالات دگرگوں تھے۔ نئے نئے خیالات، نئے نئے تصورات، نئے نئے نظریات سامنے آرہے تھے۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال آجائے تو وہ اپنی گائے اور گدھے کے خیال میں مگن ہو جائیے بدرجہا برا ہے۔ کوئی کہہ رہا تھا جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں... کوئی کہہ رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے بڑے بھائی کے برابر ہیں۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ خاتم النبیین کا یہ مطلب نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر ہے۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفلوں کو منعقد کرنا اور ان میں شریک ہونا جائز نہیں، خواہ شریعت کے مطابق ہی کیوں نہ ہو... کوئی کہہ رہا تھا کہ جیسا حضور صلی

تذکرہ حضرت محدث دکن

اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب ہے، ایسا علم تو بچوں، دیوانوں، جانوروں اور درندوں کو حاصل ہے۔ کسی نے قرآن پاک پر اعتراض کیا۔ کسی نے حدیث شریف پر اعتراض کیا۔ کسی نے ائمہ دین پر اعتراض کیا۔ کسی نے سلف صالحین پر اعتراض کیا۔ کسی نے صوفیاء کرام پر اعتراض کیا۔ کسی نے علماء حق پر اعتراض کیا۔ اور دل کی وہ زمین جہاں کبھی یقین و ایمان بسا کرتے تھے، اب وہاں شکوک و شبہات بسیرا کرنے لگے۔ یہ تھا اوائل چودھویں صدی کا مذہبی ماحول!

تہذیبی اور تمدنی حالات بھی اچھے نہ تھے، کھدر کی تحریک چلا کر ایک طرف مسلمان پارچہ بافوں کی کمر توڑی گئی تو دوسری طرف کھدر کی گاندھی ٹوپی تیار کر کے صافوں اور ترکی ٹوپوں کی جگہ پہنائی گئی اور عمائے جن کو سیماء الملائکہ (فرشتوں کی علامات) فرمایا گیا اس سے امت کا ایک طبقہ دست کش ہو گیا اور آج اسی پر کاربند ہے۔ کفار و مشرکین سے اتحاد کیا گیا۔ ان کو بھائی بنایا گیا۔ ان کو منبر رسول پر بٹھایا گیا۔ ان کے لئے مسجدوں میں فاتحہ خوانی کی گئی۔ گاندھی کو اپنا امام بنایا گیا جو ہندوؤں کا سب سے بڑا قائد اور رہبر تھا۔ دین اسلام کے لالے پڑ رہے تھے۔ شعار دین پر دھاوے بولے جا رہے تھے۔ اسلامی تہذیب اور تمدن کے نشان مٹائے جا رہے تھے۔

مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کے تجدیدی کارنامے

بہر حال اس ظلمت کو بدلنے کے لئے ملک کے مختلف گوشوں سے اللہ کے بندے کھڑے ہو گئے مگر ان ساری گمراہیوں کو دور کرنے کے لئے بریلی سے ایک پیکرِ اخلاص اٹھا، اس نے عشقِ مصطفیٰ کے ساتھ علمِ مصطفیٰ کا بھی پرچار کیا۔ مولانا زید ابوالحسن فاروقی دہلوی علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ نے ان گستاخوں اور بے ادبوں کے منہ میں لگام دی ہے۔ ان کا کھنا تھا کہ دنیا جہاں کے علوم قرآن میں ہیں۔ اور قرآن سینہ مصطفیٰ میں، تو پھر سینہ مصطفیٰ میں دنیا جہاں

کے علوم کیوں نہیں۔ ان کے نزدیک علوم ماکان و مایکون سے باخبری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا سب سے بڑا امتیاز ہے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ بھی مولانا احمد رضا کی تائید کرتے ہیں اور علوم غیبیہ کو نبوت کا امتیاز خاص قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ علامہ اقبال علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

چشم او بر زشت و خوب کائنات
در نگاہ او غیوب کائنات

مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمہ کے پیش نظر شریعت مصطفوی تھی۔ دوست یا دشمن جس نے بھی شریعت کے خلاف قدم اٹھایا انہوں نے سخت گرفت کی پوری قوت سے اس کی مزاحمت کی۔ آپ کے سامنے شخصیات نہیں بلکہ شریعت تھی۔ آپ نے شریعت کو پیمانہ بنایا۔ یہی آپ کی فکر ارجمند کا امتیاز خاص ہے۔

مولانا احمد رضا کو یہ شکایت تھی کہ ان کے مخالفین حضور صلی اللہ وآلہ وسلم کی جناب میں گستاخیاں کیوں کرتے ہیں۔ مخالفین کی یہ شکایت تھی کہ مولانا احمد رضا ان کو اور ان کے اکابر کو برا کیوں کہتے ہیں؟ یہیں سے دونوں کے افکار کی بلندیوں اور پستیوں کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا احمد رضا خان اور سیاسیات

مولانا احمد رضا نے اپنے نور بصیرت سے سیاست میں بھی تجدیدی کارنامہ انجام دیا۔ تحریک خلافت خالص اسلامی تحریک تھی۔ مگر جب اس تحریک میں ہندو اکثریت بلکہ گاندھی کو امام بنایا گیا تو پھر آپ نے لکار کہا کہ یہ اسلامی تحریک نہیں ہے یہ اسلامی تحریک نہیں یہ تحریک سوراخ ہے جو حقیقت میں ہندوؤں کی آزادی اور مسلمانوں کی غلامی کی تحریک ہے، مولانا ظفر علی خان لاہوری نے گاندھی کی اسلام دشمنی کا پردہ چاک کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے:

تذکرہ حضرت محدث دکن

بھارت میں بلائیں دو ہی تو ہیں اک ساورکر اک گاندھی ہے
 اک جھوٹ کا چلتا چکڑ ہے اک مکر کی اٹھتی آندھی ہے
 آپ نے دو قومی نظریہ کا نعرہ اس وقت بلند کیا جب علامہ اقبال اور قائد اعظم
 محمد علی جناح بھی ایک قومی نظریے کے دل و جان سے قائل تھے۔ آپ کی آواز پاک
 و ہند میں گونجی۔ اور یہ گونج دونوں کے کانوں میں پڑی، سیاسی تجربوں نے اور
 آنکھیں کھولیں۔ پھر یہ دونوں قائدین ایک قومی نظریے کے دلدل سے نکل کر دو
 قومی نظریے کی جنت میں آئے اور ایک جہان نو کی تعمیر کی۔ غور کرنے کی بات ہے
 کہ کسی مکتب فکر کے علماء نے، بحیثیت مجموعی پاکستان کے لئے اتنا کام نہیں کیا
 جتنا مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کے خلفاء، تلامذہ اور متبعین نے کیا ہے اور یہ
 اسی ذہنیت کی برکتیں تھیں جس کی تعمیر و تربیت میں مولانا نے برسوں صرف کئے
 ان میں سے چند کے نام یہ ہیں مولانا عبدالحامد بدایونی، شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی،
 شاہ عارف اللہ قادری، علامہ ابوالحسنات قادری، علامہ عبدالغفور ہزاروی، علامہ
 عبدالمصطفیٰ ازہری، علامہ سید احمد سعید کاظمی، مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا
 عبدالستار خان نیازی اور جن ہم مسلک مشائخ کرام نے تحریک پاکستان کی بھرپور
 جماعت کی ان میں امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، پیر مانکی شریف،
 پیر زکوڑی شریف، پیر گولڑہ شریف، پیر جلال پور شریف، پیر سیال شریف، پیر تونسہ
 شریف، وغیرہم ہیں۔ (ملاحظہ ہو ص ۲۷۷ "اندھیرے سے اجالے تک")

مولانا احمد رضا خان علیہ الرحمۃ پر ایک الزام یہ ہے کہ ملت میں انتشار پیدا کیا اور
 تفرقہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ بات سرتا پا غلط ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مولانا نے قدیم
 عقائد اور افکار کو زندہ کیا اور ان کو زبان عطا کی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اہل
 وطن کو شکست ہوئی انگریزوں نے مسلمانوں سے حکومت چھینی۔ اس نے دیکھا کہ
 قرآن کی محبت، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق اور اہل اللہ اور اولیاء اللہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

سے محبت اور عقیدت مسلمانوں کی طاقت کا راز ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اور صفات کو موضوع بحث بنا کر اس محبت اور عشق کو ضعیف کیا گیا۔ انبیاء اور اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کا عاجز بندہ بنا کر مسلمانوں کو ان سے روگرداں کیا گیا اور اس صف میں کھڑا کیا گیا جہاں ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم سے انکار کیا تھا۔ ایسے فتوے لکھے گئے کہ علماء سابقین اور لاحقین سب کافر اور مشرک قرار پائے اور مسلمان کئی فرقوں میں بٹ گئے یہ سارے فرقے اور جماعتیں سب سعودی حکومت (جس کا باقاعدہ اعلان بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے دہے میں ہوا) اس کے بعد کی پیداوار ہیں۔

تھا جو نا خوب بہ تدریج وہی خوب ہوا

کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

بریلوی مکتب فکر صدیوں سے اہل سنت والجماعت کی فکر ارجمند ہے بلکہ بدعت تو وہاں سے ہے

مولانا احمد رضا خان کے آفاقی پیغام کو بریلویت کے نام سے مشہور کر دیا گیا حالانکہ آپ اہل سنت کی علامت ہیں۔ دنیا میں لاکھوں کروڑوں ایسے سنی بستے ہیں جو بریلویت کی اصطلاح تک سے ناواقف ہیں مگر عقائد وہی رکھتے ہیں جن کی تبلیغ و اشاعت مولانا احمد رضا علیہ الرحمہ نے کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء عرب و عجم نے آپ کو چودھویں صدی ہجری اور بیسویں صدی عیسوی کے مجددین میں شمار کیا ہے۔ امیر ملت حضرت جماعت علی شاہ کے تجدیدی کارنامے

محدث علی پوری حضرت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۵۱ء) نے بھی ہند و پاک میں زندگی بھر تجدیدی کارنامے انجام دیئے ہیں (یہ پورا مواد ”سیرت امیر ملت“ سے ماخوذ ہے)

انیسویں صدی میں مسلمانان ہند کی مذہبی حالت بے حد بُری تھی، ملک کے طول و

عرض میں یکساں گمراہی پھیلی ہوئی تھی، دیہات کے مسلمان تو صرف برائے نام مسلمان تھے، سکھ شاہی کے اثرات کی وجہ سے شمالی ہند اور خصوصاً پنجاب میں مسلمانوں کا حال اور بھی ابتر تھا۔ ہندو اور سکھ مسلمانوں کے ساتھ اچھوتوں سے بدتر سلوک کرتے تھے۔ سکھوں کی بربریت کا دور ختم ہوا تو انگریز آئے وہ تو ان سے زیادہ اسلام دشمن اور مسلم کش تھے انہوں نے معاندین اسلام کے کام کو اور آگے بڑھایا اپنے مفسدانہ عزائم کو نئی شکل دی، اسلام کی بیخ کنی اور مسلمانوں کو ملیا میٹ کرنے کے لئے نئے نئے حربے ایجاد کئے، جگہ جگہ اپنے پادریوں کو بھیجا تاکہ مسلمان صراطِ مستقیم سے بھٹک جائیں۔ مسلمانوں میں حلال اور حرام کا امتیاز جاتا رہا۔ الغرض اس پورے برصغیر میں دینِ متین کا چراغ ٹٹاتا ہوا نظر آنے لگا دیہات میں مسلمان ہندوؤں اور سکھوں کا پس خوردہ کھاتے اور اس میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ دیہات میں مسجدیں منہدم کر دی گئیں جو باقی تھیں وہ بھی ویران اور غیر آباد تھیں۔ مسلمانوں کو ذبیحہ کی اجازت نہ تھی پشاور جیسے مسلم اکثریت والے شہر میں کتنی مسجدیں ہندوؤں اور سکھوں کے قبضے میں مدتوں رہیں، تاریخ شاہد ہے کہ دہلی کی جامع مسجد بھی مدتوں غیر مسلموں کے تصرف میں رہی۔

ان حالات میں ضرورت تھی کہ کوئی بندہ خدا اور مردِ باخدا میدانِ عمل میں اترے، احیاءِ دین اور ترویجِ شریعت کا بیڑا اٹھائے۔ حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علیشاہ قدس سرہ توکل اور نصرت الہی کے بھروسے پر سرگرم عمل ہو گئے اور مدتِ العمر اس منصبِ عالی پر فائز رہ کر جفاکشی، تن دہی اور ریاضتِ شاقہ کی وہ مثال قائم فرمائی جس کی نظیر انیسویں اور بیسویں صدی میں ملنی مشکل ہے۔ آپ پیدل سفر فرماتے سب سے پہلے علی پور سیداں کی اصلاح فرمائی پھر آس پاس کے دیہات کی جانب توجہ کی پھر اپنے دائرہ عمل کو بڑھایا۔ پنجاب کے بعد دہلی، یوپی، سی پی، دکن اور مشرق و مغرب کے دورے کئے، شہروں اور مضافات میں احیاءِ دین اور تجدید

تذکرہ حضرت محدث دکن

اسلام کے لئے ہر طرح کی صعوبتوں اور ریاضتوں کو برداشت کیا۔ حضرت امیر ملت ان تبلیغی دوروں کے اخراجات خود اٹھاتے تھے۔ عموماً مسجدوں میں قیام فرماتے۔ بسا اوقات مہینوں ان دوروں میں صرف ہو جاتے کبھی کبھی یہ مدت سال بھر اور اس سے بھی زیادہ طویل ہو جاتی تھی آپ کے حالات پڑھنے اور سننے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ قطب ارشاد تھے، سید تھے اور بلاشبہ اس صدی کے مجددین میں بھی تھے۔

حضرت امیر ملت اور قیام پاکستان

حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب اُن صاحب بصیرت اور روشن ضمیر علماء اور پیرانِ طریقت میں ہیں جنہوں نے قیام پاکستان کے لئے اپنے تن من و دھن کی بازی لگادی اور برصغیر کے مسلمانوں کو ایک پناہ گاہ مل گئی اب رہی یہ بات کہ پاکستان میں خود مسلمان باہم دست و گریباں ہیں تو یہ مسلمانوں کا اپنا قصور ہے معمارانِ پاکستان کی اس میں کیا کوتاہی ہے؟ اگر ماں باپ نے اپنے بیٹوں کے رہنے کے لئے ایک گھر تیار کروادیا اور ماں باپ کے انتقال کے بعد بیٹے اپنی بیہودگی سے اس کو فروخت کر دیں اور جھونپڑیوں میں رہنے لگیں تو یہ ان کی اپنی نا اہلی ہے۔ اس میں ماں باپ کا کیا قصور ہے؟

روز نامہ نوائے وقت لاہور نے ۱۶ اپریل ۱۹۷۰ء کو اپنی ”اشاعت ملی“ میں ایک مقالہ ”تحریک پاکستان کا نڈر مجاہد“ کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ اس میں مقالہ نگار نے لکھا:

”حضرت امیر ملت پیر جماعت علی شاہ صاحب کی بصیرت کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر تحریک کو جو ہندوستان میں چلائی جاتی، اس کا بغور مطالعہ فرماتے۔ اور ایسی تحریکیں جو مسلمانوں کے مفاد کے خلاف یا مذہبی اور دینی لحاظ سے ان کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی تھیں آپ حکومت وقت کی پرواہ کئے بغیر ان کے خلاف نبرد آزما ہو جاتے

تذکرہ حضرت محدث دکن

تھے۔ "تحریک شہید گنج" میں سکھوں اور انگریزوں کے خلاف ٹکر لے کر مسجدوں کی اہمیت اور حرمت کے احساس کا جذبہ مسلمانوں کے اندر پیدا کیا، اور قوم نے انھیں "امیر ملت" کے خطاب سے نوازا۔ "شدھی تحریک" (مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک) کے سیلاب کے آگے بند باندھے اور ہندوؤں کے زور کو توڑنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگادی۔ شریعت مصطفوی (علی صاحبہا الصلاة والسلام) کو عام کرنے کے لئے آپ نے برصغیر پاک و ہند میں بے شمار دینی اور تبلیغی انجمنوں کی بنیادیں رکھیں تاکہ مسلمانوں میں دینی فکر کی اساس مضبوط ہو سکے جیسا کہ آج بھی کئی ایسی انجمنیں مثلاً انجمن خدام الصوفیہ اور انجمن اسلامیہ وغیرہ زندہ ہیں جن کی بنیاد آپ نے رکھی تھی۔"

۱۹۳۰ء میں جب قرار داد لاہور پاس ہوئی تو آپ نے اس کی زبردست حمایت کی اور پاکستان کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ایک سرگرم مبلغ کی حیثیت سے مسلمانان پاک و ہند کو بیدار کیا آپ مسلم لیگ کے زبردست حامی تھے اور قائد اعظم کی مقبولیت کے لئے کام کرتے رہے۔ پیر صاحب نے اپنے مریدوں سے کہہ رکھا تھا کہ میں اس شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھاؤں گا جس نے تحریک پاکستان میں کسی نہ کسی رنگ میں حصہ نہ لیا ہو۔

حضرت امیر ملت کا قائد اعظم کے نام مکتوب اور تحائف

حضرت امیر ملت نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا:

"قوم نے مجھے امیر ملت مقرر کیا ہے اور پاکستان کے لئے جو کوشش آپ کر رہے ہیں، وہ میرا کام ہے لیکن اب میں سو سال سے زیادہ عمر کا ضعیف و ناتواں شخص ہوں۔ میرا بوجھ آپ پر پڑا ہے۔ اس میں آپ کی امداد کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں" تحفوں میں قرآن شریف، تسبیح، جانماز، شال، دھتہ اور دوسری چیزیں شامل تھیں۔ چند روز کے بعد جناح صاحب کا خط آیا جس میں انھوں نے لکھا تھا:

تذکرہ حضرت محدث دکن

”جب آپ جیسے بزرگوں کی دعاء میرے شامل حال ہے، تو میں اپنے مقصد میں ابھی سے کامیاب ہوں اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میری راہ میں کتنی ہی تکلیفیں کیوں نہ آئیں میں اپنے مقصد سے کبھی پیچھے نہیں ہٹوں گا۔“

قائد اعظم علیہ الرحمۃ نے اسی خط میں یہ بھی لکھا:

”آپ نے قرآن شریف اس لئے عنایت فرمایا ہے کہ میں مسلمانوں کا لیڈر ہوں۔ جب تک قرآن اور دین کا علم نہ ہو کیا لیڈری کر سکتا ہوں؟ میں وعدہ کرتا ہوں کہ قرآن شریف پڑھوں گا۔ جانماز آپ نے اس لئے عطا کیا ہے کہ جب میں اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں مانتا تو مخلوق میرا حکم کیوں مانے گی؟ میں وعدہ کرتا ہوں کہ نماز پڑھا کروں گا۔ تسبیح آپ نے اس لئے ارسال کی ہے کہ میں اس پر درود شریف پڑھا کروں جو شخص اپنے پیغمبر پر اللہ تعالیٰ کی رحمت طلب نہیں کرتا اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسے نازل ہو سکتی ہے؟ میں اس اشارے کی بھی تعمیل کروں گا“

اس وقت حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ کا قیام حیدر آباد دکن میں تھا قائد اعظم کے انگریزی خط کا مذکورہ بالا ترجمہ حضرت کو سنایا گیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

”میں حیدر آباد میں بیٹھا ہوں اور جناح صاحب بمبئی میں ہیں اتنے بعد مسافت پر ان کو میرے مافی الضمیر کی کیسے خبر ہوگئی حالانکہ میں نے اس کا کسی سے تذکرہ بھی نہیں کیا۔ بے شک جناح صاحب ولی اللہ ہیں“

اس موقع پر یہ عاجز اپنے شفیق استاذ حضرت مولانا سید ابراہیم ادیب علیہ الرحمۃ استاذ عربی جامعہ عثمانیہ کا قول بھی سنانا چاہتا ہے۔ غالباً ۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے قائد اعظم محمد علی جناح حیدر آباد تشریف لائے اور آرس کالج، عثمانیہ یونیورسٹی کے استقبال ہال میں ایک جلسہ مقرر ہوا۔ اس وقت یہ عاجز انٹرمیڈیٹ کا طالب علم تھا۔ حضرت مولانا سید ابراہیم علیہ الرحمۃ قائد اعظم کے قریب تشریف فرما تھے اور

تذکرہ حضرت محدث دکن

قائد اعظم کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ جلسہ جب ختم ہوا تو فرمایا۔

”محمد علی جناح تو اپنے چہرہ سے صاحب کشف مؤمن معلوم ہوتا ہے“

مذکورہ بالا روداد سے یہ احقر اس بات کو واضح کرنا چاہتا ہے کہ الحمد للہ ہمارے پیرانِ طریقت نے ہر زمانہ میں ملت محمدیہ۔ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ہمہ جہتی خدمت کی ہے۔ خواہ وہ دینی ہو، یا معاشرتی، ثقافتی ہو یا سیاسی۔ کاش اسلامیات کا کوئی محقق ہماری چودہ سو سالہ تاریخ کے اس باب کو ابتدائے اسلام سے لیکر عصر حاضر تک اپنی تحقیق کا موضوع بنائے! یہ قوم و ملت کی ایک عظیم خدمت ہوگی۔

اس مقالہ کے آخر میں قول فیصل کی طرح مولانا نے روم کی مثنوی سے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں تاکہ مولانا نے روم کے دلنشین انداز سے موضوع پر روشنی پڑے۔

انبیاء کی بشریت پر مولانا روم کے فرمودات

اشقیاء را دیدہ بینا نہ بود نیک و بد در دید شاں یکساں نمود

(بد نصیبوں کے پاس دیکھنے والی آنکھ نہ تھی، بھلا برا ان کو ایک سا معلوم ہوتا تھا)

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد کم کے ز ابدال حق آگاہ شد

(سارا جہاں اس سبب سے گمراہ ہوا کہ اولیاء اللہ کو بہت کم لوگ پہچان سکے)

ہمسی با انبیاء برداشند اولیاء را ہچو خود پنداشند

(انبیاء کرام سے برابری کا دعویٰ کیا۔ اولیاء کرام کو اپنا جیسا سمجھا)

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر ما و ایشاں بستہ خوابیم و خور

(انہوں نے کہا وہ بھی بشر ہیں ہم بھی بشر ہیں۔ ہم اور وہ سونے اور کھانے کے

پابند ہیں)۔

گر ذیو اہلیس گفت ایں فرع طین چوں فزاید بر من آتش جبیں

تذکرہ حضرت محدث دکن

(حضرت آدم کا خمیر دیکھ کر ابلیس نے انہیں مٹی کا بتایا۔ اور کہا کہ یہ مجھ آتش جبیں سے کیے بڑھ جائے گا)

تا تو می بینی عزیزاں را بشر دان کہ میراث بلیس است آن نظر
(جب تک تو عوام الناس جیسا) ان عزت والوں کو بشر جانتا ہے۔ تو جان لے کہ تیری یہ نظر ابلیس لعین کا ترکہ ہے)

گر نہ فرزند بلیسی اے غنید پس بہ تو میراث آن سگ چوں رسید
(اے دشمن محبوبان خدا! اگر تو ابلیس کا فرزند نہیں ہے۔ تو اس کتے کی میراث تجھ تک کیے پہنچی)

اس مقالہ کے آخر میں چند اہم باتیں جو ہمارے معاشرہ کو پریشان کر رہی ہیں اور اسی ابلیسی توحید کو سامنے رکھ کر امت کو ایک گمراہ اقلیت تذبذب میں ڈال رکھی ہے۔ یہ عاجز (اللہ تعالیٰ سے دارین میں عافیت سے رکھے) یہاں چند باتیں بیان کرنا چاہتا ہے۔ ان باتوں میں ایک اہم بات وسیلہ ہے۔ اس مقالہ میں یہ عاجز انگریزی مقالہ جو نشریات اہل السنۃ و الجماعۃ مسجد امام اوک لینڈ کیلیفورنیا ۱۹۹۳ء سے شائع کیا گیا ہے استفادہ کیا ہے۔ جزاہم اللہ عنائیر الجزاء آمین!

توسل کا قرآن پاک سے ثبوت

واضح ہو کہ توسل یا وسیلہ کا اختیار کرنا رب العزت کے فرمان عالی شان سے ثابت ہے۔ سورہ نساء کی آیت نمبر (۶۴) ملاحظہ ہو:

ولوا نھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا
اللہ تو ابارھما۔

(جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو معاف فرمانے والا اور

تذکرہ حضرت محدث دکن

مہربان پائیں)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے تین روز بعد ایک اعرابی روضہ اقدس پر حاضر ہوا اور (فرط رنج و غم سے) مزار پر انوار پر گر پڑا اور خاکِ پاک اپنے سر پر ڈالی اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! آپ نے جو فرمایا ہم نے سنا اور آپ پر جو کتاب نازل ہوئی اس میں یہ آیت بھی ہے: ولوا نھم اذ ظلموا الی آخر ہا میں نے اپنی جان پر بڑے بڑے ستم کئے ہیں اب آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں آپ میرے گناہوں کی بخشش کرو ایسے فنودی من القبرانہ قد غفر لک (تو مرقد منور سے آواز آئی کہ تجھے بخش دیا گیا) (قرطبی، حوالہ ضیاء القرآن ج ۱/۳۶۰)

اس واقعہ سے چند مسائل معلوم ہوئے (۱) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض حاجت کے لئے اس کے مقبولوں کو وسیلہ بنانا کامیابی کا ذریعہ ہے (۲) قبر پر حاجت کے لئے جانا بھی جاء وک میں داخل اور خیر القرون کا معمول ہے (۳) بعد وفات مقبولانِ حق کو کلمہ (یا) کے ساتھ ندا کرنا جائز ہے (۴) مقبولانِ حق مدد فرماتے ہیں اور ان کی دعاء سے حاجت روائی ہوتی ہے۔ (۵) آیت صدر میں ظلم، ظالم، زمان اور مکان کسی قسم کی قید نہیں ہر قسم کا مجرم ہر زمانہ میں خواہ کسی قسم کا جرم کرے تمہارے آستانہ پر آجاوے۔ جاؤک میں یہ قید نہیں کہ مدینہ پاک میں ہی آئے بلکہ روضہ اقدس کی طرف توجہ کرنا یہ بھی بارگاہ شفیع المذنبین میں حاضری ہے اور اگر مدینہ پاک کی حاضری نصیب ہو جائے تو زہے نصیب!

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تکمیل الایمان میں راقم ہیں کہ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو حضرات بحالت زندگی برکات دیا کرتے تھے وہ بعد از وفات بھی تو سئل اور برکت دینے کی اہلیت رکھتے ہیں کیونکہ مرنے کے بعد روح کا باقی رہنا حدیثوں اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

فتاویٰ سیدی جمال کی قدس سرہ میں ہے کہ شیخ الاسلام شہاب رطلی سے سوال ہوا کہ انبیاء اور اولیاء سے مدد مانگنے کے لئے یا شیخ فلاں کہنا جائز ہے تو انہوں نے جواب دیا: الاستغاثۃ بالانبياء والمرسلین والاولیاء الصالحین جائزۃ بعد موتہم (انبیاء و مرسلین اور اولیاء کرام سے ان کے وصال کے بعد مدد مانگنا جائز ہے)۔

شاعر مشرق علامہ اقبال علیہ الرحمۃ جن کے اشعار کو بلا لحاظ مذہب و ملت تسلیم کیا جاتا ہے اولیاء کرام کی شان رفیع کالیوں ذکر کرتے ہیں:

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی
ایک اور جگہ یوں لکھا ہے:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا نگاہ مرد مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
حدیث نبوی سے توسل کا جواز

خطیب تبریزی نے مشکاة المصابیح کے باب فضل الفقراء میں حضرت عبداللہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انه کان یستفتح بصعالبک المهاجرین رواہ
البغوی فی شرح السنہ

(حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقراء مهاجرین کے وسیلہ سے (کفار اور مشرکین) پر نصرت اور کامیابی طلب کرتے تھے (بغوی در شرح السنہ)

شیخ سیدی حضرت محدث دکن رحمہ اللہ علیہ نے بھی زجاجة المصابیح جلد چہارم میں اس حدیث کی روایت فرمائی ہے اور امام ربانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ نے مکتوبات (ج ۲) کے ص ۲۳۲ میں بھی اس حدیث کو بیان فرمایا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء کرام کو وسیلہ بنانے کا عقیدہ خود سرور کائنات علیہ الصلاة والسلام کے عمل سے ثابت ہے۔ اس عقیدہ کو شرک اور بدعت قرار دینا گمراہی

تذکرہ حضرت محدث دکن

سنت دعوت و ان سنت صبرت و هو خير لك! قال . فادعه فامرہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان يتوضا فمسن وضوءه ويدعو بهذا الدعاء: اللهم اني اسالك واتوجه اليك بنبيك سيدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبي الرحمة يا محمد! اني اتوجه بك الى ربي في قضاء حاجتي لتقضي لي! اللهم شفعه في. فقام وقد ابصر.

(ترجمہ) ایک نابینا صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ آپ دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے شفا دیدے۔ (یہ سن کر) آپ نے فرمایا تم چاہو تو میں دعاء کروں اور چاہو تو تم صبر کرو اور یہ تمہارے لئے بہتر ہے انہوں نے جواب دیا۔ آپ دعاء ہی فرما دیں! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ وضوء کریں اور اچھی طرح سے وضوء کریں اور اس طرح سے دعاء کریں: الہی! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کے نبی ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو نبی رحمت ہیں ان کے وسیلہ سے آپ کی طرف متوجہ ہوں! اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوں اپنی حاجت براری کے لئے تاکہ میری حاجت پوری ہو جائے الہی میرے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت قبول فرمائیجئے، جوں ہی انہوں نے یہ دعاء کی وہ بینا ہو گئے۔ اس حدیث شریف میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو وسیلہ لیا گیا اور جس کی سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی درحقیقت قرآن پاک کی اس آیت (سورۃ المائدہ: ۳۵) وابتغوا الیہ الوسیلة (تم اللہ تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کر لو) کے حکم مطابق ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی بھی وسیلہ کے قائل ہیں

عربی زبان کی مستند ترین لغت (لسان العرب) میں ابن منظور لفظ وسیلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ الوسیلة فی الاصل ما یوصل بہ الی الشیئی ویتقرب بہ الیہ یعنی جس چیز کے ذریعہ کسی تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل ہو اسے وسیلہ کہتے

تذکرہ حضرت محدث دکن

ہیں چنانچہ علامہ زمخشری کشف میں کہتے ہیں والوسیلۃ کل ما یتقرب بہ ، ایمان ، نیک عمل ، عبادات ، پیروی سنت ، اور گناہوں سے ، چنانچہ سب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں ۔ اور مرشد کامل جو اپنی روحانی توجہ سے اپنے مرید کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتار دے ، دل میں یاد الہی کی تڑپ پیدا کر دے اس کے وسیلہ ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے ، کاملین امت نے ایسے مرشد کی تلاش میں ہزاروں کوس کی مسافت کو طے کیا ہے ۔ اور ان کی روحانی رہنمائی اور دستگیری سے آسمان معرفت و حکمت پر مہر و ماہ بن کر چمکے ہیں ۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس آیت میں وسیلہ سے بیعت مرشد ہے (قول جمیل) اسی آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولوی اسماعیل دہلوی کو بھی لکھنا پڑا ۔

”اہل سلوک اس آیت را اشارت بسلوک می فہمند و وسیلہ مرشد را سے دانند ، پس تلاش مرشد بنا بر فلاح حقیقی و فوز تحقیقی پیش از مجاہدہ ضروری ست ، و سنت اللہ بر ہمیں منوال جاریست ، لہذا بدون مرشد راہ یابی ناوار است (صراط مستقیم)

(ترجمہ) یعنی سالکان راہ حقیقت نے وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے پس حقیقی کامیابی اور کامرانی حاصل کرنے کے لئے مجاہدہ و ریاضت سے پہلے تلاش مرشد از بس ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ نے سالکان راہ حقیقت کے لئے یہی قاعدہ مقرر فرمایا ہے ۔ اسی لئے مرشد کی رہنمائی کے بغیر اس کا ملنا شاذ و نادر ہے (ترجمہ ختم ہوا ۔ ۱۲)

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلام شمس تبریزی نہ شد
(حضرت رومی)

تخم دل ہرگز نہ روید از آب و گل بے نگاہے از خداوندانِ دل
دم عارف نسیم صہدم ہے اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر شبانی سے کلمی دو قدم ہے

(علامہ اقبال)

تذکرہ حضرت محدث دکن

ایصالِ ثوابِ مسنون ہے

وسیلہ پر اس مفصل بیان کے بعد ایصالِ ثواب پر بھی کچھ بیان ضروری ہے اس لئے کہ وہابی حضرات کے نزدیک ایصالِ ثواب کی محفل کا انعقاد سراسر بدعت ہے حالانکہ صحیح احادیث شریفہ میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من تلامة الا من صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعوه له رواه مسلم وفي المشكاة وفي زجاجة الصابغ في باب العلم

(ترجمہ) جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل (کے ثواب) کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر تین کاموں کا (ثواب) برابر جاری رہتا ہے صدقہ جاریہ (جیسے اوقاف قائم کرنا، مسجد اور کنویں بنانا) یا علم جس سے نفع حاصل ہو رہا ہو (جیسے کوئی کتاب لکھی یا قرآن کی تعلیم دی وغیرہ) یا صالح اولاد (جو مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرے

صحیح مسلم شریف ہی میں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے:

وما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله يتدارسونه بينهم الا نزلت عليهم السكينة وحقتهم الرحمة وحقتهم الملائكة وذكرهم فيمن عنده رواه مسلم وفي المشكاة وزجاجة الصابغ في باب العلم

ترجمہ (جب بھی لوگ خدا کے گھر میں جمع ہو جاتے ہیں اور کتاب اللہ کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں ان پر تسکین نازل ہوتی ہے۔ اور رحمت خداوندی ان پر چھا جاتی ہے، اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں ان کا ذکر فرماتے ہیں (مسلم، مشكاة، زجاجة)

صدیوں سے مذکورہ احادیث شریفہ کی روشنی میں اہل سنت والجماعت کا معمول ہے

تذکرہ حضرت محدث دکن

کہ جب کوئی عزیز یا دوست انتقال کر جائے تو ہم لوگ قرآن خوانی کی محفلیں منعقد کرتے ہیں اور پھر بعد قرآن خوانی مرحوم کے لئے دعاء مغفرت کی جاتی ہے اور طعام ما حضر سے ضیافت کی جاتی ہے ایسے کاموں کو بدعت قرار دینا کس قدر بڑی گمراہی ہے۔

حضرت ابو نصر حموی جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۳ء) فرمایا کرتے کہ ایسے مواقع میں جو ہمارے معمولات ہیں سب شرعاً مطلوب ہیں ان کو بدعت کہنا کہاں تک روا ہو سکتا ہے مثلاً مسلمانوں کا اجتماع شرعاً مطلوب ہے۔ تلاوت قرآن بھی شرعاً مطلوب ہے۔ کھانا کھلانا بھی شرعاً مطلوب ہے اگر مطلوبات شرعی کو بدعت کہا جائے تو ہم یہ کہنے میں بجا ہیں کہ ایسی باتوں کو بدعت قرار دینے والے خود بدعتی ہیں! واللہ هو الموفق للصواب۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مستطاب "الادب المفرد" جو اسلامی معاشرت پر احادیث شریفہ کا اعلیٰ ترین خزانہ ہے اس میں روایت فرمائی ہے کہ اہل جنت کے جنت میں درجے بلند کئے جاتے ہیں اہل جنت عرض کرتے ہیں الہی! ہمارے نیک اعمال تو منقطع ہو چکے ہیں پھر یہ ترقی درجات کیا ہے؟ تو ارشاد ہوتا ہے تمہارے لڑکے نے دعاء کی ہے اللھم اغفر لی ولوالدی وللؤمنین والمؤمنات آمین۔ اس عاجز کے مربی اور استاذ حضرت مولانا ابو الوفا افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایصال ثواب کے بارے میں ایک دیوبندی عالم سے فرمایا: آپ حضرات نے تو اس راستہ کو بند ہی کر دیا ہے کہ جب اس مسنون عمل کو اپنی عصیت اور گروہ بندی کے پیش نظر آپ بدعت قرار دیں تو نادان عوام کیوں اس کام کو کریں؟ تو موصوف لاجواب ہو گئے نجدی اور وہابی اصحاب خود بدعت میں مبتلا ہیں اور اہل سنت و الجماعت کو بدعتی قرار دیتے ہیں چنانچہ نمازوں کے بعد خصوصاً سنتوں اور نوافل کے بعد کی دعاء کو "دعاء ثانی" کا نام دیکر بدعت قرار دیتے ہیں جو سراسر غلط ہے اسی

طرح دعاؤں کو اخفاء سے پڑھتے ہیں حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعاء بلجر فرمایا کرتے تھے جس کی وجہ سے سینکڑوں ماثورہ دعائیں اس امت مرحومہ کو ملی ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ حرمین شریفین میں کسی نماز کے بعد دعاء ہی نہیں کی جاتی حالانکہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے الدعاء مخ العبادۃ (دعاء عبادت کا مغز ہے) ابر حال قدم قدم پر ہم کو ان اہل نجد کے زلزلے اور قینے عقائد، عبادات اور معاملات میں ملتے ہیں! اللہ تعالیٰ ان قمنوں سے ہمیں اور پوری امت کو محفوظ رکھے آمین۔ بحرمتہ سید المرسلین!

پچھلے اوراق میں چند مسائل کی وضاحت بالا راہ اس لئے ضروری سمجھی گئی کہ ان باتوں کی دور حاضر میں شدید ترین ضرورت ہے علاوہ ازیں یہ مذکورہ تمام باتیں ہمارے حضرت محدث دکن قدس سرہ کے عقائد اور اعمال کے مطابق تھیں۔

آثار مبارکہ سے حصول برکت کا قرآن پاک سے ثبوت

آخر میں وہابی اصحاب کی ایک اور کوتاہی کا ذکر کرتا چلوں وہ یہ ہے کہ یہ اصحاب تبرکات کے بھی قائل نہیں حالانکہ قرآن پاک سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ سورہ سیدنا یوسف آیت نمبر (۹۳) میں ارشاد ربی ہے:

اذھبوا بقمیصی هذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا۔ ترجمہ (میرا یہ کرتا لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرہ پر ڈالو وہ بینا ہو جائیں گے)۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ کرتا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا جو منتقل ہوتا ہوا آپ تک پہنچا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ بزرگوں کے تبرکات اور ان کے جسم سے چھوئی ہوئی چیزیں بیماریوں کی شفاء، دافع بلاء اور مشکل کشا ہوتی ہیں۔ اسی طرح مدینہ منورہ کی مٹی خاک شفاء ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ اس کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک سے مس نصیب ہے۔

خاک طیبہ بیمار یوں کے لئے شفاء ہے

بخاری شریف کی کتاب الطب - باب رقیۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام المؤمنین
سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے : ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان
یقول للمریض بسم اللہ تربة ارضنا بریقة بعضنا یشفی سقیمنا باذن ربنا (حضور نبی کریم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار پر اس طرح دعاء پڑھتے : اللہ تعالیٰ کے نام سے ہماری
زمین کی مٹی، ہمارے کسی کے لعاب کے ساتھ ہمارے بیمار کو شفاء بخشتی ہے
ہمارے رب کے حکم سے) یہ حدیث مسلم، ابن ماجہ اور مسند امام احمد بھی ہے۔

اس کے علاوہ سورہ یوسف کی آیت نمبر ۹۶ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیماروں پر
بزرگوں کے تبرکات ڈالنا، چھڑکننا سنت پیغمبری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مردے کے کفن
میں کلمہ شریف لکھ کر رکھنا یا پیر کی قمیص یا تہبند رکھنا درست ہے کیونکہ یہ تبرکات
بڑی بڑی مشکل حل کر دیتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق عصائے مبارک کو حضرت
ابن انیس کے ساتھ کفنا یا گیا

مردے کے کفن میں کسی چیز کو بطور تبرک رکھنے کا ثبوت حضرت عبداللہ بن انیسؓ
کے واقعے سے ملتا ہے کہ انہوں نے دشمن اسلام سفیان بن خالد ہذلی کو قتل کر کے
اس کا سر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لا کر پیش فرمایا تو
حضور نے ان کو ایک عصا مرحمت فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا ”تخصر بھذہ فی الجنہ“
(اس عصا کے ساتھ تم کو جنت میں داخل ہونا ہے) یہ عصا حضرت ابن انیسؓ کے
ساتھ رہا اور جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ اس عصا کو
ان کے کفن میں رکھ دیا جائے۔ چنانچہ ان کو گھر والوں نے ایسا ہی کیا (ملاحظہ ہو
بحقیقات ابن سعد ۲/۳۹)

تبرکات سے برکت حاصل کرنے کا ایک اور واضح ثبوت تابوت سکینہ ہے

تذکرہ حضرت محدث دکن

تابوت سیکنہ میں کیا کیا آثار شریفہ موجود تھے، وہ اب کہاں ہے؟

سورہ بقرہ کی آیت نمبر (۲۴۸) ملاحظہ ہو:

وقال لهم نبیهم ان آیة ملكه ان یاتیکم التابوت فیہ سکینة من ربکم وبقیة مما ترک آل موسیٰ و آل ہرون تحملہ الملائکة ان فی ذلک لآیة لکم ان کنتم مؤمنین۔

ترجمہ: اور ان سے ان کے نبی (حضرت شموئیل علیہ السلام) نے فرمایا اس کی (یعنی حضرت طاوت کی بادشاہت کی) نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس (از خود) تابوت آجائے جس میں تمہارے رب کی طرف سے (دلوں کا) چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں بھی جن کو آل موسیٰ اور آل ہارون چھوڑ گئے ہیں اور اس (صندوق) کو فرشتے اٹھا کر لائیں گے بے شک اس واقعہ میں تمہارے لئے ایک نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔

تابوت سیکنہ بنی اسرائیل کا اہم ترین بلی اور قومی ورثہ تھا۔ اس کے اندر اصل نسخہ توراہ مع تبرکات انبیاء کرام محفوظ تھا۔ ان تبرکات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا، آپ کے کپڑے اور نعلین شریف اور حضرت ہارون کا عمامہ شریف اور من کے کچھ ٹکڑے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی تھی۔ بنی اسرائیل اس کو بڑا مقدس سمجھتے، سفر و حضر، جنگ اور امن، ہر حال میں اسے بڑی حفاظت سے رکھتے۔ موجودہ علماء یہود کی تحقیق میں اس کا طول ڈھائی فٹ، عرض ڈیڑھ فٹ اور بلندی بھی ڈیڑھ فٹ تھی۔ تابوت کی واپسی کے بعد یہ تابوت حضرت سلیمان علیہ السلام (م ۳۳۹ ق م) کے قبضہ میں رہا۔ اور بیت المقدس کی تعمیر کے بعد آپ نے اس کو ہیکل سلیمانی میں رکھ دیا تھا اس کے بعد سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہود کا عام خیال ہے کہ یہ تابوت اب بھی ہیکل سلیمانی کی بنیادوں میں دفن ہے (ملاحظہ ہو تفسیر ماجدی ص ۱۰۰)۔

کعبۃ اللہ میں مقام ابراہیم کی حفاظت ہزاروں برس سے کی گئی

تبرکات سے برکت حاصل کرنے کا ایک اور بین ثبوت سورہ بقرہ کی آیت نمبر

تذکرہ حضرت محدث دکن

(۱۲۵) ہے۔

و اتخذوا من مقام ابراہیم مصلیٰ۔ (اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لو)
 واضح ہو کہ مقام ابراہیم وہ مبارک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر آپ نے کعبۃ اللہ کی
 تعمیر کی ہے۔ اور یہ پتھر خانہ کعبہ سے چند ہی فٹ کے فاصلہ پر اب بھی شیشہ کے
 بڑے فانوس میں محفوظ ہے اور اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نشان قدم
 دکھائی دیتے ہیں حج کے موقع پر اس کے سامنے طواف کے بعد دو رکعت نماز تحیۃ
 الطواف پڑھی جاتی ہے۔ احناف اور مالکی حضرات کے پاس یہ نماز واجب ہے اور امام
 شافعی رحمہ اللہ علیہ کے پاس سنت ہے۔

آثار شریف کی تعظیم کا قرآن سے ثبوت

ان آیات قرآنی سے ثابت ہوتا ہے کہ جس پتھر کو نبی کی قدم بوسی حاصل ہو جائے
 وہ باعظمت ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عبادت کے موقع پر غیر اللہ
 کی تعظیم درست ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تبرکات کی تعظیم نص قرآنی سے
 ثابت ہے۔

سطور بالا سے واضح ہو گیا کہ وہ اشیاء جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے
 ہوتا ہے ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور دشمنوں پر غلبہ نصیب ہوتا
 ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناخن، موئے
 مبارک تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھا کرتے تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے سر پر
 کپڑے کی ایک ٹوپی تھی جس میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک موئے
 مبارک رکھا ہوا تھا۔ حضرت خالدؓ فرماتے ہیں کہ جس معرکہ میں یہ ٹوپی سر پر رکھ کر
 جاتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے مجھے کامیاب اور کامران کرتا ہے۔

نجدیوں نے دلائل الخیرات کی اجازت بند کر دی

نجدیوں نے اپنی حکومت کے زور سے جہاں کئی اور اسلامی شعائر اور دینی کاموں کو بند کیا ہے ان میں ایک دلائل الخیرات کی اجازت کی مسدودی ہے۔ دلائل الخیرات حضرت عارف باللہ ابو عبد اللہ محمد بن سلیمان الجزولی الحسینی الشاذلی المراكشي رحمہ اللہ (م ۸۷۰ھ) کی مبارک تالیف ہے۔ حضرت جزولی قدس سرہ نویں صدی ہجری کے نامور محدث، فقیہ اور مفسر ہیں آپ کے شاگرد بیس ہزار سے زیادہ تھے جنہوں نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے، اس مبارک کتاب میں جو درود شریف ہیں علامہ جزولی نے وہ سب احادیث شریفہ سے جمع فرمائے ہیں سنہ تالیف سے لے کر آج تک اقصائے عالم میں ہزاروں مسلمان اس مبارک کتاب کو بطور وظیفہ پڑھا کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی اس کے عامل تھے۔ ہمارے حضرت محدث دکن قدس سرہ بحالت اعتکاف رمضان المبارک کے آخری دہے میں قراءت سماعت کے بعد اس کی اجازت دیا کرتے تھے جو آپ نے بدوران قیام مدینہ شیخ الدلائل مدینہ منورہ سے حاصل فرمائی تھی اور الحمد للہ ہمارے تمام برادران طریقت اور ان کے وابستگان اس پر عامل ہیں آہ صد آہ! ایسی مبارک کتاب جس کو دنیا بھر کے عالی مقام بزرگان دین پڑھتے ہیں اب اس کی اجازت حرمین شریفین میں بند کر دی گئی۔

درود شریف کی فضیلت

درود شریف کی عظمت پر قرآن پاک ناطق ہے۔ رب العزت کا فرمان عايشان ہے (سورة الاحزاب آیت ۵۶) : ان الله وملائكته يصلون على النبي - يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما۔

(بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی کریم پر۔ اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو اور (بڑے ادب اور محبت سے) سلام (بھی) عرض کیا کرو۔)

تذکرہ حضرت محدث دکن

اس آیت کریمہ کی جلالت شان کو زیادہ سے زیادہ سمجھنے کے لئے چند باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔ آیت شریفہ میں عمل صلوٰۃ (درود) کے تین فاعل ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ (۲) فرشتے (۳) اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے صلاۃ پڑھنے کی وضاحت

امام بخاری نے حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ جب صلاۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی بھری محفل میں اپنے حبیب کی تعریف و ثناء کرتا ہے اھ علامہ آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں وضاحت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے ذکر کو بلند کر کے، آپ کے دین کو غلبہ دے کر اور آپ کی شریعت پر عمل برقرار رکھ کر اس دنیا میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت اور شان بڑھاتا ہے۔ اور روز محشر امت کے لئے حضور کی شفاعت قبول فرما کر اور حضور کو بہترین اجر و ثواب عطا فرما کر اور مقام محمود پر فائز کرنے کے بعد اولین اور آخرین میں حضور کی عظمت کو نمایاں کر کے اور تمام مقربین پر حضور کو سبقت بخش کر حضور کی شان کو آشکارا فرمائے گا۔

فرشتوں کے صلاۃ پڑھنے سے کیا مراد ہے

صلوٰۃ (درود) کی نسبت جب فرشتوں کی طرف ہو تو صلوٰۃ کے معنی دعاء کے بھی ہیں کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجات کی بلندی اور مقامات کی رفعت کے لئے دست بدعاء ہیں۔ صدر کی آیت پر ترکیب نحوی کے اعتبار سے غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے یہ جملہ اسمیہ ہے لیکن اس کی خبر جملہ فعلیہ ہے۔ اس میں راز یہ ہے کہ جملہ اسمیہ استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے اور جملہ فعلیہ تجدد اور حدوث کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہر دم ہر گھڑی اپنے نبی مکرم پر اپنی رحمتیں نازل

تذکرہ حضرت محدث دکن

فرماتا رہتا ہے اور آپ کی شان کو بلند فرماتا رہتا ہے اور فرشتے بھی آپ کی تعریف اور توصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں عراقی نے کیا خوب کہا ہے

ثنائے زلف و رخسار تو اے ماہ ملائک و درود صبح و شام کردند
 (اے رسالت کے ماہ منیر اور بدر کامل آپ کی زلف عنبریں اور رخسار روشن کی
 تعریف صبح اور شام فرشتوں کا ورد اور وظیفہ ہے۔)

اہل ایمان کے صلوٰۃ بھینچنے کا مفہوم

جب اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پر ہمیشہ اپنی برکتیں نازل فرماتا رہتا ہے اور اس کے فرشتے آپ کی ثناء گسٹری میں زمزمہ سنج رہتے ہیں اور آپ کی رفعت شان کے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں تو اے اہل ایمان تم بھی میرے حبیب کی رفعت شان کے لئے دعائیں مانگا کرو۔ علامہ ابن منظور "صلوٰۃ" کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب مؤمن بارگاہ الہی میں عرض کرتا ہے۔ اللھم صل علی سیدنا محمد نعمناہ عظمہ فی الدنیا باعلیٰ ذکرہ و اظہار دعوتہ و ابقاء شریعتہ و فی الآخرہ بتشفیعہ فی امتہ و تضعیف اجرہ و مشوبتہ (یعنی الہی! دنیا میں اپنے رسول کے ذکر کو بلند فرما کر، آپ کے دین کو غالب فرما کر اور آپ کی شریعت کو باقی رکھ کر اور آخرت میں آپ کی شفاعت قبول فرما کر اور اجر و ثواب کو کئی گنا کر دے)۔

درود میں اللھم صل میں کیا راز پوشیدہ ہے

رب العزت نے ہمیں صلوٰۃ بھینچنے کا حکم دیا لیکن ہم کماحقہ شان رسالت کو نہیں جانتے ہیں اور اس کا حق بھی ادا نہیں کر سکتے اس لئے اعتراف عجز کرتے ہوئے ہم عرض کرتے ہیں۔ اللھم صل... الی آخرہ یعنی الہی تو ہی اپنے حبیب کی شان اور قدر و منزلت کو صحیح طور پر جانتا ہے اس لئے تو ہی ہماری طرف سے اپنے حبیب پر ان کے شایان بن درود بھیج (یہ لسان العرب کے قول کا مفہوم ہے) اسی مضمون کو اردو میں نامور شاعر علامہ غالب نے ذیل کے شعر میں بیان کیا ہے

تذکرہ حضرت محدث دکن

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم

کان ذات پاک مرتبہ دان محمد است

(غالب ہم خواجہ، کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کو خالق کونین کے سپرد کر دیتے ہیں اس لئے کہ رب العزت کی ذاتِ عالی ہی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ کو جانتی ہے)

صدر کی آیت میں ہمیں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں صلوات و سلام عرض کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور بے شمار احادیث شریفہ میں درود شریف کی فضیلت وارد ہے۔ صرف چند احادیث شریفہ یہاں تبرکاً بیان کی جاتی ہیں تاکہ قارئین کرام کے دل میں اپنے رسول کریم، ہادی اعظم، شفیع بنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں درود کا تحفہ بھیجنے کا شوق پیدا ہو:

۱۱ عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من ذکرک عنده فليصل علی من صلی علی مرة واحدة صلی اللہ تعالیٰ علیہ عسرا

(حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اس پر لازم ہے کہ وہ مجھ پر درود پڑھے اور جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمتیں بھیجیں گے۔)

۱۲ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما جلس قوم مجلسا ولم یذکروا اللہ فیہ ولم یصلوا علی نبیہم الا کان علیہم ترۃ یوم القیامۃ ان شاء عندہم وان شاء غفر لہم

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب لوگ کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور اس میں نہ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور نہ اپنے نبی پر درود پڑھتے ہیں تو قیامت کے دن ایسی مجلس ان کے لئے وبال ہوگی چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو انکو بخش دے۔)

تذکرہ حضرت محدث دکن

۱۳ و عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعته و من صلی علی نائیا ابلغتہ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھے اس درود کو میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس کی روایت بیہقی نے شعب الایمان میں کی ہے۔)

۱۴ و عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغون فی من امتی السلام رواہ النسائی والدارمی

(حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے چند سیاحت کرنے والے فرشتے مقرر ہیں جو روئے زمین سے مجھے میری امت کے سلام کو پہنچاتے رہتے ہیں۔ اس کی روایت نسائی اور دارمی نے کی ہے۔)

۱۵ و عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام رواہ ابو داؤد و البیہقی فی الدعوات الکبیر

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جو کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتے ہیں تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔ اس کی روایت ابو داؤد نے اور بیہقی نے دعوات کبیر کی ہے۔)

حیات النبی پر محدثین کرام کی وضاحت

صدر کی اس آخری حدیث میں سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب حضور پر سلام بھیجا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ حضور کی روح کو سلام کا جواب دینے کے لئے لوٹا دیتے ہیں۔ جب یہ عاجز (اللہ تعالیٰ اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) دوران طباعت زجاجة المصابیح کے اس مقام پر پہنچا اور اپنے پیر و مرشد کو یہ حدیث سنائی تو حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ہمارے حضرت کو آپ کے استاذ حدیث مولانا عبدالرحمن سہانپوری علیہ الرحمہ (مدفون خطہ صالحین نام پٹی، حیدر آباد) نے ان کے اپنے اساتذہ سے سلسلہ بہ سلسلہ یہ بات سنائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کو جب دفن کیا گیا اور پہلی مرتبہ جب روح انور سلام کے جواب کے لئے لوٹائی گئی تو پھر واپس نہیں ہوئی کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام پہنچانے کا اقطاع عالم سے ایسا پیہم تسلسل قائم فرمادیا ہے کہ ایک لمحے کے لئے بھی سلام اور جواب سلام کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا اور یہی حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے (ہمارے حضرت علیہ الرحمہ کا قول ختم ہوا)۔

درود شریف کے اس بیان کو تفسیر حسینی کی درج ذیل رباعی پر ختم کیا جاتا ہے:

یا سید الانام درود جناب تو
ورد زبان ماست مہ و سال و صبح و شام
نزدیک تو چہ تحفہ فرستیم با درود
در دست ما ہمیں صلاتت و السلام

(اے مخلوق کے سردار، آپ کی بارگاہ میں درود شریف کا تحفہ ہمارے وردِ زبان ہے ہر مہینہ، ہر سال، بلکہ صبح اور شام یعنی ہمیشہ۔ درود شریف کے ساتھ ہم آپ کی بارگاہ عالی میں اور کیا تحفہ بھیجیں؟ ہمارے باتوں میں تو یہی صلاۃ اور سلام کا تحفہ ہے)۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

قیام بوقت سلام، حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا معمول تھا وہابی حضرات جو مجلس میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر کھڑے ہو کر سلام عرض کرنے کو ناجائز اور بریلویت کی ایجاد سمجھتے ہیں ان کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ یہ آج سے چار سو برس پہلے کا معمول ہے جو اہل سنت و الجماعت کا ہاں رائج تھا اور اس کو نجدی اور وہابی حضرات ناجائز قرار دیتے ہیں چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے اپنی نامور کتاب اخبار الاخیار کے ص ۶۲۳ پر کھڑے ہو کر سلام بحضور بارگاہ خیر الانام پیش کرنے پر بڑا عمدہ مضمون مرحمت فرمایا ہے:

”اے اللہ! میرا کوئی عمل ایسا نہیں جسے آپ کے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں، میرے تمام اعمال فساد نیت کا شکار ہیں۔ البتہ مجھ فقیر کا ایک عمل محض آپ ہی کی عنایت سے اس قابل اور لائق التفات ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلس میلاد کے موقع پر کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت ہی عاجزی و انکساری، محبت اور خلوص کے ساتھ تیرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجتا ہوں اے اللہ! وہ کونسا مقام ہے جہاں میلاد پاک سے بڑھ کر تیری طرف سے خیر و برکت کا نزول ہوتا ہے؟ اس لئے اے ارحم الراحمین مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ یقیناً تیری بارگاہ میں قبول ہوگا اور جو کوئی درود و سلام پڑھے اور اس کے ذریعہ سے دعاء کرے وہ کبھی زد نہیں ہوگی (اخبار الاخیار ۶۲۳ مطبوعہ کراچی)۔

اہم تشبیہ

اس موضوع کو ختم کرتے ہوئے مولانا زید ابوالحسن فاروقی دہلوی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۱۳ھ / ۱۹۹۳ء) کا یہ قول فیصل قارئین کرام کو سنادوں:

تذکرہ حضرت محدث دکن

”انگریزوں کے ہندوستان پر اقتدار کے بعد بد قسمتی سے
مسلمان دو فرقوں میں بٹ گئے۔ دیوبندی اور بریلوی اور دونوں
میں غلو ہے۔“

اس کے بعد مولانا حکیم سید محمود احمد برکاتی مدظلہ کی کتاب ”حیات شاہ محمد اسحاق
محدث دہلوی“ سے ایک متوازن مضمون سنا کر اس موضوع کو ختم کرتا ہوں:
”ہمارے یہاں عرصہ سے ہو یہ رہا ہے کہ دین و سیاست ہو یا علم و ادب، زندگی کے
ہر شعبہ میں خانے بنائے گئے ہیں، خطوط کھینچ کر ان خانوں کی تحدید کر لی گئی ہے
اور اب ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ ان فقہی، کلامی، تاریخی، ادبی، سیاسی مکاتب میں
سے کسی ایک مکتب سے کلیتاً اتفاق کرے یا کلیتاً اختلاف اور ان خانوں میں سے کسی
ایک خانہ میں خطوط سے بہت دور ہٹ کر دامن سمیٹ کر کھڑا ہو۔ اب اگر کوئی غریب
اپنے دماغ سے بھی سوچنے کا عادی ہے، مسائل میں اس کی اپنی بھی رائے ہوتی ہے۔
اور وہ تحقیق کے بغیر کوئی قول تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور کسی ایک گروہ سے
عمومی اور دوامی وابستگی ضروری نہیں سمجھتا اور ان خانوں کے حدود کا شدت سے
پابند نہیں ہے، کسی مسئلہ میں خط کے اس پار والوں سے بھی متفق ہو سکتا ہے تو وہ
ان دونوں خانوں کے ”ملکینوں“ کی نظر میں اجنبی اور مشتبہ ٹھہرتا ہے کہ ہر مسئلہ
میں جماعت سے متفق کیوں نہیں ہے؟ گروہ کا صد فی صد وفادار کیوں نہیں ہے؟
دوسری جماعت اور گروہ کو شرمحض کیوں نہیں سمجھتا؟ اس کی رائے کے ساتھ اس
کی نیت میں بھی اسے کلام کیوں نہیں ہے؟ بعض مسائل میں اس سے متفق کیوں
ہے؟ افکار کے ساتھ کردار پر بھی نکتہ چینی اس کے مسلک میں ناروا کیوں ہے؟
جزئیات میں اختلاف کو اہمیت کیوں نہیں دیتا“ (مذکورہ کتاب ص ۱۷۰۱۶)

اس تنبیہ سے مقصد یہ ہے کہ برادران اسلام اپنے اندر قوت برداشت پیدا کریں
اندھا دھند کفر اور نفاق کے فتوے صادر نہ کریں اور حضرت مولانا روم قدس سرہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

کے اس شعر کو یاد رکھیں:
تو برائے وصل کروں آمدی نے برائے فصل کردن آمدی
حضرت محدث دکن کے بعض مشہور کرامات

بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت محدث دکن قدس سرہ کو شریعت اور طریقت دونوں کی دولت نصیب ہوئی۔ جس طرح آپ علوم ظاہری میں تسبیح رکھتے تھے اسی طرح طریقت میں آپ اپنے زمانے کے راہبر اور امام تھے۔ شریعت غراء (روشن) محمدی کا مبارک دامن اپنے ہاتھوں سے تھامے ہوئے راہ سلوک ایسے شاندار انداز میں طے فرمائی کہ دیکھنے والے حیران و ششدر رہ گئے۔ ایک طرف شریعت کے آئین و دستور کا حد درجہ ادب اور احترام ہے تو دوسری طرف طریقت میں بے انتہا احتیاط اور پاس ہے۔

برکفے جام شریعت برکفے سندان عشق
پر ہوسنا کے نہ داند جام و سندان باختن

بزم محدث دکن میں شریعت کی تعلیم بھی دی جاتی ہے اور معرفت کا پر کیف جام بھی پلایا جاتا ہے۔ سجان اللہ! حضرت محدث دکن کی حیات طیبہ میں ظاہر اور باطن کا کتنا حسین امتزاج ہے۔ عارف رومی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

اولیاء را ہست قدرت از الہ تیر جستہ باز گردانند ز راہ
(اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک طاقت ملتی ہے کہ وہ نکلے ہوئے تیر کو راستہ سے واپس لوٹا دیتے ہیں)

اس حقیقت کی روشنی میں بھی عظیم البرکت حضرت محدث دکن قدس سرہ کی ذات پاک شمع محفل کی طرح جگمگاتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ لیکن کسی بھی روشنی کو دیکھنے کے لئے ظاہری روشنی کی نہیں ایمان و یقین، محبت اور عقیدت کے نور کی ضرورت ہے:
دل بینا بھی کر خدا سے طلب آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

تذکرہ حضرت محدث دکن

ایک شعر اور بھی ملاحظہ فرمائیں:

آنکھ والے تیرے جلووں کا تماشا دیکھے دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے
موضوع سخن پر آنے سے پہلے قارئین کرام کو بخاری شریف کی ایک حدیث جو زیر
نظر عنوان سے متعلق ہے سنانے کی عزت حاصل کی جاتی ہے۔

مقام محبوبیت رب العزت کی دین ہے

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان
اللہ تعالیٰ قال من عادى لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب و ما تقرب الی عبیدی بشئ احب
الی مما افترضت علیہ و ما یزال عبیدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا
احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یر بہ و یدہ الی یتطش بہا
و رجلہ الی یمشی بہا و ان سألنی لا عطینہ و لئن استعاذنی لا عینذہ و ما ترددت
عن شیء انا فاعلہ ترددی عن نفس المؤمن یرکہ الموت و انا اکرہ ساءتہ و لا بدلہ
منہ رواہ البخاری و فی الشکاۃ للخطیب التبریزی و فی زجاجة الصابغ لابن الحسنات
السید عبد اللہ شاہ محدث الدکن الحیدر بادی الھندی فی باب ذکر اللہ عز و جل و
التقرب الیہ.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس شخص نے میرے ولی
سے دشمنی کی میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں اور میرا بندہ جس چیز کے ذریعہ
مجھ سے نزدیکی حاصل کرتا ہے وہ چیز ہے جس کو میں نے اس پر فرض کیا ہے اور
(بندہ کا یہی عمل) مجھے زیادہ پسند ہے۔ اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے تقرب
حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ (فرائض اور نوافل کے جمع کرنے کی وجہ سے) میں
اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کی
سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ذریعہ سے وہ چلتا ہے اور جب وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور جب وہ مجھ سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اس کو پناہ دیتا ہوں اور جس کام کو میں کرتا ہوں اس میں تردد اور توقف نہیں کرتا لیکن اس بندہ مؤمن کی روح قبض کرنے میں مجھے تردد اور تامل ہوتا ہے کہ وہ موت کو برا سمجھتا ہے حالانکہ جس چیز کو وہ برا سمجھتا ہے میں اس چیز کو پسند کرتا ہوں اور موت سے کسی حال میں چارہ نہیں۔

اس کی روایت بخاری نے کی ہے اور خطیب تبریزی نے مشکاة میں اور محدث دکن مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نے زجاجة المصابیح میں ”باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ“ میں بیان کیا ہے۔

حدیث شریف کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ان مبارک بندوں یعنی اولیاء اللہ کے کانوں، ان کی آنکھوں اور ان کے باقی اعضاء میں غیر اللہ کا حصہ ہی نہیں رہ گیا۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو ہمیں پھر یہ کہنے دیجئے کہ یہ ایک عظیم مقام اور مرتبہ سے اس کے مقابلہ میں سانپ یا درندے کی تسخیر، غیب سے روٹی کی عطاء، انگور کے گچھے کا حصول یا پانی کا گھونٹ کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ جب مولائے کریم اپنے بندے کو محض اپنی نوازش سے ایسے بلند درجات عطا فرمادیتے ہیں تو صحرا میں ایک روٹی یا چند گھونٹ پانی کیوں نہ عطا فرمائے گا۔

حضرت سلیمان السلام کے وزیر کی ایک کرامت کا قرآن سے ثبوت

اس حدیث قدسی کے بعد قرآن پاک کی آیت پاک کے حوالہ سے حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے وزیر حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ کی ایک عظیم کرامت کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قال الذی عنده علم من الكتاب انا اتیک به قبل ان یرتد الیک طرفک . فلما رآه

تذکرہ حضرت محدث دکن

مستقرا عنده قال هذا من فضل ربی (سورۃ النمل آیت ۴۰) (ترجمہ) جس کے پاس کتاب کا علم تھا (یعنی حضرت آصف بن برخیا نے) عرض کیا میں اسے (یعنی حضرت بلقیس کے تخت کو) آپ کے پل مارنے سے پہلے حاضر کر دوں گا پھر جب آپ (یعنی حضرت سلیمان) نے اس (تخت) کو اپنے پاس رکھا دیکھا تو کہاں یہ میرے رب کی مہربانی سے ہے۔

تفصیل تو سورہ النمل آیت نمبر ۱۵ سے ۴۴ تک کی آیات میں ملاحظہ فرمائیں یہاں اتنا بتانا کافی ہے کہ جب ہُد ہُد نے یمن کی ملکہ حضرت بلقیس کے تخت کی خبر دی تو حضرت سلیمان نے فرمایا کہ اس کے تخت کو یہاں ملک شام میں کون لائے گا تو ایک جن نے عرض کیا کہ میں آپ کے اجلاس کے ختم ہونے سے پہلے لاؤں گا وہ تخت اسی (۸۰) گز لمبا، چالیس گز چوڑا اور (۸۰) گز بلند تھا حضرت آصف بن برخیا نے چشم زدن میں لاکر رکھ دیا۔

صدر کی آیت سے ولی کی قوت، ولی کی رفتار، ولی کا حاضر و ناظر ہونا معلوم ہوا کیوں کہ حضرت آصف بن برخیا کسی سے پوچھے بغیر ایسے وزنی تخت کو بغیر چھکڑے یا گاڑی کے آنا فانا ہزاروں میل دور سے لا حاضر کر دیا۔ یہ تخت حضرت آصف کی روحانی بشری قوت سے آیا۔ بنی اسرائیل کے ایک ولی کو اللہ تعالیٰ نے ایسی طاقت دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اولیاء کرام کی طاقت کا کیا حال ہوگا اور پھر خاتم النبیین کو کیسی عظیم طاقت ملی ہے، کیا کوئی اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔ شاعر اسلام علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے دست و بازو کا

نگاہ مرد مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ایک اور جگہ علامہ علیہ الرحمۃ نے یہ بھی فرمایا:

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ غالب و کار آفرین، کارکشا کار ساز

کرامت اول

اس تمہید کے بعد حضرت محدث دکن کی چند مشہور کرامتیں درج ذیل کی جاتی ہیں:

۱۔ ” نیکی گھر سے شروع ہوتی ہے ” اس قول کے مطابق یہ عاجز سب سے پہلے ان کرامتوں کا ذکر کرتا ہے جو اس عاجز سے متعلق ہیں۔ یہ عاجز انٹرمیڈیٹ کالج گلبرگہ شریف (کرناٹک) سے شعبہ دینیات کے برخاست ہو جانے کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی سے تحفیف کی زد میں آکر ۱۹۵۰ء میں ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا۔ اس دوران حضرت محدث دکن کی عظیم تالیف زجاجة المصانح (عربی) کی طباعت شروع ہوئی۔ حضرت قدس سرہ نے یاد فرمایا اور ارشاد ہوا: پیلے کاغذ پر کاتب کے لکھے ہوئے اجزاء کا مقابلہ پھر کاپی کو پتھر پر ڈالنے کے بعد پروف کا مقابلہ ہوگا اس کے لئے تم کو میرے ساتھ کام کرنا ہے! یہ عاجز حیران ہے کہ شہر کے بڑے بڑے اہل علم کو چھوڑ کر نظر انتخاب اس نا تجربہ کار اور ایک یونیورسٹی کے فارغ مرید پر کیوں پڑی، کہنے والے سچ کہا ہے:

داد حق را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرط قابلیت داد اوست

اس فراغت کے زمانہ میں الحمد للہ دن کا بڑا حصہ ہمارے حضرت قدس سرہ کے ساتھ گذرتا۔ دفعۃً دائرۃ المعارف عثمانیہ یونیورسٹی فروری ۱۹۵۲ء میں مصحح کی خدمت پر بغیر درخواست اور سفارش کے تقرر کا مراسلہ پہنچا۔ اور اس خدمت پر وہی کام انجام دینا تھا جو اس فراغت کے زمانہ میں عاجز اپنے پیرو مرشد کے ساتھ کام انجام دیا کرتا تھا۔ درحقیقت یہ میرے پیرو مرشد کا تصرف اور کرامت تھی لیکن کیا ارشاد ہوا: دیکھو تم نے حدیث شریف کی جو خدمت کی ہے یہ ملازمت اسی کا صلہ ہے یہ عاجز اسی ملازمت سے ۱۹۶۰ء میں دوبارہ شعبہ عربی میں بحیثیت لیکچرار مامور ہوا اور ترقی کرتے کرتے پروفیسر اور صدر شعبہ بنا اور ۱۹۸۳ء میں وظیفہ حسن خدمت پر علیہ ہوا۔

والحمد للہ علی ذلک!

کرامت دوم

۲۔ دوسری کرامت جو اس عاجز ہی سے متعلق ہے یہ ہے کہ ۱۹۸۶ء میں اس عاجز کو زبان عربی کی خدمات کے صلہ میں صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ عطا ہوا اور اعلان سے ایک ماہ قبل پیر و مرشد قدس سرہ نے اس عاجز کو عالم رویا میں خوش خبری دی اور دلی یونیورسٹی کے پروفیسر عربی جناب ڈاکٹر نثار احمد فاروقی صاحب نے اس ایوارڈ کی خوش خبری سناتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ ”یہ آپ کے پیر و مرشد کا تصرف ہے“ ورنہ کہاں یہ دور افتادہ دکن کارہنے والے اور کہاں دلی کی وزارت تعلیم کا فیصلہ، سچ ہے:

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس سلسلہ میں ایک بات عرض کرنی رہ گئی ۱۹۵۲ء میں اس عاجز کو دائرۃ المعارف میں تقرر کے مراسلہ سے صرف ایک دن پہلے حکومت عدن کی طرف سے اس کے دارالحکومت مقلہ سے نظارت تعلیم پر چھ سو روپیہ سکے کلرار کے مشاہدہ پر تقرر کا مراسلہ وصول ہوا۔ جب اس عاجز نے اپنے حضرت قدس سرہ سے عرض کیا تو ارشاد ہوا۔ ”میاں جاؤ، کیا کریں گے، یہاں تو کوئی سلسلہ ملازمت نہیں“ دوسرے دن پھر جب دائرۃ المعارف میں (۸۰ تا ۱۲۵) سکے عثمانیہ پر تقرر کا مراسلہ موصول ہوا تو یہ عاجز پھر حاضر ہوا تو ارشاد ہوا ”اب اس چھوٹے مشاہرہ کو چھوڑ کر بڑے مشاہرہ پر جانا لالچ ہے“ بس اس عاجز نے اپنے ارشاد پیر کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور اس کے برکات کو زندگی بھر دیکھا اور اب بھی دیکھ رہا ہے والحمد للہ علی ذلک!

کرامت سوم

۳۔ تیسری کرامت بھی جو اس عاجز ہی سے متعلق ہے کہ یہ عاجز بچپن سے کمزور رہا ہے اور کثرت مطالعہ اور دوران تعلیم محنت محنت کی وجہ سے کئی بیماریوں کا شکار

تذکرہ حضرت محدث دکن

رہا۔ قبضِ معدہ دائمی تھا اور تالو میں اس شدت کا درد ہوتا تھا کہ جب درد زور پکڑتا تو فرش پر لیٹ جاتا اور اس بات کا انتظار کرتا کہ سر پھٹ جائے گا اور موت واقع ہو جائے گی مگر عظیم البرکت پیر کی خدمت میں شب و روز حاضری اور حضرت کے ساتھ آپ کی کتاب زجاجۃ المصابیح کی طباعت میں مشغولی نے ان ساری بیماریوں کو بغیر کسی یونانی یا انگریزی دواؤں کے کافور کر دیا اور الحمد للہ و ماشاء اللہ کہ ہم عمر احباب حیران رہتے ہیں کہ اس کی کیا اچھی صحت ہے۔

والحمد للہ علی ذلک! ماشاء اللہ کان و ما لم یشاء، لم یکن، و ہذا من فضل اللہ و کرمہ!

کرامت چہارم

۴۔ حضرت محدث دکن قدس سرہ نے زندگی بھر کوئی ملازمت نہیں کی، توکل کے وادی ایمن میں فن حدیث کی عظیم کتاب کی تکمیل میں جو ضخیم پانچ جلدوں پر مشتمل ہے اپنی مبارک عمر کے چالیس سال گزارے۔ (۱۳۱۷ھ تا ۱۳۵۸ھ) یہ کتاب زجاجۃ المصابیح (عربی) حقیقت میں علماء کی ایک جماعت کا کام تھا یہ کتنی عظیم کرامت ہے کہ اذکار و اشغال اور مریدین کی تربیت اور اصلاح اور گھریلو زندگی کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اتنی عظیم علمی دینی خدمت انجام دی۔

ہمارے حضرت نے اس مبارک تالیف کی تکمیل کے بعد اس کتاب کی طباعت کے لئے نہ تو بادشاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا اور نہ کسی امیر یا رئیس کے خزانوں کی طرف نظر اٹھائی بلکہ بارگاہ رب العزت میں یوں دعاء فرمایا کرتے: الہی! کتاب کی تکمیل تو اس عاجز نے کر دی، تیرے غیب کے بہت سے خزانے ہیں ان سے اس کی اشاعت کا سامان فرما! "جامعہ نظامیہ سے ملحق ایک ادارہ "اشاعت العلوم" کے نام سے ایک خطیر اور کثیر سرمایہ سے حکومت آصفیہ نے قائم کیا کہ علمی کام اس ادارہ سے شائع ہوں۔ تین سال تک زجاجۃ المصابیح اس ادارہ میں پڑی رہی مگر ارباب انتظام نے کوئی توجہ نہیں کی حالانکہ ہندوستان کے علماء کے کئی علمی کارنامے جیسے مولانا اوریس

تذکرہ حضرت محدث دکن

کاندھلوی کی التعلیق الصبیح علی مشکاة المصابیح اس ادارہ کی رہین منت ہیں کہ کثیر صرفہ سے یہ کام شائع ہوئے مگر خود دکن کے اس فاضل گرامی کا کام ادارہ کی مطبوعات میں شامل نہ ہو سکا۔ بالآخر ہمارے حضرت نے اپنی اس کتاب کو واپس منگوا لیا۔ ستمبر ۱۹۴۸ء میں حکومت ہند نے پولیس ایکشن کے نام سے فوجی کارروائی کر کے آصفی حکومت کے دو سو سالہ مسلمانوں کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا اور اس برصغیر پر بغداد اور قرطبہ کی روایات کو برقرار رکھنے والی ریاست کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون! واذلک تقدیر العزیز العظیم۔

برادرِ طریقت بیڑ کا مکاشفہ اور زجاجہ المصابیح کی طباعت کا انتظام

۱۹۵۱ء میں ہمارے ایک برادرِ طریقت حاتم دوراں جناب الحاج محمد عبدالرزاق علیہ الرحمۃ گتہ دار ضلع بیڑ (مہاراشٹرا) حسب معمول ذکر الہی میں مشغول ہیں مکاشفہ میں انہوں نے دیکھا کہ ہمارے حضرت کے گرد نور کا ایک حالہ (کنڈل) ہے لیکن اس نور کو پھیلنے کا راستہ نہیں! انکو بڑی حیرانی ہوئی، ہمارے حضرت کے ایک شاگرد مولانا حکیم محمد صابر علیہ الرحمۃ اورنگ آباد کالج (مہاراشٹرا) میں استاذ عربی تھے، ملاقات ہوئی تو اپنے اس مکاشفہ کا ذکر کیا تو موصوف نے فرمایا آپ کا مکاشفہ صد فی صد صحیح ہے۔ حضرت نے تاجدارِ مدینہ سرورِ قلب و سینہ کے نورانی ارشادات یعنی احادیث شریفہ پر مشتمل ایک ضخیم کتاب تالیف فرمائی ہے جو سراسر نور ہی نور ہیں اور راستہ یوں بند ہے کہ حضرت کے پاس اس کی اشاعت کے لئے کوئی سرمایہ نہیں ہے، تم راستہ نکالو اور ثواب دارین حاصل کرو۔ بس اللہ تعالیٰ ہمارے اس برادرِ طریقت کو جزاء خیر عطا فرمائے کو آخرت کی فلاح و کامرانی کا ایک عظیم ذخیرہ فراہم کر لیا موصوف نے تخمینہ مصارف کے بعد آٹھ ہزار روپیہ فوراً روانہ کر دیا اور الحمد للہ طباعت کا آغاز ہو گیا اور الحمد للہ صرف سات سال کے اندر یعنی ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۰ء تک زجاجہ المصابیح (عربی) کی پانچوں جلدیں جو تقریباً ڈھائی ہزار صفحات پر مشتمل ہیں

تذکرہ حضرت محدث دکن

زیور طباعت سے آراستہ ہو گئیں اور عالم اسلامی میں بالعموم اور عامۃ احناف کے لئے بالخصوص اور شائقین حدیث نبوی کے لئے ایک قیمتی تحفہ کی صورت میں جگمگا رہی ہیں۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن کونستہ (پاکستان) سے ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا اور ابھی ابھی یعنی ستمبر ۱۹۹۳ء میں توثیق کے ساتھ یہ خبر ملی کہ دوسرا ایڈیشن بھی نایاب ہو گیا اور الحمد للہ تیسرا ایڈیشن بیروت سے شائع ہو رہا ہے جو چند ماہ کے اندر شائقین کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گا۔

زجاجۃ المصانح کا اردو ترجمہ اس کے چار حصے نور المصانح کے نام سے الحمد للہ حضرت محدث دکن کی حیات باکرامت میں زیور طبع سے آراستہ ہو گئے اور پھر آپ کے وصال پر ملال کے بعد مزید چار حصے ۱۹۸۹ء تک شائع ہو گئے اس کے علاوہ زجاجۃ المصانح کا اردو ترجمہ عربی متن کے ساتھ مع اعراب فرید بک اسٹال لاہور سے شائع ہو رہا ہے۔

کرامت پنجم

۵۔ برادر دینی و محب راہ یقینی نواب یوسف یار جنگ بہادر مرحوم وزیر فوج حکومت آصفیہ ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۹ء بعزم حج بذریعہ طیارہ روانہ ہوئے۔ موصوف کو حضور غوث پاکؒ سے بے پناہ عقیدت تھی، ہمارے حضرت نے بیان کیا کہ حضور غوث پاکؒ نے نواب صاحب کو عالم رویا میں اپنی زیارت سے مشرف کیا اور ارشاد فرمایا کہ ”تم تو ہمارے معتمد ہو، ہمارے پاس آجاؤ“ قارئین دیکھ لیں ارشاد غوثیت مآب کن حالات میں تکمیل پایا۔ نواب صاحب کا طیارہ بمبئی سے جب روانہ ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ ڈائرکٹ فلائٹ ہے درمیان میں اس کا کہیں Stop نہیں ہے ورنہ یہ عقیدت مند دل و جان سے آروز مند تھے کو بغداد شریف میں دوران وقفہ حضور غوث پاکؒ کی زیارت کر کے حجاز مقدس روانہ ہوں۔ مگر دربار غوثیہ کا بلاوا کہ عین اس وقت جبکہ طیارہ بغداد کے قریب پہنچا اس میں کوئی فنی خرابی لاحق

تذکرہ حضرت محدث دکن

ہوئی اور چار و ناچار چند گھنٹوں کے لئے طیارہ کو ایمر جنسی اسٹاپ لینا ناگزیر ہو گیا، بہر حال بغداد ایر پورٹ پر طیارہ اتر گیا۔ نواب صاحب نے دریافت کیا کہ کتنی دیر یہ ٹھہرے گا؟ کپتان نے جواب دیا چار چھ گھنٹہ ٹھہرے گا! اس فرصت کو غنیمت جان کر نواب صاحب مرحوم ٹیکسی میں اپنے مرکز عقیدت دربار غوثیہ پہنچے، فاتحہ گزرائی اور ابھی درگاہ شریف میں ٹھہرے ہی تھے کہ دل کا دورہ پڑا اور جان عزیز کو کوئے جاناں کی خاک بنا دیا:

جان ہی دیدی جگر نے آج پائے یار پر عمر بھر کی بیقراری کو قرار آ ہی گیا
اور ادھر حیدر آباد سے روانہ ہونے سے پہلے اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر نواب صاحب نے عرض کیا تھا:

”حضرت اس دفعہ عمید قربانی کے موقع پر اس خادم کو حضرت کیساتھ عید گاہ چلنے کا شرف حاصل نہ ہو سکے گا“ یہ سن کر حضرت محدث دکن، پیر روشن ضمیر نے فرمادیا تھا

”اس وقت تک تو آپ غریق رحمت ہو جائیں گے“

قارئین دیکھ لیں:

”گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود
قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

یہ ہمارے حضرت کی کیا روشن کرامت ہے! واقعہ ہونے سے پہلے آپ نے اس کو بیان فرمادیا! برادر طریقت حضرت حسان دکن خواجہ عبدالعلی صدیقی نقشبندی القادری رحمہ اللہ نے ہمارے حضرت قدس سرہ کے ارشاد پر نواب یوسف یار جنگ علیہ الرحمہ کے اس واقعہ کو نظم فرمادیا یہاں نقل کیا جاتا ہے:

سلام تجھ پہ ہوا اے یوسف ابوالحسنات ترا نصیب ہے بدر منیر کیا کہنا
وہ لطف خاص وہ ہمدردی ذوی القربی امیر ہاتھ کے دل کے فقیر کیا کہنا

تذکرہ حضرت محدث دکن

ہو تیرے دل میں نہ کیوں اپنے شیخ کی عظمت
 ہے تیرے ہاتھ میں فیضان دست قدرت کا
 یہ اوج اور یہ معراج اے خوشا تقدیر
 ترا وصال بھی ہے راز قدرت قادر
 تجلیوں کی ہے برسات صبح و شام جہاں
 سلام اہل وطن کا قبول فرمالمے
 الم ہے، یاس ہے، توہین ہے، اسیری ہے
 ہر اک غلام کو درکار دستگیری ہے

ضمیر پھر ترا روشن ضمیر کیا کہنا
 اور یہ ہاتھ اور یہ دامن پیر کیا کہنا
 یہ تیرا سر یہ دستگیر کیا کہنا
 ہے تجھ پہ فضل خدائے قدیر کیا کہنا
 وہاں کی خاک ہے تیری خمیر کیا کہنا
 پیام مضطربان دکن کا پہنچادے
 کرامت ششم

۶۔ جناب میر بہادر علی جوہر جانشین صفی اورنگ آبادی نے حضرت محدث دکن کی یہ کرامت بیان کی ہے (ملاحظہ ہو حیاتِ حسنہ از حستانِ دکن خواجہ عبدالعلی صدیقی علیہ الرحمہ ص ۵۳)

نواب ہاشم جاہ بہادر کی اہلیہ محترمہ نظام ہفتم نواب میر عثمان علی خان بہادر کی بہو تھیں، سخت بیمار ہو گئیں، رسولی کا عارضہ تھا۔ آپریشن سے قبل محترمہ نے حضرت محدث دکن قدس سرہ سے ملاقات کی چونکہ خطرناک آپریشن کا موقع تھا اور ان کی دانست میں زندگی کی امید نہ تھی دعاء مغفرت کی درخواست کی ہمارے حضرت نے یوں دعاء فرمائی:

”اللہ تعالیٰ عمل جراحی کامیاب فرمائے، صحت کاملہ اور شفاء عاجلہ عطا فرمائے، عمر دارز کرے، فلاح دارین عطا فرمائے اور خاتمہ بانجیر کرے“

اس طرح قطب زمانہ کی دعاء لے کر دواخانہ عثمانیہ میں شریک ہو گئیں آپریشن سے دو روز قبل موصوف نے خواب دیکھا کہ حضرت قبلہ نے ہنفس نفیس عمل جراحی فرمایا۔ رسولی نکال دی ہے اور ٹانگوں کی بجائے شکم کے دونوں پردے ملا کر اپنا لعاب دہن لگا دیا ہے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

اس خواب کے تیسرے دن ڈاکٹر بہادر خان نے مقررہ تاریخ پر آپریشن کے لئے تیار ہو جانے کا انتظام کرنا چاہا موصوف نے ڈاکٹر صاحب سے کہا۔ اب آپریشن کی ضرورت نہیں، آپ ایکسے کے بعد مجھے ڈسچارج فرما سکتے ہیں۔ بیگم صاحبہ کے اصرار پر جب ایکسے لیا گیا تو ڈاکٹر بہادر خان سکتے کے عالم میں تھے کہ رسولی کا پتہ تک نہ تھا۔ شاعر قرآن علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مؤمن کا ہاتھ
غالب و کار آفرین کارکشنا کار ساز

۷۔ ہمارے حضرت کے چھوٹے صاحبزادے میاں سید شاہ رحمت اللہ۔ ام۔ اے۔ دام۔ فضلہ سابق اکاؤنٹ آفسر زرعی یونیورسٹی آندھرا پردیش نے اس عاجز سے بیان کیا کہ انہوں نے اپنے پانچامے جوانی کے عالم میں کافی لمبے سلوائے جو ٹخنوں سے کافی نیچے تھے، اتفاقاً ان پانچوں پر ہمارے حضرت کی نگاہ پڑ گئی، مسجد ناگواری کا اظہار فرمایا۔ جب دیکھا گیا تو ڈھلے ہوئے اور نئے پانچامے سب کے سب خود بخود بغیر کترن کے ٹخنوں سے اوپر ہو گئے۔ میاں صاحب کو بڑی حیرانی ہوئی اور اس عاجز سے اس واقعہ کو بیان فرمایا۔ اللھم اجعلہ ہادیو مھدیا! آمین
کرامت ہشتم

۸۔ ہمارے حضرت کے ایک نواسے عزیزم سید شاہ محمد قادری بن سید شاہ احسان اللہ قادری (مقیم ٹورنٹو، کینیڈا) نے بیان کیا کہ حضرت ناشتہ پر ہیں۔ اچانک ذرا سا توقف فرمایا اور زبان مبارک پر یہ الفاظ آ گئے ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ پیرانی ماں صاحبہ رحمۃ اللہ علیہما بھی دسترخوان پر تشریف فرما تھیں۔ یہ الفاظ سن کر فرمانے لگیں ”کس کو مارے؟“ فرمایا۔ ارے کس خیال میں یہ الفاظ نکل گئے اور سکوت اختیار فرمایا۔ اسی روز بارہ بجے دن شولا پور (مہارا شٹرا) سے تار وصول ہوا کہ ہمارے حضرت کے بڑے داماد مولانا سید یوسف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام و خطیب جامع مسجد شولا پور کا

انتقال ہو گیا۔

کرامات نور بصیرت کا نتیجہ ہیں

واضح ہو کہ مذکورہ بالا سطروں میں کرامات کے عنوان سے حضرت محدث دکن قدس سرہ کے جن واقعات کا بیان قرطاس اور قلم کی زینت ہوا وہ نور بصیرت کی جلوہ سازیوں تھیں، درحقیقت مولائے کریم کے لطف اور عنایت نے ان حضرات کو عالم علوی سے ملا دیا ہے۔ اور ان عظیم انسانوں کو صفات ملائکہ سے متصف فرما دیا ہے اور اس ملکوتی تزکیہ اور صفائی کی وجہ سے عجیب و غریب خارق عادات اس سے ظہور پاتی ہیں اور ان مشاہدات سے تسخیر کائنات حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کو صوفیہ کرام دل کی آنکھ کھلنے سے تعبیر فرماتے ہیں جب یہ آنکھ کھلتی ہے اور بصیرت کی کھڑکی کھل جاتی ہے تو کائنات کے اسرار اپنی نگین گاہوں سے نکل آتے ہیں اور انوار اپنی سیر گاہوں سے تجلی ریز ہونے لگتے ہیں، دل سے حجابات چھٹ جاتے ہیں، معانی الہیہ اور اسرار علویہ کا ظہور ہوتا ہے اور جب خیال کے آئینہ میں یہ انوار اور اسرار تجلی فرماتے ہیں تو چشم باطن ان کو اس طرح ملاحظہ کرتی ہے جیسے ظاہری آنکھ عالم ظاہر کو پا کر دل وجود کی کچھاروں میں چھپی چیزوں کو ملاحظہ کرتا ہے اور ضمیر و دل کے بھیدوں سے یہ نگاہ واقف ہو جاتی ہے۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

اس حقیقت کو شاعر حقیقت علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے ایک اور پیرائے میں بیان کیا ہے وہ عارف ربانی کو اسرار اور معارف اور معانی و حقائق کا شکاری قرار دیتے ہیں فرماتے ہیں کہ اس شکاری کا ادنیٰ شکار تو حضرت جبریل علیہ السلام جیسا عظیم المرتبت فرشتہ ہے فرماتے ہیں:

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے

تذکرہ حضرت محدث دکن

اور اس شکاری کی نگاہ کہاں ہوتی ہے، اقبال پکارا ٹھٹھے ہیں کہ:

یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

اللہ! اللہ! عارفوں کا کیا اونچا مقام ہے؟

ایسے ہی حضرات کے مکاشفات اور تصرفات کو دیکھ کر علامہ اقبال کی روح وجد میں
آکر پکارا ٹھی تھی:

ما ہنوز اندر ظلام کائنات

او شریک انتظام کائنات

(کہ ہم عوام تو ابھی کائنات کے اندھیرے میں بھٹک رہے ہیں اور بندہ خدا حکم

خداوندی سے کائنات کے انتظام اور اہتمام میں مشغول ہے)

اور یہ ”حقیقت میں دل کی جلوہ سامانیاں ہیں اور دل کی بیداریاں ہیں۔ چنانچہ علامہ

اقبال دل کی بیداری ہی کو فاروقی اور کرامی سمجھتے ہیں:

دل بیدار فاروقی ، دل بیدار کرامی

مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک

نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری

حضرت محدث دکن کے شمائل یعنی عادات اور اخلاق

ما کہ در شکل یار حیرانیم

سر اوصاف او کجا دانیم

ہر قوم اپنی تاریخ رکھتی ہے، لیکن الحمد للہ ثم الحمد للہ، ہم مسلمانوں سے زیادہ مستند

تاریخ کسی قوم کے پاس نہیں پھر ہمیں تمام اقوام عالم میں اس لحاظ سے بھی امتیاز

حاصل ہے کہ اسلام سیرت و کردار کا جو سانچہ اپنے پیروکاروں کو دیتا ہے، تاریخ کے ہر

دور میں اس سانچہ میں ڈھلی ہوئی بے شمار شخصیتیں ایک سے ایک عظیم تر دکھائی

دیتی ہیں۔ دوسرا کوئی دین اور قوم ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ان بلند و بالا

تذکرہ حضرت محدث دکن

شخصیتوں نے اپنے کردار کے چراغ جلائے ہیں۔ یہ حضرات بلاشبہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک میں زمین کا نمک اور پہاڑی کے چراغ ہیں، جن سے نہ صرف ان کی ہم عصر دنیا رشد و ہدایت کا نور حاصل کرتی رہی بلکہ آج کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں بھی ان کے کردار کی شعاعوں سے ہم اپنی زندگیاں منور کر سکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک سیرت اولیاء کرام کی زندگیاں میں دیکھی جاسکتی ہے

مذاہب عالم کو دیکھئے اور پیشوایان مذاہب کے حالات تلاش کیجئے یا تو وہ معدوم ہو گئے یا مسخ ہو کر رہ گئے۔ محنت اندھی ہو گئی، عشق رسوا ہو گیا۔ لیکن محمد مصطفیٰ احمد مجتہبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو دیکھئے کہ آپ کی ایک ایک بات اور ایک ایک ادا محفوظ ہے اور یہی آپ کی سیرت شریفہ کا اعجاز ہے:

کتنے نظام و فلسفے زیر و زبر ہوئے مگر

فرق کوئی نہ آسکا، اس کی کسی بھی بات میں

نہ صرف یہ کہ حیات طیبہ کتابوں میں محفوظ ہے بلکہ چودہ سو برس گذر جانے کے بعد آج بھی عرفاء اور اولیاء کی پاک زندگیاں میں دیکھی جاسکتی ہے ایسی جیتی جاگتی سیرت سے جو اہل اللہ کی زندگیاں میں موجود ہے روگردانی نوع انسانی کی بد نصیبی ہے جس کی وجہ سے عرب اور عجم تیرہ و تار ہے:

عالم ہمہ ویرانہ از چنگیزی افرنگ

معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز

علماء ربانیین در حقیقت ”ورثۃ الانبیاء“ (انبیاء کے جانشین) ہیں۔ چنانچہ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب عالمات غنسیۃ الطالبین (ص ۱۷۰) میں فرمایا ہے:

تذکرہ حضرت محدث دکن

”علماء کی مجلس اختیار کرو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علماء کی ہم نشینی عبادت ہے نیز آپ نے فرمایا دل کے ساتھ سوچ بچار، جسم کے ساتھ محنت اور آنکھوں سے رونا اختیار کرو“

حضرت محدث دکن کا حلیہ مبارک

حضرت محدث دکن کے شمائل کی ابتداء یہ عاجز (اللہ تعالیٰ اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) آپ کے حلیہ مبارک سے کر رہا ہے اور یہ پیروی ہے شمائل ترمذی کی جو اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عربی زبان میں امام ترمذی کی مقبول ترین کتاب ہے۔ حضرت محدث دکن کے چہرہ مبارک کا ہر چیز نہایت موزوں اور مناسب تھی، بلند پیشانی، بینی مبارک ستواں تھی، ہر دو آنکھیں بہت موزوں اور خوبصورت تھیں۔ نگاہ مبارک میں تیز روشنی، ہر دو ابرو کمان ابرو کے پورے مصداق، کنپٹیاں اپنی جگہ بہت مناسب تھیں، داڑھی مبارک گھنی بڑی خوبصورت گرد اور تھی۔ سر مبارک پر زلف سیمیں کانوں کی لو تک جھولتی رہتیں۔ سر مبارک پر ہمیشہ ہلکے زرد رنگ کا عمامہ بندھا رہتا جس کے اندر ہمیشہ ٹوپی جس پر نعلین مبارک نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نقش کاڑھا ہوا ہوتا۔ سینہ مبارک چوڑا گویا صحن باغ اصفیاء، کیوں نہ ہو کہ وہ شاہ کونین کے شرح صدر کا حاشیہ ہے۔ گردن صراحی دار تھی اور بلند تھی جو سرداری کی علامت ہوتی ہے۔ آپ کا قد میانہ گویا سرو باغ مصطفیٰ تھا۔ ہر موسم میں سوائے موسمی لباس کے آپ سپید ہی کپڑے زیب تن فرماتے تھے۔ زرد رنگ کا منقش صدریہ پہنا کرتے، عبا کبھی زرد ہوتی کبھی سیاہ، ہتھیلیاں پر گوشت ریشم سے زیادہ نرم ملائم، کلاسیاں لمبی لمبی، جس پر دست کرم پھیرا شفا یاب ہوا۔ شکم مبارک سینے سے بالکل ہموار۔ پائے مبارک پر گوشت اور گہرا پانجامہ شلوار نما چست جو نصف پنڈلی تک رہتا۔

اس موقع پر ایک صحابی کا واقعہ یاد آگیا۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

تذکرہ حضرت محدث دکن

ایک صحابی کو ملاحظہ فرمایا کہ نیچا تہبند باندھے جا رہے ہیں۔ منع فرمایا اور ارشاد ہوا:

اما لك في اسوة

(کیا میرے طرز عمل میں تمہارے لئے نمونہ نہیں؟)

بیشک عاشق کو حکم کی ضرورت نہیں۔ نشان قدم کی ضرورت ہے۔ وہ اسی پر مرثتا ہے۔ موشگافیاں اہل عقل کو مبارک ہوں۔ اسی موقع پر سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فلا حق للآزار في الكعبين (تہبند کا ٹخنوں پر کوئی حق نہیں ہے)

(سائل ترمذی باب ماجاء في صفة آزار الخ)

اللہ اللہ! دنیا میں حقوق کی ایسی پاسداری کس نے کی ہوگی؟ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بات سب نے سنی ہوگی لیکن حقوق الاعضاء کی بات نہ سنی ہوگی۔ کیا خوب ارشاد ہے کہ جس کا جو حق ہے وہی اس کو ملنا چاہیے۔ ایک کو زیادہ دے کر دوسرے کا حق تلف کرنا بڑا گناہ ہے۔ ہماری بربادی کی اصل وجہ یہی حق تلفیاں ہیں:

انقلابات جہاں کی بنیاد
حق جو حق دار کو نہیں ملتا

ہمارے حضرت قدس سرہ نے ہمیشہ ہندوستانی جوتا پہنا، جسے سلیم شاہی پاپوش کہتے ہیں۔ آپ کی رفتار ایسی نرم تھی کہ برابر کے آدمی کو کبھی چلنا محسوس نہ ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عباد الرحمن کی شان میں جو ارشاد ربی ہے ”مسنون علی الارض ہونا“ (زمین پر فروتنی کے ساتھ یعنی دبے پاؤں چلتے ہیں) اس کی تفسیر عملاً آنکھوں سے دیکھی جا رہی ہے۔ یہ رحمان کے خاص بندے ہیں ان کی چال ہی نزالی ہوتی ہے ان کی رفتار دیکھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ وقار و متانت کا ایک پیکر رعنا چلا آ رہا ہے جس میں نہ مغرور لوگوں کی رعونت کا کوئی نشان ہے نہ بے فکرے، سفلی مزاجوں کا چھپورا پن ہے۔

ہمارے حضرت کی سادگی کا بیان

ہمارے حضرت قدس سرہ کی گذر اوقات بہت ہی سادہ تھی۔ گھر میں فرش زمین پر ایک گدا ہوتا اس پر استراحت فرماتے تھے۔ غذا دو وقت تناول فرماتے تھے۔ صبح بعد اشراق۔ دو روٹیاں۔ ایک روٹی عموماً نہاری کے ساتھ اور دوسری روٹی دودھ اور موسمی میوہ جیسے موز یا آم کے موسم میں آم کے ساتھ کھانے کے بعد اور سہ پہر میں چائے بھی نوش فرماتے۔

گھر پر یا مسجد میں ہٹو! بڑھو! رکو! کا کوئی سوال نہیں ہمیشہ دربار ہر کہ دمہ کے لئے کھلا رہتا تھا۔ ہندوستان کے ایک عالم جو استاذ محترم مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ (سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ) کے قریبی عزیز تھے حیدر آباد تشریف لائے، کسی نے ہمارے حضرت کا پتہ دیا تو سہ پہر حسینی علم پہنچے، ہمارے حضرت کی مسجد کے سامنے سڑک پر دریافت کیا کہ حضرت مولانا سید عبداللہ شاہ صاحب کا مکان کہاں ہے؟ ملنے کے اوقات کیا ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ حضرت کے پاس یہ سارے تکلفات نہیں ہیں۔ مسجد کے اندر تشریف لیجائیں اور ملاقات فرمائیں۔ موصوف سرنا پاجیران کی ایسی عظیم ہستی اور یہ سادگی! مسجد کے اندر تشریف لائے اور دیکھا کہ ہمارے حضرت تشریف فرما ہیں بے حد متاثر ہوئے اور بے ساختہ یہ شعر کہ پڑے:

اک اشارہ میں بدل دیں جو نظام ہستی

مسجدوں میں کہیں ایسے بھی امام ہوتے ہیں

اس موقع پر ہمارے حضرت کی سادگی اور آپ کے قلمی فیضان خصوصاً عربی میں زجاجۃ المصابیح فن حدیث کی معرکہ الآراء کتاب کی تالیف اور اردو میں دس معیاری کتابوں کی تصنیف سے شریعت اور طریقت کے میدان میں جو عظیم نفع امت کو پہنچ رہا ہے، اس کی روشنی میں ذیل کے اشعار آپ پر حرف بہ حرف صادق آتے ہیں:

تذکرہ حضرت محدث دکن

در دست نہ تیریت نہ در دست کمان است
 این سادگی اوست کہ بسمل دو جهان است
 در مدرسہ از جنبش لعل تو حکایت
 در میکده از مستی چشم تو نشان است

کھانے سے پہلے ہاتھوں کو دھو کر نہ پوچھنے میں کیا حکمت ہے

ہمارے حضرت کی عادت تھی کہ کھانے سے قبل اور کھانے کے بعد ہاتھ دھوتے، کھانے سے قبل ہاتھ دھو کر نہ پوچھتے۔ اس مبارک سنت کی حکمت ایک دوست نے سمجھائی۔ فرمایا کہ ایک سرجن ہاتھ دھو کر سیدھے آپریشن تھیر میں تشریف لے گئے جب ان سے پوچھا کہ ہاتھ دھو کر کیوں نہ پوچھے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہر چیز پر جراثیم موجود رہتے ہیں، تو لیے پر بھی جراثیم موجود رہتے ہیں، اگر پوچھ لیتا تو بالکل ممکن تھا کہ جراثیم منتقل ہو کر میرے ہاتھ پر آتے اور پھر مریض کے جسم میں منتقل ہو جاتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ فائدہ میں وہی رہے جنہوں نے سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک سنتوں پر آنکھیں بند کر کے عمل کیا، جنہوں نے آنکھیں کھولیں اور عقل کو کام میں لگایا نقصان میں رہے۔ جو بات عقل والوں کو چودہ سو برس بعد سمجھ میں آئی وہی بات دل کو اس وقت سمجھ میں آگئی تھی۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے کیسی دل لگتی بات کہہ دی کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "انسانی کوششوں کو بہت ہی مختصر کر دیا" یعنی جو بات صدیوں میں سمجھ میں آسکتی تھی، منٹوں بلکہ سیکنڈوں میں سمجھادی۔ اسی لئے ہمارے بزرگ کہتے ہیں شرعی معاملات میں عقل کو کام میں نہ لاؤ، دل کو کام میں لاؤ اور دیوانہ وار کام کرو۔

شرط اول قدم آنت کہ مجنوں باشی

کھانے کے آداب میں سرکارِ مدینہ، سرورِ قلب و سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

نسم الله تعالى وکل بحینک مما یلیک (شمائل ترمذی حدیث نمبر ۳)

تذکرہ حضرت محدث دکن

(بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھو اور جو کچھ سامنے رکھا ہوا ہو اسکو داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔) افسوس کہ تہذیب جدید میں اسی مبارک سنت کا کیسے مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ اغیار نہیں ہم خود مجرم ہیں۔ کیسی بسم اللہ کس کی بسم اللہ! بیٹھے بیٹھے کھڑے ہو گئے اور اس پر فخر محسوس کرتے ہیں اور کھڑے ہو کر چلتے پھرتے کھاتے پیتے ہیں۔ کس کا داہنا ہاتھ اور کیسا اپنے آگے سے۔ سب کے آگے سے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ آج تجدیدِ عہد کی ضرورت ہے کہ ہم ہر اس رسم کو خاک میں ملا دیں جس نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو خاک میں ملا دیا ہے۔

حضرت محدث دکن قدس سرہ کو خوشبو بیچد مرغوب تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ سراپا مہک ہیں۔ خصوصاً رمضان المبارک میں نمازِ عشاء کے آغاز سے پہلے جب عطر لگایا جاتا تو ماشاء اللہ پوری مسجد مہک اٹھتی تھی۔

چہرہ مبارک ہمیشہ روشن رہتا تھا، تبسم زیر لب رہتا، ایسی خندہ پیشانی کہ دیکھنے والے کے دل کی کلیاں کھلتی رہتیں، اس میں ایک عظیم درس ہے شاہ اور وزیر، علماء مشائخ، حاکم و افسر سب کے لئے ہمارا یہ کجھنا غلط ہے کہ بڑائی کا راز منہ بسورنے میں ہے۔ یہ محض خام خیالی ہے بڑائی تو اس کی ہے جس کی ٹھوکر میں دنیا ہو پھر بھی وہ مغرور نہ ہو بلکہ مسکراتا ہو۔

ہمارے حضرت مجلس میں ایسے شرمائے شرمائے بیٹھتے کہ کوئی کیا بیٹھے گا۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہیں دیکھتے تھے۔ ایسی بے حیائی تو ہم کو جدید تہذیب نے سکھائی ہے۔ ہمارے حضرت گفتگو فرماتے تو صاف صاف، ٹھہر ٹھہر کر، آہستہ آہستہ، دھیرے دھیرے۔ ہر بات کو دہراتے کہ کجھنے والا اچھی طرح سمجھ لے، نہ ضرورت سے زیادہ گفتگو فرماتے اور نہ ضرورت سے کم۔ لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ بولنے پر آئیں تو بولتے چلے جائیں اور عمل سے بیگانہ۔ یہ حضرات تو سراپا کتاب اور سراپا عمل تھے:

گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

تذکرہ حضرت محدث دکن

ہمارے حضرت کی ولد ہی کی چند باتیں

ہمارے حضرت اتباع سنت میں مزاح بھی فرمایا کرتے تھے کہ مزاح بہار حسن ہے۔ ایک مرتبہ حضرت کی مجلس میں ایک صاحب نے عرض کیا کہ فلاں صاحب چاء نہیں پیتے ہیں، یہ سن کر ارشاد ہوا میاں بہت اچھا ہے خرچہ کم ہوتا ہے! کبھی کوئی واقعہ بھی حاضرین کی دلجوئی کے لئے سنایا کرتے ایک بڑا دلچسپ واقعہ سنایا۔ پچھلے زمانہ میں شہر حیدر آباد میں آبرسانی کا انتظام ناقص تھا۔ مضافات شہر میں جل پٹی پہاڑی شریف سے قریب ایک چھوٹا قریہ ہے وہ پائینگاہ کا علاقہ تھا وہاں سے پانی کی سربراہی صرف علاقہ پائینگاہ کے ملازمین کے لئے مختص تھی اور یہ پائینگاہ کے نواب صاحب کا حکم تھا دوسرے لوگوں نے پانی کی عدم سربراہی سے پریشان ہو کر اس محلہ کے ایک شاعر صاحب سے اس کا ذکر کیا۔ تو ان شاعر نے ایک شعر لکھا اور کہا کہ اس شعر کو پانی کے تل کے پاس لٹکادیں وہ شعر یہ تھا:

فراٹ اُس نے کیا بند اس نے جل پٹی

امیر شام کا بیٹا ہے یہ امیر کبیر

پائینگاہ کے نواب صاحب کو خبر ہو نچاوی گئی کہ کسی صاحب نے پانی کی سربراہی کی جگہ یہ شعر لٹکادیا ہے۔ نواب صاحب یہ سن کر بیحد پشیمان ہوئے اور حکم دیا کہ بھائی پانی کی سربراہی سب کے لئے عام کر دو! اس شاعر نے تو مجھے یزید بنا دیا۔ اللہ مجھے معاف فرمادے!

ہمارے حضرت کو نعت شریف سننا بیحد پسند تھا۔ اکثر مجلسوں میں نعت خوان اصحاب نعتیہ اشعار اور قصیدے سنایا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نعتیہ اشعار سننے سے حب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تازہ ہوتی ہے اور طبیعت میں نرمی اور توازن پیدا ہوتا ہے۔

ہمارے حضرت کے اخلاق حسنہ سے متعلق بہت سی باتیں قابل ذکر ہیں۔ آپ نرم

تذکرہ حضرت محدث دکن

طبیعت تھی، نہ کسی کی مذمت فرماتے اور نہ کسی کا عیب بیان فرماتے، کوئی بھی کچھ مانگتا فوراً عطا فرمادیتے، اکثر نادار طلباء حاضر خدمت ہوتے اور مدرسہ کی فیس اور امتحانات کی فیس کی ضرورت عرض کرتے فوراً عنایت فرمادیا کرتے۔

ہمارے حضرت نامعقول بات پر تشبیہ بھی فرمادیا کرتے

ہمارے حضرت کی ایک عادت شریفہ یہ بھی تھی کہ ہر ایک سے ایسی دلہی اور رغبت سے باتیں فرماتے کہ اس کا جی خوش ہو جاتا۔ ناگوار بات کا زبان سے اظہار نہ فرماتے بلکہ حاضرین چہرہ مبارک سے اندازہ لگا لیتے البتہ بعض وقت حاضرین میں سے کوئی خلاف ادب بات کرتا تو اس کو فوراً متنہب فرمادیتے۔ چنانچہ ایک صاحب نے سوال کیا آپ ارشاد فرمائیں کہ حضرت علی حق پر تھے یا حضرت معاویہ؟ یہ سن کر ہمارے حضرت کا چہرہ سرخ ہو گیا اور ارشاد فرمایا:

”میاں! خوب یاد رکھو قیامت میں آپ کو منصف بنا کر آپ سے یہ سوال ہونے والا نہیں ہے کہ آپ کو ان حضرات کے بارے میں فیصلہ دینا ہے! میاں آپ اپنی قبر کو روشن کرنے کے کام کرو، ایسی باتوں میں کیوں پڑتے ہو جن کا سوال تم سے ہونے والا نہیں“

ہمارے حضرت کی نماز کا حال

ہمارے حضرت کی عبادت اور ریاضت کا حال نہ پوچھیے۔ فرض ہو یا سنت ہو یا نفل ایسا طویل قیام، طویل رکوع اور طویل سجدہ ہوتا کہ جس کی وجہ سے ہمیشہ قدم مبارک متورم رہتے۔ ہر رکعت پانچ منٹ سے کم میں پوری نہیں ہوتی تھی۔ اللہ! اللہ! اولیاء اللہ کی عبادتوں میں کیسی نیاز مندی ہوا کرتی تھی۔ حدیث شریف میں جو ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے ”ان فی الصلاة لسفلا“ (بیشک نماز میں ایک بڑی مشغولی ہے) اس کا پورا نقشہ عملی صورت میں دیکھنے والے کے سامنے آجاتا تھا۔ دوران نماز بحالت قیام سینہ مبارک سے ایسی آواز آتی جیسے جوش مارتی پتیلی سے

تذکرہ حضرت محدث دکن

میں سفارش قبول کرتا ہوں گا۔

ہمارے دادا پیر اور نظام ششم

نظام ششم کا ذکر آگیا تو ایک اور واقعہ ہمارے حضرت کی زبان سے سنا ہوا قارئین کرام کو بھی سنادوں:

نواب میر محبوب علی خان بڑے ولی صفت بادشاہ تھے اور اہل اللہ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ شہر کے اولیاء کرام کی خدمت میں حاضری دیا کرتے چنانچہ ہمارے دادا پیر حضرت سید محمد بادشاہ بخاری (م ۱۳۲۸ھ) قدس سرہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے اور دل میں یہ خیال رہتا کہ حضرت کچھ فرمائیں اور میں تعمیل حکم کروں! لیکن ہمارے دادا پیر قدس سرہ کبھی کچھ نہیں فرماتے۔ ایک مرتبہ جب بادشاہ اٹھنے لگے تو فرمایا: بادشاہ! آپ سے کچھ کہنا ہے۔ بادشاہ بیحد خوش ہوئے اور ہمہ تن گوش بن کر ادب سے کھڑے ہو کر سننے لگے، ہمارے دادا پیر حضرت نے فرمایا: آپ آئندہ سے تشریف لانے کی زحمت گوارا نہ فرمائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ آیا کریں گے، لوگوں کو معلوم ہو جائے گا اور لوگ سفارش کے لئے فرمائش کریں گے اور میں آپ کے پاس سفارشی خطوط لکھا کروں گا یہاں تک کہ آپ کو ناگوار ہونے لگے گا اور میں نہیں چاہتا کہ آپ کو ناگوار خاطر ہو۔

بندۃ مؤمن کا دل بیم ورجا سے پاک ہے

قوت فرماں روا کے سامنے بیباک ہے

(علامہ اقبال علیہ الرحمہ)

ہمارے حضرت کا اندازِ تربیت عجیب تھا ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔ انسانوں میں کمتر ذات دو ہیں ایک دھیڑ دوسرے مانگ۔ گویا مانگ یعنی لوگوں سے سوال کرنا انسان کے لئے بدترین ذلت و خواری کی بات ہے۔

ہمارے حضرت قدس سرہ سے دریافت کیا گیا کہ وینداری کا کمال کیا ہے؟ ارشاد فرمایا

تذکرہ حضرت محدث دکن

مسلمان کو کامل اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل ہو جائے۔ چنانچہ ہمارے حضرت اتباع سنت میں ہر اچھے کام کو داہنی طرف سے شروع فرماتے جیسا کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک جوتا پہنے تو چائے کہ داہنے جانب سے پہلے جوتا پہنے اور جب کوئی جوتا اتارے تو بائیں جانب سے اتارنا چاہئے، دایاں پاؤں جوتا پہننے میں مقدم ہو اور اتارنے میں مؤخر، ہمارے حضرت جب مسجد سے باہر نکلتے تو بایاں پاؤں پہلے باہر نکال کر بائیں جوتے پر رکھتے پھر داہنے پیر کو سیدھے جانب کے جوتے میں ڈالتے، بعد ازاں بایاں جوتا پہنتے۔ اور جب مسجد میں داخل ہوتے تو اس کی برخلاف عمل ہوتا یعنی جب مسجد میں داخل ہوتے تو پہلے سیدھے پیر کو مسجد میں داخل فرماتے پھر بائیں پیر کو جوتے سے نکال کر جوتے پر رکھتے پھر سیدھے پیر کو جوتے سے نکالتے اور سیدھے پیر کو مسجد میں داخل فرما کر مسجد میں تشریف لاتے۔

عمامہ باندھنے کی سنت عوام و علماء دونوں نے ترک کر دی ہے

پچھلے سطور میں ہمارے حضرت کے عمامہ باندھنے کا ذکر گزرا ہے اس سلسلہ میں یہ بات یاد رہے کہ اس مبارک سنت کو نہ صرف عوام بلکہ علماء نے بھی ترک کر دیا ہے حالانکہ جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر اقدس پر سیاہ عمامہ تھا (شمائل ترمذی) حضرت علامہ یوسف نبہانی (م ۱۹۳۱) قاضی القضاء بیروت (لبنان) اپنی کتاب وسائل الوصول الی شمائل الرسول میں تحریر فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت علیؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے عمامہ باندھا، اس کا ایک گوشہ میرے مونڈھے پر ڈالا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے بدر اور حنین کے دن ایسے فرشتوں کے ذریعہ میری مدد فرمائی جو اس طرح عمامے باندھے ہوئے تھے۔ یہ بھی فرمایا "عمامہ مسلمان اور کافر کے درمیان ایک امتیازی فرق ہے۔"

تذکرہ حضرت محدث دکن

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی شخص کو اس وقت تک کسی شہر کا حاکم مقرر نہیں فرماتے تھے جب تک اس کے عمامہ نہیں بند ہواتے تھے، عمامہ کا طرز یہ ہوتا کہ اس کا ایک پلہ دائیں مونڈھے پر کان کی طرف ڈالا جائے۔

حضرت عبداللہ بن خازم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک سیاہ عمامہ تھا جسے وہ جمعہ، عیدین اور جب لڑائی میں فتح پاتے تو بطور تبرک پہنتے اور فرماتے کہ یہ عمامہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہنایا تھا (اصابہ، طبقات ابن سعد ۵/۳۴)

چکھلے اور اراق میں ہمارے حضرت علیہ الرحمہ کی دلہی کی باتیں بیان کی گئیں دو ایک باتیں رہ گئیں ان کو بھی سن لیں۔

علم حدیث میں ہمارے حضرت کے استاذ مولانا عبدالرحمن سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں جو اپنے والد مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے حضرت شاہ اسحاق دہلوی کے شاگرد ہیں۔ مولانا عبدالرحمن سہارنپوری فرمایا کرتے: "لکل شی آتۃ و للعلم آفات"

یعنی ہر چیز کے حاصل ہونے میں ایک نہ ایک رکاوٹ ہوا کرتی ہے اور علم کے حاصل ہونے کے لئے رکاوٹیں ہی رکاوٹیں ہوا کرتی ہیں و للعلم کے بعد آفات کے الف کو بڑی دیر تک لانا کر کے پڑھتے تھے جیسے مدّ طویل کو دراز کیا جاتا ہے۔

مولانا سہارنپوری کے درس میں کئی طلباء تھے ان میں ایک طالب علم خود کو بڑا معقولی اور بڑا دانشور سمجھتے تھے اور ان میں خوب احساس برتری تھا سارے طلباء جیسے ہی وہ آتے تو ان کو لاشی "لاشی" (یعنی کوئی چیز نہیں، کوئی چیز نہیں) کہہ کر آواز دیا کرتے۔

حضرت پیر جماعت علی شاہ نقشبندی اور وہابیت کا رد

ایک اور ایسا ہی واقعہ ہمارے حضرت سنایا کرتے تھے اس واقعہ میں ایک قسم کا مزاح

(دلہی) بھی ہے اور ایک مسئلہ کا حل بھی۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

وہابی لوگ ایصالِ ثواب کے بارے میں ایک نامعقول بات یوں بیان کرتے ہیں کہ ایصالِ ثواب مُردوں کے حق میں درست ہے مگر دن، تاریخ اور وقت اس سلسلہ میں جو مقرر کیا جاتا ہے وہ بدعت ہے امیر الملت محدث علی پوری حضرت پیر جماعت علی شاہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۵۱ء) اس کا جواب یوں دیا کرتے:

”ارے! وہابی سے پوچھو کہ وہابی کے باپ نے اس کی ماں سے جب شادی کی تھی تو دن، تاریخ اور وقت مقرر کر کے اس کی ماں کو لایا تھا یا دن، تاریخ اور وقت کے تعین کے بغیر سسرال کے گھر میں اچانک گھس کر وہابی کی ماں کو اٹھا کر لے آیا۔“

ہمارے حضرت کی اعمال پر مداومت

اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہے کہ انسان جس کام کو اختیار کرے اس پر اس قدر استقامت کے ساتھ قائم رہے کہ گویا وہ اس کی فطرتِ ثانیہ بن جائے۔ انسان کے سوا تمام دنیا کی مخلوقات صرف ایک ہی قسم کا کام کر سکتی ہیں اور وہ فطرۃً اسی کی پابند ہے۔ آفتاب صرف روشنی اور گرمی بخشتا ہے، اس سے تاریکی ظاہر نہیں ہو سکتی۔ رات تاریکی ہی پھیلاتی ہے اس سے روشنی نہیں نکل سکتی۔ درخت اپنے موسم ہی میں پھلتے ہیں اور پھول ایامِ بہار ہی میں پھولتے ہیں۔ حیوانات کا ایک ایک فرد اپنے مقررہ افعال اور صفات سے سرمو تجاوز نہیں کر سکتا۔ لیکن انسان اپنے مالک کی طرف سے مختار پیدا ہوا ہے وہ آفتاب بھی ہے اور رات کی تاریکی بھی۔ اس کے جوہر کا درخت ہر موسم میں پھلتا ہے اور اس کے اخلاق کے پھول ایامِ بہار کے پابند نہیں وہ حیوانات کی طرح کسی ایک ہی قسم کے اعمال اور اخلاق پر مجبور نہیں۔ وہ باختیار پیدا کیا گیا ہے اور یہی اختیار اس کے مکلف اور ذمہ دار ہونے کا راز ہے۔

لیکن اخلاق کا ایک دقیق نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنے اخلاقِ حسنہ کا جو پہلو پسند کرے اس کی شدت سے پابندی کرے اور اس طرح دائمی اور غیر متبدل طریقے سے اس پر عمل کرے کہ وہ اپنے اختیار کے باوجود گویا وہ اس کام کے کرنے پر مجبور ہے اور

لوگ دیکھتے دیکھتے یہ یقین کر لیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور بات اس شخص سے سرزد ہو ہی نہیں سکتی گویا اس یہ افعال اس طرح صادر ہوتے ہیں جیسے آفتاب سے روشنی، پھل دار درخت سے پھل اور پھول سے خوشبو، کہ ان سے کسی حالت میں الگ نہیں ہو سکتیں۔ اسی کا نام استقامت حال اور مداومت عمل ہے چنانچہ یہ مشہور قول ہے ”الاستقامۃ فوق الکرامۃ“ (استقامت کرامت پر فوقیت رکھتی ہے)۔

ہمارے حضرت قدس اللہ سرہ اپنے تمام کاموں میں اسی اصول کی پابندی فرماتے تھے۔ جس کام کو جس طریقہ سے جس وقت آپ نے شروع فرمایا اس پر برابر شدت کے ساتھ قائم رہتے تھے۔ آپ کے معمولات کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے ”جس سے قارئین کرام کو اندازہ ہوا ہو گا کہ آپ کے تمام اخلاق اور اعمال کس قدر پختہ اور مستحکم تھے کہ کبھی زندگی بھر ان میں ذرہ برابر بھی فرق پیدا نہیں ہوا۔ نمازوں کی پابندی، مستحب اوقات میں بیگانہ نمازوں کو باجماعت ادا کرنا، نماز فجر کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ تک ذکر اور مراقبہ کی مجلس کا برپا کرنا۔ نمازوں کو خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرنا، رمضان کے مبارک مہینہ میں تراویح میں ایک قرآن کا سننا اور آخری عشرہ میں اعتکاف کرنا اور تہجد کی نماز میں ایک اور قرآن پاک کا دور سننا یہ اور اسی قسم کی کئی باتیں ہیں جس کی ہمارے حضرت نے پابندی فرمائی ہے جیسا کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادتوں اور اعمال کے متعلق ام المؤمنین نے جواب دیا: کان عملہ یمۃ آپ کا عمل جھڑی ہوتا تھا یعنی جس طرح بادل کی جھڑی جب برسے پر آتی ہے تو نہیں رکتی اسی طرح آپ کا حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ آپ نے اختیار کر لی، ہمیشہ اس کی پابندی کی۔ چنانچہ صحیح بخاری کے کتاب الادب اور ابو داؤد کے آخر کتاب الصلوٰۃ میں ارشاد ہے:

ان احب العمل الی اللہ ادومہ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب وہ کام ہے جس پر انسان سب سے زیادہ مداومت کرے)

تذکرہ حضرت محدث دکن

خانقاہوں کا نظام چلایا کیئے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک اعرابی نے دریافت کیا کہ اونٹ کو نکیل باندھ کر توکل کروں یا یوں کھلا چھوڑ دوں؟ ارشاد ہوا! اعقل و توکل (باندھ کر توکل کر) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو سمجھ بوجھ دی ہے۔ انسان اسکو کام میں لائے اور پھر اپنے کاموں کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے۔ ہمارے حضرت محدث دکن قدس سرہ کی پوری زندگی توکل کا پیکر تھی۔ صرف دو واقعات پر یہاں اکتفاء کیا جاتا ہے ہمارے حضرت نے روزی کے لئے کسی قسم کی ملازمت اختیار نہیں فرمائی زندگی بھر حدیث نبوی پر مشتمل کتاب عربی زبان میں جو پانچ جلدوں میں شائع ہوئی ہے اس کی تکمیل میں لگے رہے۔ جب کتاب تکمیل پاچکی تو اس کی طباعت کا مرحلہ آیا۔ جامعہ نظامیہ حیدرآباد کی نگرانی میں علمی کتابوں کی اشاعت کا ایک ادارہ قائم ہے۔ جس کا نام نامی اشاعت العلوم ہے۔ اس ادارہ سے ہندوستان کے علماء کے علمی کارناموں کی اشاعت عمل میں آئی ہے۔ ہمارے حضرت نے اس کتاب کو اس ادارہ میں بغرض طباعت روانہ فرمایا لیکن یہ کتاب ادارہ کے اشاعتی پروگرام میں شامل نہ ہو سکی۔ اس کی تفصیل اس عاجز نے کتاب ہذا کے ص ۱۶۸، ۱۶۹ پر (کرامت چہارم کے تحت) بیان کر دی ہے۔ ہمارے حضرت بارگاہ رب العزت میں یوں دعاء فرمایا کرتے: الہی! میں نے کتاب تو لکھ دی، لیکن میرے پاس اس کی اشاعت کے لئے سرمایہ نہیں ہے تو ہی اپنے خزانہ غیب سے اس کی اشاعت کا انتظام فرما۔ حکومت آصفیہ ابھی باقی تھی اور یہاں جن کی ارباب اقتدار تک رسائی تھی ان کے لئے گویا جو دو سخا کی گنگا بہ رہی تھی مگر توکل کی وادی امین کے اس پیر طریقت، نقشبندیت کے تاجدار اور قادریت کے علم برادر نے کسی مادی ذریعہ کی طرف اپنی نگاہ نہ اٹھائی۔ ایک ارادتمند ضلع میڑ (مہاراشٹرا) کارہنے والا اس کے نصیب جاگے، مقدر جمکا اور اس کو مکاشفہ ہوا اور اس نے اس عظیم الشان کتاب کی اشاعت کا انتظام کر دیا۔ مردے از غیب بروں آید و کارے بکند، کہنے والے

تذکرہ حضرت محدث دکن

نے سچ کہا ہے:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشنده

اور یہ بھی ایمان افروز مصرعہ قارئین کرام یاد رکھ لیں:

خدا خود میرا سامان است ارباب توکل را

ہمارے حضرت کے توکل کی ایک زندہ مثال تھی کہ اپنا کام کر لیا اور آگے کے کام کو خلاق عالم کے سپرد کر دیا کہ بغیر کسی کی احسانمندی کے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی مہربانی سے یہ عظیم الشان کتاب احناف کے ہاتھوں پہنچ گئی اور فن حدیث کی یہ عظیم خدمت ہمارے حضرت کے ہاتھوں شہر حیدر آباد فرخندہ بنیاد کو میسر ہوئی۔
والحمد للہ علی ذلک حمدا کثیرا!

اس موقع پر بطور تحدیث نعمت یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واما بنعمة ربك فحدث (اور جو احسان ہے تیرے رب کا، سو وہ بیان کر) یہ عاجز راقم اس احسان کو بیان کرنا چاہتا ہے۔ ۱۹۵۱ء میں الحمد للہ زجاجة المصاحف کے طباعت کا انتظام ہو گیا تو ہمارے حضرت نے اس عاجز کو یاد فرمایا اور ارشاد ہوا: عبدالستار صاحب! الحمد للہ زجاجة المصاحف کی طباعت کا انتظام ہو چکا ہے، اب تم کو میرے ساتھ کاپی اور پروف کا مقابلہ کرنا ہے۔

کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

یہ عاجز جامعہ عثمانیہ سے ام۔ اے (عربی) کامیاب، تین سال لکچراری کی خدمت سے تخفیف کی زد میں آکر گھر بیٹھا ہوا تھا حاضر خدمت ہو گیا اور دن رات طباعت کے مرحلے شروع ہوئے، خوشنویس پہلے پہلے کاغذ پر کاپی نویسی کرتا تو اصل کتاب سے اس کا پہلا مقابلہ ہوتا، پھر جب پتھر پر لیتھو پرنٹ کے اعتبار سے پروف لکھتا تو دوسرا مقابلہ ہوتا، اصل کتاب کے اوراق ہمارے حضرت کے دست فیضدرجت میں رہتے

تذکرہ حضرت محدث دکن

اور ہمارے حضرت دونوں مقابلوں کے وقت سماعت فرماتے اور یہ عاجز قراءت کرتا اس طرح اس عاجز نے پوری زجاہ المصاحیح دو مرتبہ اپنے حضرت کو سنائی ہے اور تیسرا دور استاذ مکرّم، مربی بے بدل حضرت مولانا ابو الوفا افغانی رحمۃ اللہ علیہ کو درساً درساً سنانے کا شرف حاصل کیا ہے۔ البتہ زجاہ المصاحیح کی پانچویں جلد مناقب سیدنا ابی بکر بن الصدیق رضی اللہ عنہ کے ختم پر حضرت مولانا ابو الوفا علیہ الرحمہ کا درس ختم ہوا۔ اور حضرت مولانا کی وفات ہو گئی۔

اس عاجز پر اللہ تعالیٰ کا کتنا عظیم احسان ہے کہ الحمد للہ شہر حیدرآباد میں اس وقت بڑے بڑے علماء اور اصحاب فضل موجود تھے مگر پیر روشن ضمیر کی نگاہ بندہ نواز اس عاجز پر پڑی اور یہ فضیلت اس ہیچدان کو مل گئی واللہ صمد اکثر اطیباً مبارکاً فیہ

اے خدا قربان احسانت شوم

اے چہ احساناست قربانت شوم

ہمارے حضرت کے توکل کی ایک اور مثال عرض کر دی جائے: ہمارے حضرت کو یومیہ یعنی ماہانہ منصب ملا کرتا تھا اور وہ غالباً پچاس روپیہ تھا۔ حکومت آصفیہ کے اختتام پر وہ ختم کر دیا گیا۔ ہمارے چند برادران طریقت نے ایسا انتظام کیا کہ کم از کم اتنی ہی رقم ہر ماہ حضرت کی خدمت میں حاضر کر دی جائے۔ اس بات کو ہمارے حضرت کے سامنے بیان کر دیا گیا، ہمارے حضرت نے جواب دیا آپ کا شکر یہ! اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے، مگر تصفیہ بھی سن لو آپ حضرات کے اس پیشکش کی ضرورت نہیں! مجھے میرے اللہ کے حوالے کر دو وہی میرا کارساز ہے اور آپ نے اس پیشکش کو قبول نہیں فرمایا۔

ہمارے حضرت کے اس واقعہ کو سن کر حضرت غلام علی شاہ نقشبندی دہلوی قدس سرہ کا واقعہ یاد آتا ہے۔ امیر ٹونک (راجستان) امیر خان نے یہ استدعاء پیش کی کہ وہ اپنی حکومت کی جانب سے خانقاہ کے خرچ کے لیے ماہانہ کچھ معاش مقرر کرنا چاہتا

تذکرہ حضرت محدث دکن

ہے! ارشاد ہوا جواب میں یہ شعر لکھ کر روانہ کر دو:

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم با میر خاں بگونی کہ روزی مقدر است
(ہم فقر و قناعت کی آبرو کو چھوڑنا نہیں چاہتے ہیں میر خاں سے کہہ دو کہ روزی مقدر ہے۔)

ہمارے حضرت کی مسجد نشینی

ہمارے حضرت محدث دکن قدس سرہ نے تحصیل علوم کے بعد طریقت میں قدم رکھا اور حضرت سید محمد بادشاہ بخاری قدس سرہ بیعت فرما کر سلوک کی منزلیں طے فرمائیں اور خرقہ خلافت کے حصول کے بعد دنیا اور مشاغل دنیا یعنی روزی اور معاش کے لئے کسی قسم کی ملازمت اختیار نہیں فرمائی یوں فرمایا کرتے کہ میں نے ملازمت تو نہیں کی لیکن حدیث شریف کی خدمت زندگی بھر کی اور مسجد علی آقا حسینی علم حیدر آباد کو طالبین راہ سلوک کے لئے مرکز اور گوشہ مسجد کو خانقاہ اور درس حدیث شریف کے لئے مدرسہ بنایا۔ اس موقع پر یہ عاجز حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث شریف سنا کر اپنے موضوع پر آئے گا:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ
یقول: ابن آدم تفرغ لعبادتی املا صدک غنی و اسد فقرک و ان لا تفعل
ملات یدک سفلا و لم اسد فقرک رواہ الامام احمد و ابن ماجہ.

(حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں آدم کے بیٹے! میری عبادت کے لئے تو خود کو فارغ کر لے تو میں تیرے دل میں استغناء بھر دوں گا اور تیرے فقر اور احتیاج کے (سوراخوں کو) بند کر دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرے ہاتھوں کو (دنیا کے) مشاغل سے بھر دوں گا اور تیرے فقر و افلاس کے (سوراخوں کو) بند نہ کروں گا۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے اس کی روایت کی ہے۔ صدر کی حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ جو بندہ خود کو عبادت کے لئے فارغ کر لیتا

تذکرہ حضرت محدث دکن

ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتے ہیں اور عبادت کے لئے فارغ کر لینا۔ بجز گوشہ نشینی ممکن نہیں، امام غزالی رحمۃ اللہ نے کیمیائے سعادت میں گوشہ نشینی کے فائدوں پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور صالحین امت کے بڑے عمدہ اقوال بیان فرمائے ہیں، حضرت وہب بن الورد فرماتے ہیں کہ عقلمندی دس باتوں میں پوشیدہ ہے نو عقلمندیاں خاموشی میں اور ایک گوشہ نشینی میں ہے۔ ایک بزرگ کا قاعدہ تھا کہ یا تو کتاب بینی کرتے یا قبرستان جا کر تنہا بیٹھتے۔ لوگوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا گوشہ نشینی سے بہتر کوئی چیز اچھی نہیں ہے، اور قبر سے زیادہ کوئی بہتر نصیحت کرنے والا میں نے نہیں دیکھا اور کسی کو کتاب سے بڑھ کر اچھا ساتھی نہیں دیکھا۔ عربی کے نامور شاعر متنبی کا ایک شعر ہے:

اعز مکان فی الدنی سرج سابع
و خیر جلس فی الزمان کتاب

(دنیا میں سب سے بڑا مرتبہ گھوڑے کی زین یعنی شہ سواری ہے اور زمانہ میں بہترین ساتھی کتاب ہے)

گوشہ نشینی سے خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے

ایک بزرگ کا قول ہے کہ گوشہ نشینی سے خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اگر انسان دنیا میں رہتے ہوئے عبادت کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تو اس کو گوشہ نشینی اختیار کرنا چاہئے۔ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا میں گوشہ نشین ہوئے اور نبوت کے منصب سے سرفراز ہوئے، علامہ اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

خدا کے کام دیکھو کیا بعد ہے کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غار حرا پہلے

ہمارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بظاہر تو ہم لوگوں میں تھے لیکن آپ کا قلب مبارک خداوند عالم کی طرف تھا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ اگر میں کسی کو دنیا میں

تذکرہ حضرت محدث دکن

دوست بناتا تو حضرت ابو بکرؓ کو بناتا لیکن خدا کی محبت میں اب گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ حالانکہ صحابہ کرام میں ہر صحابی یہ سمجھتے تھے کہ حضور کو مجھ سے سب سے زیادہ محبت ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ جن کا لقب عابد الحرمین ہے فرماتے ہیں کہ رات کی تاریکی سے میں خوش ہوتا ہوں کہ خدا کی عبادت کا وقت ہے اور دن نکلنے پر رنج ہوتا ہے کہ ملنے جلنے کی وجہ سے لوگ دنیا کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بطور خلاصہ فرماتے ہیں کہ اگر آدمی میں خداوند عالم کی معرفت کی صلاحیت اور عبادت کی اہلیت موجود ہے تو اس کے پاس الحمد للہ دنیا کے کاموں میں افضل ترین عمل ہے۔ کیونکہ عبادت خدا تمام نیکیوں کی بنیاد ہے اور جب انسان دنیا سے آخرت کی طرف جائے تو اس کے دل پر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب رہے اور حب الہی خداوند عالم کے ذکر سے پیدا ہوتی ہے اور محبت معرفت کا ثمرہ ہے اور معرفت عبادت کا نتیجہ ہے اور یہ تمام باتیں گوشہ نشینی سے حاصل ہوتی ہیں۔

واضح رہے کہ ہمارے حضرت، محدث دکن قدس سرہ نے ان ہی باتوں کے پیش نظر گوشہ نشینی اختیار فرمائی اور مسجد علی آقا حسینی علم کو اپنی شب و روز کی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ من کان لله کان الله له (جو اللہ کا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ہو جاتے ہیں) کا مجسم پیکر اپنی مبارک زندگی کے ۹۲ برس کس شان اور آن سے گزارے کہ دنیا کا کوئی کام نہ رکا نہ ادھورا رہا۔ اس گوشہ نشینی اور توکل کی وادی ایمن میں چاروں صاحبزادے اور تین صاحبزادیوں کے گھر دار الحمد للہ وقار اور معیار کے ساتھ انجام پائے اور پھر دین کی خدمت، لاکھوں ارادتمندوں کی روحانی سرپرستی اور علم حدیث میں ڈھائی ہزار صفحات کی کتاب عربی زبان میں۔ زجاجۃ المصابیح۔ اور اردو زبان میں دس کتابیں جو دکنی زبان کے شاہکار ہیں تکمیل پا کر شائع ہوئے یہ سب اسی گوشہ نشینی کے نتائج اور ثمرات ہیں۔ اس عنوان کو یہ عاجز

مولیٰ کامل جامعہ نظامیہ، فاضل جامع ازہر مصر، حال مقیم شکارگو فرماتے ہیں کہ جب بھی میں حضرت سے بغرض ملاقات جاتا تو حضرت قبلہ قدس سرہ مجھے ہمیشہ ”مشائخ صاحب“ سے خطاب فرمایا کرتے۔

پابندی شریعت

ہمارے حضرت علیہ الرحمۃ نے الحمد للہ (۹۲) برس کی طویل عمر پائی اس تمام مدت میں نمازوں کے قضاء ہونے کا کیا سوال بیٹھ کر بھی نماز ادا نہیں فرمائی نوافل بھی کھڑے ہو کر ادا فرماتے۔ ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے اور تہجد میں بھی ایک دو قرآن پاک کا ہوتا، ظاہر ہے بعض مرتبہ ایک ایک گھنٹہ طویل قیام ہوا کرتا مگر کبھی آپ نے بیٹھ کر تہجد ادا نہیں فرمائی۔ اللہ اکبر! یہ ہے تقویٰ اور پرہیزگاری کا کمال! یہ ہے روحانیت کا کرشمہ کہ ضعیفی کے عالم میں بھی بیٹھ کر نماز ادا نہیں فرمائی اور کھڑے ہو کر سارا کلام مجید سنا کیا۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہمارے حضرت علوم نقلی و شرعی کے جید عالم، فقیہ اور محدث تھے چنانچہ آپ کامل طور پر احکام شرعیہ کے پابند رہے۔ اور مریدین اور معتقدین کو راہ شریعت دکھاتے اور مسائل شرعیہ پر کاربند رہنے کی تبلیغ فرماتے رہے۔ آپ شاہبازِ اوج طریقت تھے تمام عمر یارانِ طریقت کا تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب فرماتے رہے اور کتنوں کو اعلیٰ روحانی مدارج پر پہنچا دیا۔ آپ کو از حد التزام تھا کہ ہر امر میں حضور نبی کریم علیہ الصلاہ والسلام کی پیروی فرمائیں اور دوسروں کو بھی سنت نبوی پر قائم رہنے کی تاکید فرماتے رہتے۔ ایک برادرِ طریقت نے دریافت کیا کہ مسلمان کے لئے کمال اسلام کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: ”اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کمال حاصل کرنا“۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

عورتوں کو احکام شریعت کا پابند بنانا

عورتیں اکثر جاہل اور اُگھڑ ہوتی ہیں مگر ہمارے حضرت قدس سرہ کے فیض اور توجہ سے سینکڑوں، ہزاروں عورتیں بے حد نیک اور پارسا بن گئیں آپ عورتوں کو نماز روزہ کے مسائل بتاتے، اذکار اور وظائف بھی سکھاتے، عورتوں کے خاص مسائل سے ان کو واقف کرتے، خانگی ذمہ داریاں خاوند کے حقوق اور خاندان میں صلہ رحمی کے احکام تفصیل سے ان کو بتاتے اور ان پر کاربند رہنے کی سخت تاکید کرتے، پردے کا حکم تاکید کی طور پر دیتے اگر کوئی عورت حکم شرعی کے مطابق لباس پہنے ہوئے نہ ہوتی تو اسے آپ متنبہ فرماتے۔ آج کل عورتوں کا لباس کرتے کی بجائے خصوصاً بلاؤز ہو گیا ہے اس پر آپ نے سخت نکیر فرمائی اور وعظ میں فرمایا کہ ہماری بہنوں نے ہندوؤں کی چولیوں کو کرتے چھوڑ کر اپنا عام لباس بنالیا ہے۔

ماہر نفسیات کی تحقیق یہ ہے کہ اگر عورت اپنے پورے جسم کو ڈھانکنے والا لباس نہ پہنے تو نفس کی خواہشات اس پر غالب آجاتی ہیں اور وہ شیطان کا کھلونا بن جاتی ہے۔ اسی بے پردگی اور عسریانی لباس کے استعمال نے ہمارے معاشرہ کو تباہ کر دیا ہے۔

ہمارے حضرت کے ارشاد اور فرمان پر عامل اور کاربند ہو کر بعض عورتیں تو اپنے شوہروں سے زیادہ پرہیزگار اور صالح بن جاتی تھیں اس طرح مردوں اور عورتوں کو ہزاروں کی تعداد میں آپ نے احکام شرعیہ کا پابند اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیرو بنایا آج تک وہ لوگ الحمد للہ اور ان کے گھر ہمارے حضرت کی توجہ سے پکے مسلمان اور اچھے دیندار بنے ہوئے ہیں۔

ہمارے حضرت کا تصوف

انہی الفاظ سے پھر ذہن خفتہ کو جگانا ہے

شریعت سر جھکانا ہے، طریقت دل لگانا ہے

(حضرت صفی اورنگ آبادی)

تذکرہ حضرت محدث دکن

حقیقت شریعت پر اطمینان قلب کے ساتھ عمل پیرا ہونا اصل تصوف ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے لا یزال عبیدی یتقرب الی بالنوافل (میرا بندہ نوافل کی ادائیگی کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے) ہمارے حضرت کا اسی پر عمل تھا اور آپ حقوق اللہ اور حقوق الناس کی ادائیگی کی از بس تاکید فرماتے تھے۔

ہمارے حضرت کا تصوف ترک دنیا نہ تھا، الحمد للہ آپ اچھا کھاتے، پاکیزہ لباس پہنتے اور دنیوی کاموں میں شریعت حقہ کے مطابق عمل پیرا ہوتے تھے۔ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا التزام آپ کی عادت اور سرشت بن گیا تھا جس کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔ آپ خود بھی شریعت غراء محمدی پر مدت العمر عامل رہے اور برادرانِ طریقت کو بھی یہی تاکید فرماتے رہے۔ جو لوگ اطمینان قلب کے ساتھ ایسا کرتے ہیں ان کے قلوب پر صفات الہی کا پرتو پڑتا ہے اور وہ روحانیت کے مقامات بلند پر فائز ہوتے ہیں یہی تصوف کی حقیقت ہے اور یہی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ!

قدیم شرعی تصوف کا احیاء

ہمارے حضرت نے قدیم شرعی تصوف کو زندہ کیا اور ان روایات سے کوئی واسطہ نہیں رکھا جو احکام شرعیہ کے مطابق نہیں ہیں۔ آپ کا سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ تھا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ) رحمۃ اللہ علیہ شریعت کی تقلید اور اتباع سنت کی از بس تاکید فرماتے رہے اور یہی شیوہ اور طریقہ ہمارے حضرت کا تھا۔ جملہ عبادات اور طاعتوں کو سنت کے مطابق انجام دینے کو آپ تصوف کی روح سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، تہجد کی پابندی کرنا، ورود شریف پڑھنا، نماز روزہ اور دیگر فرائض اور واجبات و سنن کو لازم بنانا، حقوق العباد ادا کرنا، اخلاق، اعمال اور عبادات میں صاحب خلق عظیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرنا، جملہ منہیات اور مکروہات سے کامل پرہیز کرنا یہ سب آپ کی اصلی تعلیم اور تربیت تھی۔

آپ جو وظائف تلقین فرماتے وہ عموماً بہت آسان قسم کے ہوتے تھے۔
نفس امارہ کو زیر کرنا

نفس امارہ پر قابو پانا بہت مشکل کام ہے۔ یہ آپ ہی کا کمال تھا کہ ادھر مخلوق میں شامل رہتے تھے تو ادھر اللہ سے واصل تھے ”دل بہ یار و دست بکار“ پر آپ کا عمل تھا ”بے ہمہ و باہمہ“ آپ کا روزہ مرہ کا معمول تھا۔ خلق خدا کو صراط مستقیم پر گامزن کرنا اور انھیں پابند شریعت اور تابع سنت بنانا حضرت ہی کا کمال تھا۔ ہمارے حضرت نے ہزاروں لاکھوں بندگان خدا کی اصلاح کر کے ان کو ذاکر و مشاغل بنایا اور نفس مطمئنہ کے رتبہ پر پہنچایا۔ یہی آپ کے تصوف کا اور آپ کی طریقت کا عظیم کارنامہ تھا۔

امیر کے انتخاب کے بعد کفار کیساتھ جہاد کرنا فرض کفایہ ہے۔ لیکن اپنے نفس اور شیطان کے ساتھ جہاد کرنا سب پر فرض عین ہے۔ دنیوی امور میں احکام شریعت پر کاربند ہونا اور اپنی خواہش سے ان میں کمی نہ کرنا لازم ہے اللہ جل شانہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو دوسروں تک پہنچانا اور ان کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی پر آمادہ کرنا شریعت اور طریقت کی جان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں غرق رہ کر اس سے کامل رابطہ رکھنا اور اس کے ساتھ نفس اور شیطان کو قابو میں رکھ کر دین اور دنیا کو سدھارنا ریاضت اور مجاہدہ کی اصل ہے۔ اسی پر ہمارے حضرت کا عمل تھا اور آپ برادران طریقت کو بھی اسی صراط مستقیم پر گامزن رہنے کا حکم دیتے تھے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز مکتوبات شریف میں واضح طور پر فرماتے ہیں کہ طریقہ نقشبندیہ میں اصل ریاضت یہ ہے کہ نفس امارہ کی خواہشات کو قابو میں لایا جائے اور اس کے لئے اتباع احکام شریعت اور پیروی سنت پر کاربند ہونا لازم جانے۔ اس لئے کہ نفس امارہ پر سب سے زیادہ مشکل یہی بات ہوتی ہے کہ اسے

شریعت کے اوامرو نواہی کی پابندی پر مجبور کیا جائے۔ اس واسطے اسی کا کامل اہتمام ضروری ہے۔ اگر ایسے مجاہدات یا ریاضتیں اختیار کی جائیں جو تقلید سنت کے دائرہ میں نہیں آئیں تو ان کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے کہ جوگی، برہمن اور یونانی فلسفی بھی ایسا کیا کرتے ہیں۔ ان ریاضتوں سے ان لوگوں کی گمراہی میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اصل الفاظ یہ ہیں

”دریں طریق ریاضت و مجاہدات بانفس امارہ باتیان احکام شرعیہ است۔ والتزام متابعت سنت سنتیہ۔ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ۔ زیرا کہ مقصود از ارسال رسل و انزال کتب رفع ہواہائے نفس امارہ است۔ کہ بہ معادات مولائے خد جل سلطانہ منتسب گشتہ است پس رفع ہوائے نفس باتیان احکام شرعیہ است۔ ہر قدر کہ در شریعت راجح تر باشد از ہوائے نفس بعید تر بود۔ پس ہیچ چیز بر نفس امارہ شاق تر از امثال اوامرو نواہی شریعت نبود۔ و خرابی او جز در تقلید صاحب شریعت متصور نباشد۔ ریاضات و مجاہدات کہ بہ مادرائے تقلید سنت اختیار کنند معتبر نیست۔ کہ جو گیان و براہمہ ہندو فلاسفہ یونان دریں امر شرکت دارند۔ و آن ریاضات در حق ایشان جز ضلالت نمی افزاید و غیر خسارت راہ نمی نماید“ (مکتوبات امام ربانی۔ دفتر اول۔ مکتوب ۱۲۲)

طریقہ علیہ نقشبندیہ کی افضلیت

اسی بنیاد پر طریقہ عالیہ نقشبندیہ اختیار کرنا سب سے افضل ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو پندرہ سلاسل طرق تصوف میں اجازت اور خلافت حاصل تھی۔ مگر آپ طریق نقشبندیہ کو سب سے افضل جانتے تھے اس لئے کہ یہاں سنت کے اتباع اور بدعت سے اجتناب کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔ حضرت مجدد قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ بزرگان سلسلہ نقشبندیہ کو اگر اتباع سنت کی دولت حاصل ہو اور

دوسرے احوال حاصل نہ ہوں تو بھی وہ خوش رہتے ہیں اور اگر احوال حاصل ہو جائیں مگر اتباع سنت میں فتور رہ جائے تو یہ حضرات ایسے احوال کو پسند نہیں کرتے۔ اسی لئے ان کے یہاں سماع اور رقص کا کوئی ذکر نہیں آتا اور ان کے ذریعے جو احوال حاصل ہوں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا بلکہ انہوں نے تو ”ذکر بصر“ کو بھی بدعت جانا۔

حضرت مجدد قدس سرہ العزیز کے فرمودات

”در میان طرق صوفیہ اختیار کردن طریقہ علیہ نقشبندیہ ادلی و انسب است۔ چہ این بزرگواران انتظام متابعت سنت نموده اند و اجتناب از بدعت فرمودہ۔ لہذا اگر دولت متابعت دارند و از احوال بیچ ندارند خورسندانند۔ و اگر باوجود احوال در متابعت فتور دانند آں احوال رانمی پسندند۔ ازیں جاست کہ سماع و رقص را تجویز نہ کردہ اند۔ و احوالے کہ براں مرتب شود اعتبار نہ نمودہ، بلکہ ذکر بصر را بدعت دانستہ منع آں فرمودہ اند۔ و ثمرائے کہ براں مرتب شود الثفات بآں نہ نمودہ“

(مکتوبات امام ربانی۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۶۶)

نقشبندی تصوف

ہمارے حضرت قدس سرہ اسی ”نقشبندی تصوف“ پر سختی سے عامل تھے اور بزرگان سلسلہ عالیہ کے تصوف کی تجدید اور توسیع میں مدت العمر کوشاں رہے۔ بزرگان ملت نے فرمایا ہے کہ جس طرح شریعت کے پانچ رکن ہیں اسی طرح طریقت کے بھی پانچ رکن ہیں جن کی بنیاد شریعت کی پابندی اور سنت کے اتباع سے پختہ اور مستحکم ہوتی ہے۔ طریقت کے یہ پانچ رکن: ذکر، فکر، مراقبہ، محاسبہ اور رابطہ ہیں۔

بلکہ بعض اکابر تو فرماتے ہیں کہ اگر شیخ سے رابطہ مضبوط ہو جائے تو باقی ارکان خود بخود فیضان الہی سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ نے

تذکرہ حضرت محدث دکن

فرمایا ہے۔

یک زمانہ صحبتے با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا
او نشیند در حضور اولیاء

حضرت خواجہ خواجگان خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ العزیز (م ۱۷۹۱ھ) نے کیا
خوب ارشاد فرمایا ہے۔

”طریقہ ما از نوادر است و عروۃ الوثقی است مارا از فضل آوردہ اند،
دریں طریق باندک عمل مفتوح بسیار است، اما رعایت سنت
کارے بزرگ است“

ہمارے حضرت کی انشاء اور خطابت

ہمارے حضرت کی زبان مبارک سے مواعظ، خطبات، مکالمات اور مسائل سننے
والے آج بھی سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں بقید حیات ہیں اور وہ گواہ ہیں کہ
ہمارے حضرت کی سادہ باتوں میں جو اثر، تاثیر، لطف اور دل نشینی ہوتی تھی وہ بڑی
بڑی سحر آفریں تقریروں اور فصیح و بلیغ خطبات میں بھی نہیں پائی گئی۔ آپ کے علمی
اور ادبی کمالات جتنے کسی تھے یقیناً اس سے کچھ زیادہ ہی وہی بھی تھے اور اس شعر کے مصداق:
فیض روح القدس از باز مدی فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچا مسیحا می کرو

عربی، فارسی اور اردو ادب پر کامل عبور

ہمارے حضرت قدس سرہ کے اساتذہ کرام میں سے جو اسماء گرامی قدر اس عاجز کو
تحقیق ہو سکے ان حضرات کرام کا ذکر خیر پہلے گذر چکا ہے۔ یہ حضرات اپنے دور کے
جلیل القدر علماء تھے جو علوم عقلی اور نقلی میں فضل و کمال کے لئے گذشتہ صدی کے

تذکرہ حضرت محدث دکن

نصف آخر میں پورے برصغیر میں مشہور اور معروف تھے بلکہ بعض کا فیض تو اس صدی کے اوائل تک جاری رہا۔ ہمارے حضرت کی بابت یہ بات تو تحقیق کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے عقلی اور نقلی علوم میں عبور کامل حاصل فرمایا تھا۔ عربی زبان اور ادب کے علاوہ فارسی شعر و ادب پر پوری دستگاہ حاصل تھی اور ان کا صحیح ذوق اور تینوں زبانوں کی ادبیات پر گہری استعداد ماہرانہ اور ناقدانہ حیثیت سے حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے حضرت کی روز مرہ گفتگو، مکاتیب، مواعظ اور خطبات میں کثرت کے ساتھ موزوں اشعار بیان میں آتے تھے۔ اقوال اور ضرب الأمثال جن کو آپ مناسب موقع اور مطابق محل ارشاد فرمایا کرتے تھے ان سے آپ کے تبسخر علمی و ادبی کی روشن شہادت دستیاب ہوتی ہے۔ مقام حیرت ہے کہ ہمارے حضرت کی باتوں اور تالیفات میں جدید تحقیقات کا ذکر بھی ملتا ہے۔

سادگی و پرکاری

ہمارے حضرت کی تحریر اور تقریر میں سادگی کے ساتھ پرکاری کا اعجاز پایا جاتا تھا، قرآن، حدیث، اشعار، اقوال، روایات سلف کے شواہد اور اسناد آپ کے سادہ اور دل نشین اسلوب بیان میں ڈھل کر دلوں میں اتر جاتے تھے اور ”از دل خیزد و بردل ریزد“ کی بے مثال نظیر قائم کرتے تھے۔ آپ دھمی اور معمولی آواز میں گفتگو فرماتے تھے اور وعظ میں بھی آپ کا یہی طریق ہوتا تھا لیکن اعجاز بیانی کے ساتھ ساتھ اسی سادہ، دھمی اور معمولی آواز و بیان کے اثر اور تاثیر سے اجتماع کبھی جوش میں آجاتا اور کبھی دباڑیں مار مار کر رونے لگتا تھا اور کبھی بے تاب اور بے اختیار ہو جاتا تھا۔

اس عاجز کا ارادہ ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے محض فضل و کرم سے عملی صورت سے اجاگر فرمائے کہ اس مبارک تذکرہ کے بعد ”ارمغان حضرت محدث دکن“ کے نام سے ہمارے حضرت کے علمی کارناموں کے بیان کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم کا ایک جائزہ بھی لیا جائے اس لئے اس باب کو اسی پر ختم کیا جاتا ہے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

حدیث الوصال

دریں حدیقہ بہار و خزاں ہم آغوش است
زمانہ جام بدست و جنازہ بروش است
موت العالم موت العالم "عالم کی موت ایک سرچشمہ علم کی موت ہے"

۱۹۶۳ / ۱۳۸۳ھ

موت کی حقیقت

"رب العزت کا ارشاد (سورہ ملک ۲۹ پ) تبارک الذی بیدہ الملک و هو علی کل شیء قدیر۔ الذی خلق الموت و الحیوة لیبلوکم ایکم احسن عملاً۔ و هو العزیز الغفور۔ (بڑی برکت ہے اس کی جس کے ہاتھ ہے راج اور وہ سب چیز کر سکتا ہے۔ جس نے بنایا مرنا اور جینا کہ تم کو جانچے اور وہ زبردست ہے۔ بخشنے والا) ان دونوں آیتوں کا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا ہے اور حاشیہ پر اس کی شرح یوں فرمائی کہ "یعنی مرنا نہ ہوتا تو بھلے برے کام کا بدلہ کہاں ملتا" ہمارے حضرت کے وصال مبارک کے تذکرہ سے پہلے یہ عاجز چاہتا ہے کہ موت اور حیات کے بارے میں چند سنجیدہ باتیں قارئین کرام کی نذر کرے اس لئے کہ ماذیت نے جہاں ہزاروں حقیقتوں کو چھپا دیا ہے وہاں بیسیوں صداقتوں پر پردہ ڈال دیا ہے اور لاکھوں کروڑوں انسان گمراہی کے شکار ہو چکے ہیں، پراپوں کی کیا فکر اپنے بھی حق سے دور، باطل کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں! اللہ تعالیٰ سب کو صراط مستقیم پر گامزن رکھے، بحرمتہ سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرمین!

(ذیل کا مضمون حیات سروری تالیف حضرت عبدالحمید سروری قادری کلاچوی سے لیا گیا ہے)

” جس چیز کو ہم موت کہتے ہیں وہ تو صرف مادی لباس اتار کر روحانی لباس پہننے کا نام ہے۔ انسان جب قیدِ آب و گل سے آزاد ہو جاتا ہے تو اسے زندگی کے تمام مصائب و آلام سے نجات مل جاتی ہے۔ موت کے بعد ہماری روح قفسِ عصری سے ہی نہیں بلکہ قیدِ زمان و مکان سے بھی نکل جاتی ہے۔ پھر مؤمن کے لئے تو موت عینِ حیات ہے، عینِ راحت ہے، زندگی کے جھگڑوں اور الجھنوں سے چھٹکارا پانے کا واحد ذریعہ صرف موت ہی ہے۔ کیونکہ اسی کے ذریعے مادی زنجیریں ٹوٹتی ہیں اور انسان روح کی آنکھوں سے کائنات کا مشاہدہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ زندگی غم ہی غم ہے اور انسان کو چاہئے کہ ان غموں کو اپنے قلب کی تطہیر کا ذریعہ بنائے۔ انسان کی محدود عقل آسودگی اور خوشی کے سوا کسی چیز کو ہستی کے لئے موزوں نہیں سمجھتی کہ انسان کی حقیقی اور ابدی زندگی تو موت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ ان الدار الآخرة لھی الطیوان لو کانو یعلمون (سورة العنكبوت آیت ۶۴)۔ (ترجمہ: اصل زندگی کا گھر تو دارِ آخرت ہے اگر یہ سمجھ رکھتے) شاعر مشرق علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے کیا خوب سمجھایا ہے:

موت کو سمجھا ہے غافل اختتامِ زندگی
یہ ہے شامِ زندگی، صبحِ دوامِ زندگی

حضرت فقیر نور محمد سروری علیہ الرحمۃ نے یہ بھی فرمایا۔ ”خدا کے جو بندے ”موتوا قبل ان تموتوا“ کی منزل طے کر لیتے ہیں ان کے لئے موت کوئی اجنبیت نہیں رکھتی وہ تو اس مادی حیاتِ مستعار پر موت کے بعد کی ابدی روحانی زندگی کو ہزار درجہ ترجیح دیتے ہیں۔ انسانی تخلیق کی غایت سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ اپنے خالق، مالک اور پروردگار کی معرفت حاصل کر کے حقِ عبودیت (یعنی بندگی کا حق) ادا کرے۔ یہی اصل ایمان اور جانِ ایمان ہے۔ تمام عبادات کا ما حاصل یہی کچھ ہے۔ زندگی کی کامیابی اور آخرت کی سرخروئی کا دار و مدار صرف یادِ الہی پر ہے

تذکرہ حضرت محدث دکن

اور بس۔ باقی محض سردردی اور خاکرانی ہے۔ یاد الہی کے بغیر عمرِ خضر بھی بے کار ہے اور خدا کی یاد میں بسر کیا ہوا ایک لمحہ بھی ہزاروں سال کی زندگی سے بہتر ہے۔“
(حیات سروری کی عبارت ختم ہوئی)

فارسی کے عظیم شاعر خاقانی علیہ الرحمہ نے یاد الہی کی فضیلت پر کیا خوب فرمایا ہے:

پس از سی سال اس معنی محقق شد بخاقانی

کہ یک لمحہ با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

(ترجمہ) تیس سال (غور و فکر) کے بعد خاقانی بہ تحقیق یہ سمجھ سکا ہے کہ خدا کے ساتھ ایک لمحہ گزارنا یعنی تھوڑی دیر بھی ذکر الہی میں بیٹھنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت سے بہتر ہے (اس لئے کہ ذکر الہی کو بقا ہے اور چیزوں کو فنا ہی فنا ہے)۔

موت پر حضرت فقیر نور محمد سروری علیہ الرحمہ کی اعلیٰ تقریر کے بعد قرآن اور حدیث سے چند باتیں قارئین کرام کو سنا کر یہ عاجز (اللہ تعالیٰ اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) حضرت محدث دکن کے سفرِ آخرت کا بیان قلمبند کرے گا۔

قرآن پاک سے موت کے بارے میں چند نکات:

قرآن پاک میں موت کا ذکر ان گنت جگہوں میں وارد ہے یہاں صرف سورہ عنکبوت پارہ (۲۱) کی آیت نمبر (۵۷) اور اس کی ضروری تشریح عرض کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ لکھنے والے اور پڑھنے والوں کو پورا پورا فائدہ پہنچائے آمین۔ بحرہ سید المرسلین۔

رب العزت کا ارشاد ہے ”کل نفس ذائقۃ الموت ثم الینا ترجعون“ (ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ پھر ہماری طرف ہی پھرو گے)

واضح ہو کہ اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ ہر زندہ مخلوق کو موت ہے خواہ انسان ہو یا جن و فرشتہ اور ہر ماسوی اللہ کو فنا ہے خواہ جاندار ہو یا نہ ہو اسی لئے یہاں

تذکرہ حضرت محدث دکن

نفس فرمایا اور فنا کے ذکر پر نفس نہ فرمایا بلکہ ارشاد ہوا (سورہ الرحمن آیت ۲۶) ”کل من علیہا فان“ (زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے) یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ موت سب کو ہے مگر موت کا بقا سب کو نہیں البتہ انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین یعنی اولیاء اللہ کو موت آنی ہے پھر زندگی دائمی ہے اس لئے ذائقہ فرمایا۔ یہاں یہ بات بھی لائق فکر ہے اور یہ نکتہ بھی ”تم الینا ترجعون“ سے حاصل ہوتا ہے کہ موت عدم محض کا نام نہیں بلکہ موت کے بعد حساب و کتاب جزا اور سزا یقینی ہے اور سب کی پیشی حق تعالیٰ ہی کے حضور میں ہوگی کسی اور کے ہاں نہیں۔ اسی سلسلہ میں سورہ یونس کی آیت نمبر (۶۳) پر بھی غور کریں۔ ارشاد ربی ہے اولیاء اللہ کے بارے میں ”لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا و فی الآخرة لا تبدل لکلمات اللہ ذلک هو الفوز العظیم“ (ان کے لئے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں (بھی)، اللہ تعالیٰ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہی بڑی کامیابی ہے) واضح ہو کہ لھم البشری کی تفسیر میں علامہ حسن واعظ کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بشارت سے مراد یہ ہے کہ اولیاء کرام علیہم الرحمۃ کو نزع کے عالم میں فرشتے خوشخبری دیتے ہیں اور بندہ مومن جنت میں اپنے گھر کو دیکھ لیتا ہے اور فرشتے سلام کرتے ہیں۔ اس کا ہم نے اپنے استاذ مکرم مرتبی بے بدل حضرت مولانا ابوالوفا علیہ الرحمۃ کے انتقال پر مشاہدہ کیا۔ ہم نے عالم سکرات میں آپ کو یوں فرماتے ہوئے سنا ”میں نے اپنا ایک نیا گھر بنا لیا ہے“ اور آپ کے چہرہ پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی زبان میں اس شعر کے مصداق تھے:

نشان مرد مؤمن با تو گویم

چوں مرگ آید تبسم برب اوست

اور اس عاجز نے اپنے والد بزرگوار کو رات کے دو بجے بتاریخ ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۸ء انتقال سے ایک لمحہ پہلے دیکھا کہ آپ نے کسی سے مصافحہ کے لئے اپنے دونوں ہاتھ

تذکرہ حضرت محدث دکن

آگے کیے اور دوسرے لمحے خود بخود آنکھیں اور لب مبارک بند کرتے ہوئے لیٹ گئے۔ اور انتقال سے آدھ گھنٹہ پہلے کلمہ طیبہ کی بیس منٹ تک تکرار کی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون:

بنا کردہ خوش رسمے بچاک و خون غلطین

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

(ترجمہ: خاک و خون میں لوٹنے کی اچھی رسم کی بنا ڈالی، اللہ تعالیٰ ان پاک طینت عاشقان الہی پر رحمت نازل فرمائے)

عالم ارواح میں نوار و روح کا استقبال

امام احمد اور نسائی رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے انسان کی موت کے بارے میں ایک طویل حدیث بیان فرمائی ہے۔ تازہ وارد میت کی روح کا جو استقبال ملا اعلیٰ میں ہوتا ہے یہاں مذکورہ حدیث شریف سے متعلق عبارت نور المصابیح ترجمہ زجاجة المصابیح (حصہ چہارم ص ۱۰۹) سے نقل کی جاتی ہے تاکہ عالم برزخ کی زندگی کی ایک جھلک قارئین کرام کی نذر کی جائے۔

”ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کسی مسلمان کی موت کا وقت قریب آ جاتا ہے (اور سکرات شروع ہو جاتی ہے تو اس وقت مسلمان کی جو عزت ہوتی ہے وہ سننے کے قابل ہے، جسم تو دنیوی کفن میں لپٹا ہوا قبر میں رہتا ہے اور روح کے لئے خاص اہتمام کیا جاتا ہے وہ اس طرح کہ) رحمت کے فرشتے سفید ریشمی لباس لئے ہوئے آکر مرنے والے کے پاس بیٹھتے ہیں اور بڑے ادب سے کہتے ہیں (اے پاک روح! دنیا میں چند روز اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتی رہی، آج اس کا تجھے صلہ مل رہا ہے) اللہ سے تو راضی اور تجھ سے اللہ راضی! تیرے لئے رحمت کے سامان مہیا ہیں، طرح طرح کی نعمتیں اور گل و ریحان تیار ہیں، دنیا کے مصیبت کدہ کو چھوڑ کر

ان نعمتوں کی طرف چلی آ (دیکھ تیرے لئے کیا کیا آؤ بھگت کی جا رہی ہے اور) سب سے بڑی نعمت تو تیرے لئے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی اور خوش ہیں، ناراض نہیں ہیں (یہ خوش خبری سن کر) جب روح جسم سے نکلتی ہے تو مشک کی طرح عجیب خوشبو اس کی روح سے نکل کر پھیلتی ہے، فرشتے (بڑی تعظیم کے ساتھ) ہاتھوں ہاتھ مسلمان کی روح کو لئے ہوئے یکے بعد دیگرے آسمانوں کے دروازوں تک پہنچتے ہیں (آسمانوں پر جو عزت اس کی ہوتی ہے وہ بھی قابل دید ہے) ہر آسمان کے فرشتے (اس کی روح کی خوشبو کو دیکھ کر بڑے تعجب سے) کہتے ہیں ماشاء اللہ کیا خوشبودار روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے۔ پھر (اللہ تعالیٰ کے حکم سے علیین میں جہاں مسلمانوں کی روحوں جمع ہیں اس نئی آئی ہوئی روح کو لے جاتے ہیں جیسے تم لوگوں سے ایک زمانہ کا کچھڑا ہوا شخص واپس آکر ملتا ہے تو تم اس کی ملاقات سے کس قدر خوش اور شاداں ہوتے ہو ویسے ہی (علیین میں جہاں مسلمان روحوں تھیں) یہ نئی روح آکر ملنے سے وہ سب ایسے ہی بے حد خوش ہوتے ہیں اور اس آئی ہوئی روح کو پہلے کی روحوں گھیر لیتی ہیں، اور دنیا میں جن جن کو وہ چھوڑ کر گئے ہیں، ان سب کے احوال پوچھتے ہیں، ان ہی میں کی بعض روحوں کہتی ہیں (اجی نئی روح دنیا چھوڑ کر) سکرآت کی تکلیف اٹھا کر ابھی آئی ہے اس کو آرام لینے دو پہلے کی روحوں پھر اس نئی آئی ہوئی روح سے پوچھتی ہیں؟ اچھا یہ تو بتاؤ کہ فلاں شخص کو ہم چھوڑ کر آئے تھے وہ کیسا ہے؟ یہ روح کہتی ہے وہ تو میرے پہلے ہی مر گیا ہے کیا وہ نہیں آیا تو وہ روحوں کہتی ہیں افسوس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بری روحوں کو رکھنے کا جو مقام ہے جیسے دوزخ کو ہاویہ بھی کہتے ہیں ایسے ہی برزخ میں بری روحوں کو رکھنے کی جگہ کو بھی ہاویہ کہتے ہیں (برزخ کے اس ہاویہ میں اس کو پہنچا دیا گیا ہے اس لئے وہ ہمارے پاس نہیں آیا“

(نور المصابیح کی عبارت ختم ہوئی)

تذکرہ حضرت محدث دکن

در حقیقت یہ حدیث شریف سورہ نحل پارہ (۱۴) کی آیت نمبر ۳۲ کی تشریح اور تفسیر ہے اور اس آیت شریف کا بھی مطالعہ کر لیا جائے:

الذین تتوفاهم الملكة طيبين يقولون سلام عليكم ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون (یہ متقی لوگ وہ ہیں کہ جب فرشتے ان کی جانیں نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ (شرک و کفر اور فسق و فجور سے) پاک ہوتے ہیں تو ان (پاک ہستیوں) سے کہتے ہیں تم پر (اللہ کی) سلامتی ہو تم بہشت میں داخل ہو جاؤ اس (حسن عمل) کے بدلہ میں جو تم کیا کرتے تھے۔

قرآن پاک اور احادیث شریفہ کی روشنی میں گذشتہ صفحات میں جو عرض کیا گیا اس سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ آخرت کی زندگی حقیقی زندگی ہے۔ مرد مؤمن مکان اور زمان کی قید سے آزاد ہو کر اطلاقیت حاصل کرتا ہے! اور اللہ تعالیٰ کی اجازت سے کسی کو خوشخبری سناتا ہے، کسی کی مدد کو آتا ہے۔ فرشتوں کی طرح جہاد میں غازیوں کی مدد کرتا ہے۔

حضرت مخدوم الملک شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ معروف مخدوم بہار شریف (م ۱۸۲ھ) مکتوبات سے صدی میں فرماتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو بزم صوفیہ از سید صباح الدین عبدالرحمن ص ۳۸۵):

مخدوم بہار شریف کا سالک پر تجلیات الہیہ کا بیان

”جب سالک کا دل آئینہ کی طرف صاف ہو جاتا ہے تو نور تجلی کی شان میں ظاہر ہوتا ہے اور خداوند تعالیٰ جس صفت کے ساتھ چاہتا ہے اپنی تجلی سے سالک کو سرفراز کرتا ہے مثلاً سالک حیات کی صفت میں تجلی سے متصف ہوتا ہے تو وہ حضرت خضر اور حضرت الیاس کی طرح حیات جاودانی پاتا ہے اور اگر کلام کی صفت میں تجلی ہوتی ہے تو وہ حضرت موسیٰ کی طرح خدا سے تکلم ہوتا ہے اور اگر تخلیق کی صفت میں تجلی پاتا ہے تو اس میں وہ بات پیدا ہوگی جو حضرت عیسیٰ میں تھی۔“

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
تحفة المؤمن الموت (مسلمان کے لئے موت تحفہ اور ہدیہ ہے) اس لئے کہ موت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے اور طرح طرح کی نعمتیں نصیب ہوتی ہیں۔ اس حدیث شریف کی روایت امام بیہقی نے شعب الایمان میں کی ہے۔
(اس حدیث شریف کا مشکاۃ المصابیح اور زجاۃ المصابیح کے باب تمنی الموت و ذکرہ میں مطالعہ کیا جائے)

حضرت مجدد الف ثانی کا استقبال موت

اس حدیث شریف کی روشنی میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے موت کا کس طرح استقبال کیا ملاحظہ فرمائیے۔ مقامات خیر سوانح حضرت شاہ ابوالنجہ قدس سرہ (م ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء) میں حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی دہلوی (م ۱۹۹۳ء) علیہ الرحمہ ص ۶۴ میں لکھتے ہیں:

”رحلت سے کچھ دن پہلے خوب خیرات کیا حتیٰ کہ استعمال کے کپڑے بھی برادرانِ طریقت کو دیدیئے۔ بعض افراد کو خیال ہوا شاید یہ خیرات دفع بلیہ کے لئے ہے؟ جب آپ کو اس بات کی خبر ہوئی تو فرمایا یہ سب نعمت وصال کا شکرانہ ہے، اور فرط مسرت سے آبدیدہ ہو کر یہ مصرع پڑھا ”آج ملاوا کنتھ سوں سکھی سب جگ دینوں وار“ (آج اپنے محبوب سے ملنے کا دن ہے اسی خوشی میں تمام دولت لٹا رہا ہوں) (مقامات خیر کی عبارت ختم ہوئی)

اس عاجز نے حضرت مولانا زید دہلوی علیہ الرحمہ کو اپنی آخری ملاقات مئی ۱۹۹۳ء میں دیکھا فرما رہے تھے ”موت کا انتظار کر رہا ہوں“

یہ عاجز اپنے موضوع سے بہت دور نکل گیا ہے۔ موت کے بعد اہل اللہ کے دو چار واقعات بیان کر کے آگے بڑھتا ہے تاکہ اس مادی دنیا میں مادہ پرستوں کی

تذکرہ حضرت محدث دکن

آنکھیں کھلیں اور ایسے لوگ حقیقت سے روشناس ہو جائیں۔

حضرت شاہ سیف الدین مجددی کی بعد از وفات ایک کرامت

حضرت شاہ سیف الدین حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے پوتے ہیں۔

آپ کا انتقال سرہند شریف میں ۱۰۹۶ھ / ۱۶۸۵ء کو ہوا۔ کتاب۔ ”برکات معصومی“

کے مؤلف لکھتے ہیں کہ جب آپ کے جنازے کو لے کر چلے ہیں تو جنازہ لوگوں کے

ہاتھوں سے بالا ہو کر ہوا میں جا رہا تھا۔ لوگ اچھل کر ہاتھ پہنچانا چاہتے تھے تو کم ہی

کسی کا ہاتھ پہنچتا تھا اور جب قبر کے پاس پہنچے تو جنازہ خود بخود نیچے آگیا۔ اس کیفیت

کو غیر مسلموں نے بھی دیکھا اور ان میں سے چند مسلمان بھی ہو گئے۔

مخدوم جہانیاں جہاں گشت کو حضرت زکریا ملتانی اور آپ کے پوتوں سے یہ

خطاب ملا

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہ نے ایک عید کے روز حضرت

ہاؤ الدین زکریا ملتانی، حضرت شیخ صدر الدین عارف اور حضرت شیخ رکن الدین

(پہلے حضرت زکریا ملتانی کے فرزند اور دوسرے پوتے ہیں) کے مزاروں پر جا کر

مراقبہ کیا اور مراقبہ میں عیدی طلب کی تو ان بزرگوں کی جانب سے عیدی میں

”مخدوم جہانیاں“ کا لقب ملا اور جب وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں جو کوئی

دیکھتا بے اختیار کہتا کہ ”مخدوم جہانیاں“ آتے ہیں۔ چونکہ سیاحت آپ نے بہت

کی اس لئے ”جہاں گشت“ بھی کہلائے۔

بعد وفات حضرت خواجہ محمد چشتی کا اپنے مرید خواجہ یوسف چشتی کو حفظ قرآن

کی تدبیر بتانا

حضرت خواجہ یوسف چشتی قدس اللہ سرہ کو قرآن مجید یاد نہ تھا، جس کی وجہ سے

وہ پریشان رہتے تھے۔ ایک رات اسی فکر میں سو گئے۔ خواب میں اپنے پیر خواجہ محمد

تذکرہ حضرت محدث دکن

چشتی قدس اللہ سرہ العزیز کو دیکھا، فرماتے ہیں کہ تمہارا کیا حال ہے؟ میں تمہیں پریشان دیکھتا ہوں۔ آپ نے جواب دیا پریشانی کا سبب کلام اللہ کا یاد نہ ہونا ہے! فرمایا۔ ایک سو مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ لیا کرو، اس کی برکت سے تمہیں کلام اللہ یاد ہو جائے گا آپ نے بیدار ہونے کے بعد ایسا ہی کیا۔ چنانچہ حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور سورہ فاتحہ کی برکت سے پورا کلام اللہ خواجہ یوسف چشتی کو حفظ ہو گیا۔ آپ ہر روز پانچ قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو سیر الاولیاء، از امیر خورد کرمانی ص ۱۲۱)

بعد وفات حضرت محدث دکن کی ایک کرامت

اس سلسلہ کو ختم کرتے ہوئے یہ عاجز راقم (اللہ تعالیٰ اس کو دارین میں عافیت سے رکھے) اپنے پیر کی بعد از وفات ایک کرامت کا ذکر کرتا ہے۔ حضرت محدث دکن قدس سرہ کا انتقال اگست ۱۹۶۳ء میں ہوا اور اس عاجز کو عربی زبان اور ادب کی خدمات کے صلہ میں صدر جمہوریہ ایوارڈ جولائی ۱۹۸۶ء میں عطا ہوا اور اس کی خوشخبری پیر و مرشد قدس سرہ نے اس عاجز کو ایوارڈ کے اعلان سے ایک ماہ پہلے دیدی۔

پچھلے صفحات میں جو کچھ عرض کیا گیا اس کا مقصد یہ تھا کہ قارئین کرام کو متوجہ کیا جائے کہ موت کے بعد والی زندگی حقیقی زندگی ہے۔ اور اس عالم میں منتقل ہونے والے حضرات کا اس دنیا میں رہنے والوں سے برابر ربط قائم رہتا ہے لیکن اس کے بعض شرائط ہیں اور اس ربط پر اتنے صحیح اور سچے واقعات ہماری تاریخ میں موجود ہیں جن کا درجہ تو اتر تک پہنچ جاتا ہے۔ اردو زبان میں اس پر جناب عبدالحمید سالک صاحب ایڈوکیٹ لاہور کی کتاب ”سیرت النبی بعد از وصال النبی“ کا مطالعہ ہی مفید ہوگا۔

ان چند تمہیدی مضامین کے بعد یہ عاجزا اپنے پیرو مرشد قدس سرہ کے سفر آخرت کا بیان شروع کرتا ہے۔

حدیث وصل آل مخدم عالم مگر شاید بہ خون دل نولیم علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے طبرانی کی ایک حدیث شریف بیان فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ”اے لوگو! میرے بعد جس شخص کو مصیبت پہنچے وہ میری جدائی کو یاد کر کے اپنی مصیبت سے تسلی حاصل کرے، کیونکہ امت کے لئے میری جدائی سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں!“ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا۔ ہماری جانیں، ہمارے باپ دادا اور ہماری مائیں آپ پر فدا ہو جائیں!

قاضی فدائے یار ہوا کیا بھلا ہوا

صدقے ہوا نثار ہوا کیا بھلا ہوا

ابو الجوزاء رحمۃ اللہ علیہ ایک جلیل القدر تابعی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد اہل مدینہ (علی صاحبھا التحیۃ والسلام) کو اگر صدمہ پہنچتا تو اس طرح تعزیت دی جاتی۔ صبر کرو! اور پھر ”ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ“ پڑھتے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں تمہارے لئے اچھا نمونہ ہے۔ جب اللہ کے رسول ہی نہ رہے تو کوئی دوسرا کیا رہے گا۔ یعنی مصیبت کے پیش آنے پر صبر کرے، باہمت بنے، خوب سمجھ لے کہ دنیوی زندگی فانی ہے یہاں کسی کے لئے دوام نہیں

آج وہ . کل ہماری باری ہے

اصحاب کرام رضی اللہ عنہم جس طرح صبر کرتے چلے ہیں ہم بھی صبر کریں۔ مصیبت کا ایک وقت ہوا کرتا ہے آج آئی اور کل گئی تو تم پر کوئی مصیبت آن پڑے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کی مصیبت کو یاد کر لو۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

وفات سے دو سال پہلے ماہ رمضان المبارک میں ہمارے حضرت کو شدید بخار آگیا۔
عرض کیا گیا تراویح اور تہجد بیٹھ کر ادا فرمائیں تو مناسب ہے ، ناگواری کے ساتھ
ارشاد فرمایا:

”بابا میں دنیوی کاروبار کے لئے تو ضعیف اور بوڑھا ہوں لیکن

آخرت کے کاموں کے لئے برابر تندرست ، توانا اور جوان ہوں“

چنانچہ حسب عادت مبارک کھڑے رہ کر ہی آپ نے تراویح اور تہجد ادا فرمائی۔
۶ / ربیع الاول ۱۳۸۳ھ دو شنبہ کا دن گزرنے کے بعد حضرت قبلہ پر عارضہ قلب کا
حملہ ہوا ، تکلیف ناقابل برداشت ہو گئی ، تنفس بڑھ گیا البتہ تین بجے رات کے بعد
کچھ افاقہ ہوا۔ دوسرے دن کے ایک بجے دوسرا حملہ ہوا جس پر آپ نے ارشاد فرمایا:
”وجاءت سكرة الموت بالحق“ (سچ موت کی بے ہوشی آپہنچی) سکرات کا عالم
شروع ہو چکا ہے ، عزیز و قرب جو مجھ سے دور ہیں انھیں بلا لیا جائے۔

آخری لمحات

ہمارے حضرت کے خصوصی معالجین ڈاکٹر میر محمد علی (معظم جاہی مارکٹ) ، ڈاکٹر
پروفیسر ابوالحسن صدیقی سول سرجن دواخانہ عثمانیہ (مقیم مانی سوٹا۔ امریکہ) اطلاع
ملنے پر فوراً تشریف لائے اور علاج شروع فرمایا۔ مجرب ترین دوائیں استعمال ہوتی
رہیں ، ان خوش تقدیر معالجین نے ہمارے حضرت کے علاج میں کوئی دقیقہ
فروگذاشت نہ کیا۔ مرض کے ابتدائی حملہ سے تا وصال یہ حضرات وقتاً فوقتاً ہمارے
حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے ، ضروری تشخیص کے بعد دوائیں تجویز ہوئیں ،
الغرض علاج کا ایسا بہتر انتظام تھا جو بڑے رئیس کو بھی میسر ہونا ممکن نہ تھا۔ لیکن
منشاء الہی کچھ اور تھا ”مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی“ حضرت کے ان معالجین نے
کامل آرام کے لئے گفتگو کرنے کی ممانعت فرمادی تھی اس لئے ہمارے حضرت کا
یہ زمانہ محویت اور استغراق کے ساتھ یاد الہی میں گذرا البتہ عزیز و قریب اور مریدین

تذکرہ حضرت محدث دکن

و معتقدین کو روزانہ صبح اور شام دور سے کھڑے کھڑے دیکھنے کا موقع دیا جاتا اس سارے اہتمام اور انتظام کے باوجود بالآخر (۱۸ / ماہ ربیع الاخر ۱۳۸۳ھ / ۲۷ / اگست ۱۹۶۳ء رات کے چار بجے آپ پر قلب کا تیسرا حملہ جان لیوا ثابت ہوا، روح مبارک جب پرواز ہوئی تو حضرت کی خدمت فیض رجت میں ڈاکٹر محمد علی صاحب، مولانا حضرت ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ صاحب، میاں سید شاہ حبیب اللہ صاحب، میاں سید شاہ رحمت اللہ صاحب، جناب سید شاہ محمد قادری، میاں سید شاہ ثناء اللہ صاحب تشریف فرما تھے۔ وفات سے پہلے ہمارے حضرت نے مبارک آنکھیں کھولیں جناب ڈاکٹر صاحب روبرو تھے دریافت فرمایا کیا وقت ہے اور کونسا دن ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے عرض کیا آٹھ بجکر ۲۱ منٹ ہوئے ہیں اور پنجشنبہ کا مبارک دن ہے یہ سن کر ارشاد فرمایا۔ اللہ حافظ اور آنکھیں بند کر لیں اور جان جان آفریں کے سپرد فرمادی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

می رود از فراق شہ، خون دل از دو دیدہ ام
دجلہ بدجلہ یم بہ یم، چشمہ بہ چشمہ جو بجو

جناب ڈاکٹر ابوالحسن صدیقی ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے حسب معمول تشریف لائے جناب ڈاکٹر محمد علی صاحب نے انتقال کے بعد شال سر سے پیر تک اوڑھا دی تھی دریافت کیا تو ڈاکٹر محمد علی صاحب نے اشارہ سے بتادیا تو آپ روتے ہوئے باہر نکل کھڑے ہو گئے۔

ان دونوں خوش تقدیر مخلص معالجین کا تقریباً اکثر یہ معمول تھا کہ کلینک اور دوا خانہ جانے سے پہلے گھروں سے نکل کر حضرت قبلہ کی خدمت فیض رجت میں حاضر ہوتے حضرت کی حالت دیکھ کر کچھ دوائیں تجویز کرتے پھر اپنے اپنے کام پر روانہ ہو جاتے اس حاضری کا اللہ تعالیٰ نے ایسا صلہ عطا فرمایا کہ آخری سانسیں ہمارے حضرت کی ان کے سامنے نکلیں ارشاد ربی سچ ہے ”هل جزاء الا احسان الا احسان۔ فبای آلاء“

تذکرہ حضرت محدث دکن

ربکما تکذبن۔ (کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے؟ پس اے جن و انس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟
علامہ اقبال کی ایک رباعی

علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے یہ رباعی تو اپنے لئے کہی تھی مگر ہمارے حضرت قدس سرہ پر حرف بہ حرف صادق آتی ہے:

نیسے از جاز آید کہ نہ آید سرود رفتہ باز آید کہ نہ آید
سرآمد روزگارے این فقیرے دگر دانائے راز آید کہ نہ آید
ایک درد بھری نظم از خواجہ عبدالعلی صدیقی

برادر طریقت جناب خواجہ عبدالعلی صدیقی نقشبندی قادری علیہ الرحمۃ نے ہمارے حضرت کے وصال پر ایک درد بھری نظم لکھی اس کے چند شعر قارئین کرام کی نذر ہیں:

عبداللہ نام پاک ہے اس نام کے نثار	ہے اس میں عبدیت بھی شریعت کا نور بھی
کیا عشق و اتباع رسالت میں جان دی	سرکار میرے! آپ سے خوش تھے حضور بھی
سن آپ کا جو تھا وہ محمدؐ (۹۲) کے تھے عدد	اعجاز تھا دلائل نبوت کا نور بھی
صدیقی! نقشبندی چمن میں حضور کے	ایمان کا ہے کیف، یقیں کا سرور بھی
لازیب میکدہ بھی ہے یہ اور چمن بھی ہے	اور اس کے ساتھ مرکز شرح صدور بھی
تھا فیض شرح صدر طے دو سن وصال	یعنی ظہور نور بھی۔ نور ظہور بھی

۱۳۸۳ھ

۱۳۸۳ھ

دل کے ٹکڑے از الحاج مرزا شکور بیگ

اسی طرح برادر طریقت جناب مزار شکور بیگ صاحب نے بھی بعنوان ”دل کے ٹکڑے“ اپنے درد بھرے جذبات کا اظہار فرمایا ہے۔ اس کے بھی چند اشعار سماعت

تذکرہ حضرت محدث دکن

فرمائیں:

سید عبداللہ شاہ آیا ہوں دل کے ٹکڑوں کی نذر لایا ہوں
 منزلِ حق کے رہنما تم تھے سب کے ہر درد کی دوا تم تھے
 ان کو مسجد سے عشق تھا گویا وقت زائد ہمیں گذرتا تھا
 اب یہ مسجد ہمیں رلاتی ہے چپے چپے سے یاد آتی ہے
 علمِ تازہ کا قلبِ چشمہ تھا فیضِ بخشی میں مثلِ دریا تھا
 خدمتِ خلق پر مقرر تھے حلم اور عاجزی کے پیکر تھے
 جسمِ امراض کا شکار رہا قلبِ مصروفِ یادِ یار رہا
 وہ جنھیں لوگ آج روتے ہیں نقشبندی چمن میں سوتے ہیں
 فیض کا سلسلہ خدا رکھے اس چمن کو ہرا بھرا رکھے
 ہوں بلند ان کے قرب کے درجات سن لے مرزا کی قاضی الحاجات

وصالِ مبارک کی اطلاع اور آخری دیدار

الحمد للہ ہمارے حضرت قدس سرہ در حقیقت ولایت کے آفتاب تھے، یہ آفتاب
 جب غروب ہوا تو اس کی اطلاع بجلی کی طرح حیدر آباد اور سکندر آباد کے گوشہ
 گوشہ میں پہنچ گئی اور پھر اسی تیزی کے ساتھ حکومت آندھرا پر دیش اور دوسری
 ریاستوں کے اضلاع میں پہنچ گئی کہ مریدین اور معتقدین کا آخری دیدار کے لئے
 لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ حضرت کے مبارک جسد کو غسل کے بعد مکان کے
 بڑے دالان میں تخت پر لٹایا گیا آپ کا طویل و عریض مکان دیدار کا شرف حاصل
 کرنے والی خواتین اور مردوں سے بھر گیا، مجبوراً حاضرین کی سہولت کے لئے مکان
 کے باہر کشادہ میدان میں شامیانہ نصب کیا جا کر آپ کو تخت پر لٹا دیا گیا، مستورات
 کے لئے علیحدہ شامیانہ نصب کئے گئے جن میں خواتین دیدار مبارک کے انتظار میں
 ٹھہری رہیں۔ مرد اور خواتین کے لئے باری باری سے دیدار کا انتظام کیا گیا۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

خواعین کے دیدار کے موقع پر پردہ کا معقول اہتمام عمل میں آیا۔ پنجشنبہ کی صبح نو بجے سے لیکر دوسرے دن جمعہ کی صبح سات بجے تک کم و بیش دو لاکھ مشتاقان دیدار نے بلا لحاظ مذہب و ملت یہ سعادت حاصل کی، انتظامات کی سہولت کے لئے آلہ مکبر الصوت کا استعمال رہا اور رات بھر مسجد میں اور ہمارے حضرت کے گھر میں مرد اور خواتین تلاوت کلام پاک کی سعادت سے بہرور رہے۔

نماز جنازہ اور تدفین

نماز جنازہ کے لئے عید گاہ میر عالم کا انتخاب ہوا اور جمعہ کے دن ۹ بجے صبح نماز جنازہ کی امامت جانشین حضرت محدث دکن حضرت مولانا ابو البرکات سید شاہ خلیل اللہ علیہ الرحمۃ نے فرمائی۔ حکومت حیدر آباد نے انتظامات کی سہولت کے لئے پولیس کے دستے متعین فرمائے۔ علاوہ ازیں حکومت نے بتاریخ ۲۸ اگست ۱۹۶۳ء ملازمین سرکار کو ہمارے حضرت کی نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے دفاتر کو تاخیر سے حاضر ہونے کا اعلامیہ جاری فرمایا۔ مدینہ بلڈنگ اور چار مینار سے عید گاہ تک نماز جنازہ میں شریک ہونے والوں کی سہولت کے لئے آر، ٹی، سی کی بسیں بھی چلائی گئیں۔

ہمارے حضرت کے برادر نسبتی جناب سید رفیع الدین صاحب (خسر میاں سید شاہ حبیب اللہ) اور خواہر زادہ اور داماد مولوی سید عبدالرؤف مسافر دوسرے دن صبح بروز جمعہ نلدرگ، عثمان آباد (مہاراشٹرا) سے تشریف لائے اور جناب سید رفیع الدین صاحب حیران ہو گئے کہ جب آپ نے حضرت کے قدم مبارک چھوئے ہیں تو وہ گرم تھے حالانکہ وفات کے بعد انسان کا جسم ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ بعد وفات ہمارے حضرت کی ایسی کئی کرامتیں ظاہر ہوئیں ہیں ان میں سے چند کو بیان کیا جاتا ہے۔

کرامتیں متصلاً بعد وفات

۱۔ حضرہ الاستاذ مولانا ابوالوفاء افغانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ وہ پیشاب دو گھنٹہ سے

زیادہ روک نہیں سکتے تھے لیکن اس دن ساڑھے آٹھ بجے پیشاب سے فارغ ہو کر وضوء فرمایا اور اسی وضوء سے حضرت کی نماز جنازہ تدفین میں شرکت کے بعد شہر کی جامع مسجد معروف بہ مکہ مسجد میں نماز جمعہ ادا فرمائی اور گھر جا کر تقریباً ڈھائی بجے پیشاب سے فراغت حاصل کی اور فرمایا کہ یہ حضرت کی کرامت تھی۔

۲۔ میرے برادر عالی قدر مولوی عبدالجبار خان جن کا مستقر میدک تھا اور وہ محکمہ برقی میں مددگار حساب، پنجشنبہ ۲۷ / اگست ۱۹۶۴ء کو حیدرآباد ایک میٹنگ میں تشریف لائے اور دوسرے دن جمعہ کو نماز جنازہ میں شرکت فرمائی اور نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد اپنے ایک دوست سید شاہ ظلیل اللہ صاحب کے ہمراہ موٹر سائیکل پر اپنے مستقر میدک روانہ ہو گئے۔ ایسے عہدہ دار جن کا مستقر کوئی ضلع ہو وہ جب سرکاری کام کے لئے حیدرآباد آتے ہیں تو ایک دو دن حیدرآباد ہی میں گزار دیتے ہیں۔ چوں کہ یہ میرے بھائی اپنے فرائض سرکاری میں بڑے کار گزار اور مسلم نواز معروف تھے ان کے عہدہ داران بالانے یہ سمجھا کہ یہ شخص ہفتہ اور اتوار حیدرآباد ہی میں گزار کر دو شنبہ کو اپنے مستقر میدک واپس ہو گا انہوں نے اپنی دانست میں یہ خیال کیا کہ اس کو نقصان پہنچانے کا یہ اچھا موقع ہے۔ میدک تار روانہ کیا کہ اعلیٰ عہدہ داروں کی ایک ٹیم معائنہ کے لئے شنبہ ۲۹ / اگست ۱۹۶۴ء کو آرہی ہے سب حاضر باش رہیں۔ ہمارے بھائی صاحب تو حیدرآباد میں تھے اور ان کے ماتحت ملازمین بے حد پریشان تھے کہ مددگار صاحب مستقر پر نہیں ہیں اور ان کو اس کی اطلاع کا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے کیا کیا جائے؟ دفتر رات میں کھلا رکھا گیا اور ملازمین اپنی بساط کے مطابق کام میں مشغول رہے۔ رات کے بارہ بجے جب یہ میدک پہنچے ہیں تو معائنہ کی اطلاع ملی۔ یہ فوراً دفتر پہنچے اور حکم دیا کہ صبح تک کام جاری رہے اور ہر چیز سلیقہ کے ساتھ بغرض معائنہ تیار رکھی جائے اور ہر شخص صبح اول وقت دفتر حاضر ہو جائے۔ معائنہ کنندہ عہدہ دار جب ٹھیک دس بجے دن دفتر پہنچے

ہیں تو سیدھے ان کے اجلاس پر پہنچے ان سب کو اس بات کا یقین تھا کہ لازماً یہ شخص حیدر آباد میں گل گشت کر رہا ہوگا اور بغیر اجازت دفتر سے غیر حاضر رہے گا اور ہم اسی وقت اس کو معطل کر دیں گے مگر واہ رے تصرفِ پیر عالی قدر! ان کا نام لیوا بروقت کئی گھنٹہ براہ سرک سفر کر کے اپنے مستقر کو پہنچ گیا اور ایسا انتظام کیا کہ گرفت اور وارو گیر کی کوئی چیز نہیں ملی۔ فبھت الذی کفر (وہ منکر حیران رہ گیا) حرف بہ حرف صادق آگیا۔

جلوس جنازہ

مقامی اخبارات کا نظری اندازہ ہمارے حضرت کے جنازے میں ڈھائی لاکھ اشخاص کی حاضری کا ہے اور یہ بیان بھی کہ حیدر آباد کی تاریخ میں کسی موقع پر انسانی سروں کا اتنا بڑا سمندر نہیں دیکھا گیا۔ عید گاہ میر عالم میں نماز جنازہ ہمارے حضرت کے فرزند اکبر مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی امامت میں ادا ہوئی اور پھر جنازہ ”نقشبندی چمن“ کی طرف روانہ ہوا۔ محبین اور معتقدین کا عالم یہ تھا کہ جنازہ کو کندھا دینے کی مسابقت میں کئی اشخاص کے سروں سے عمامے گر گئے، پیروں سے جوتیاں چھوٹ گئیں، ہاتھوں کی کلائیوں سے گھڑیاں اور جببوں سے فوٹن پن اور پاکٹس گر گئیں جن کو انتظامی عملہ نے فوراً اٹھا اٹھا کر عید گاہ پہنچایا اور اسپیکر سے اعلان کیا گیا کہ اپنی اپنی اشیاء بعد شناخت حاصل کر لیں۔

ٹھیک ۱۲ بجے جنازہ لاکھوں اشخاص کے ہجوم کے ساتھ نقشبندی چمن پہنچا، الحمد للہ سارے انتظامات مکمل تھے اور ابدی خواب گاہ تیار رہنے سے پاؤ گھنٹہ کے اندر تدفین مبارک عمل میں آئی۔ ہمارے حضرت کو لحد مبارک میں اتارنے کی سعادت حضرت مولانا ابو الوفا اور حضرت مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ علیہما الرحمہ نے حاصل فرمائی۔ (یہ ساری تفصیلات سید شاہ محمد قادری ہمارے حضرت کے نواسہ اور سید شاہ ثناء اللہ قادری نبیرۃ حضرت مخدوم کی توثیق سے قلم بند کی گئی ہیں)۔

ہمارے حضرت کے فرزند اکبر حضرت مولانا ابو البرکات سید شاہ خلیل اللہ نقشبندی قادری مجددی کو اور دیگر دس برادران طریقت کے ساتھ دو سال قبل خلافت عطا فرمائی تھی اس لئے فاتحہ سوم کے دن یعنی بتاریخ ۱۲۱ / ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ روز یکشنبہ ہزاروں اشخاص کے اجتماع میں بعد ختم قرآن مجید اس عاجز راقم کی تحریک پر جانشینی کی تقریب حضرت الاستاذ مولانا ابو الوفا افغانی قدس سرہ کے دست مبارک سے انجام پائی۔ اور مولانا نے محترم نے بصیرت افروز تقریر کے ذریعہ حضرت محدث دکن کے محاسن اور جانشین مکرم کے اوصاف عالیہ بیان فرمائے۔

سجاوہ نشینی

ہمارے حضرت کے جانشین آپ کے بڑے فرزند و بلند تھے۔ آپ کی تعلیم اور تربیت ہمارے حضرت کی زیر نگرانی بڑے اہتمام سے عمل میں آئی۔ علوم ظاہری کے علاوہ باطنی علوم کا اکتساب بھی آپ نے اپنے والد بزرگوار سے ہی کیا اور مدارج سلوک بھی نہایت بصیرت کے ساتھ طے کروائے گئے۔ ہر وقت ہمارے حضرت کی توجہ آپ پر رہا کرتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگانہ صفات کے آپ مجسم پیکر تھے۔ آپ کے بارے میں ہمارے حضرت نے بار بار ارشاد فرمایا کہ آپ سعید ازلی ہیں اور آپ کے ساتھ ہمارے حضرت کی خصوصی محبت تھی۔ ہمارے حضرت کو جذب و سلوک اور طریقت و معرفت کی دو لہریں دادا پیر حضرت بخاری شاہ صاحب قدس سرہ سے پہنچی تھیں الحمد للہ وہی نسبتیں آپ میں بھی بکوبی تھیں۔ اس طرح آپ ہمارے حضرت کے حقیقی معنوں میں جانشین تھے۔

حضرت مولانا ابو الوفا علیہ الرحمۃ نے انتہائی رقت انگیز لہجہ میں ہمارے حضرت کی مقدس اور پاکباز زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ حضرت محدث دکن قدس سرہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روحانی پیام اور الہی مشن کو آگے بڑھانے کے لئے اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپ کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی

خوشنودی کے لئے وقف تھی۔ آپ کا نصب العین یہ تھا کہ خداوند قدوس سے بندہ کے رشتہ کو مضبوط کیا جائے اور ماسوی اللہ کی نفی کی جائے اس فنا اور بقا، نفی اور اثبات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے اس وابستگی کے بعد ساری دنیا ان کے قدموں تلے آگئی اور آپ ایک زندہ جاوید ہستی بن گئے۔ آپ اپنی تعلیمات، یقین محکم، عمل پیہم اور حب حقیقی کے ذریعہ فتح عالم بنے، انسانوں کے دلوں کو ذکر الہی سے گرمایا، ایمان کی تازگی بخشی، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احیاء کیا اور آم والی مسجد حسینی علم میں بیٹھ کر چالیس سال میں ایسی مایہ ناز کتاب زجاجة المصابیح لکھی جو عالم اسلامی میں پڑھی اور پڑھائی جا رہی ہے۔ عالم اسلام آپ کے اس تجدیدی کارنامہ پر جتنا فخر کرے کم ہے۔ اس جلیل القدر کتاب سے یہ بات واضح ہے کہ آپ ایک متبحر عالم اور عظیم مصنف تھے جن کو علوم اسلامیہ میں کامل دستگاہ حاصل تھی، نہ صرف عربی زبان میں زجاجة المصابیح بلکہ اردو زبان میں دس کتابیں۔ یہ اتنا عظیم الشان سرمایہ ہے جو آنے والی نسلوں کی قیامت تک رہبری کرتا رہے گا۔

حضرت الاستاذ مولانا ابوالوفا علیہ الرحمۃ نے فرمایا: مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ آپ کے خلف اکبر ہیں، حضرت نے آپ کو ہدایت اور سلوک کی مکمل تعلیم دی، آپ کے یہ مبارک جانشین جن کی دستار بندی کا شرف انھیں حاصل ہوا ہے اپنے نامور پدر بزرگوار کی زندگی میں وہ سارے مراحل طے کر چکے تھے اور الحمد للہ وہ تمام اوصاف عالیہ۔ خصوصاً زہد و قناعت اور اتباع سنت وغیرہ جو ایک بزرگ دین کی جانشینی کے لئے ضروری ہیں، آپ میں موجود ہیں۔

واضح ہو کہ جانشین حضرت محدث دکن کی مبارک عمر (۵۱) سال کے لگ بھگ تھی اپنے والد نامدار کی جانشینی کے بعد حضرت نے سلسلہ ملازمت سے وظیفہ حسن خدمت حاصل فرما کر اپنی بقیہ عمر فرائض جانشینی میں صرف فرمائی ہمارے حضرت کے مبارک روحانی پیام کو علما عملاً، حالا اور قالا باحسن الوجوہ انجام دیا۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

غیر معمولی اشخاص، بچپن ہی سے اپنی حرکات و سکنات اور نشوونما میں ممتاز ہوتے ہیں ان کے ایک ایک خط و خال میں کشش ہوتی ہے ان کے ناصیہ اقبال سے مستقبل کا نور خود بخود چمک چمک کر تہجہ کا پتہ دیتا ہے، حضرت ابوالبرکات بھی اسی قسم کے لوگوں میں تھے، بچپن ہی میں آپ کے ہر انداز سے سعادت اور بلندی کے آثار نمایاں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ۲۸ سال ہمارے حضرت کی جانشینی اور سجادگی کے فرائض بحسن و خوبی انجام دیئے اور چہار شنبہ کی شب (۱۱ بجے، جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ / ۳ نومبر ۱۹۹۲ء) داعی اجل کو لبیک فرمایا۔ حضرت کے تفصیلی احوال ان شاء اللہ ”حضرت محدث دکن کے اولاد امجاد“ میں بیان ہوں گے۔

ایصال ثواب اور چہلم

صوبہ جات، اضلاع اور دیہات میں متوسلین نے اپنے اپنے مقامات پر قرآن خوانی اور جلسوں کا انتظام کیا اور پھر فاتحہ چہلم کے موقع پر بھی ہزاروں معتقدین نے قرآنی خوانی میں شرکت کی اور ان سب کو کھانے کھلائے گئے۔ اور پھر الحمد للہ ہر سال ۱۸ اور ۱۹ ربیع الآخر کو سالانہ فاتحہ ہوا کرتے ہیں جس میں ہزاروں متوسلین اور معتقدین شریک ہوتے ہیں اور علماء کے مواعظ سے مستفید ہوتے ہیں۔ اور دوسرے دن یعنی ۱۹ ربیع الآخر بعد نماز فجر طعام نیاز کھلایا جاتا ہے۔

ماہانہ فاتحہ

برادر عالی قدر جناب سید احمد شاہ صاحب ہر ماہ ۱۸ ربیع الثانی کو تا ایں دم درگاہ شریف میں قصیدہ بردہ شریف کی مجلس منعقد کرتے ہیں۔ اس محفل میں جانشین حضرت محدث دکن تشریف لایا کرتے تھے اور اب آپ کے جانشین کا بھی یہی معمول ہے۔

پیغامات تعزیت

حضرت محدث دکن کی ”سوئے گردوں رفت زان را ہے کہ پیغمبر گذشت“ رحلت کی خبر شائع ہوئی تو ملک بھر کے علماء اور زعماء نے تعزیت کی۔ اخبارات و رسائل

نے تعزیتی بیانات شائع کئے۔ دینی اور اسلامی اداروں نے قرار دادیں منظور کیں۔ جا بجا جلسے ہوئے جن میں ہمارے حضرت کی سیرت اور خدمات پر تقریریں کی گئیں۔ متعدد شہروں میں ایصالِ ثواب کے اجتماعات ہوئے۔ ہمارے حضرت کے مداح اور ارادت مند لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ اس لئے شہروں اور دیہات میں سمجھوں نے اپنے اپنے طور پر اظہارِ عقیدت اور ایصالِ ثواب کے طریقے اختیار کئے۔ یہ ساری تفصیلات اخبارات اور رسائل میں شائع ہوتی رہیں۔ یہاں ان سب کا احاطہ کیا جائے تو طوالت ہو جائے گی اس لئے چند خطوط تعزیت اور پیغامات نقل کئے جاتے ہیں۔ ہمارے حضرت کے وصال سے ایک دن قبل حیدر آباد کے معروف و مشہور شیخ اور واعظ حضرت سید محمد بادشاہ حسینی علیہ الرحمہ کا اپنے مسکن قادری چمن میں انتقال ہوا۔ اس طرح ایک دن کے وقفہ سے حیدر آباد دو عظیم المرتبت شیوخ کے فیوض سے محروم ہو گیا۔ اس وجہ سے تعزیت دینے والے اصحاب نے ان دونوں بزرگوں کی ایک ساتھ تعزیت پیش کی ہے۔

۱۔ مولانا سید شاہ محمد الحسینی سجادہ نشین روضہ بزرگ گلبرگہ شریف

”ابھی حضرت سید محمد بادشاہ حسینی صاحب کے غم سے آنکھ کے آنسو خشک نہیں ہوئے تھے کہ حضرت مولانا سید عبداللہ شاہ صاحب کا وصال ہو گیا۔ سرزمین دکن کا ذرہ ذرہ ان کے فیض عام سے منور ہو گیا تھا۔ ہماری آنے والی نسل ان کی سرپرستی سے محروم ہو گئی ہے“

حضرت سجادہ صاحب گلبرگہ شریف نے یہ بھی فرمایا کہ ان دو بزرگوں کا سانچہ ارتحال سرزمین دکن کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔

۲۔ تعزیتی جلسہ مسجد چوک

حضرت مہتمم دکن اور حضرت مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری کے وصال پر بعد نماز عصر مسجد چوک میں تعزیتی جلسہ منعقد ہوا جس میں مسلمانوں نے خیراج

تذکرہ حضرت محدث دکن

عقیدت پیش کیا اور یہ قرار داد منظور کی گئی۔

”ہمارا ملک دو عظیم المرتبت علماء دین سے محروم ہو گیا جن کے ارشادات اور روحانی تربیت سے ہزاروں تشنگانِ طریقت سیراب ہوتے تھے۔“

اس جلسہ کی صدارت حضرت مولانا مفتی محمد رحیم الدین صاحب شیخ الجامعۃ النظامیہ نے فرمائی اور حضرت قاری سید حسن شاہ صاحب امام اور خطیب مسجد چوک نے دعاء مغفرت کی۔

۳۔ حضرت خواجہ نظام الدین معتمد عمومی کل ہند مجلس اتحاد المسلمین

”حضرت سید عبداللہ شاہ صاحب نقشبندی کے وصال مبارک سے حیدر آباد کی دینی اور روحانی دنیا کو جو نقصان پہنچا ہے بظاہر اس کی تلافی ممکن دکھائی نہیں دیتی ہماری بد قسمتی ہے کہ ہم ان کے فیضان سے محروم ہو گئے حضرت محترم کی زندگی اور موت ہم سب کے لئے درس اور موعظت رکھتی ہے“

۴۔ مولانا حافظ قاسم صدیقی صاحب نے تعزیتی بیان میں فرمایا

حضرت قبلہ اپنی خاص صفات کے اعتبار سے سلف صالحین اور علمائے دین کی آخری یادگار تھے آپ کا سب سے زیادہ روشن وصف، تقویٰ، زاہدانہ زندگی، مجاہدانہ خاموش اور دینی خدمت تھی“

۵۔ ”یومِ محبوبین“

مجلس چشتیہ حیدر آباد کے زیر اہتمام نبی خانہ اکبر پتھرگٹی میں یومِ محبوبین منایا گیا اور ان دونوں بزرگوں کے انتقال پر ملال پر رنج اور غم کا اظہار کیا گیا۔

۶۔ چیف آرگنائزر مسلم لیگ تلنگانہ

جناب عبداللطیف خان صاحب چیف آرگنائزر نے حضرت محدث دکن کے وصال پر اپنے تعزیتی بیان میں کہا:

تذکرہ حضرت محدث دکن

”حضرت قبلہ نے نصف صدی سے زائد عرصہ تک دین کی اشاعت اور مسلمانوں کی اصلاح کے لئے جو عظیم رول انجام دیا ہے اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کے لاکھوں مریدوں بلکہ تمام مسلمانوں کو ان کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہئے۔“

۷۔ معتمد انجمن اسلامیہ

ملا عبد الباری صاحب نے ہر دو بزرگوں کی جدائی کو ملت اسلامیہ کا ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔

۸۔ نواب ماندور خان

نے کہا کہ ان بزرگ ہستیوں نے علم و عرفان کی جو شمع روشن کی ہے اسے ان کے چاہنے والے انشاء اللہ کبھی بجھنے نہ دیں گے۔

۹۔ لطیفیہ عربیہ کالج مغل پورہ

اس کالج میں تعزیتی جلسہ مقرر ہوا اور جناب سید شاہ محمد عبدالرزاق قادری موسوی معتمد کالج نے مجلس نظماء کی طرف سے ان گراں مایہ ہستیوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا:

”سرزمین دکن ایسی عظیم المرتبت ہستیوں کی خدمات جلیلہ سے محروم ہو گئی جن کی ذات قدسیہ پر نہ صرف حیدر آباد بلکہ سارا ہندوستان اور عالم اسلام بجا طور پر فخر اور ناز کر رہا تھا۔ ایسے دور میں جبکہ ہر طرف الحاد اور بے دینی کی مسموم ہوائیں چل رہی ہیں ان مایہ ناز دینی رہنماؤں کی جدائی سارے ملک کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔“

۱۰۔ بلدیہ کا اجلاس اور قرارداد تعزیت

مجلس بلدیہ عظیم تر حیدر آباد کے اجلاس میں دکن کی دو عظیم شخصوں کے انتقال پر ملال پر رکن بلدیہ مسٹر رحمت علی صاحب نے دو تعزیتی قراردادیں پیش کیں اور

۱۳۔ مولانا شیخین احمد شطاری کامل نے فرمایا

”فقیروں کا دربار بلا لحاظ مذہب و ملت عوام کے لئے کھلا رہتا ہے اور اس سرچشمہ ہدایت سے ہر کس و ناکس مالا مال ہوتا ہے، ان بزرگوں نے اپنے عمل و کردار کے ذریعہ ایسے پاکیزہ نقوش قائم کئے ہیں جنہیں ہم اپنا کر فلاح دارین حاصل کر سکتے ہیں۔“

۱۵۔ پروفیسر (ڈاکٹر) سید عبداللطیف پروفیسر انگریزی جامعہ عثمانیہ

”ملت کے ان دو عظیم المرتبت رہنماؤں کی جدائی قوم کا ایک عظیم نقصان ہے جس کی تلافی اب ممکن نہیں۔ ان کی یاد کو صرف اس صورت میں تازہ رکھا جاسکتا ہے جب کہ ہم ان بزرگوں کی بتائی ہوئی راہ پر چلنے کی کوشش کریں۔“

۱۶۔ صدر مجلس اردو کا تعزیتی بیان

مسٹر جانکی پرشاد صدر اردو مجلس حیدرآباد نے کہا:

”دکن کی دو عظیم ہستیوں کا اٹھ جانا دکن کے بسنے والوں کے لئے ایک نقصان عظیم ہے۔ حضرت سید محمد بادشاہ حسینی اور حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ صاحب نقشبندی قادری کی علمی، مذہبی اور دینی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔“

۱۷۔ قائد پست کردہ اقوام مسٹر شام سندر کا بیان

”ہم سے دکن کی دو عظیم المرتبت شخصیتیں جدا ہو گئیں، اس سانحہ پر جتنا افسوس اور رنج کیا جائے کم ہے۔ ان بزرگوں نے اپنے علم، عمل اور تعلیمات کے ذریعے ساری انسانیت کی خدمت انجام دی ہے۔ لاکھوں افراد ان بزرگ ہستیوں سے بلا تخصیص مذہب و ملت فیض پاتے رہے۔“

۱۸۔ رکن پارلیمنٹ و سابق گورنر اتر پردیش بی رام کشن راؤ کا بیان

”دکن کی یہ مایہ ناز ہستیاں نہ صرف دکن بلکہ سارے ہندوستان کے لئے بلا لحاظ مذہب و ملت قابل تعظیم تھیں۔ ان بزرگوں نے اپنی زندگی کو مخلوق خدا کی خدمت

تذکرہ حضرت محدث دکن

کے لئے وقف کر دیا تھا۔ مادر وطن کو ان بزرگوں پر بجا طور پر فخر حاصل ہے۔
منظومات بروصال مبارک

حضرت محدث دکن قدس سرہ کے وصال پر نزدیک اور دور کے متوسلین اور معتقدین نے جس طرح رنج و غم کا اظہار کیا، جتنے جلسے جا بجا منعقد ہوئے، لنگر تقسیم کئے گئے، ختم شریف ایصال ثواب کے لئے پڑھے گئے، قراردادیں منظور ہوئیں، خطوط شائع کئے گئے، اخبارات و رسائل میں مقالے لکھے گئے، سجادہ نشین حضرت مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ علیہ الرحمہ کی خدمت فیض درجت میں تعزیتی مکتوب بھیجے گئے، جس طرح ان سب کا احاطہ دشوار ہے اسی طرح منظومات تعزیت کا جمع کرنا بھی مشکل ہے۔ اس لئے نمونہ اور یادگار کے طور پر صرف چند نظمیں، قطعے اور تاریخیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

مسدس از محمد اصغر صاحب ابجد حیدر آبادی

پر عبداللہ شہ بدر کمال
از جنوب ہند تا حد شمال
رہنا یوں، عین منزل ہو گیا
قول جن کا معنی قرآن تھا
حال گویا صالحین کی جان تھا
رخ ضیائے حق سے پر تنویر تھا
وہ گل گلزار رمز اولیا
وہ "سلوک نقشبندی" کی ضیاء
وقف بند و رہن خامہ تھی حیات
معرفت سے گرچہ تھی مامور جاں
اور طریقت کا عمل تھا ترجمان
عابدِ مرتاض، عبد ذوالجلال
فی زمانہ جن کی مشکل ہے مثال
عبد اب اللہ سے واصل ہو گیا
فعل حسب سنت و فرمان تھا
نورِ عرفاں ضوفشاں ہر آن تھا
سورہ یوسف کی دل تفسیر تھا
تھی "علاج الساکین" ہر اک ادا
ہو گئی "حق کی محبت" میں فنا
سر بسر "معراج نامہ" تھی حیات
اور حقیقت دیدہ و دل میں نہاں
پر شریعت ہی رہی نوک زبان

تذکرہ حضرت محدث دکن

۲۔ از شاعر قوم جناب علمی افندی صاحب

مسجد خموش اور ہے چپ خانقاہ آج حضرت کو ڈھونڈتی ہے ہماری نگاہ آج
علمی ندائے ہاتفِ غیبی ہے یادگار ہیں جنتِ قدیر میں عبداللہ شاہ آج

۱۳۸۲ھ

۳۔ از جناب محمد اصغر صاحب ابجد صدیقی قادری ملتانی

عارفِ حق پیر عبداللہ شاہ مختشم جانب فردوس جب راہی ہوئے وہ محترم
عرض کی باصدا ابجد نے تاریخ وصال ہے مقام پیر عبداللہ در قصرِ ارم

۱۳۸۲ھ

دیگر:

اٹھ گئے جب پیر عبداللہ تو آئی صدا یہ حقیقی پیرِ شرع رسول اللہ ہے
مصرع تاریخ ابجد ثبت کر یہ لوح پر خوابگاہ پیر سید شاہ عبداللہ ہے

۱۳۸۲ھ

از جناب مولوی عبدالحمید صاحب، استاذ دارالعلوم حیدرآباد

آفتابِ قدس شد تاریک و تاریک جہان نوریں شد نا امید
پنجشنبہ ہجدم آخر ربیع صبحدم شیخ مقدس او کشید
آسمان مغفرت گشتہ محیط کے تو انم فانی گفتن مجید
از فواد "عجز" رضواں گفت سال "ہر عبداللہ شہ جنت رسید

۱۳۸۲ھ = ۱۳۸۱ + ۳

واضح ہو کہ پیغامات تعزیت اور تاریخ وفات کے قطعات ماہنامہ "القدیر" محدث دکن
نمبر بابت اکتوبر ۱۹۶۳ء سے ماخوذ ہیں۔ یہ ماہنامہ جناب احمد اللہ قدیری صاحب کی
ادارت میں شائع ہوتا تھا عالی جناب ڈاکٹر ابوالحسن صدیقی صاحب نے اس عاجز کو یہ

۲۶۴

تذکرہ حضرت محدث دکن

ماہنامہ فراہم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو مع متعلقین دارین میں عافیت سے رکھے۔
آمین۔ حرمتہ سید المرسلین ۱۲ (الباخیرات غفرلہ)

حضرت محدث دکن قدس سرہ کی وفات پر تعزیتی پیامات، نثر و نظم میں ماہانہ تاریخ کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ اس موضوع کے آخر میں قطعہ تاریخ تکمیل طباعت زجاہ المصاحح جلد پنجم بھی پیش خدمت کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔ یہ نظم حیدر آباد فرخندہ بنیاد کے عظیم شاعر جناب محمد عبدالقادر خان خسرو علیہ الرحمہ کی ہے۔ موصوف حضرت محمد عبدالغفور خاں نامی کے فرزند اکبر تھے اور اس عاجز راقم کے استاذ پروفیسر (ڈاکٹر) محمد عبدالمعید خاں صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ و ناظم دائرۃ المعارف العثمانیہ (رحمۃ اللہ علیہم) کے برادر اکبر تھے۔ یہ نظم اگرچہ کہ فارسی میں ہے مگر بڑی سلیس، سادہ، سہل الممتنع، اور حقائق سے پر ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

سید عبداللہ	شیخ	مرشد	ما	عمر	خضرش	دہاد	حق	تعالی
پنجمیں	جلد	ترتیب	دادہ	کرد	کامل	کتاب	زجاہ	
چوں	نمود	ابتدائے	کتابت	یافت	از	سرور	دیں	اجازت
زیں	شرف	از	حضور	رسالت	می	شود	اتسار	زجاہ
رہنمائے	رہ	دین	و	ایمان	مرشد	سالکان	قطب	دوراں
کردہ	تجویز	بہر	مریضان	نسیب	لا	جواب	زجاہ	
کس	ز	طبقتش	نکرد	است	اطلان	متشر	شد	بدوراں
گرچہ	اندر	وطن	ہست	پنہاں	نافہ	مشکناں	زجاہ	
مستند	فقہ	اہل	سنن	شد	معتبر	در	نگاہ	زمن
لہ	الحمد	ملک	دکن	شد	مطلع	آفتاب	زجاہ	
آفتاب	فلک	ایں	نیاید	کو	زوال	و	غروبے	بیاید

تذکرہ حضرت محدث دکن

تا قیامت ہمیں طور باشد در جہاں آب و تاب زجاہ
 بہر احناف تازہ نوید است دیدر این نسخہ ماہ عید است
 در بلاد عرب چون رسیدست از دکن ماہتاب زجاہ
 تا زمانیکہ تالیف باشد طالب علم زو فیض یابد
 نامہ خیر شیخیم بگردد پر ز اجر و ثواب زجاہ
 گر کنی شرح و بسط مسائل ہرگزت پیش آید نہ مشکل
 میکنی زود مقصود حاصل گر بخوانی کتاب زجاہ
 چون خبر از طباعت رسیدہ خسرو کترین دست بستہ
 عرض کردہ سنش طبع گشتہ جلد پنجم کتاب زجاہ

۵۱۳۸۰

برادر طریقت جناب کلیم قریشی صاحب سے اس عاجز نے درخواست کی تھی کہ اس مبارک تذکرہ کے لئے آپ ایک تازہ منقبت لکھیں تاکہ شریک تذکرہ ہو۔ الحمد للہ آنحضرت نے اس مسعود موقع پر اپنے دل کی گہرائی اور سچی عقیدت کے ساتھ ایک بڑی دلکش منقبت روانہ فرمائی۔ قارئین کرام کو اندازہ ہو جائے گا اس منقبت میں ایک خاص کیفیت اور والہانہ انداز ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر اپنے شیخ کی محبت اور عقیدت میں وارفتہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر دل کے اسرار زبان پر لا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

یاو جمیل

نذر بارگاہ شیخ طریقت عارف باللہ، عاشق رسول اللہ ابوالحسنات سید
 عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ از برادر عالی قدر جناب کلیم قریشی صاحب
 نقشبندی وقادری و امام فضلہ:

۲۶۶

تذکرہ حضرت محدث دکن

آنکھیں مدینہ، روئے میں قبلہ گاہ تھا
اللہ کے ولی تھے، نبی کے امین تھے
وردِ زباں تھا صرف رسولِ خدا کا نام
لوحِ جبینِ پاک پہ جلوہ فزا ہلال
قرآن کے فہم تھے تو شعورِ حدیث تھے
سو جان سے رسولِ خدا پر نثار تھے
انداز مسکرانے کا دل موہتا ہوا
حیرت میں چشمِ دل، تو بصیرت تھی دم بخود
پائے رموزِ مرشدِ روشن ضمیر سے
اذکار میں جواب، نہ اُسرار میں جواب
دینِ ضعیف ہو گیا جب خود کہیں خموش
روشن چراغِ قادری و نقشبند ہیں
پیشِ نظر ہمیشہ خدا کی کتاب تھی
جو کام تھا شریعت و سنت کی حد میں تھا
جو بندگی کا حق تھا ادا ہو کے رہ گیا
قوت میں ضعف ڈھلنا تھا تازہ وضو کیساتھ
وہ فرض ہو کہ سنت و واجب کہ نفل ہو
مردِ خدا تھے پیشِ خدا جھومتے رہے
حضرت کی ہر دعا میں تھا یسین کا اثر
ہوتا تھا جس غلام پہ حضرت کا التفات
رحمتِ خدا کی ان پہ کہ مرحوم ہو گئے
یوں کلمہ گو کے ہاتھ میں قرآن دے گئے

تذکرہ حضرت محدث دکن

تھے باکمال آپ کے فیضِ توجہات طالب کو اپنے فیض سے سالک بنا گئے اب کس کو اپنا حالِ غمِ دل سنائیں ہم اب کس سے اپنے غم کا مداوا طلب کریں ہم رھروں کے حق میں صدائے جرس تھے آپ آنکھوں کے نور، روح کو سوز یقیں ملے یہ آرزو ہے آپ کے خادمِ کلیم کی روشن ازل سے شمع ہے پروانہ چاہئے ہمارے حضرت کے اخلاف کرام

حضرت محدث دکن قدس اللہ سرہ کے چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ ہمارے حضرت نے دو صاحبزادوں کو اجازت و خلافت مرحمت فرمائی۔ مختصر حالات ذیل میں درج ہیں۔

حضرت محدث دکن قدس اللہ سرہ نے دو عقد فرمائے۔ زوجہ اولیٰ مرحومہ سے صرف ایک صاحبزادی تھیں جن کا رشتہ جناب مولانا سید یوسف علی صاحب امام و خطیب جامع مسجد شولا پور (مہاراشٹرا) سے قرار پایا اور دونوں بیوی اور میاں نے الحمد للہ اچھی عمریں پائیں اور صاحب اولاد و احفاد ہوئے۔

ہمارے حضرت علیہ الرحمہ نے زوجہ اولیٰ کے انتقال کے بعد نلدرگ (عثمان آباد، مہاراشٹرا) میں سادات گھرانے کی بڑی نیک نفس خاتون سے عقد فرمایا۔ ان زوجہ آخری سے جو اولاد امجاد اور بنات طاہرات ہوئیں ان کی تفصیل حاضر ہے:

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضرت مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ نقشبندی وقادری علیہ الرحمۃ

(وفات، جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ / ۳ / نومبر ۱۹۹۲ء)

مولانا ابوالبرکات علیہ الرحمۃ کی صحیح تاریخ ولادت محفوظ نہیں ہے۔ غالباً ۱۹۱۲ء سے قبل ولادت پائی تھی۔ ابتدائے عمر ہی سے ذہانت و فطانت کے آثار پیشانی سے ظاہر تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حیدرآباد کی معروف درسگاہ علوم اسلامیہ جامعہ نظامیہ میں علوم کی تحصیل کے بعد پنجاب یونیورسٹی کے علوم شرقیہ کے امتحانات سے فراغت حاصل فرمائی۔ ان مشرقی در۔ گاہوں کی تعلیم کی وجہ سے مولانا ابوالبرکات علیہ الرحمۃ کو فارسی اور اردو میں کافی مہارت تھی، ہمارے حضرت محدث دکن نے اپنے چاروں صاحبزادوں کو دینی اور دنیوی علوم کی تحصیل کے بعد کسبِ حلال کے لئے ملازمت سرکاری میں مشغول فرمایا چنانچہ حضرت مولانا ابوالبرکات ہمارے حضرت کے وصال تک سلسلہ ملازمت سے وابستہ رہے۔ البتہ ہمارے حضرت کی ۱۹۶۳ء میں جب وفات ہوئی تو ارشاد و ہدایت خلق کی ذمہ داریوں سے عمدہ برآہونا تھا اس لئے (۵۲) سال کی عمر میں رخصت مستحقہ کے بعد وظیفہ حسن خدمت حاصل فرمایا اور (۲۸) سال یعنی اپنی عمر کا بقیہ حصہ سجادہ نشین حضرت محدث دکن کی حیثیت سے گزار دیا۔ ہمارے حضرت کی مسجد میں جو نظم اور اہتمام، نماز بیچگانہ کی امامت وغیرہ معمولات جاری تھے باحسن الوجوہ انجام دیے۔

عادات کریمہ

مولانا ابوالبرکات علیہ الرحمۃ بڑے متواضع اور حلیم الطبع بزرگ تھے ہر ایک سے شفقت اور نرمی سے پیش آتے تھے۔ طبیعت میں بڑی سادگی تھی جس کا اظہار لباس اور غذاء وغیرہ میں ہوتا تھا۔ آپ نہایت سادہ کھانا تناول فرماتے تھے اور یوں بھی جو سامنے لایا جاتا بے تامل تناول فرماتے۔ آپ کبھی غصہ نہیں فرماتے۔ آپ الحمد للہ مجذوب سالک تھے لیکن جذب غالب بہا کرتا تھا جس کی وجہ سے چہرہ مبارک پر دبدبہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

اور متانت ہوا کرتی تھی:

” رفتار میں کردار میں اللہ کی برہان “

کے مجسم پیکر تھے۔ زہد اور قناعت تو آپ کی خمیر میں تھے۔ مولانا ابوالبرکات کے اوصاف اور احوال کو دیکھ کر قارئین کرام کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مبارک حدیث سننے کو جی چاہتا ہے جو حضرت کے حال پر شاہد ہے:

عن أبي خلد رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اذا رايتم الرجل المؤمن قد اعطى زهدا في الدنيا وقله منطلق فاقربوا منه فانه يلقي الحكمة
(طبقات ابن سعد ۶/۱۳۰ اور التقريب ۲/۱۳۸)

(ترجمہ) ابو خلد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم مرد مؤمن کو اس حال میں دیکھو کہ اس کو دنیا سے زہد (یعنی بے رغبتی) اور کم گوئی دی گئی ہے تو اس کے قریب رہو (اور اس سے فائدہ اٹھاؤ) اس لئے کہ اس پر حکمت (دانائی) کا القاء ہوتا ہے (طبقات ابن سعد ۶/۱۳۰ اور التقريب ۲/۱۳۸)

اس حدیث شریف کی روشنی میں مولانا ابوالبرکات علیہ الرحمۃ کی دانائی کا ایک واقعہ یاد آیا جو اس عاجز سے متعلق ہے۔ اس عاجز کی خدمات مدریسی بحیثیت لیکچرار شعبہ دینیات ساڑھے عین برس بعد بوجہ تخفیف شعبہ ۱۹۵۰ء ختم کر دیئے گئے اور چودہ ماہ بعد دائرۃ المعارف جامعہ عثمانیہ میں بجائے (۳۰۰ تا ۸۰۰) کے (۸۰ تا ۱۲۵) کی جائیداد پر مصحح کی حیثیت سے احکام تقرر وصول ہوئے۔ یہ عاجز مراسلہ تقرر لے کر اپنے پیر و مرشد قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہمارے حضرت کچھ متفکر سے ہوئے کہ اسی جگہ اتنی بڑی ماہوار کی بجائے اس قدر کم مشاہرہ پر تقرر قابل غور ہے۔ پھر ارشاد فرمایا: میاں! سید خلیل اللہ ایسے معاملات میں صاحب رائے اور صاحب بصیرت ہیں ان سے مشورہ کرو، حسب الحکم یہ عاجز مولانا ابوالبرکات کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ

تذکرہ حضرت محدث دکن

نے فرمایا۔ مولوی صاحب! آپ تنخواہ کا خیل نہ کریں خالص علمی تحقیقی کام ہے قبول کر لیں۔ گفتہ او گفتہ اللہ بود! اس عاجز نے ان صاحب حکمت کی بات مان لی اور نتیجہ ۱۹۶۰ء میں دوبارہ شعبہ عربی میں نائز ہوا اور الحمد للہ ثم الحمد للہ ترقیاں حاصل کرنا ہوا صدر شعبہ عربی اور پروفیسر بنا اور عربی زبان کا صدر جمہوریہ ایوارڈ کا بھی مستحق قرار پایا۔ واللہ حمداً کثیراً نا محب ربنا ویرضی!

شادی اور اولاد

مولانا ابوالبرکات کی شادی ہمارے حضرت محدث دکن نے اپنے ہی گھرانے اور برادری میں طے فرمائی آپ کے سر محترم آئند شریف (گلبرگہ) میں وکالت فرمایا کرتے تھے۔ پولیس ایکشن کے بعد موصوف اپنے افرادِ خاندان کے ساتھ پاکستان منتقل ہو گئے حضرت کی اہلیہ بڑی بہدہ اور متقی خاتون تھیں۔ بڑی سلیم الطبع اور خوش مزاج تھیں گھر بھر میں بڑی ہو ہونے کی حیثیت سے سب کی خیر خبر رکھتی تھیں۔

جو دو سخا

حضرت محدث دکن قدس سرہ کی عند حضرت ابوالبرکات بھی بڑے سخی اور جواد تھے۔ پریشان حال اصحاب کی خاص ط پر خبر گیری فرماتے تھے اور نقد و جنس کی تمام ضرورتیں ان کے لئے فراہم کرتے تھے اور اس طرح سے کہ عام طور پر دوسروں کو خبر بھی نہیں ہونے دیتے تھے۔ صرف یک واقعہ جو متعلقہ شخص نے اس عاجز کو بتایا سنانا چاہتا ہوں۔ ہمارے ایک دیہاڑی اور طریقہ اپنا گاؤں چھوڑ کر شہر منتقل ہو گئے تھے صاحب اولاد تھے، حضرت ہی۔ محلہ میں ایک چھوٹی سی مسجد میں امامت کرتے تھے۔ اس مسجد کا انتظامیہ ہمارے حرت کے نواسہ سید شاہ محمد قادری (مقیم ٹورنٹو، کینیڈا) سے متعلق تھا۔ انہوں نے صاحب کو اس مسجد کی امامت سپرد کر دی۔ فارغ اوقات میں یہ چھوٹی موٹی تجان کر لیا کرتے تھے۔ مکان کے لئے ان صاحب نے ایک

تذکرہ حضرت محدث دکن

چھوٹی سی زمین خریدی اور اس کے لئے علی الفور آٹھ سو روپیہ کی ضرورت تھی۔ یہ مولانا ابوالبرکات علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی درپیش مشکل سنائی۔ ان موصوف نے اس عاجز کو بتایا کہ حضرت نے جوں ہی یہ بات سنی فوراً اٹھے اور اپنے خلوت کدہ سے پوری رقم لا کر ان صاحب کے حوالہ کر دی۔ اسی کو کہتے ہیں اس طرح دو کہ ”وائیں ہاتھ سے دے رہے ہو تو بائیں ہاتھ کو تیرے ہو“۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا حضرت ابوالبرکات طبعی فیاضی اور سیر چشمی کے ساتھ حزم و احتیاط، معاملہ فہمی اور دور اندیشی کی صفات عالیہ سے آراستہ تھے، لوگ اپنی مشکلات اور معاملات میں مشورہ اور رہنمائی حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے آپ بڑی بردباری اور دانشمندی سے ان اصحاب کو اپنے ثوروں سے سرفراز فرماتے اور ان کی اعانت فرماتے۔

اولاد و اجداد حضرت ابوالبرکات

حضرت ابو البرکات کے تین صاحبزادے ہیں (۱) سید شاہ انوار اللہ ایم۔ اے جو اس وقت اپنے والد بزرگوار کے جانشین ہیں ”نقشبندی بن“ جہاں حضرت محدث دکن، حضرت کے متعلقین، معتقدین اور برادران طریقہ آرام فرما ہیں اس کو حقیقی معنوں میں نقشبندی چمن بنایا۔ الحمد للہ حضرت محدث دکن قدس سرہ اور حضرت مولانا ابوالبرکات علیہ الرحمۃ کی جانشینی کے فرائض بکل انجام دے رہے ہیں۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ سلسلہ عالیہ کے فیوض کو جاری و سائر رکھے۔ آمین۔ بحرمۃ سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرامین!

تذکرہ حضرت محدث دکن

۲۔ سید شاہ ثناء اللہ سلمہ اللہ، حضرت مولانا ابو البرکات کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ نو عمری میں امریکہ بغرض تعلیم پونچے اور الحمد للہ میڈیکل ٹیکنالوجی میں ایم۔ اے ہیں۔ شکاگو میں مقیم ہیں۔ اپنی ذاتی لیبارٹری قائم کی ہے آپ اپنے تیسرے چچا جناب سید حبیب اللہ مرحوم کے داماد ہیں اور دو صاحبزادیوں اور ایک صاحبزادہ کے والد ماجد ہیں۔ تمام خاندانی اوصاف اور اخلاق عالیہ سے آراستہ ہیں اللہ تعالیٰ مع اہل و عیال دارین میں عافیت سے رکھے آمین۔ بحرمتہ سید المرسلین۔

۳۔ سید شاہ عطاء اللہ، حضرت مولانا ابو البرکات کے تیسرے صاحبزادہ ہیں یہ بھی نو عمری میں بغرض تعلیم امریکہ پونچے اور کمپیوٹر سائنس میں (ایم۔ اے) کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی ہے شکاگو کی قریبی ریاست انڈیانا میں مقیم ہیں۔ آپ کی اکلوتی صاحبزادی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھے۔ آمین۔ بحرمتہ سید المرسلین۔ وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرامین۔

حضرت مولانا ابو البرکات علیہ الرحمۃ کا جب انتقال ہوا تو یہ عاجز ہو سٹن (امریکہ کی ایک ریاست) میں مقیم تھا۔ شکاگو سے یہ خبر اس عاجز کو ملی۔ اس عاجز کے سمدھی جناب کلیم قریشی صاحب ان دنوں اپنے لڑکوں کے ہاں ریاض (سعودی عرب) میں مقیم تھے۔ اس عاجز نے اپنے اس برادرِ طریقت کو یہ روحِ ساخبر فون پر سنائی۔ موصوف نے اس عاجز کو خط لکھا اور اپنے جذباتِ رنج و غم سے آگاہ کیا۔ یہ عاجز مناسب سمجھتا ہے کہ اس مضمون کو جناب کلیم قریشی صاحب کے تعزیتی بیان پر ختم کرے:

”آپ نے یہ روح فرساخبر سنائی کہ ہمارے محترم پیرزادے، جانشین حضرت محدث دکن اس دنیا سے اچانک ہمیں اور اپنے وابستگان کو چھوڑ کر خلد بریں کی طرف چل پڑے انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ غریب الوطنی میں یہ صدمہ قوت، صبر و استقلال سے بہت زیادہ ہے۔ بلاشبہ حضرت خلیل اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جانشین پیر

تذکرہ حضرت محدث دکن

و مرشد تھے۔ ہمارے شیخ طریقت کی نشانی تھے۔ بلکہ ہمارے حضرت قبلہ قدس سرہ کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ حضرت پیر و مرشد کے بعد وہ ہم جیسوں کے لئے ایک مستقل ڈھارس اور ایک ہمت تھے۔ ۲۸ سال تک ہم ان کی وساطت سے اپنے پیر و مرشد کے فیضان سے بخوبی مستفیض ہوتے رہے ہیں۔ یہ روشن چراغ بھی گل ہو گیا۔ مسند بے رونق ہو گئی۔ بزم طریقت اور شریعت میں اب یکساں خلا پیدا ہو گیا۔ وابستگان سلسلہ یتیم تھے اب یسیر بھی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم و کرم فرمائے۔“

۲۔ حضرت سید احمد صاحب نقشبندی

حضرت محدث دکن قدس سرہ کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ آپ کی جب ولادت ہوئی تو آپ کی پھوپھی جو مؤمن آباد ضلع میڑ کے ایک جاگیردار صاحب سے منسوب تھیں اور لا ولد تھیں تو انہوں نے حضرت احمد میاں صاحب کو گود لے لیا جس کی وجہ سے آپ کی بود و باش اور تعلیم وہیں ہوئی اور وہیں سلسلہ ملازمت رہا اور پھر وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے آپ کے عین صاحبزادے۔ سید محمود احمد

۲۔ سید غوث احمد اور ۳۔ سید مظفر حسین ہیں، یہ اپنے والد ماجد کے ساتھ ہی رہتے ہیں اور زمینداری اور زراعت کے کاموں میں مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو دارین میں عافیت سے رکھے۔ آمین!

۳۔ حضرت سید حبیب اللہ صاحب نقشبندی (بی اے)

حضرت محدث دکن کے آپ تیسرے صاحبزادے ہیں۔ آپ عثمانیہ یونیورسٹی کے گریجویٹ تھے۔ سیلز ٹیکس آفس میں منتظم رہے۔ آپ اپنے ماموں کے داماد تھے۔ اہلیہ کے انتقال کے بعد آپ نے بچوں کی صغریٰ اور ان کی دیکھ بھال اور پرورش کے لئے خطیب مکہ مسجد مولانا مفتی سید محمود صاحب علیہ الرحمۃ جو ناظم جامعہ نظامیہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

تھے ان کی معذور پوتی سے شادی کی ان خاتون نے جو ایک سال بعد بیوہ ہو گئی تھیں اپنے شوہر کے خواب کی صحیح تعبیر ظاہر فرمائی اور حضرت حبیب اللہ صاحب کے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کی تعلیم، تربیت اور ان کی شادیوں کی ساری ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائے۔ حضرت سید حبیب اللہ صاحب کے چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں۔

صاحبزادوں میں ۱۔ سید محمد صاحب - ۲۔ سید ولی اللہ صاحب - ۳۔ سید صفی اللہ صاحب - ۴۔ سید نصر اللہ صاحب - جناب سید محمد صاحب ٹورنٹو (کینیڈا) میں مقیم ہیں۔ سید ولی اللہ صاحب کا ان کے والد کی جائداد پر تقرر ہوا اور وہ بی کام ہیں۔ سید صفی اللہ صاحب جدہ میں کار گزار ہیں اور سید نصر اللہ صاحب حیدر آباد میں زیر تعلیم ہیں۔

حضرت سید حبیب اللہ صاحب کی صاحبزادیوں میں سیدہ طاہرہ اپنے تایا کے دوسرے فرزند سید ثناء اللہ صاحب کی اہلیہ ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا۔ اور بقیہ دو صاحبزادیوں میں ایک شولا پور میں قرابت میں بیاہی گئیں اور تیسری صاحبزادی اپنے میاں کے ساتھ جدہ میں مقیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ان کے متعلقین کے ساتھ دارین میں عافیت سے رکھے آمین۔ حرمت سید المرسلین۔

۴۔ حضرت سید شاہ رحمت اللہ (ایم اے) نقشبندی خلیفہ حضرت محدث دکن

صاحبزادہ سید شاہ رحمت اللہ صاحب حضرت محدث دکن قدس سرہ کے سب سے چھوٹے اور چوتھے صاحبزادہ ہیں۔ آپ نے عثمانیہ یونیورسٹی سے عربی زبان اور ادب میں بدرجہ اولیٰ امتیازی کامیابی حاصل فرمائی۔ مگر ایم اے ہونے سے پہلے سلسلہ ملازمت میں زرعی یونیورسٹی کے صیغہ حساب میں داخل ہو چکے تھے جس کی وجہ سے یونیورسٹی میں تدریسی خدمات پر اتنا نہیں ہو سکے۔ ۱۹۸۹ء میں وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے ہیں۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

ہمارے حضرت قدس سرہ نے آپ کو بھی اجازت اور خلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپ الحمد للہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اذکار اور اوراد کے پابند ہیں اور صاحب ذوق اصحاب الحمد للہ بیعت سے مشرف ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت باکرامت رکھے۔ آمین۔ بحرۃ سید المرسلین۔

آپ کے عین صاحبزادے ہیں ۱۔ ڈاکٹر سید شاہ صبغۃ اللہ صاحب۔ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس (عثمانیہ) حکومت ایران نے آپ کی خدمات حاصل کی ہیں (۲) سید شاہ نعمت اللہ صاحب انجینئر ہیں اور نیویارک (امریکہ) میں مقیم ہیں (۳) سید شاہ سعد اللہ صاحب یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں اور حیدر آباد ہی میں رہتے ہیں۔ آپ کو مطالعہ کا بڑا شوق ہے اور گھر پر ہی رہتے ہیں۔ حضرت سید شاہ رحمت اللہ صاحب کی چار صاحبزادیاں ہیں دو حضرت سید مولانا یوسف علی صاحب خطیب جامع مسجد شولا پور کے نواسوں سے بیابھی گئیں اور باقی دو اپنے میاں صاحبان کے ساتھ حیدر آباد میں مقیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ان سب کو اپنے اپنے متعلقین کے ساتھ دارین میں عافیت سے رکھے آمین۔ بحرۃ سید المرسلین۔

حضرت محدث دکن کی صاحبزادیاں

حضرت محدث دکن قدس سرہ کی تین صاحبزادیاں تھیں پہلی صاحبزادی جو زوجہ اولیٰ سے تھیں مولانا سید یوسف علی صاحب خطیب جامع مسجد شولا پور سے بیابھی گئیں دوسری صاحبزادی جناب مولوی سید عبدالرؤف صاحب (خواہرزادہ) امام و خطیب جامع مسجد قلعہ نلدرگ سے منسوب ہوئیں اور تیسری صاحبزادی سید احسان اللہ صاحب قادری سے منسوب ہوئیں۔ ان تیسری صاحبزادی کے نامور فرزند سید شاہ محمد قادری ٹورنٹو (کینیڈا) میں مقیم ہیں۔ آپ نو عمری میں بغرض تعلیم امریکہ پہنچے اور میڈیکل ٹیکنالوجی میں بی۔ ایس کیا آپ کی دینی اور علمی سرگرمیاں ٹورنٹو میں قابل ذکر ہیں۔ ٹورنٹو سے بیس میل کے فاصلہ پر AJAX نامی مقام پر جناب

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضرت کی مقبولیت اور شہرت قابل رشک حد تک پہنچ چکی تھی۔ بڑھیر کا گوشہ گوشہ ہمارے حضرت کی فیض رسانی کا گواہ ہے یہ کام جوانی کے زمانے سے آخر عمر تک پچاس ساٹھ سال جاری رہا ہے اس لئے بے تکلف و تامل قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے حضرت کی مریدین کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ یہ عاجز اس وقت شکاگو میں اپنے فرزند عزیز محمد امان اللہ خان امجد (اللہ تعالیٰ اس کو مع متعلقین وارین میں عافیت سے رکھے) کے ساتھ رہتا ہے۔ آج مارچ ۱۹۹۶ء کی ۱۳ تاریخ ہے۔ اس عاجز نے دوران قیام امریکہ ٹورنٹو، ہوسٹن، ڈیالس، نیوریاک، سانس فرانسکو، کیلیفورنیا اور لاس اینجلس کے سفر کئے ہیں الحمد للہ ہر جگہ برادرین طریقت اور معتقدین کی کثیر تعداد پائی ہے۔

ذیل میں چند معروف مریدین اور معتقدین کے اسماء گرامی بیان کئے جاتے ہیں:

۱۔ مولانا حکیم محمد حسین صاحب شیخ الحدیث و امیر جامعہ نظامیہ حیدر آباد (انڈیا)

۲۔ مولانا سید حبیب اللہ رشید پاشا صاحب، سابق امیر جامعہ نظامیہ

۳۔ مولانا مفتی محمد عبدالحمید صاحب ناظم جامعہ نظامیہ (مرید حضرت مولانا حافظ سید

منظر حسین والد حضرت محدث دکن)

۴۔ پروفیسر قاری سید کلیم اللہ حسینی صدر شعبہ فارسی جامعہ عثمانیہ حیدر آباد

۵۔ جناب محمد منیر الدین صاحب استاذ تاریخ و سیاسیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد

۶۔ پروفیسر جناب فضل حق صاحب پرنسپل و استاذ انگریزی جامعہ عثمانیہ حیدر آباد

۷۔ مولانا سید عثمان جعفری دیوبندی استاذ شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ (موصوف

مولانا فضل الرحمن نقشبندی گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور ہمارے

حضرت کے معتقد تھے اور حاضر خدمت بھی ہوا کرتے تھے)۔ موصوف اس عاجز راقم

کے بڑے شفیق استاذ تھے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

۸۔ مولانا محمد علی صاحب دیوبندی استاذ شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ (ہمارے حضرت کے معتقد تھے)

۹۔ نواب عبدالعزیز خان ساکن حسینی علم حیدر آباد (بڑے معتقد تھے۔ ناشتہ پر ہمارے حضرت اور آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا سید مظفر حسین صاحب علیہ الرحمۃ کو ہر دن زحمت دیا کرتے اور مسجد علی آقا حسینی علم میں نماز باجماعت کے لئے تشریف لاتے)۔

۱۰۔ جناب مرزا شکوہ بیگ صاحب مرزا رکن مقننہ حکومت آندھرا پردیش

۱۱۔ ڈاکٹر غلام دستگیر رشید صاحب صدر شعبہ فارسی جامعہ عثمانیہ۔

۱۲۔ جناب حافظ مولوی عبدالرحیم صاحب امام خطیب مکہ مسجد (آپ تجدید میں قرآن پاک سنایا کرتے تھے)۔

۱۳۔ جناب حافظ محمد حسین صاحب بن حافظ محمد امام صاحب (تراویح میں آپ قرآن کا سوا پارہ سناتے تھے اور بیحد خوش الحان قاری بھی، ہمارے حضرت آپ کی تراویح میں امامت سے بے حد خوش تھے)۔

۱۴۔ جناب حکیم محمود خان صاحب۔

۱۵۔ حضرة الاستاذ مولوی غوث الدین صاحب (یہ دونوں حضرات ہمارے حضرت کے درس حدیث کے شاگرد تھے)۔

۱۶۔ جناب الحاج محمد مہتاب علی صاحب ایڈوکیٹ گلبرگہ شریف۔

۱۷۔ جناب رشیدہ بیگم (بی اے) استاذ ہائی اسکول گلبرگہ (زوجہ الحاج محمد علاؤ الدین ایڈوکیٹ، ان دونوں میاں بیوی نے ہمارے حضرت کی کتابوں کی اشاعت خصوصاً زجاجۃ المصابیح عربی اور نور المصابیح اردو کی طباعت میں ہزاروں روپیہ سے اعانت فرمائی اللہ تعالیٰ ان کو بہترین بدلہ عنایت فرمائے آمین۔ حرمتہ سید المرسلین)

تذکرہ حضرت محدث دکن

۲۷۔ الحاج حضرت حافظ مولانا سید حسن شاہ صاحب (مولوی کامل نظامیہ) امام و خطیب جامع مسجد چوک حیدر آباد

۲۸۔ جناب سید شاہ محی الدین صاحب مہتمم باغات صرفی خاص (موصوف نے حضرت کی ایک تالیف کو اپنے خرچہ سے طبع کروا کر ہمارے حضرت کے حوالہ کر دیا۔ (جزاہ اللہ عنائیر الجزاء)

۲۹۔ الحاج حافظ سید احمد شاہ صاحب امام و خطیب مسجد ٹیپو خان، نیا پل حیدر آباد آپ نے قصیدہ بردہ کی ایک جماعت قائم کی جو متبرک مہینوں اور دینی محفلوں میں اس مبارک قصیدہ کو پڑھتے ہیں جس سے عاشقان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیض یاب ہوتے ہیں۔ ہمارے حضرت سے آپ کی ایسی گہری عقیدت ہے کہ ہمارے حضرت کے روضہ میں ماہانہ فاتحہ کے موقع پر ہر ماہ ہلالی کی ۱۸ تاریخ کو یہ مبارک قصیدہ پڑھتے ہیں اور موسموں کی شدت اور رکاوٹوں کے باوجود الحمد للہ یہ مجلس آج تک ناغہ نہیں ہوئی (اللہ تعالیٰ ان کو مع متعلقین دارین میں عافیت سے رکھے)۔

۳۰۔ مولوی امام الدین صاحب (مولوی کامل جامعہ نظامیہ) آپ اس عاجز کے خالوتھے آپ کے ایک فرزند جناب محمد نعیم الدین صاحب۔ ایم۔ ایس (امریکہ) شکاگو میں مقیم ہیں۔

۳۱۔ مولوی سید عبدالنعیم الدین صاحب آڈیٹر حسابات (موصوف اس عاجز کے ہم درس ہیں)۔

۳۲۔ سید خلیل اللہ صاحب (ایم۔ ایس سی) آپ نور المصابیح کے انگریزی ترجمہ میں مشغول ہیں اور شکاگو میں مقیم ہیں۔

۳۳۔ جناب سید محمد عصمت جناب سابق ڈپٹی سکریٹری حکومت آندھرا پردیش مقیم شکاگو۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

- ۳۴۔ جناب محمد معین الدین صاحب چیف اکاؤنٹ آفسر حکومت آندھرا پردیش
- ۳۵۔ جناب محمد ضیاء الدین صاحب سکریٹری حکومت آندھرا پردیش مقیم شاکاگو۔
- ۳۶۔ سید شاہ خلیل اللہ بن مولانا سید حبیب پاشا مولوی کامل (نظامیہ) مقیم امریکہ،
(عزیزم خلیل پاشا سلمہ اس عاجز کے ۱۹۹۱ء کے حج میں رفیق سفر رہے)۔
- ہمارے حضرت کے چند خاص خادمین تھے جو دن رات ہمارے حضرت کے کاموں کے ذمہ دار تھے ان میں سے چند یہ ہیں۔ ۱۔ جناب مولوی غلام محمد صاحب معتمد انتظامی کمیٹی مسجد علی آقا حسینی علم (۲) جناب غلام محمد قریشی صاحب (۳) جناب عبدالرحمن صاحب (۴) جناب حیات علی صاحب (۵) جناب بسم اللہ خان صاحب (۶) جناب سید عابد حسین صاحب (۷) جناب سید محمد صاحب (مؤذن مسجد) (۸) جناب امین صاحب جو دن رات میں چوبیس ہزار ذکر اسم ذات کے پابند تھے (۹) جناب محمد شفیع الدین صاحب کوہیری (کاتب عربی) (۱۰) محمد اصغر صاحب (کاتب عربی) (۱۱) جناب محمد داود علی صاحب (کاتب اردو)

واضح ہو کہ یہ چند نام ان برادران طریقت اور معتقدین کے ہیں جس سے یہ عاجز راقم واقف ہے۔ ورنہ اس شمع ولایت کے پروانے سینکڑوں نہیں ہزاروں تھے اور الحمد للہ اس وقت بھی ہیں اللہ تعالیٰ سب کو اولیاء کرام کی سرپرستی عطا فرمائے آمین بحرمۃ سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرامین۔

خلفائے عظام

حضرت محدث دکن قدس سرہ نے اپنے وصال سے دو سال قبل یعنی ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء میں حسب ذیل برادران طریقت کو اجازت اور خلافت عطا فرمائی۔ اور یہ فرمایا کہ اور سلاسل میں تقریب منعقد کر کے خرقہ خلافت سرفراز کیا جاتا ہے لیکن ہمارے طریقہ میں ایسا اہتمام نہیں۔ فرمایا کہ میں ایک روز حسب معمول اپنے پیرو مرشد قدس سرہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

کی خدمت فیضدرجت کے حلقہ ذکر میں حاضر ہوا۔ حضرت مخدوم نے سند خلافت، شایہ اور عمامہ پہلے سے تیار رکھا تھا اور یہ سب چیزیں بڑی سادگی کے ساتھ مرحمت فرمادیں۔ یہ بھی فرمایا میاں! سلسلہ طریقت جاری رہنا ہے ہمارے حضرت نے ان برادران طریقت کو ارشاد فرمایا کہ فجر کی نماز کے بعد آپ میرے دیوان خانے پر آجائیں ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ فرمایا۔ ہم میں سے اکثر کو یہ پتہ بھی نہ تھا کہ کس کس کو یاد فرمایا ہے۔ جب سب احباب جو نامزد خلافت تھے حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو معلوم ہوا کہ ان سب کو یاد فرمایا ہے ان حضرات کے اسماء گرامی ملاحظہ فرمائیں:

- ۱۔ حضرت مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ (صاحبزادہ اکبر)
- ۲۔ مولوی سید عبدالرؤف صاحب مسافر (خواہر زادہ و داماد)
- ۳۔ مولوی سید رحمت اللہ صاحب (ام۔ اے۔ عربی) (صاحبزادہ خورد)
- ۴۔ مولوی سید غلام جیلانی صاحب سررشتہ دار عدالت
- ۵۔ قاضی مولوی محمد عبدالوہاب صدیقی (ساکن نلدرگ، عثمان آباد (مہاراشٹرا)
- ۶۔ مولوی محمد جعفر علی صاحب ساکن بیدر (کرناتک)
- ۷۔ مولوی محمد حسین صاحب ساکن عثمان آباد (مہاراشٹرا)
- ۸۔ مولوی حافظ صدیق حسین صاحب، امام خطیب مسجد توپ خانہ گوشہ محل۔
- ۹۔ جناب عبد الرزاق صاحب، امام و خطیب مسجد شہامت جنگ موسی باؤلی، حیدر آباد

۱۰۔ جناب صاحبزادہ خواجہ لطف علی صاحب ساکن کوکہ ٹٹی (حیدر آباد)

۱۱۔ ابوالخیرات محمد عبدالستار خان (راقم الحروف عاجز عفی عنہ)

تذکرہ حضرت محدث دکن

معاصرینِ کرام (عالم عرب کے نامور علماء)

کھیتی تری امت کی کیا خوب ہری نکلی
جو شاخِ شجر پھوٹی پھولوں سے بھری نکلی

سورۃ الانبیاء پارہ (۱۷) کی آیت نمبر (۱۰۷) میں ارشادِ ربانی ہے ”وما ارسلناک الا رحمة للعالمین“ (اور نہیں بھیجا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لئے) اور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شانِ رحمت سے نقاب سرکاتے ہوئے فرمایا ”انما انا رحمة مہداة (میں وہ رحمت ہوں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بطور تحفہ عطا فرمایا ہے) روی ہذا الحدیث الدارمی والبیہقی فی شعب الایمان

صدر کی اس آیت شریفہ اور حدیث مبارک کی روشنی میں یہ عرض کرنا بجا ہے کہ شانِ رحمت للعالمین کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقرب بندوں سے جو آفتابِ نبوت اور ماہتابِ رسالت کی کرنوں اور تھنڈک سے جگمگاتے رہتے ہیں یہ کرہِ خاکی نہ کبھی خالی رہا ہے اور نہ رہے گا۔ بندگانِ خدا کو صراطِ مستقیم دکھانے کے لئے ان حضراتِ کرام نے توحید و رسالت کی شمعیں فروزاں فرمائیں اور قیامت تک اس سلسلہ میں سرگرم عمل رہیں گے۔

اس طرح چودھویں صدی ہجری (بیسویں صدی عیسوی) میں پورے عالمِ اسلامی میں اسلاف کی یادگار میں ایسے عظیم مجاہدین، علماء ربانین اور صوفیاء کرام گذرے ہیں جنہوں نے منبر و محراب اور میدانِ جہاد سے امت کو منزلِ حقیقی کے نشان دکھائے اور سمجھائے ہیں۔ اس لئے یہ عاجز راقم۔ اللہ تعالیٰ اس کو دارین میں عافیت سے رکھے۔ ذیل کی سطروں میں حضرت محدثِ دکن کے جلیل القدر معاصرین کا جو عالمِ اسلامی میں بین الاقوامی مرتبہ کے حامل رہے ہیں تذکرہ کرنا چاہتا ہے تاکہ عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة کی روایت کے مطابقت میں (اولیاء اور صالحین کا جہاں ذکر

تذکرہ حضرت محدث دکن

ہو وہاں رحمت خداوندی اترتی ہے (نزول رحمت ہو اور یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہے کہ یہ حضرات علم و معرفت، رموز و حکمت، احسان و سلوک اور ریاضت و مجاہدے اور جہاد فی سبیل اللہ کے سرچشمہ تھے۔

۱۔ الامام المحقق علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۲۶۵ھ - ۱۳۵۰ھ / ۱۸۳۹ء - ۱۹۳۱ء)

تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں مسلمان سیاسی ادبار کا شکار تھے۔ یورپ خلافت عثمانیہ کو جو اسلام اور امت کے صدیوں سے پاسبان تھے ختم کرنے پر تلا ہوا تھا ترکی کو وہ "مرد بیمار" کہنے لگے تھے۔ بالآخر مصطفیٰ کمال اتاترک، عصمت انونو اور وزیر خارجہ برطانیہ لارڈ کرزن کے درمیان باقاعدہ معاہدہ ہوا کہ: (۱) ترکی اسلام سے اپنا رشتہ توڑ لے (۲) اسلامی خلافت کو منسوخ کر کے سیکولر دستور نافذ کر دے۔ بحوالہ مجلہ فلسطین شماره اکتوبر ۱۹۷۰ء امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین کی ڈائری) علامہ اقبال شاعر اسلام نے اسی بات کو کیا خوب فرمایا ہے:

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی عبا

سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

ادھر برصغیر (ہندو پاک) کے افق پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا ستارہ چمک رہا تھا اور مغلیہ حکومت آخری سانس لے رہی تھی، عالم عرب کو اندرونی کشمکش کی چکی میں پیسا جا رہا تھا۔ الغرض مشرق سے مغرب تک عالم اسلام غلامی کی بیڑیوں میں جکڑا جا چکا تھا نئے حاکم بھی سوچ رہے تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو مسلمان کے دل و دماغ سے مذہب کی الفت نکال دی جائے اور خصوصاً حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت جو مسلمان کے سینہ میں ہے اس کو ختم کر دیا جائے بقول علامہ اقبال علیہ الرحمۃ:

تذکرہ حضرت محدث دکن

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو
یہ جانتے تھے کہ مسلمان اس فرمان نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کو اپنا ایمان اور
دین سمجھتے ہیں :

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولده والناس اجمعین
(تم سے کوئی دولت ایمان سے سرفراز نہیں ہو سکتا جب تک کہ مجھے اپنے باپ، اپنے
بیٹے اور ساری دنیا سے بڑھکر عزیز نہ سمجھے)

اسی نکتہ کو شاعر اسلام علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے یوں بیان کیا ہے :

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

اسی لئے غیروں نے سوچا، حاکموں نے غور کیا کہ عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ و الثناء کی
بہاریں جب تک گل فشاں ہیں تب تک ملت مسلمہ کا شیرازہ نہیں بکھر سکتا اور جب
ملت منتشر ہو جائے تو پھر ان کے اقتدار کو کسی قسم کا خوف لاحق نہ ہوگا۔ اب
ضروری ٹھہرا کہ ذات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موضوع بحث بنائیں
اور اس سلسلہ میں شکست خوردہ قوم کے کچھ لوگوں کو اپنا ہمنوا بنایا جائے۔ یہ واقعہ
ہے کہ قوموں میں ایسے ذہن ہر دور میں موجود ہوتے ہیں جو موجودہ اقتدار اور
وجاہت کو اپنا مرجع اور ماویٰ سمجھتے ہیں۔

ایسے لوگوں کی تلاش میں مغربی دنیا کامیاب ہو گئی۔ اس کو عالم عرب میں بھی ایسے
لوگ مل گئے اور برصغیر (ہندوپاک) میں بھی ان کی تلاش بار آور ہوئی، مسئلہ یہ
اٹھایا گیا کہ کیا حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب کلی حاصل تھا یا
نہیں؟ جگہ جگہ اس اہلبلیسی نظریئے کا چرچا کیا گیا اور کہا گیا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا علم کلی نہیں تو آپ کو غائبانہ ندا بھی جائز نہ ہوگی لہذا۔ الصلوٰۃ والسلام علیک

تذکرہ حضرت محدث دکن

یا رسول اللہ کتنا کلمہ شرک ہوا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت میں نمازیوں کو السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کی تعلیم دی ہے۔

ستم بالائے ستم؛ زندہ تو ایک طرف رہے، مردوں کو بھی نہ بخشا گیا اور مزارات پر بلڈوزر چلا دیئے گئے۔ یعنی بدعت یزید کا احیاء ہوا کہ اس نے شہدائے اہل بیت کے مزارات پر ہل چلا دیئے تھے اور ان نئے علمبرداران مذہب نے وہی کام بلڈوزروں سے لیا۔

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی وارث اولیائے عظام علیہم الرحمۃ والرضوان ہوتے ہیں، ان کی درگاہیں وجہ اتحاد اور سکون کا مرکز ہوتی ہیں ان خانقاہ نشینوں نے علمی، اخلاقی سماجی اور تہذیبی اقدار کی ہمیشہ حفاظت کی ہے اور ہر آڑے وقت میں مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی ہے۔ یہ خانقاہیں مغربی استعمار کے لئے مصیبت گاہیں تھیں لہذا اپنے اہل بختوں کو ان کے خلاف بھی صف آرا ہونے کا حکم دیا اور عرب و عجم میں ان ضمیر فروشوں نے اولیائے امت کے خلاف جھوٹ اور سازشوں کا ایک طوفان کھڑا کر دیا۔

ان حالات میں اور اس ماحول میں اللہ بزرگ و برتر کے چند نیک بندے میدان عمل میں اترے اور اسلامی عقائد کا دفاع کیا۔ ان حضرات نے سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد ایسا ہی ہالہ بنایا جیسا کہ بدر اور احد کے میدانوں میں عظیم المرتبت صحابہ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بنایا تھا۔

ان بندگانِ حق میں زیر تذکرہ، امام شہیر، عالم بے نظیر علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان حضرات کرام میں قدر مشترک عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے انہوں نے استعماریت کی کج فکریوں کو میدانِ علم میں لٹکارا، مغرب کے دجل و فریب کا بھانڈا چورا ہے میں پھوڑا، ان کے دلائل کے پرچے اڑا دیئے اور ثابت کر دیا کہ ان باطل نظریات کی اینٹوں سے تعمیر ہونے والا محل ”ان اوھن البیوت

لبیت العنکبوت کا مصداق ہے اور مٹری کے جالے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ ان حضرات نے چوکھی جنگ لڑی، ان کی زبان، ان کا قلم اور ان کی تقریر نے امت کے فکری انحطاط کو ختم کیا۔ مغربی طرز فکر اور مغرب کے گماشتوں کے طرز استدلال کے لئے یہ لوہے کے چنے ثابت ہوئے جنہیں چبانے سے ان کے دانت ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے اور اگر ان چنوں کو نکل لیا گیا تو ان کی آنتیں پھٹ رہی تھیں۔

حُب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا موضوع ہے اور اسی مرکز ارجمند کی طرف یہ دعوت دیتے ہیں جو عظمت نبوی کا دشمن ہے وہ ان کا دشمن ہے اور جو حُب نبوی سے سرشار ہے وہ ان کا محبوب ہے۔ علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف علمی موضوعات پر بے شمار کتابیں تصنیف فرمائیں اور عالم عرب کے سب اسکالروں کو پیچھے چھوڑ گئے۔ آپ کی تصنیفات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے معلومات کتنے وسیع ہیں، آپ کا قلم کتنا بوقلموں ہے اور آپ کی فکر کس طرح باطل افکار کے لئے شب خون ہے۔

علامہ یوسف نبہانی خلد مکانی ساٹھ کتابوں کے مصنف ہیں۔ راقم عاجز یہاں آپ کی چند کتابوں کا تعارف قارئین کرام کی نذر کرنا چاہتا ہے۔

فن حدیث میں آپ کی دو کتابیں معروف ہیں ایک الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر، دوسری قرۃ العینین علی منتخب الصحیحین۔ یہ دونوں کتابیں آپ کی تمام تالیفات میں زیادہ مفید اور بہت نفع بخش ہیں۔ پہلی کتاب چودہ ہزار احادیث کا اور دوسری کتاب تین ہزار احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گنجینہ ہے۔ علم حدیث کی تدوین، تخریج، تحقیق اور تدقیق میں یہ دونوں کتابیں شاہکار ہیں۔

۲. جواهر البحار فی فضائل النبی المختار (۴) وسائل الوصول الی شمائل الرسول
 (۵) قرۃ العینین من البیضاوی والجلالین (۶) شواہد الحق فی الاستفانہ. بسید الخلق

تذکرہ حضرت محدث دکن

(حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد مانگنے کا مدلل ثبوت (۶) النظم البدیع فی مولد النبی الشفیع (۷) الرحمة المہداة فی فضل الصلوة (۸) کتاب الاذکار (۹) کتاب البرزخ (۱۰) جامع کرامات الاولیاء، دیگر تالیفات کے نام اور ان کے موضوعات کے لئے جامع کرامات اولیاء کا مقدمہ تحریر کردہ مولانا محمد ذاکر شاہ چشتی سیالوی کا مطالعہ فرمایا جائے اور یہ مواد اسی مقدمہ سے یہ عاجز یہاں درج کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے، والحمد للہ علی ذلک۔

آخر میں یہ بات بھی واضح کرتا چلوں کہ مسئلہ علم الغیب پر مولانا احمد رضا خان بریلوی کی معرکہ الاراء کتاب ”الدولة المکیة بالمادة الغیبیة“ پر علامہ یوسف نبہانی علیہ الرحمۃ نے تقریظ بھی لکھی ہے۔

آئیے اب علامہ نبہانی کے حالات زندگی کا بھی مختصر سا جائزہ لے لیں۔ علامہ نبہانی کا وطن خطہ فلسطین ہے۔ آپ ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء میں پیدا ہوئے، عربوں کے ایک معروف قبیلہ نبہان کے آپ چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار بڑے فاضل اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ ابتدائی تعلیم والد گرامی سے حاصل فرما کر ۱۲۸۳ھ میں الجامع الازہر میں داخلہ لیا اور ساڑھے چھ سال یہاں تعلیم حاصل فرما کر ۱۲۸۹ھ میں سند فراغت حاصل فرمائی۔ علامہ نبہانی جمید عالم دین، عظیم اہل قلم، صاحب طرز ادیب، لازوال مصنف اور قادر الکلام شاعر تھے۔ سنت نبوی کے عاشق، بدعت کے دشمن، عشق نبوی کی جیتی جاگتی تصویر تھے آپ حب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندگی کا مرکز اور ایمان کا سرچشمہ سمجھتے تھے۔ یہ جذبہ صادق آپ کو بار بار کشاں کشاں بارگاہ بے کس پناہ میں مدینہ طیبہ لے جاتا تھا۔ آپ سفید ریش تھے، نورانی چہرہ تھا جو یاد الہی کے جلووں سے جگمگاتا رہتا تھا، دو زانو مؤدب بیٹھنے کی عادت تھی، الحمد للہ آپ صاحب کمال تو تھے ہی اور آپ کی اہلیہ محترمہ کو سید کل، ختم رسل، دانائے سبل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوراسی (۸۴) دفعہ اپنے جمال جہاں آراء کی زیارت

تذکرہ حضرت محدث دکن

سے نوازا! خداوند اس فضیلت سے ہمیں بھی سرفراز فرما:

خدایا! میں کرم بار - دگر کن

علامہ نبہانی نے کافی عرصہ تک بیروت میں عمدہ قضاء کو نوازا، سرکاری لائبریری کے مہتمم بھی رہے، بڑی مصروف زندگی گذاری۔ عبادت، ریاضت، تصنیف و تالیف، قضاء و فتاویٰ اور سفر حج و زیارت مدینۃ النبی آپ کے مقدس مشاغل تھے۔ ضرورت ہے کہ آپ کی کتابوں کا ترجمہ ہندو پاک کے برادران اسلام کے لئے کتاب ”جامع کرامات اولیاء“ کی طرح اردو زبان میں آجائے تاکہ اردو دان طبقہ آپ کی پر از معلومات کتابوں کا مطالعہ کر کے علم و ادب اور اخلاق حسنہ سیکھتے رہیں اور قاری کے سامنے ولایت کے گہمائے نایاب کا نکھار ہو اور اس کی عقیدت ان پھولوں کی مہک پر نچھاور ہوتی رہے (ملاحظہ ہو جامع کرامات اولیاء ص ۵۴ تا ۶۹)

(۲) السید محمد عبداللہ الصومالی الصالحی الصوفی

(۱۸۶۴-۱۹۲۰ء)

الشیخ السید محمد عبداللہ صومالی، صومالیہ (افریقہ) کے عظیم محدث، فقیہ اور مجاہد ہیں آپ نے بیس برس تک انگریز اور اٹلی سے مقابلہ کیا۔ موصوف چھ برس مکہ معظمہ میں شیخ محمد بن صالح الراشدی بانی طریقتہ صالحیہ کے زیر تربیت رہے اور طریقت میں خرقہ خلافت حاصل ہونے کے بعد براہ عدن ۱۸۹۵ء میں صومالیہ پہنچے آپ نے فوجی تنظیم کے ذریعہ انگریز اور اٹلی کی فوج کا بڑا جانی اور مالی نقصان کیا۔ اس طرح اپنی تہذیب، مذہب اور اپنے اسلامی معاشرہ کی حفاظت فرمائی، شیخ صومالی نے اپنی قوم کو ان الفاظ سے للکارا اور دشمن کے مقابلہ میں مقاومت کے لئے تیار کیا:

”منکرین خدا دور دراز مقامات سے ہمارے ملک پر حملہ آور ہیں۔ ان کا مقصد ہمارے مذہب کو بگاڑنا اور عیسائیت کو ہمارے اوپر مسلط کرنا ہے، ہمارا اپنے خدا پر بھروسہ ہے ان کی فوجی طاقت سے ہمیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ خداوند قدوس کی

تذکرہ حضرت محدث دکن

ہوگی۔ اس سال بھی ۱۹۹۶ء میں عمرہ پر حاضری کے موقع پر مکہ معظمہ میں ملاقات کا شرف حاصل رہا۔

اللہ تعالیٰ تادیر سلامت باکرامت رکھے۔ آمین۔ بحرۃ سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرامین۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں معروف الذخائر الحمدیہ، دروع الوقایہ باحزاب الوقایہ، تاریخ الحوادث والاحوال النبویہ، شوارق الانوار من ادعیۃ السادۃ الاخیار اور الطالع السعید المنتخب من المسلسلات والا سانید ہیں۔

اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ کو اس بحر زار سے مستفید فرمائے۔ آمین! (ملاحظہ ہو مذکورہ حوالہ ص ۱۰۷۴)

۳۔ شیخ محمد سعید بن عبدالرحمن محمد سعید الشامی الداغستانی البرہانی النقشبندی

(۱۳۱۱ھ - ۱۳۸۶ھ / ۱۸۹۳ء - ۱۹۶۷ء)

محدث، فقیہ حنفی، مفسر، صوفی، مجاہد۔ ۱۹۲۰ء میں فرانس نے جب ملک شام پر اپنا تسلط قائم کیا تو آپ نے زبردست مقاومت کی اور اس جہاد میں حصہ لیا۔ پھر دمشق واپس ہو کر اپنے والد کے علاوہ شامی علماء شیخ عبدالقادر الاسکندری، شیخ بدرالدین الحسنی مفتی دمشق اور شیخ عطا اللہ الکسم وغیرہم سے استفادہ فرمایا۔ علوم اسلامیہ کی تحصیل کے بعد شیخ ابو الخیر المیدانی النقشبندی (م ۱۹۶۱ء) سے طریقت میں ربط پیدا فرمایا اور پھر باقاعدہ شیخ محمد ہاشمی (م ۱۹۶۱ء) کی ارادتمندی اختیار فرمائی۔ دمشق کی جامع اموی جامع مسجد توبہ میں درس جاری فرمایا۔ کئی کتابوں کی تصحیح کی اور کئی کتابوں کے خواشی لکھے جیسے فقہ حنفی میں الہدیۃ العلیۃ، شرح شطرنج العارفین وغیرہما۔ دمشق میں ۱۹۶۷ء میں انتقال فرمایا۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعہ (ملاحظہ ہو مذکورہ حوالہ ص ۱۰۷۸)

۵۔ شیخ محمد ابوالخیر المیدانی الحنفی النقشبندی المجدوی

(۱۲۹۳ھ - ۱۳۸۰ھ / ۱۸۷۵ء - ۱۹۶۱ء)

عالم ربانی، محدث، فقیہ، لغوی، شیخ الدیار الشامیہ، صوفی، دمشق میں تحصیل علوم کے بعد استانبول (ترکی) کے مدرسہ حربیہ میں داخلہ لیا۔ دمشق واپس ہو کر شیخ سلیم مسوتی حنفی امام جامع مسجد توبہ سے ایک مسئلہ کی دریافت میں ملاقات فرمائی۔ شیخ مسوتی نے علوم شرعیہ کی تکمیل پر رغبت دلانی مگر ان کی والدہ دنیوی علوم کی تکمیل چاہتی تھیں، علامہ شیخ مسوتی نے ان کی والدہ سے مل کر واضح کیا کہ یہ ان شاء اللہ شیخ الشام ہونے والا ہے۔ الغرض والدہ کی رضامندی سے شیخ سلیم مسوتی سے حدیث اور فقہ حنفی کی تمام کتابیں پڑھیں۔ اسی دوران شیخ عیسیٰ کردی نقشبندی سے طریقت اخذ فرمائی اور سنہ ۱۳۲۳ھ میں جب شیخ مسوتی کا انتقال ہوا تو شیخ عیسیٰ کردی کے دامن کو بڑی مضبوطی سے تھام لیا۔ آپ کے صلاح و تقویٰ کو دیکھ کر شیخ عیسیٰ کردی نے اپنا داماد بنایا اور شیخ کی وفات (۱۹۳۲ء) تک آپ اُن سے استفادہ فرماتے رہے۔ طلبِ صادق نے دیگر علماء دمشق سے استفادہ کے مواقع بہم پہنچائے اور سب نے ہر فن اور طریقت میں آپ کو مجاز گردانا۔ شیخ ابوالخیر میدانی کئی زبانوں: ترکی، فارسی، کردی، فرانسیسی، انگریزی میں ماہر تھے۔ علاوہ ازیں علوم جدیدہ طب، فلکیات، تعبیرِ خواب، اور علوم سائنس میں بھی آپ کو مہارت حاصل تھی۔ اس جامعیت کی وجہ سے علامہ ابوالخیر میدانی اسلافِ کرام کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ آپ کا انتقال یوم جمعہ ۱۶ / رمضان المبارک ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۱ء ستاسی برس کی عمر میں ہوا اور دمشق کے عوام و خواص آپ کے جنازہ میں شریک تھے! اناللہ وانا الیہ راجعون۔

۶۔ شیخ محمد امین بن فتح اللہ، آرو بیلی، کردی، شافعی، نقشبندی

(م ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء)

یہ پچھلی صدی کے عظیم نقشبندی شیخ ہیں۔ آپ اپنے شیخ عمر ضیاء الدین عثمان سراج نقشبندی کے مجاز اور خلیفہ ہیں۔ قاہرہ پہنچنے سے قبل آپ نے مکہ معظمہ میں ایک سال قیام فرمایا۔ جامع ازہر میں آپ نے قانون اسلامی کیساتھ دیگر علوم اسلامیہ میں مہارت حاصل فرمائی جو آپ کی تصنیف ”تنویر القلوب فی معاملۃ علوم الغیوب“ میں بخوبی واضح ہے۔ آپ کی یہ تصنیف عقائد، فقہ شافعی اور تصوف پر مستند ذخیرہ ہے اور دستاویزی حیثیت رکھتی ہے۔

قاہرہ میں آپ کا وسیع حلقہ قائم ہوا جن میں انابت الی اللہ، عبادت، اخلاق اور زہد یہ تمام صفات حسنہ جو ایک مؤمن کی زندگی کا سرمایہ ہیں پیدا ہوئے۔ آپ کے متبعین میں قرآن اور سنت نبوی کا عظیم جوہر موجود تھا (مذکورہ حوالہ ص ۱۰۷)۔

۷۔ شیخ محمد بن حامد بن محمد، ابن ابو جماعہ الہاشمی المالکی الشافعی

(۱۲۹۸ھ - ۱۳۸۱ھ / ۱۸۸۰ء - ۱۹۶۱ء)

عالم ربانی، فقیہ مالکی، مصنف، صوفی، شیخ طریقہ علوی درقاوی بہ دمشق الشام۔ آپ تلمسان کے ایک قریبی شہر صبدہ (الجیریا) میں پیدا ہوئے۔ اپنے شیخ طریقت شیخ محمد بن یلینس کے ہمراہ دمشق ہجرت کرنے سے پہلے وطن میں ابتدائی تعلیم حاصل فرمائی۔ دمشق میں کئی علماء کے سامنے زانوائے ادب طے فرمایا جن میں مشہور اور معروف بدر الدین الحسنی (م ۱۹۳۵ء) شیخ محمد جعفر الکتانی، شیخ توفیق الایوبی ہیں۔ ان کے شیخ نے اپنی زندگی میں انہیں مجاز گردان کر مسند ارشاد پر بٹھا دیا مگر یہ اپنے شیخ کے انتقال تک شیخ طریقت کی حیثیت سے ارشاد سے رکے رہے۔ یہاں تک کہ شیخ احمد علوی نے حج بیت اللہ کو جاتے ہوئے ۱۹۳۱ء میں ان کو علوی درقاوی طریق میں کامل

تذکرہ حضرت محدث دکن

شیخ طریقت بنایا۔ اس کے بعد ان کا حلقہ ارشاد و سبوح ہوتا گیا۔ ان کی تدریس مساجد اور اپنے گھر میں جاری رہی اور ان کی تربیت میں کئی اہل اللہ نے خرقہ خلافت حاصل فرما کر رشد و ہدایت کے کام جاری رکھے۔ ان کی معروف تصنیف ”مفتاح الجنۃ فی شرح عقائد اہل السنۃ“ بڑی معتبر اور مستند کتاب ہے۔ آپ کے خلفاء میں ”حقائق التصوف“ کے مصنف شہر حلب کے شیخ عبدالقادر عیسیٰ کے علاوہ شیخ محمد سعید برہانی (م ۱۹۶۷ء) اور شیخ محمد سعید الکردی ہیں۔ شیخ سعید کردی نے شاذلیہ طریقت کو ملک اردن میں جاری فرمایا ہے۔ جزاھم اللہ خیرا عن اہل السنۃ والجماعہ۔

شیخ محمد ہاشمی نے شاذلیہ طریقت کی اشاعت میں بڑی جستجو فرمائی جس کی وجہ سے آپ کے سلسلہ کا نام ہاشمی درقاوی قرار پایا (مذکورہ حوالہ ص ۱۰۷۷)۔

۸۔ شیخ محمد بدر الدین بن یوسف بن بدر الدین الحسنی الحنفی الدمشقی

(۱۲۶۷ھ - ۱۳۵۳ھ / ۱۸۵۰ء - ۱۹۳۵ء)

محدث دمشق، فقیہ حنفی، مفسر، لغوی، مفتی، زاہد، عابد شب زندہ دار، آپ کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم بھی مع سند اور متن حفظ تھی۔ علاوہ ازیں علوم اسلامیہ میں متون کے بیس ہزار اشعار بھی زبانی یاد تھے۔ اس کے بعد اپنی زندگی کو تدریس اور عبادت کے لئے وقف فرمادیا۔ ریاضیات، منطق اور علم لغت میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ اسلاف کرام کی زندہ یادگار تھے۔ تقریباً سارے علوم اسلامیہ میں آپ کی تصانیف ہیں آپ کے فتاویٰ کو شیخ شعیب ارنوط الدمشقی (ولادت ۱۹۲۸ء) اور شیخ عبدالوکیل الدروبی الحمصی (ولادت ۱۹۱۳ء) نے جمع کیا ہے۔ شیخ بدر الدین الحنفی کا انتقال دمشق میں ۱۹۳۵ء میں ہوا۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعہ۔ (حوالہ مذکورہ ص ۱۰۳۰)

۹۔ شیخ شامل محمد واغستانی نقشبندی الغازی المجاہد

شیخ شامل واغستانی وہ عظیم نقشبندی شیخ طریقت ہیں جنہوں نے اپنے مریدین کی فوجی

شیخ علوی درقاوی الجیریا کے شہر مستغانیم میں پیدا ہوئے۔ شیخ احمد درقاوی کی تعلیمات کی بنیاد حدیث جبریل ہے جس میں سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان، اسلام اور احسان کی ہدایت دی ہے۔ آپ کے طریقہ میں کتابوں سے زیادہ شیخ طریقت کی صحبت پر زور دیا جاتا ہے کہ سالک اور مرید اپنے پیر اور شیخ کی صحبت میں رہ کر اپنا تزکیہ کرے یہاں تک کہ خود میں شیخ کے اوصاف پیدا کر لے اس کی وجہ سے آپ کا طریقہ خاص کر افریقہ اور شرق اوسط میں بخوبی پھیلا۔ آپ کا انتقال اپنے وطن ہی میں ہوا۔ (مذکورہ حوالہ ص ۱۰۹۶)

۱۱۔ شیخ اولیس بن محمد بن بشیر البراوی الشافعی القادری

(م ۱۸۳۷ء - ۱۹۰۹ء)

شیخ اولیس البراوی صومالیہ (افریقہ) کے جنوبی ساحل پر واقع شہر براوہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے وطن میں فقہ شافعی، تفسیر، قواعد زبان عربی اور تصوف کے تعلیمات حاصل فرمانے کے بعد بغداد پہنچے جو قادریہ کا مرکز ہے تاکہ اپنی نسبت قادریہ کی تکمیل کر لیں۔ یہاں کئی برس آپ نے شیخ مصطفیٰ بن السید سلمان الجیلانی کی خدمت میں رہ کر طریقہ قادریہ کی تکمیل کی اور شیخ مصطفیٰ نے ان کو قادری طریقت میں خلیفہ اور مجاز گردانا۔ الحمد للہ شیخ اولیس براوی میں ایک شیخ طریقت کے سارے کمالات، اخلاق عالیہ اور ارشاد خلق کی کامل استعداد پیدا ہو چکی تھی۔ اس استعداد کو کام میں لا کر شیخ اولیس نے اپنے مریدین کو تبلیغی سرگرمیوں میں مشغول فرمادیا اور ان کا طریقہ اولیٰ قادریہ صومالیہ کے جنوبی علاقہ اور زائر (Zaire) کی مشرقی علاقہ میں اسلام کی توسیع کا سبب بنا۔ شیخ اولیس نے تبلیغی سرگرمیوں کے دوش بدوش شہر براوہ کے شمال میں ۱۵۰ میل دور بلاد الامین اور بیولے (Biolay) میں زرعی اصلاحات نافذ کیں۔ ان دینی سرگرمیوں کی وجہ سے براوہ سے زنجبار اور پھر کانگو

تک یعنی تقریباً پورا مشرقی افریقہ طریقہ اولیہ قادریہ کی عظیم مسلم تحریک کا موثر علاقہ بن گیا۔ اور اس کا سلسلہ الحمد للہ اب تک جاری ہے۔ اور جو کوئی اسلام میں داخل ہوتا ہے وہ لازماً قادری ہوتا ہے۔ اس قادری شیخ طریقت اور افریقہ کے عظیم مبلغ اسلام نے ۱۹۰۹ء میں ۶۳ سال کی عمر میں جام شہادت نوش فرمائی (حوالہ مذکورہ ص ۱۱۰۵)

بنا کردند خوش رھے بخاک و خون غلطین

خدا رحمت کند ان عاشقان پاک طینت را

۱۲۔ شیخ عبداللہ بن محمد بن الصدیق بن احمد الغماری الحسنى الشاذلی المالکی

(ولادت ۱۳۲۸ھ - ۱۹۱۰ء)

فقہیہ، صوفی، لغوی، محدث، مصنف، امام اہل السنۃ۔ شیخ عبداللہ الغماری مراقش کے شہر تنجیر میں پیدا ہوئے، وہیال حسنی سادات ہے اور ننھیال مراقش کے صوفی ابن عجیبہ کا گھرانہ ہے۔ آپ کو مالکی اور شافعی فقہ اور اصول و لغت عربی میں ید طولی حاصل ہے اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس صدی میں امامت کا درجہ حاصل ہے۔ ابتداء آپ نے اپنے والد بزرگوار اور مراقش کے علماء جیسے شیخ عباس بنانی وغیرہ سے علوم حاصل کیے اور بعد ازاں فیز (۱۱۱۷ھ) کے جامعہ القرویین اور مصر کے جامع ازہر میں علوم کی تکمیل فرمائی جامع ازہر میں مفتی اعظم شیخ محمد بختیہ المطیعی اور اپنے بھائی جلیل التدر محدث حافظ احمد بن محمد بن صدیق سے تحصیل علوم کی۔ آپ کی معروف تصنیفات میں بدع التماسیر اور رد المحکم المتین ہے رد المحکم میں آپ نے تفصیل کے ساتھ بولی تحریک کے عقائد اور اعمال میں جو بدعتیں جاری ہیں اس کا مدلل جائزہ لیا ہے اس وقت آپ طریقہ شاذلیہ کی شاخ صدیقیہ کے شیخ وقت ہیں اور اب اپنے شاگرد خالقہ واقع تنجیر (Langirs) میں درس دیا کرتے ہیں نفع اللہ الامۃ بعلمہ وفیوضہ آمین بحرمۃ سید المرسلین۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

حاضر کے اہل علم میں مفقود ہے جس کی وجہ سے علم دین کی صحیح خدمت کماحقہ نہیں ہو رہی ہے شیخ عبدالوکیل دروہی بحیات ہیں اور امت کی صحیح خدمت میں مشغول ہیں (ایضاً ۱۰۲۳) امد اللہ حیاتیہ للاسلام والمسلمین

۱۳۔ شیخ عبدالرحمن بن عبدالرحمن الصاغوری

(ولادت ۱۳۳۲ھ / ۱۹۱۳ء)

فقہ شافعی، صوفی، شاعر ملک شام کے شہر حمص میں پیدا ہوئے، نو عمری میں دمشق منتقل ہوئے اور یہاں شیخ حسنی البغال، محمد برکات، علی الدقر، اسماعیل الطیبی اور الحفی حسنی اور دیگر علماء سے علوم اسلامیہ میں درس لیا۔ اور تصوف و طریقت میں شیخ محمد ہاشمی سے بیعت کرنے کے بعد بیس برس سے زیادہ آپ کی صحبت بابرکت میں رہے۔ اپنے شیخ طریقت کے حلقہ ذکر میں حمد و نعت کے اشعار سنایا کرتے۔ شیخ صاغوری کے سماجی خدمات بھی بیحد کامیاب رہیں۔ آپ نے ملک شام کی طرف سے ”عرب مزدور یونین“ کی اہم اور مرکزی کمیٹیوں میں نمائندگی بھی کی ہے۔ شیخ احمد علوی کے طریقہ پر آپ نے اپنا دیوان شعر مرتب کیا ہے۔ شیخ صاغوری علوم اسلامیہ کی تدریس کے دوش بدوش تصوف اور طریقت میں شیخ اکبر ابن العربی قدس اللہ سرہ کی فتوحات مکہ اور شیخ ابن الفارض، شیخ ابو مدین، عبدالغنی النابلسی، احمد العلوی اور خود اپنے صوفیانہ کلام کا بھی درس دیا کرتے ہیں۔ علامہ صاغوری کے طریقہ تصوف میں ذکر کے ساتھ خلوت کا بھی لزوم ہے۔ یہ شیخ احمد العلوی کے ملک شام میں جانشین ہیں۔ دور حاضر میں دمشق کی ایک دینی اکیڈمی میں اسلامیات کے پروفیسر ہیں۔ امد اللہ حیاتیہ للاسلام والمسلمین۔ (ایضاً ۱۰۲۲)

جان اور اپنا مال سب اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیا۔

اس عظیم عالم ربانی، غازی اور مجاہد نے دمشق میں ۱۹۳۳ء میں داعی اجل کو لبیک فرمایا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ، بحرمتہ سید المرسلین آمین یارب العالمین۔ (ایضاً ۱۰۸۳)

۱۷۔ شیخ یوسف بن سید ہاشم الرفاعی الهاشمی الکویت

(ولادت ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء)

شیخ اہل السنۃ، فقیہ شافعی، صوفی، مصنف، معلم، سابق وزیر کویت۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں شیخ احمد العقیل سے حاصل کی اور دمشق میں شیخ محمد صالح الکویت سے اسلامی قانون میں مہارت حاصل کی۔ آپ کے والد ماجد سید ہاشم الرفاعی ابتداءً جہاز کے کپتان تھے، پھر حکومت میں ایک بڑے عہدہ پر فائز ہوئے اور آخر میں کویت کی شرعی عدالت میں ایڈوکیٹ ہوئے۔ شیخ یوسف الرفاعی نسبا سادات اہل بیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۹۶۳ء میں کویت کے وزیر مواصلات ہوئے اور ۱۹۷۰ء تک اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔ شیخ یوسف الرفاعی طریقہ رفاعیہ میں اپنے شیخ طریقت شیخ مکی الکتانی کے مجاز اور خلیفہ ہیں۔ ان کا یقین ہے کہ اسلامی تصوف اخلاص اور روحانیت کے لئے اہم ترین ذریعہ ہے۔ آپ کی تصنیفات میں ”خواترنی السیاسة والجمع“ اولۃ اہل السنۃ والجماعۃ اور الرواۃ المحکم المنہج علی منکرات و شہات ابن منہج بے حد مشہور ہیں۔ دوسری کتاب آپ نے شیخ محمد علوی مالکی کی تائید میں لکھی ہے شیخ علوی نے مالکی نے وہابیت کا رد لکھا۔ شیخ یوسف الرفاعی کو دور حاضر میں مسلمانوں کے مسائل سے بڑی دلچسپی ہے۔ اس وقت شیخ رفاعی الکویت کے الایمان اسکول کے ڈائریکٹر ہیں جس کی بنیاد ۱۹۷۳ء میں رکھی گئی۔ اور ۱۹۸۸ء میں لندن میں جو اسلامک کانفرنس منعقد ہوئی اس کے صدر منتخب ہوئے۔ ہذا واد اللہ حیاتیہ للاسلام والمسلمین آمین بحرمتہ سید المرسلین! شیخ یوسف رفاعی مدظلہ سان فرانسکو (امریکا) صوفی کانفرنس میں شرکت فرما کر ۳ اپریل ۱۹۹۵ء کو شکاگو تشریف فرما ہوئے اور مولانا سید

تذکرہ حضرت محدث دکن

جعفر محی الدین قادری حفظہ اللہ، جناب بیابانی صاحب، شیخ احمد بن عمر تيجانی وغیر ہم کے ہمراہ تین محفلیں ہوئیں جن میں ذکر الہی کے ساتھ نعتیہ کلام بھی پڑھا گیا۔ اس عاجز نے شیخ کے استقبال میں عربی میں چند اشعار سنائے جس کا مطلع ہے :

ایا من لک الحسنی و انت مدارھا
الیک المعالی و المکارم تنسب

شیخ یوسف رفاعی نے حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلام بحضور خیر الانام :

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

کو بے حد پسند فرمایا اور بحالت قیام پڑھا۔ وہابیت کے سخت مخالف ہیں، علماء کے بڑے قدر دان ہیں، فرمایا علماء کی مثال پہاڑ جیسی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح پہاڑوں کو قائم فرما کر زمین کو جمائے رکھا ہے اسی طرح علماء کی وجہ سے دین کی بنیادیں استوار ہیں۔ نداء غیر اللہ کے بارے میں فرمایا کہ فرشتوں کی طرح انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی ارواح ہر جگہ موجود ہیں تو پھر ایسی نداء شرک کیسے ہو سکتی ہے جیسا کہ وہابی حضرات کا خیال ہے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

شیخ نے محفل ذکر کو اس طرح سجایا: ذکر کی ابتداء استغفر اللہ تبت الی اللہ. نہایت نفسی عن سوی اللہ کے کلمات سے فرمائی پھر لا الہ الا اللہ اور اللہ کا ذکر کروایا اور پھر مراقبہ موت کیا یہ مجلس تقریباً ایک گھنٹہ میں تکمیل پائی۔ مجلس سے پہلے شیخ کے سکریٹری جناب عبدالباسط نے بڑی خوش الحانی کے ساتھ آیت مبارکہ اللہ نور السموات والارض الی آخرها تلاوت فرمائی۔ تینوں محفلیں بڑی بابرکت اور بڑی نورانی تھیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی محفلیں بکثرت قائم فرمانے کی مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے! آمین۔ بحرمة سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرامین۔

قارئین کرام کو ایک اہم واقعہ بھی سناتا چلوں کہ شیخ یوسف ہاشم رفاعی نسبا بغداد کے شیخ احمد کبیر رفاعی قدس اللہ سرہ کی اولاد امجاد میں ہیں۔ شیخ احمد کبیر رفاعی (م ۵۵۵ھ) جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو مسجد نبوی میں مواجہ شریف کے روبرو ذیل کے یہ دو اشعار عرض کئے۔

فی حالة البعد روحی کنت ارسلمحا

تقبل الارض عنی وھی نابتی

وہذہ نومة الاشباع قد حضرت

فامددیمینک کی تھنلی بھاشفتی

(ترجمہ) جب میں (اپنے وطن سے) دور تھا تو اپنی روح کو یہاں روانہ کرتا اور میری

طرف سے نائب بن کر اس مقدس مقام کی مبارک زمین کو بوسہ دیتی تھی)۔

اور اب یہ پیکر خاکی حاضر ہے (یا رسول اللہ) اپنے دست فیض رجت کو دراز

فرمائیں تاکہ میرے ہونٹ دست بوسی سے برکت حاصل کریں)۔

یہ شعر عرض کرنا تھا کہ دفعتاً ایسی چمک ہوئی کہ حاضرین تاب نہ لا کر بے ہوش

ہو گئے اور حضرت شیخ احمد کبیر رفاعی نے اپنا مقصود حاصل کر لیا۔ (ملاحظہ ہو

تذکرہ حضرت محدث دکن

البنیان المشید از شیخ السید احمد کبیر رفاعی)

الحمد للہ مارچ ۱۹۹۶ء کے آخری ہفتہ میں شیخ مدظلہ نے شہر سان فرانسسکو میں تیسری صوفی کانفرنس میں شرکت فرمائی، اور اس عاجز سے الحمد للہ کئی ملاقاتیں رہیں اور ان شاء اللہ ماہ اگست میں لاس اینجلس میں جو یونین کانفرنس منعقد ہو رہی ہے اور جس کے صدر شیخ ہشام الکلبانی ہیں مزید ملاقاتوں کا یقین ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔

۱۸۔ شیخ محمد ہاشم بن راشد محمد بن عبد اللہ الخطیب القادری

(۱۳۰۴ھ - ۱۳۷۸ھ / ۱۸۹۰ء - ۱۹۵۸ء)

فقہ شافعی، حافظ قرآن، قاری، مجاہد، غازی، مصنف، دمشق کے تقریباً اٹھائیس علماء اور شیوخ سے مختلف علوم پڑھے اور سب نے تحریراً ان علوم کی تدریس کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ملک شام پر فرانس نے جب اپنا تسلط قائم کیا تو شیخ محمد ہاشم القادری نے ملک شام میں سفر کر کے مسلمانوں کو فرانس کے خلاف جہاد پر آمادہ کیا۔ دمشق کی جامع مسجد اموی جامع سلیمانہ تکیہ اور جامع قلبک جیا میں باقاعدہ تدریس جاری فرمائی۔ عصر حاضر کے مسائل پر آپ نے کئی رسالے اور کتابچے تالیف فرمائے۔ اس عالم ربانی کی دمشق ۱۹۵۸ء میں وفات ہوئی رحمۃ اللہ رحمۃ واسعة۔ (ملاحظہ ہو Reliance of Traveller ص ۱۰۵۰)

۱۹۔ شیخ یونس بن حمدان، البوانس، الشافعی الشاذلی الارذنی

(ولادت ۱۹۳۳ء)

فقہ شافعی، امام مسجد موقوفہ در عمان (اردن) متواضع، عالم ربانی، آپ کی ولادت شرقی عمان (اردن) کے مقام مارکا میں ہوئی اور عمان ہی میں علوم کی تکمیل فرمائی۔ وزارت اوقاف کی جانب سے امامت پر تقرر سے پہلے اردن کی فوج میں چار سال تک معلم کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۶۷ء میں شیخ محمد سعید کردی سے طریقت میں شاذلیہ

ڈی سی میں (Co ordinator) ہیں۔

جناب یوسف طلال علوم اسلامیہ کے اہم متون کے جلیل القدر مترجم ہیں ان کتابوں میں جس کا انہوں نے عربی سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ کتاب الحلال والحرام (از احياء العلوم)، اصول الفقہ الاسلامی، الاجتہاد والتقلید فی الاسلام اور احکام القرآن للامام جصاص رازی وغیرہا ہیں۔ اس وقت یہ Virginia Sterling میں رہتے ہیں۔ (ایضاً ۱۱۱۱)

۲۱۔ شیخ شعیب بن محرم بن علی، ابو اسامہ الارنوط الحنفی

(ولادت ۱۹۲۸ء)

محدث، فقیہ حنفی، مصنف، محقق، مفسر، لغوی، ادیب، شہر شکوڈر (البانیہ) سے ۱۹۲۶ء میں دمشق منتقل ہو گئے انہوں نے دمشق میں علوم اسلامیہ کی شیخ عبدالرزاق الحلبي، شیخ نوح الالبانی، شیخ سلیمان الغوجی اور دیگر علماء سے تحصیل کی۔ علم اصول الحدیث شیخ عبداللہ الحلبي شیخ الخصاص سے پڑھا اور شیخ صالح الفر فور سے حاشیہ رد المحتار کی آٹھوں جلدوں اور تفسیر میں علامہ زمخشری کی کشاف اور علامہ نسفی (م ۱۰، ھ / ۱۳۱۰ء) کی مدارک التنزیل کا درس لیا اور یہ کام سات برس میں تکمیل کو پہنچا، ان کا علمی کارنامہ اسی (۸۰) سے زیادہ علوم اسلامیہ کے مختلف متون کی صحیح ہے جن میں معروف ابن القیم الجوزی (م ۴۱، ھ / ۱۳۳۰ء) کی زاد المعاد (پانچ جلدیں) امام طحاوی کی شرح مشکل الآثار اور ابن حبان البستی الافغانی (م ۳۵۳، ھ / ۹۶۵ء) کی "الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان" ہیں۔ یہ تمام تصنیفات کئی کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہیں۔ علامہ شعیب ارنوطی کا یقین ہے کہ یہ اور اس قسم کی علم حدیث اور فقہ میں مستند تالیفات چاروں ائمہ فقہ کے قابل استناد توضیحات ہیں ان چاروں ائمہ کے بعد ان مذاہب کے علماء اور فقہاء علم اور دین کے پہاڑ تھے اگر امت مسلمہ ان کتابوں سے استفادہ کرے تو ملت سارے مسائل حل ہو جائیں۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

علامہ شعیب ارنوط اس وقت شہر عمان (اردن) میں رہتے ہیں اور مؤسسۃ الرسالۃ کے شعبہ تحقیق کے سوپروائزر ہیں۔ امد اللہ حیاتیۃ للاسلام و المسلمین بحرمۃ سید المرسلین و آلہ الطاہرین واصحابہ الاکرامین۔ (ایضاً ۱۱۱۳)

۲۲۔ شیخ نوح حاء مسیم کلر الشاذلی الحنفی

(ولادت ۱۹۵۴ء)

صوفی، فاضل عربی، مصنف، محقق، فقیہ۔ امریکن صوفی اسکالر ہیں۔ واشنگٹن میں پیدا ہوئے۔ امریکہ کی مختلف جامعات میں فلسفہ اور عربی زبان اور ادب کی تحصیل کی۔ ابن نقیب مصری (م ۷۶۹ھ - ۱۳۶۸ء) کی عمدۃ السالک کا انگریزی ترجمہ شائع کیا۔ یرموک یونیورسٹی میں انگریزی کے استاذ بھی رہے ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں شیخ عبدالرحمن صاغوری سے شاذلیہ طریقہ میں علم طریقت حاصل کیا۔ شیخ شعیب ارنوطی سے حنفی فقہ میں مہارت حاصل کی، عمدۃ السالک کے ترجمہ میں شیخ عبدالوکیل الدروبی اور شیخ نوح علی سلمان سے استفادہ کیا۔ یہ تمام عصر حاضر کے علماء، محدثین، فقہاء، صوفیاء اور مجاہدین کے مبارک سوانح ہیں جو الحمد للہ ہمارے حضرت محدث دکن قدس سرہ کے معاصر ہیں۔ موصوف کی کتاب (The Rliance of Traveller) سے ماخوذ ہیں۔ اس امریکی مسلم صوفی اسکالر کی یہ علمی خدمت قابل رشک ہے۔ گذشتہ سال (۱۹۹۴ء) میں چند گھنٹوں کے لئے شکاگو قیام رہا اور ہمارے احباب نے ان کی تقریر IMCO میں سنی۔ اس وقت ملک اردن کے شہر عمان میں سکونت پذیر ہیں (ایضاً ص ۱۰۹۸)۔

اگست ۱۹۹۶ء کے پہلے ہفتہ میں شیخ نوح نے یونینٹی کانفرنس (لاس اینجلس) میں شرکت فرمائی اور تصوف پر بڑا مدلل، فکر انگیز اور معلومات آفریں مقالہ سنایا۔ سیدھے سادھے، طبیعت میں دھیمپن، بڑے متواضع امریکی مسلمان ہیں اللہ تعالیٰ ان کے امثال کو زیادہ سے زیادہ پیدا فرمائے، آمین بحرمۃ سید المرسلین!

تذکرہ حضرت محدث دکن

(ابوالخیرات غفرلہ)

امد اللہ حیاتیہ للاسلام والمسلمین، آمین، بحر مہ سید المرسلین۔

۲۳۔ شیخ عبداللہ بن محمد بن یوسف، ابو عبدالرحمن الہرری العبدری
القادری الرفاعی النقشبندی

(ولادت ۱۳۳۹ھ - ۱۹۲۰ء)

امام اہل السنۃ، محدث، فقیہ شافعی، حافظ صحاح ستہ، محقق مفسر، قاری عشرہ، صوفی،
خطیب مفتی، عالم ربانی اپنے وطن کے علماء سے علوم اسلامیہ کی تکمیل کے بعد مکہ
معظمہ پہنچے اور یہاں کے علماء کرام مثلاً السید علوی مالکی الاستاذ فی بیت اللہ الحرام،
الشیخ امین الکتبی، شیخ محمد العربی التبان سے استفادہ کیا۔ شیخ طریقت مولانا عبدالغفور
الافغانی النقشبندی رحمۃ اللہ سے طریقہ نقشبندیہ حاصل کیا۔ یہاں سے مدینۃ النبی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور یہاں شیخ محمد بن علی الصدیقی البکری
الہندی الحنفی سے سند حدیث شریف حاصل فرمائی۔ اسی طرح الشیخ الحدیث عبدالقادر
شہلی اور ان کے شاگرد شیخ محدث ابراہیم ختئی سے استفادہ کیا۔ شیخ عبداللہ ہرری
سے جن محدثین اور فقہاء سے سندیں ملی ہیں۔ ان کا اناطہ مشکل ہے۔

مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیت المقدس حاضری دی اور پھر دمشق
پہنچے۔ ملک شرم میں حدیث الشام الشیخ بدر الدین الحسنی الشافعی نے خلیفہ بن حشیشیت
سے آپ کو "محدث الدیار الشامیہ" کا لقب ملا۔ دمشق میں شیخ عبدالرحمن تموی،
شیخ طاہر الخمسی سے طریقہ رفاعیہ میں اور شیخ احمد عربینی سے طریقہ قادریہ میں اجازت
اور خلافت حاصل فرمائی۔

شیخ ہرری ایک عظیم مصنف ہیں آپ کی بیس سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔
ان میں معروف حسب ذیل ہیں

تذکرہ حضرت محدث دکن

شاذلی طریقہ کا ذکر لیا۔ ثانوی تعلیم کے بعد جامعہ دمشق میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۵ء میں گرانجویٹ کی ڈگری حاصل کی۔ جامعہ دمشق میں شیخ نوح نے فقہ حنفی کی متعدد کتابیں شیخ مصطفیٰ الزرقاء، شیخ وہبی ذہیلی، شیخ عبدالرحمن الصابونی، شیخ امین المصری، شیخ عبدالفتاح ابوغده، شیخ محمد المبارک، شیخ فوزی فیض اللہ اور دیگر علماء سے پڑھیں جب شیخ نوح ۱۹۶۵ء میں اردن واپس ہوئے تو مسلم افواج میں عبداللہ محمد الاعظم کے ساتھ مامور ہو گئے اور ۱۹۷۲ء میں آپ کی جگہ مفتی کی حیثیت سے ترقی عمل میں آئی۔ ۱۹۷۷ء میں ازھر پہنچے اور وہاں ایم اے میں داخلہ لیا۔ ازھر کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالخلیم محمود سے تصوف میں استفادہ کیا۔ ازھر کے دوران قیام اپنی کتاب ”قضاء العبادۃ والتیابۃ فیہا“ ایم۔ اے کے مقالہ کے لئے لکھی اور ۱۹۸۰ء میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۸۱ء میں جامعہ الامام محمد بن سعود میں ڈاکٹریٹ کے لئے کام شروع کیا اور مقالہ لکھا جس کا عنوان ہے ”عبرۃ الذمۃ من حقوق العباد“ جس پر شیخ نوح کو ڈاکٹریٹ کا مستحق قرار دیا گیا۔

۱۹۷۲ء میں شیخ نوح کا مسلم افواج میں مفتی کی حیثیت سے تقرر ہوا تو موصوف نے سینکڑوں فتاویٰ جاری کئے جو مسلم افواج کے میگزین ”تذکرہ“ میں شائع ہوتے رہے۔ شیخ نوح فرض نمازوں کی امامت کے علاوہ قرآن، حدیث اور عقائد کا درس دیا کرتے ہیں اور فقہ شافعی میں قلیل المدتی کورس کا بھی انتظام کیا ہے۔ اور نوح حاء میم کلر مترجم عمدۃ السالک (The Reliance of Traveller) کے ترجمہ میں ان کی علمی اعانت کی ہے۔ اور کسی بھی علمی اعانت کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ اس وقت شیخ نوح الشاذلی شہر عمان (اردن) کے ایک محلہ مرج الحمام میں مقیم ہیں۔

(The Reliance of Traveller ص ۱۰۸۷-۱۰۸۸)

امد اللہ حیاتیہ للاسلام والمسلمین! آمین۔ بحرمتہ سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ
الاکرامین!

۲۵۔ شیخ فتح اللہ یسین جزر المصری الازہری

(ولادت ۱۹۳۰ء)

شیخ فتح اللہ یسین مصر کے ایک شہر ناحیہ میں ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ نو سال کی عمر میں قرآن حفظ کرنے کے بعد ۱۹۳۶ء میں جامع ازہر میں داخلہ لیا ثانوی اور گریجویٹیشن کی تکمیل کے بعد ۱۹۶۰ء میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ بعد ازاں ۱۹۶۵ء میں جامعہ ازہر کی ریسرچ اکاڈمی سے وابستہ ہو گئے اور شیخ الازہر کی نگرانی میں تحقیقی کام شروع کیا۔ اس اکاڈمی کی سرگرمیوں میں مختلف اسلامی ملکوں میں تبلیغی وفد کو روانہ کرنا شامل ہے۔ یہ کام بھی ان کے سپرد رہا۔ ۱۹۷۱ء میں شیخ فتح اللہ کو طرابلس (لبنان) روانہ کیا گیا تاکہ وہاں تدریس کے علاوہ یہ تبلیغی کام بھی انجام دیں۔ ۱۹۷۷ء میں یہ مصر واپس ہوئے اور ۱۹۸۵ء میں تحقیق، تصنیف اور ترجمہ کے جرنل ڈائریکٹر مقرر ہوئے جس پر تاحال فائز ہیں۔ علامہ ابن نقیب مصری کی عمدۃ السالک کا ترجمہ The Reliance of Traveller اسی اکاڈمی کو توثیق کے لئے روانہ کی گئی اور ۱۹۹۱ء میں اس کی توثیق حاصل ہوئی (ایضاً ص ۱۰۶۳)

۲۶۔ شیخ عبداللہ الفیض الداغستانی النقشبندی

(۱۳۰۹ھ - ۱۳۹۳ھ / ۱۸۹۱ء - ۱۹۷۳ء)

سلطان الاولیاء زمانہ، شیخ عبداللہ الداغستانی (حال تاجکستان قدیم روس) میں پیدا ہوئے۔ آپ صحابی رسول حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد میں ہیں۔ حضرت مقداد کی مبارک پشت پر سالار کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست فیض درجت کی مبارک انگلیوں کے پانچ نشان تھے وہ وراثتاً حضرت عبداللہ الداغستانی قدس سرہ تک پہنچے جس میں چمک ہوا کرتی تھی۔ آپ اپنے ماموں شیخ شرف الدین الداغستانی ترکی نقشبندی کے مجاز اور خلیفہ ہیں۔ نو عمری میں آپ

نے اپنے شیخ کے حکم پر دو مرتبہ پانچ پانچ سال غاروں میں ریاضت فرمائی۔ ۱۸۹۰ء میں داغستان پر روس کی دھری اور لادینی حکومت کا تسلط ہو گیا تو آپ اپنے ماموں اور تمام خاندان کے ساتھ ترکی پہنچ گئے۔ دوران ریاضت آپ کو حکم تھا کہ روزانہ کم از کم سات تا پندرہ پارے قرآن پاک کے تلاوت فرمائیں، اسماء حسنی ایک لاکھ اڑتالیس ہزار بار اور درود شریف چوبیس ہزار بار پڑھا کریں۔

دوران ریاضت برائے نام سولیا کرتے۔ اسی دوران غار حرا میں چالیس دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی جس میں ایک لمحہ کے لئے بھی نیند نہیں لی۔

آپ نے اپنے شیخ کے حکم پر ترکی کے مسلح افواج میں بھی خدمت کی ہے۔ آپ کے شیخ نے اپنے انتقال سے کچھ عرصہ قبل فرمایا کہ اگر موقع مل جائے تو تم ترکی چھوڑ دینا۔ چنانچہ شاہ فاروق کے انتقال کے بعد شیخ شرف الدین نقشبندی قدس سرہ کے چند مصری مریدین کا وفد شیخ عبداللہ داغستانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور مصر میں تشریف آوری کی درخواست کی، آپ کو اپنے شیخ کی بات یاد آئی اور آپ مصر پہنچے پھر وہاں سے حمص ہوتے ہوئے دمشق آ گئے۔

شیخ عبداللہ داغستانی نقشبندی قدس سرہ نے کئی پیشین گوئیاں فرمائی جو آپ کی وفات کے بعد من و عن پوری ہوئیں اور بعض کی امید ہے جیسے کمپوزم کا ختم ہو جانا، عرب اور اسرائیل میں معاہدہ کا ہونا اور ایک عظیم جنگ کا ترکی اس کے پڑوسی ملک میں واقع ہونا اور اسی جنگ کے دوران حضرت مہدی علیہ السلام کا ظہور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور اس کے ساتھ پوری دنیا میں امن و امان کا قائم ہو جانا۔

شیخ عبداللہ داغستانی کا جب انتقال ہوا تو نماز جنازہ میں شرکت کے لئے عوام اور خواص بیروت، اردن، حلب اور دمشق کے اطراف و جوانب سے پہنچے جن کی

تذکرہ حضرت محدث دکن

تعداد تقریباً چار لاکھ تھی۔ آپ کی ایک کرامت کا سب نے مشاہدہ کیا کہ جب جنازہ اٹھایا گیا تو وہ خود بخود کندھوں سے اوپر ہوا میں معلق ہو کر لوگوں کے سروں پر چلتا رہا اور جب قبر کے پاس پہنچے تو جنازہ خود بخود نیچے آگیا۔ یہ کرامت حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۳۴ھ) کے پوتے حضرت شاہ سیف الدین سرہندی نقشبندی (م ۱۰۵۶ھ) اور حضرت شاہ ابو السعد سالم (م ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء) مدفون کوئٹہ پاکستان کے جنازہ پر بھی دیکھی گئی۔

حضرت شیخ عبداللہ داغستانی قدس سرہ کی تدفین صالحیہ (دمشق) احاطہ مسجد شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ میں عمل میں آئی۔ اللهم اغفر له وارحمہ واعف عنه واجعل الجنة مثواه! آمین۔ بحرۃ سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرامین۔ (ملاحظہ ہو History of the Saints of Golden Chain ص ۳۴۷-۳۴۸)

(Shaikh Hisham Kabbani)

۲۷۔ علامۃ العصر سید محمد صالح فرفور حسنی قادری حنفی شاذلی نقشبندی

(۱۳۱۸-۱۴۰۷ھ / ۱۹۰۱-۱۹۸۶ء)

عالم اسلامی کے نادر روزگار عالم ربانی، فقیہ جلیل، مرشد کبیر حضرت علامہ سید محمد صالح فرفور حنفی قادری ابن سید عبداللہ فرفور دمشق کے محلہ عمارہ جوانیہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت محبوب سجانی سید نانا شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم قدس اللہ تعالیٰ سرہ تک پہنچتا ہے۔ ذوق و شوق اور قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ فرمایا اور درسی نصاب کی تکمیل فرما کر امتیازی حیثیت کے ساتھ بی۔ اے کامیاب کرنے کے بعد دمشق کے طبیہ کالج میں داخلہ لینے کے ارادہ سے اپنے والد ماجد سے مشورہ فرمایا تو والد اپنے خاندان کے اکابر کا تذکرہ۔ الضیاء الموفور فی اعیان بنی فرفور۔ پڑھنے کا حکم دیا۔ جب یہ تذکرہ ختم کر کے اپنے والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھوں

تذکرہ حضرت محدث دکن

سے آنسو موتی کی طرح گر رہے ہیں اور سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی آواز میں فرما رہے ہیں۔

”بیٹے! مجھ سے وعدہ کرو کہ تم اپنے آباء و اجداد کے نقش قدم پر چلو گے۔ اور آج سے تم علم دین کے حصول میں لگ جاؤ گے تاکہ تم آئندہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث بنو“۔

والد ماجد کے انتقال کے بعد انہوں نے حسب وعدہ علماء کرام کی مجالس میں حاضری شروع کر دی یہ وہ دور تھا کہ دوسری جنگ عظیم (۱۹ ویں صدی کا چوتھا دہا) نے اہل شام کی معاشی اور اقتصادی حالت تباہ کر دی تھی۔ اس معاشی زبوں حالی سے شیخ فرفور بھی محفوظ نہ رہ سکے، مجبوراً انہوں نے نجاری کے دوکان کھول لی اور رات میں کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ علماء، ادباء اور صوفیہ سے استفادہ کرنے لگے۔ تصوف اور روحانیت میں شیخ عبدالرحمن خطیب، ان کے بھائی شیخ محمد ہاشم خطیب اور خاص طور پر شیخ سید محمد بدر الدین حسنی (م ۱۹۳۵ء) رحمۃ اللہ علیہم سے استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ جن علماء سے شیخ فرفور نے استفادہ کیا ان میں محدث شام شیخ صالح اسعد حمصی (م ۱۹۴۳ء) علامہ عبدالباقی ہندی (م ۱۹۴۵ء) مقیم مدینہ منورہ، شیخ محمد علوی مالکی مغربی مکی (م ۱۹۷۴ء) علامہ عبدالقادر شلبی طرابلسی مدنی (م ۱۹۴۹ء) علامہ عمر حمدانی محرمی (م ۱۹۴۸ء) علامہ علی اعظم، علامہ عبدالقادر قصاب (م ۱۹۴۱ء) اور علامہ شیخ محمد ساعاتی فلکی۔ علیہم الرحمۃ ہیں۔ الغرض آپ نے تنگدستی کے عالم میں تحصیل علوم کا سلسلہ جاری رکھا اور بہت بڑا کتب خانہ قائم کر لیا اور اس کے ساتھ ساتھ عبادت، ریاضت اور شب بیداری بھی جاری رہی۔

اساتذہ کی طرف سے اجازت ملنے کے بعد دمشق کی مساجد میں تدریس شروع کر دی جامع مسجد بنی امیہ، مدرسہ فتنی جامع قیمریہ میں تصوف کے رسالہ قشیریہ اور احیاء

العلوم کا درس جاری کیا۔ شیخ فروری کی خصوصیت یہ تھی کہ طلبہ کو رائج علوم ہی نہیں پڑھاتے تھے بلکہ ان میں اسلامی اور روحانی جذبہ بھی پیدا کر دیتے تھے۔ طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر اصحاب ثروت احباب کے تعاون سے ۱۹۵۶ء میں دمشق میں جمعیت الفتح الاسلامی قائم کی جس کے زیر انتظام طلباء اور طالبات کے لئے مدارس کھولے گئے۔ مفتی لبنان شیخ توفیق خالد کی دعوت پر بیروت کے کلیہ شرعیہ میں بھی پڑھاتے رہے اس طرح بیروت کے بہت سے ادیب، خطیب اور مدرسین نے آپ سے سند فراغت حاصل کی۔

شیخ فروری نے اپنے لخت جگر شیخ عبداللطیف کو تیس سال کی تعلیم اور تربیت کے بعد سند اجازت اور خلافت عطا فرمائی اور مقررہ شرائط کے مطابق طریقت کے سلسلہ شاذلیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور خلوتیہ میں اجازت دی۔ اور سند میں اپنے فرزند ارجمند کو چند ہدایات سے نوازا جن میں کچھ یہ ہیں:

- ۱۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور قول و فعل میں اخلاص سے کام لینا
 - ۲۔ کسی فضیلت کا دعویٰ نہ کرنا اور دوسروں سے عاجزی اور انکساری سے پیش آنا
 - ۳۔ علم کے پھیلانے میں اپنی توانائی لگانا اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچانا
 - ۴۔ ہر وقت ذکر الہی میں مصروف رہنا کیونکہ ذکر الہی دلوں کو جمکا دیتا ہے
 - ۵۔ اقوال اور افعال میں شریعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنا
 - ۶۔ اپنی خلوت و جلوت میں مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا
- حضرت شیخ فروری نے ابتدائی زندگی میں تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہیں کی۔ جب عمر شریف پچاس سال سے متجاوز ہوئی تو مصروفیات کی زیادتی کے باوجود کئی قابل قدر کتابیں لکھیں۔ درج ذیل تصانیف ان کی یادگار ہیں:

۱۔ الضیاء الموفور فی اعیان بنی فرور (فرور خاندان کے آباء و اجداد کا تذکرہ)

تذکرہ حضرت محدث دکن

- ۲۔ سلسلہ الخلود (یہ ادبی تصنیف ہے)
 - ۳۔ السمات (ان احادیث شریفہ کا ترجمہ جن کی مسلمان خواتین کو ضرورت ہے)
 - ۴۔ من مشکوٰۃ التبوٰۃ (امام نووی کی اربعین کی بسیط شرح)
 - ۵۔ المحدث الاکبر الشیخ محمد بدرالدین الحسنی کما عرفہ (استاذ اور مرشد گرامی کا تذکرہ)
 - ۶۔ الرسالة النافعة والحج القاطع (عقائد اسلام پر مستند تصنیف) یہ چھ تصانیف ۱۹۷۸ء تک شائع ہوئیں۔ ان کے علاوہ چند تصانیف یہ ہیں۔
 - ۷۔ شرح نور الايضاح (فقہ حنفی کی مشہور کتاب کی مبسوط شرح)
 - ۸۔ الشیخ عبدالحکیم الافغان (تذکرہ)
 - ۹۔ آلام و آمال۔ شعری مجموعہ (دیوان)
 - ۱۰۔ تراجم لمن عاصرهم من العلماء (ہم عصر علماء کا تذکرہ)
- فرانس کے خلاف تحریک اٹھی تو قائدین علماء کے ساتھ مل کر باقاعدہ جہاد میں حصہ لیا۔ اور شوق شہادت میں خطرناک معرکوں میں کود پڑے۔
- یہ تمام مواد ان کے بڑے صاحبزادے سید ابوالخیر محمد عبداللطیف کی جلیل القدر تصنیف جو اپنے والد ماجد کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ الزاہر فی الحدیث العاطر عن الوالد الفاخر العظامۃ العارف باللہ الشیخ محمد صالح فرفور الحسنی۔ سے ماخوذ ہے جیسا کہ صدیق مکرم مولانا عبدالحکیم شرف قادری شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ۔ لاہور نے واضح فرمایا ہے۔

علامہ موصوف کا انتقال ۵ محرم ۱۴۰۷ھ / ۹ اکتوبر ۱۹۸۶ء بروز سہ شنبہ ہوا، اور عارف باللہ شیخ ارسلان رحمۃ اللہ کے جوار میں آپ کی آخری آرام گاہ بنائی گئی۔ رحمۃ اللہ واجعل الجنة مثواه (ملاحظہ ہو کتاب زندہ جاوید خوشبوئیں ص ۲۶ تا ۳۴)

۲۸۔ شیخ محمد معصوم ضیائے نقشبندی

(ولادت۔ ۱۹۱۷ء)

شریعت اور طریقت کے بطل جلیل حضرت مولانا شاہ محمد معصوم ضیاء نقشبندی بمقام بیارہ (کردستان۔ عراق) میں پیدا ہوئے۔ تمام علوم اسلامیہ کی تحصیل فرمائی۔ آپ کے اساتذہ ملا حسین مجذبی، استاذ ملا محمد ماورانی۔ ملا معروف کو کہائی، استاذ ملا علی ولزی، استاذ ملا شیخ حسین اور استاذ ملا عبدالکریم مدرس ہیں۔ آپ کا نسب عین واسطوں سے حضرت شیخ عثمان سراج الدین تک پہنچتا ہے۔ حضرت شیخ عثمان قدس اللہ سرہ حضرت مولانا خالد رومی عثمانی نقشبندی مجددی کے خلیفہ اجل ہیں۔ حضرت خالد رومی نے جب عراق سے ملک شام کو ہجرت فرمائی تو آپ کو عراق میں اپنا جانشین بنایا۔ چنانچہ حضرت شیخ عثمان سراج الدین علیہ الرحمۃ نے جانشینی کا کامل حق ادا فرمایا اور حاضرین کے ظاہر اور باطن کی اصلاح میں اپنی عمر عزیز لگا دی۔ حضرت شیخ ضیائے نقشبندی کا علاقہ علم و عرفان کا مرکز اور مرجع خاص و عام تھا چنانچہ آپ کی تربیت خالص علمی، دینی اور روحانی گھرانے اور ماحول میں ہوئی۔ مزید تحصیل علوم کے لئے آپ نے ترک، شہرستان، کردستان کے متعدد شہروں میں کئی برس گزارے دوسری جنگ عظیم کے بعد آپ کے چچا اور پیر طریقت حضرت شیخ علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ نے وطن واپس ہونے کی تاکید فرمائی چنانچہ اپنے وطن مقام بیارہ واپس ہو گئے۔ آپ کے اولاد امجاد جو عرصہ سے امریکہ پہنچ چکے تھے کردستان کے حالات کے بگاڑ کی وجہ سے عراق کے کویت پر حملہ کے ایک سال پہلے امریکہ بلوایا اور اس وقت امریکہ کی ایک ریاست ڈیالس میں مقیم ہیں۔ اور طالبین روحانی استفادہ کر رہے ہیں۔ ”مد اللہ حیاتیہ لاسلام والاسلمین“ آمین!

حضرت ضیائے نقشبندی مدظلہ العالی جناب ڈاکٹر احمد مرزا دام فضلہ مؤسس نقشبندیہ فاؤنڈیشن واقع پوریا (الی نائی۔ امریکہ) کی دعوت پر پیرانہ سالی کے

تذکرہ حضرت محدث دکن

باوجود پہلی میلاد النبی انٹرنیشنل کانفرنس (شکاگو) میں تشریف فرما ہو کر فارسی میں اپنا مقالہ پڑھا۔ اس عاجز پر بزرگانہ شفقت فرماتے ہیں۔ درخواست پر فارسی زبان میں اپنے مبارک احوال اپنے دست مبارک سے لکھ کر روانہ فرمائے اور علاوہ ازیں شجرہ شریفہ نقشبندیہ نیز آداب طریقہ علیہ نقشبندیہ خالدیہ روانہ فرما کر ممنون فرمایا۔ ایک مرتبہ عاجز نے حضرت مدظلہ العالی سے عرض کیا کہ آپ میلاد النبی کانفرنس میں اس قدر مشقت برداشت فرما کر تشریف فرما ہوئے تو جواباً ارشاد فرمایا کہ

”سر کے بل حاضر ہونے کا موقع تھا“

اس مبارک حیات کو اس شعر پر ختم کیا جاتا ہے :

آشفگانِ شوق کی منزل ہے یہ مقام
سرچشمہ جاز کا جاری ہے فیض عام

۲۹۔ سید قطب مصری شہید علیہ الرحمۃ ورضوان الرب

(۱۹۰۶-۱۹۶۶ء)

بنا کردند خوش رسمے بکاک و خون غلطین

خدا رحمت کنداں عاشقانِ پاک طینت را

مفسر، ادیب، مصلح، مصنف، نقاد، محقق، شاعر، شہید، عبقری۔ آپ کا اصلی نام سید ہے، قطب خاندانی نام ہے۔ آباء و اجداد اصلاً جزیرۃ العرب کے رہنے والے تھے، اس خاندان کے ایک بزرگ ہجرت کر کے مصر کے بالائی علاقہ میں آکر آباد ہو گئے۔ انہی کی اولاد میں سید قطب کے والد بزرگوار حاجی ابراہیم قطب تھے۔ حاجی ابراہیم قطب کے عین لڑکیاں اور دو لڑکے تھے۔ ان میں سید قطب سب سے بڑے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی محمد قطب بھی بڑے صاحب علم و فضل ہیں یہ گیارہ سے زائد ضخیم کتابوں کے مصنف ہیں اور سب مختلف اسلامی موضوعات پر ہیں۔ بہنیں بھی بھائیوں کی طرح علم و ادب اور جہاد کے میدان میں پیچھے نہیں رہی ہیں۔ اس طرح

تذکرہ حضرت محدث دکن

اس خاندان کا ہر فرد گوہر یک دانہ نظر آتا ہے اور یہ کہنا بجا ہے کہ:

”اس خانہ تمام آفتاب است“

سید قطب ۱۹۰۶ء میں ضلع اسیوط (مصر) کے موشانامی گاؤں میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم گاؤں کے سادہ اور محدود ماحول میں ہوئی۔ بچپن میں والدہ مرحومہ کی دلی آرزو کے مطابق قرآن حفظ کر لیا۔ آپ کے والدین گاؤں چھوڑ کر قاہرہ کی ایک بستی حلوان میں آکر آباد ہو گئے۔ سید قطب نے فوقانی تعلیم سے فارغ ہو کر ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم قاہرہ میں داخلہ لے لیا اور ۱۹۳۳ء میں بی اے کی ڈگری لےجو کیشن میں حاصل کر لی اور اسی کالج میں پروفیسر بنا دیئے گئے کچھ عرصہ تک اس دارالعلوم میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھاتے رہے پھر وزارت تعلیم میں آپ کو انسپکٹر آف اسکول بنا دیا گیا۔ اسی دوران حکومت کی جانب سے آپ کو جدید طریقہ تعلیم و تربیت کے مطالعہ کے لئے امریکہ دو سال کے لئے بھیجا گیا۔ امریکہ میں ان کا قیام تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لئے مختلف کالجوں میں ہوا۔ امریکہ سے واپسی پر انگلستان، اٹلی اور سوئزر لینڈ میں بھی چند ہفتے گزارے۔ امریکہ کے قیام میں سید قطب علیہ الرحمۃ نے مادی زندگی کی تباہ کاریوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا جس کی وجہ سے اسلام کی حقانیت اور صداقت پر مزید اطمینان ہوا اور وہ یہ یقین لے کر واپس آئے کہ انسانیت کی فلاح و کامرانی صرف اسلام اور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں ہے۔

امریکہ سے واپس ہو کر علامہ سید قطب نے ”الانخوان المسلمون“ کی دعوت اور پیغام کا مطالعہ کیا اور بالآخر ۱۹۴۵ء میں اس جماعت سے وابستہ ہو گئے۔ انخوان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ دو سال کے اندر اندر اس کے کارکنوں کی تعداد ۲۵ لاکھ تک پہنچ گئی۔ ارکان عام ہمدردوں اور حامیوں کی تعداد اس سے بھی دو گنی ہو گئی۔ ۱۲ فروری ۱۹۴۹ء میں انخوان کے مرشد عام الاستاذ حسن البناء شہید کر دیئے گئے اور

تذکرہ حضرت محدث دکن

جماعت کو خلاف قانون قرار دیا گیا۔ جولائی ۱۹۵۲ء میں فوجی انقلاب برپا ہوا جس کی وجہ سے اخوان کی آزمائش کا ایک دور ختم ہوا مگر اس کے ساتھ ساتھ دوسرا دور شروع ہوا اور بقول غالب:

درد کی دوا پائی درد لا دوا پایا۔

جن جان نثاران اسلام کو ”اخوان“ میں نمایاں اہمیت حاصل ہوئی ان میں شیخ حسن البضیبی مرشد عام، عبدالقادر عودہ شہید جنرل سکریٹری اور تیسرے علامہ سید قطب شہید ہیں جنہوں نے اپنی فکرِ خداوا سے ”اخوان“ کی عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں۔

۱۹۵۲ء میں اخوان کی تحریک دوبارہ بحال ہوئی۔ رہنما اور کارکن جیلوں سے رہا ہوئے۔ اور سید قطب دمشق اور بیت المقدس میں اسلامی کانفرنس میں شرکت کے لئے روانہ کئے گئے۔ جولائی ۱۹۵۳ء میں علامہ سید قطب کو جریدۃ الاخوان کا رئیس التحریر مقرر کیا گیا لیکن ستمبر ۱۹۵۳ء میں طاغوت نیل کرنل ناصر نے اس جریدہ کو بند کر دیا اور اخوان اور ناصر کے درمیان کشمکش کا آغاز ہو گیا۔ اخوان کو خلاف قانون قرار دیا گیا۔ رہنما گرفتار ہوئے اور ان کو موت کی سزائیں دی گئیں۔ گرفتار شدہ رہنماؤں میں علامہ سید قطب بھی تھے۔ ۳۱ جولائی ۱۹۵۵ء کو مصر کی ”عوامی عدالت“ نے سید قطب کو ۱۵ سال کی قید بامشقت سنائی۔ ابھی ایک سال گذرا تھا کہ جمال عبدالناصر کی طرف سے ایک نمائندہ سید قطب کے پاس جیل خانے بھیجا گیا کہ ”آپ چند سطریں معافی نامہ کی لکھ دیں تو آپ کو رہا کر دیا جائے گا“ اس مرد مؤمن نے جو جواب دیا وہ اسلامی تاریخ کے اصحاب عزیمت کی ایک عظیم مثال ہے۔ فرمایا:

”مجھے ان لوگوں پر تعجب آتا ہے کہ مظلوم سے کہتے ہیں کہ ظالم سے معافی مانگ لے اگر معافی کے چند الفاظ مجھے پھانسی سے بھی نجات دے سکتے ہوں تو میں تب بھی کہنے

تذکرہ حضرت محدث دکن

کے لئے تیار نہیں ہوں گا، اور میں اپنے رب کے حضور اس حال میں پیش ہونا پسند کروں گا کہ میں اس سے خوش ہوں اور وہ مجھ سے خوش ہو۔“
اہل حق کے واسطے زخمِ جگر، رنج و محن
اہل حق کے واسطے زنداں ہے یاد اور رس

۱۹۶۳ء کے وسط تک سید قطب مصر کے مختلف جیل خانوں میں رہے۔ ابتداء کے تین سال تو انہوں نے سخت اذیت اور عذاب میں گزارے مگر بعد میں جبر و تشدد کا سلسلہ ہلکا کر دیا گیا اور قرابت داروں کو بھی ملاقات کی اجازت مل گئی اور جیل کے اندر علمی مشاغل جاری رکھنے کی سہولت کسی حد تک مل گئی۔ اس سہولت سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے اپنی تفسیر ”فی ظلال القرآن“ (قرآن کے زیر سایہ) کی تکمیل پر توجہ فرمائی اسی سال کے وسط میں جب کہ آپ کی قید کے دس سال ہو گئے تھے عراق کے مرحوم صدر عبدالسلام عارف نے قاہرہ کا دورہ کیا اور اس وقت صدر ناصر سے سید قطب کی رہائی کی درخواست کی۔ آپ کو رہائی تو مل گئی مگر اس سے عملاً کوئی فرق پیدا نہ ہوا کیونکہ برابر پولیس کی نگرانی قائم رہی اور آزادانہ نقل و حرکت کی اجازت نہ تھی۔

اس مقید آزادی پر ایک سال بھی نہ گزرنے پایا کہ سید قطب دوبارہ گرفتار کر لئے گئے۔ ان پر الزام یہ تھا کہ وہ طاقت کے ذریعہ حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے تھے۔ نہ صرف آپ کو بلکہ آپ کے بھائی اور بہنوں اور دیگر ہزاروں کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا، جن میں سات سو کے قریب عوریں تھیں۔ اگست ۱۹۶۵ء میں صدر ناصر نے روس کا دورہ کیا اور ماسکو میں بیان دیا کہ ”اللاخوان“ نے میرے قتل کی سازش تیار کی ہے ماضی میں میں نے انہیں معاف کیا ہے لیکن اب معاف نہیں کروں گا۔ اس اعلان سے ایک سال پیشتر (۲۳ مارچ ۱۹۶۳ء) مصر میں ایک نئے قانون کے ذریعہ صدر کو یہ اختیارات دیئے گئے کہ وہ جسے چاہے گرفتار کر سکتا ہے، جائیداد کی

تذکرہ حضرت محدث دکن

ضبطی اور دوسری انتظامی کارروائیوں کو جاری کر سکتا ہے جس کے خلاف اپیل نہیں ہوگی۔ صدر ناصر کے اس اعلان ماسکو کے بعد گرفتاریوں کا وسیع پیمانہ پر سلسلہ شروع ہو گیا اور جیلوں میں تشدد کی بھٹیاں گرم ہو گئیں۔ ملزموں کی طرف سے کوئی وکیل مقدمہ کی پیروی کرنے والا نہ تھا۔ ملک کے باہر کے وکلاء نے پیروی کرنا چاہی مگر اجازت نہیں ملی۔ فرانس، ہیگ اور مراکش کے وکلاء نے باقاعدہ اجازت طلب کی جسے رد کر دیا گیا۔ سوڈان کے دو وکیل از خود قاہرہ پہنچ گئے اور بار ایسوسی ایشن میں رجسٹری کروا کر عدالت پہنچے لیکن پولیس نے دھکے دے کر انہیں نکال دیا اور فی الفور مصر چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ بالآخر ظلم کی داستان اس طرح ختم ہوئی کہ اگست ۱۹۶۶ء کو سید قطب اور ان کے ساتھیوں کو فوجی ٹریبونل کی طرف سے موت کی سزائیں سنائی گئیں اس پر پوری دنیا کے اندر شدید رد عمل ہوا۔ دینی رہنماؤں، سیاسی شخصیتوں، مذہبی اور اصلاحی تنظیموں اور اخبارات و رسائل کی طرف سے سزائوں میں تبدیلی کی درخواست کی گئی مگر ان کی شنوائی نہ ہو سکی اور بالآخر ۲۵ اگست ۱۹۶۶ء کی صبح کو یہ سزائیں نافذ کر دی گئیں اور یہ بے نظیر شخصیت جو مصر اور عرب دنیا کے الحاد پرست اور لادین عناصر کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی اپنے رب سے راضیا مرضیا جا ملی۔

اناللہ وانا الیہ راجعون،

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق

شب است بر جریدہ عالم دوام ما

سید قطب شہید علیہ الرحمۃ مصری معاشرہ میں ایک عظیم ادیب کی حیثیت سے ابھرے سیاسی، اجتماعی، اور ادبی نقاد کے عنوان سے آپ نے نام پیدا کیا اور بالآخر اسلام کے عظیم مفکر، داعی، مصلح اور مفسر قرآن کے روپ میں وہ دنیا سے جامۂ شہادت پی کر اپنے خالق و مالک کے حضور پہنچ گئے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

مصر کے ادباء میں دو نامور ادیب دو مسلک کے پیشوا ہیں ایک ڈاکٹر طہ حسین جن کے بارے میں استاذ محترم پروفیسر عبدالحق علیہ الرحمۃ سابق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ کہا کرتے تھے کہ ”وہ آنکھ کا بھی اندھا، دل کا بھی اندھا“ دوسرے ^{مصطفیٰ} صادق الرافی جو درحقیقت بیسویں صدی کے جاحظ اور قرآنی ادیب، سید قطب نے ابتداء میں ڈاکٹر طہ حسین کی پیروی کی لیکن بعد میں الرافی اور عباس محمود عقاد کے مسلک سے وابستہ ہو گئے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی حکمت اور ہدایت کے دروازے کھول دیئے اور اپنی لازوال قرآنی ادبیات اور تصانیف سے یہ ثابت کر دیا کہ

جميع العلم في القرآن لكن

تقاصر عنه افهام الرجال

علامہ سید قطب کے قرآنی شاہکاروں میں (۱) مشاهد القيامة في القرآن (۲) التصوير الفني في القرآن ان دونوں کتابوں کے بارے میں مراکش کے مشہور عالم اور ادیب علال الفاسی کہتے ہیں ”یہ دونوں کتابیں بتاتی ہیں کہ مصنف عربی زبان اور ادب میں بہت اونچا مرتبہ رکھتا ہے اور قرآن کے اعجازی اسلوب کا اسے پختہ مذاق حاصل ہے۔“ اسی دور میں تنقید پر بھی ان کی دو کتابیں سامنے آئیں (۱) النقد الادبی اصولہ و مناهجہ (۲) طہ حسین کی کتاب مستقبل الثقافة پر تنقید (نقد کتاب مستقبل الثقافة) عربی ادبیات کے طالب علم کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ عربی ادب کے جدید رجحانات سے واقفیت کے لئے ضروری ہے۔

علامہ سید قطب شہید علیہ الرحمۃ کی تمام تصانیف کی تعداد (۲۲) ہے چند کا اوپر ذکر ہو چکا ہے چند معروف یہ ہیں۔

- ۱۔ العدالة الاجتماعية في الاسلام (اسلام کا عدل اجتماعی)
- ۲۔ معركة الاسلام والراسمالية (اسلام اور سرمایہ داری کی کشمکش)

تذکرہ حضرت محدث دکن

(برادر من! اگر تو مجھ پر آنسو بہائے، اور میری قبر کو ان سے ترک کر دے میری ہڈیوں سے ان تاسکی میں رہنے والوں کے لئے شمع فروزاں کرنا، اور ان شمعوں کو دائمی عظمت کی طرف لے کر بڑھنا)

اخی ! ان امت دون احبابنا فروضات ربی اعدت لنا
واطیارھا رفرفت حولنا فطوبی لنا فی دیار الخلود

(برادر من! اگر میں احباب کو چھوڑ کر موت کی آغوش میں چلا جاؤں (تو کوئی خسارہ نہیں) میرے رب کے باغات ہمارے لئے تیار ہیں) اور ان کے مرغان خوشنوا ہمارے ارد گرد مجھ پر واز ہیں اور ہم ان ابدی دیار میں خوش و خرم ہیں

فان انا مت فانی شھید و انت تمضی بنصر جدید
قد اختارنا اللہ فی دعوتہ انا سنضی علی سنیۃ

(اگر میں مر جاؤں تو مجھے شہادت کا درجہ نصیب ہوگا، اور ان شاء اللہ تو عنقریب نئی کامرانی کی طرف رواں دواں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی دعوت کے لئے ہمارا انتخاب کر لیا ہے، اور بے شک ہم سنت الہی پر گامزن ہیں)۔

سافدی ولکن لرب و دین و امضی علی سنتی فی یقین
فاما الی النصر فوق الانام اما الی اللہ فی الخالدین

(میں فدا ہو جاؤں گا مگر صرف پروردگار اور دین حق پر، اور یقین و اٹق پر سرشار اپنے راستہ پر چلتا رہوں گا، یا تو اس دنیا میں نصرت سے بہرہ ور ہوں گا، یا اللہ تعالیٰ کی طرف چلا جاؤں اور حیات جاوداں پانے والوں میں شامل ہوں جاؤں)۔ حیدرآباد کے فرخندہ آباد کے ایک شاعر حضرت قاضی فرخ نگری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے۔

قاضی فدائے یار ہوا کیا بھلا ہوا

صدقے ہوا نثار ہوا کیا بھلا ہوا

۳۰۔ شیخ محمد ناظم عادل الحقانی جیلانی نقشبندی

(ولادت ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۲ء)

امام الطریقۃ النقشبندیہ، مجاہد، شیخ الشیوخ مولانا محمد ناظم الحقانی شہر لارنا کا قبرص میں حسنی سادات گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کی طرف سے آپ کا نسب حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور والدہ ماجدہ کی طرف سے مولانا جلال الدین رومی تک پہنچتا ہے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت کے مطابق پہلے بحری غزوہ میں قبرص روانہ ہوئیں اور وہیں سواری پر سے گریں اور اسی صدمے سے انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئیں۔ حضرت خواجہ ناظم حقانی بچپن سے ان کی مزار مبارک پر حاضر رہتے اور فیض حاصل فرماتے قبرص میں ہائی اسکول کی تکمیل کے بعد ۱۹۴۰ء میں مزید تعلیم کے لئے استانبول روانہ ہوئے اور کیمیکل انجینئرنگ کی ڈگری امتیاز کے ساتھ حاصل فرمائی۔

اساتذہ صاحبان نے اسی لائن میں تعلیم جاری رکھنے کا مشورہ دیا مگر آپ نے کہا کہ اب میرا دل روحانیت کی طرف شدت سے مائل ہے۔ چنانچہ آپ نقشبندی سلسلہ کے شیخ سلیمان ارزرومی (م ۱۹۴۸ء) سے رجوع ہوئے۔ پھر آپ غیبی اشارہ سے دمشق منتقل ہوئے۔ یہ دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا۔ فرانس اور انگریز بمباری کر رہے تھے مگر ان حالات میں آپ صحیح و سالم شیخ عبداللہ داغستانی قدس سرہ (م ۱۹۷۳ء) کی خدمت میں پہنچ گئے۔ خریف خلافت ملنے کے بعد حضرت شیخ عبداللہ داغستانی نے آپ کو اپنے وطن قبرص، اپس ہونے کی اجازت دیدی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عربی میں اذان دینے پر پابندی تھی۔ آپ نے اپنے مجاہدانہ جذبہ سے مسلمانوں کو حکم دیا کہ عربی میں اذان دیں۔ اس جرم کی پاداش میں آپ کو ایک ہفتہ کے لئے جیل میں ڈال دیا گیا۔ جب یہ قید سے رہا ہوئے تو نکوشیا (قبرص) کی جامع مسجد پہنچے اور عربی میں اذان دلوائی۔ حکومت نے آپ پر مقدمہ دائر کر دیا اور عدالت

تذکرہ حضرت محدث دکن

میں حاضری کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر آپ اس شہر کے اطراف اور اکناف کی مساجد میں پہنچتے اور میناروں سے عربی میں اذان دلاتے اس طرح ایک سو چودہ (۱۱۴) مقدمے حکومت نے عدالتوں میں دائر کر دیئے وکلاء نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ اس عمل سے باز آجائیں مگر آپ نے ان کی نہ مانی اور کہا کہ :

”یہ میرے لئے ناممکن ہے، مسلمانوں کے لئے واجب ہے کہ وہ

اذانوں کو عربی میں سنیں“

مقدمہ کی تاریخ آگئی اور اگر مقدمہ کی پیشی ہو جاتی تو اندیشہ تھا کہ آپ کو مدۃ العمر کال کوٹھری میں بند کر دیا جاتا مگر :

”ان للدين ربا۔ بحمیه“ (ترجمہ) ”بیشک اللہ تعالیٰ اپنے دین کے محافظ ہیں“

اسی پیشی کے دن عدنان میندریس صدر مملکت ترکی انتخابات میں کامیاب ہوئے اور انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ ساری مساجد کھلوادیں اور اذان عربی میں دینے کا حکم صادر کر دیا۔ یہ شیخ ناظم کی اولین کرامت ہے۔ شیخ ناظم حقانی مدظلہ قبرص سے امیر الحج کی حیثیت سے متواتر (۲۷) ستائیس سال حج کعبۃ اللہ اور زیارت مدینہ پاک حجاج کے ساتھ حاضری دی ہے۔

ایک مرتبہ آپ کے پیرو مرشد شیخ عبداللہ داغستانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہ دمشق سے حلب تک پیدل سفر کریں اور ہر گاؤں میں قیام کریں تاکہ نقشبندیہ کی اشاعت ہو اور ذکر الہی کی محلفیں قائم ہو جائیں الحمد للہ چار سو کیلو میٹر آپ نے اردن کی سرحد سے ترکی کی سرحد تک جانے اور واپس ہونے میں ایک سال سے زیادہ کی مدت صرف کی، اسی طرح آپ کے شیخ نے فرمایا کہ پورے قبرص کا دورہ کریں اور لوگوں کو اسلام میں داخل کریں تو آپ نے قبرص کے ہر گاؤں میں پہنچ کر ہزاروں کو اسلام میں داخل کیا۔ اس طرح شیخ ناظم تقریباً پچاس سہل سے اسلام اور طریقت

کی بے لوث خدمت انجام دے رہے ہیں مغربی یورپ (انگلستان، جرمنی، فرانس، اسپین، اٹلی، سوئزر لینڈ اور ہالینڈ) بلقان، ترکی، جنوبی روس (ازبکستان، تاجکستان وغیرہ) لبنان، شام، مصر، اردن، پاکستان، سری لنکا (قدیم سیلون) ہانگ کانگ، سنگاپور، ملائیشیا، انڈونیشیا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ ان سارے ملکوں میں اسلامی مراکز قائم فرمائے ہیں۔ اس طرح ایک لاکھ افراد کو اسلام میں داخل فرمایا ہے۔ شیخ ناظم کا یہ پیغام اسلام اور روحانیت آپ کے جلیل القدر خلیفہ شیخ ہشام کلبانی کے ہاتھوں نئی دنیا (امریکہ) میں پروان چڑھ رہا ہے۔

شیخ ناظم نقشبندی مدظلہ نے ترکی کے کئی شہروں میں دورے کئے اور بے شمار ترکوں کو نقشبندیت میں داخل فرمایا ہے آپ کے تفصیلی حالات کتاب History of the Saints of the Golden Chain ۳۷۵ تا ۴۱۵ میں پڑھے جائیں۔

۳۱۔ شیخ محمد ہشام الکلبانی النقشبندی

رہبر شریعت، محسن ملت، مبلغ اسلام شیخ محمد ہشام الکلبانی بیروت (لبنان) میں پیدا ہوئے۔ آپ ائمہ اہل بیت قدس اللہ سرار ہم کے نامور سپوت امام جعفر صادقؑ کی اولاد امجاد میں ہیں۔ آپ نے امریکن یونیورسٹی بیروت سے سائنس میں بی۔ اے کیا اور بلجیم کی ایک یونیورسٹی میں فن طب کی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں دمشق میں اسلامی قانون کی ڈگری حاصل کی۔

دور حاضر کے نقشبندی شیوخ شیخ عبداللہ داغستانی (۱۹۷۳ء) اور شیخ محمد ناظم الحقانی دامت برکاتہ کی صحبت ابتدائے جوانی سے اختیار فرمائی۔ ۱۹۹۱ء میں اپنے شیخ خواجہ ناظم حقانی کے حکم سے امریکہ منتقل ہوئے تاکہ نقشبندی طریقہ کو اس نئی دنیا میں رائج فرمائیں۔ چنانچہ اس چھ سال کی قلیل مدت میں کینیڈا اور امریکہ میں الحمد للہ کئی مراکز قائم فرمادیئے ہیں۔ جہاں روز افزوں امریکی اور افریقی نسل سے تعلق رکھنے والے افراد اسلام کی دولت سے مالا مال ہو کر جاوہ طریقت پر سرگرمی سے گامزن ہیں۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

آپ نے متعدد جامعات میں اسلام اور تصوف پر گراں قدر خطبات ارشاد فرمائے۔ ان جامعات میں یونیورسٹی آف شکاگو، کولمبیا، ہارڈ، برکے، میک گل، کان کار ڈیا، ڈاسن کالج شامل ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے امریکہ، یورپ، اقصائے مشرق اور شرق اوسط کے دینی اور علمی مراکز میں خطبات بھی ارشاد فرمائے ہیں

شیخ ہشام۔ امد اللہ حیاتیہ للاسلام والمسلمین۔ کا پیام امن و طریقت یہ ہے کہ صوفی تعلیمات کو سرگرمی سے پھیلا جائے جو درحقیقت انسانی برادری اور خدائے واحد کی ذات عالی پر یقین کی دولت سے مالا مال ہے جو ہر مذہب اور روحانی طریقوں کی جان ہے۔ مرد مؤمن جو اس کائنات کے خالق و مالک کی طرف سے متولی اور خلیفہ ہے اس کا یہ فرض ہے کہ رنگ، نسل، زبان، اور دیگر اختلافات کو دور کر کے پوری انسانیت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کرے جس طرح اولیاء امت نے اپنی مادر وطن کو چھوڑ کر دنیا کے ہر خطہ میں پھیل کر گمراہ انسانیت کو جنت، نیکی اور ہمدردی کے راستے پر ڈالا تھا۔

شیخ ہشام اپنے شیخ طریقت کی جانب سے اس بات کے مجاز قرار دیئے گئے ہیں کہ وہ اپنے ارادتمندوں کی حبِ حقیقی کی طرف رہبری کریں، شیخ ہشام کی گرانقدر تالیف انگریزی زبان میں "The Naqshbandi Sufi Way" یا "History of The

Saints of The Golden Chain" (اروو میں پروفیسر خلیق احمد نظامی کی تاریخِ مشائخِ چشت کی طرح) چالیس نقشبندی اولیاء کرام کے حالات اور کارناموں پر مشتمل ہے درحقیقت عہد آفریں تاریخ ساز شاہ کار ہے جو یورپ اور امریکہ کے مسلمانوں اور حقیقت شناس برادران وطن کے لئے ایک عظیم اور نادر تحفہ ہے۔

اس وقت شیخ ہشام کیلیفورنیا (امریکہ) میں مقیم ہیں اور DETROIT (مشی گن) میں ایک عظیم خانقاہ اور مسجد تعمیر فرمادی ہے جہاں حق کے متلاشی شب و روز حاضر ہو کر اپنی روحانی تسکین کے سامان بہم پہنچاتے ہیں۔

تذکرہ حضرت محدث دکن
۳۲۔ شیخ عبدالفتاح، ابو غدہ، الحلبي الشامي الحنفى النقشبندى

(ولادت ۱۹۱۷ء)

علامہ دین، عظیم مصنف، امام الادب، فقہ حنفی کے قمبر فاضل، الادیب الاریب، عظیم صوفی۔

شیخ عبدالفتاح ابو غدہ، امد اللہ حیاتیہ للاسلام والمسلمین شہر حلب ملک شام کے متوطن تحصیل علم کے لئے مصر پہنچے اور مصر کے عظیم حنفی علامہ شیخ زاہد الکوثری سے استفادہ کیا۔ ملک شام کے حالات بگڑ گئے اور بے دین افراد نے اقتدار پر قبضہ کر لیا تو آپ ریاض سعودی عربیہ منتقل ہو گئے اور یہاں جامعہ الامام محمد ریاض میں کلیۃ الشریعہ میں صدر شعبہ رہے وہاں سے سبکدوش ہونے کے بعد ریاض میں مقیم ہیں۔

شیخ عبدالفتاح ابو غدہ نے حیدر آباد کے عین سفر کئے، پہلے سفر میں حضرت پیر ومرشد محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت الاستاذ مولانا ابوالوفا افغانی علیہ الرحمۃ سے ملاقات فرمائی۔ حضرت پیر و مرشد سے اپنے لئے اور اپنے متعلقین کے لئے دعائیں کروائیں۔ ۱۹۹۳ء میں یہ عاجز ہمارے حضرت کے نواسے عزیزم جناب سید شاہ محمد قادری حفظہ اللہ کے بڑے صاحبزادے حافظ محمد جنید قادری کی تقریب تکمیل حفظ قرآن کی محفل شکرانہ میں ٹورنٹو حاضر ہوا تو شیخ صاحب موصوف وہاں اپنے داماد کے گھر تشریف فرما تھے ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں شیخ نے اس عاجز کو اپنی تالیف قیمتہ الزمن عند العلماء (علماء کے پاس وقت کی قیمت) ہدیہ عنایت کی۔ یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۳ء کا ہے۔ شیخ عبدالفتاح ماشاء اللہ (۳۵) کتابوں کے مصنف ہیں۔ حیدر آباد کے غالباً تیسرے سفر میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعل مبارک سے توسل کا ذکر ہوا تو شیخ محترم نے اس بارے میں دو شعر سنائے جو ارباب ذوق کے لئے یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

و نعل قد فضعنا هيبه لجلالها ونحن متى نضع لھيبتهما نعل
نضعھا باعلی الراس حفظاً و جنة حقیقتھا تاج و صورتھا نعل
۱۔ یہ برکت والی نعل ہے، ہم اس کے دبدبہ سے اپنے سروں کو خم کر دیتے ہیں اور
جب ہم اس کی ھیبت سے سرنگوں ہو جاتے ہیں تو ہم سر بلند ہو جاتے ہیں (۲) تو تم
حفاظت اور ڈھال بنا کر اپنے سر پر رکھ لو، درحقیقت یہ تاج ہے اور اس کی
صورت نعل شریف کی ہے۔

اس موقع کو عنایت جان کر مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مضمون
بجوان ” نیل الشفاء بنعل المصطفیٰ “ کی عبارت من وعن ملاحظہ فرمائی جائے:

نیل الشفاء بنعل المصطفیٰ

” بعد الحمد و الصلوة یہ ناچیز اشرف علی عرض کرتا ہے کہ ان دنوں ہم لوگوں کے
کثرت معاصی سے جو کچھ ہجوم بلیات صوریہ معنویہ ہے ظاہر ہے، اس کا علاج بجز
اصلاح اعمال و توبہ و استغفار کے کچھ نہیں ہے۔ مگر ہم لوگوں کے قلب و زبان کی
جو کیفیت ہے، معلوم ہے۔ البتہ اگر کوئی وسیلہ قوی ہو تو اس کی برکت سے حضور
قلب بھی میسر ہو سکتا ہے اور امید قبول بھی قریب ہے، منجملہ ان وسائل کے تجربہ
بزرگان دین نقشہ نعل مقدس حضور سرور عالم فخر آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نہایت قوی البرکۃ سریع الاثر پایا گیا۔ اس لئے اسلامی خیر خواہی باعث اس کی ہوئی
کہ تمثال خیر الخیر صلی اللہ علیہ وسلم فوق عدد الرمال حسب روایت امام
زین العابدین عراقی محدث مسلمانوں کی نذر کی جائے کہ اپنے پاس رکھ کر برکات
حاصل کریں اور اس کے توسل سے اپنے حاجات و معروضات جناب باری تعالیٰ میں
قبول کرائیں۔“

(۱) حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ حضرت ابو بکر

صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں، مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں آپ کا شمار ہے نقشبندی طریقت اور نسبت میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ نعل شریف کی آزمائی ہوئی برکت یہ ہے کہ جو شخص اس کو تبرکاً اپنے پاس رکھے ظالموں کے ظلم سے، دشمنوں کے غلبہ سے، شیطان سرکش سے، حاسد کی نظر بد سے امن و امان میں رہے۔ اگر حاملہ عورت دروزہ کی شدت کے وقت اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں رکھے بفضلہ تعالیٰ اس کی مشکل آسان ہو۔

طریق تو سل۔ بہتر یہ ہے کہ آخر شب میں اٹھ کر وضو کر کے تہجد جس قدر ہو سکے پڑھے۔ اس کے بعد گیارہ بار درود شریف، گیارہ بار کلمہ طیبہ اور گیارہ بار استغفار پڑھ کر اس نقش مبارک کو باادب اپنے سر پر رکھے اور بتضرع تمام جناب باری تعالیٰ میں عرض کرے کہ الہی یہ عاجز جس مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش نعل شریف کو سر پر لیا ہوا ہے حضور پر نور کے غلاموں کا ادنیٰ درجہ کا غلام ہے۔ الہی! اس نسبت غلامی پر نظر فرما کر اس نعل شریف کی برکت سے اس عاجز کی فلاں حاجت پوری فرمائیے۔ مگر خلاف شرع کوئی حاجت طلب نہ کرے پھر سر پر سے اس کو اتار کر اپنے چہرے پر ملے اور اس کو بہ محبت بوسہ دے۔ اشعار ذوق و شوق بغرض از دیار عشق محمدی پڑھے۔ ان شاء اللہ عجیب کیفیت پائے گا۔

یہ تمام مضامین کتاب القول السدید فی ثبوت استبراک نعل سید الاحرار والعبید اور کتاب المرتجی بالقبول فی خدمۃ قدم الرسول، کتاب زاد السعید تالیف مولانا اشرف علی التھانوی اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی کتاب فضائل درود شریف سے ماخوذ ہیں۔

اس عاجز کو ملک شام کے اس فاضل والا مرتبت مولانا عبدالفتاح مدظلہ نے ایک عظیم روحانی نسخہ شفا مرحمت فرمایا تو ضروری سمجھا گیا کہ اس بات کو عرب اور عجم کے علماء ربانیین کے اقوال اور اعمال سے پایہ تحقیق کو پہنچایا جائے اس لئے کہ دور

پاکستان کے معاصرین علماء کرام

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کو پے بسا دیئے ہیں

حضرت محدث دکن قدس سرہ کے معاصرین کرام کے عنوان سے پچھلے اوراق میں عالم عرب کے ان خیار امت کا تذکرہ کیا گیا جنہوں نے ملت اسلامیہ کے تحفظ، سر بلندی اور علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت کی خاطر اپنی زندگی کے دن اور رات صرف کیے، جنہوں نے مسلمانوں کے ایمان و عمل کو قوت اور تازگی بخشی، اپنے علم و عمل سے غیر مسلم اقوام کے ذہنوں پر دین اسلام کی صداقت اور ہمہ گیری کے ان مٹ نغوش ثبت کیے، ان کی کیمیا اثر نگاہ سے لا تعداد غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور بے شمار گم کردہ راہ ہدایت ربانی اور سعادت سرمدی کی شاہراہ پر آگئے۔

سرزمین ہند و پاک میں جن علماء امت نے باوجود ناسازگار حالات کے اسلام کی شمع کو روشن رکھا، اُس کے پرچم کو بلند رکھا اور بلا خوف و خطر باطل طاغوتی قوتوں کے سامنے سینہ سپر رہے، ان کی یاد قیامت تک دلوں کو عزم و ہمت اور بلند حوصلہ بخشتی رہے گی۔ پاکستان کے ان اکابر ملت میں وہ حضرات کرام بھی ہیں جنہوں نے خطہ پاک کی تحریک کو پروان چڑھایا اور کامیابی سے ہمکنار کیا۔

اس مقصود کے لئے عاجز راقم نے (اللہ تعالیٰ اس کو دُنیا میں عافیت سے رکھے) مولانا عبدالحکیم شرف قادری شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور۔ امد اللہ حیاتیہ للاسلام والمسلمین۔ کی تالیف "تذکرہ اکابر اہل سنت (پاکستان) جو تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری کے مبارک تذکروں پر مشتمل ہے حاصل کی۔ حضرت محدث دکن قدس سرہ چودھویں صدی ہجری کے جلیل القدر محدث، اور عظیم شیخ طریقت ہیں تو اس عاجز نے کوشش کی کہ ہمارے حضرت کے اس صدی کے

تذکرہ حضرت محدث دکن

معاصرین کا تذکرہ جو شریعت اور طریقت میں گفتار اور کردار کے اعتبار سے نامور ہیں اور جن کا مادر وطن حیدر آباد فرخندہ بنیاد سے کسی نہ کسی حیثیت سے تعلق ہے، ان میں سے چند کے مبارک تذکروں کو جمع کرنے کی کوشش کی جائے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے میدان کا شہ سوار ہے جس کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے مگر بطور مثال اور نمونہ چند شخصیتوں کا تذکرہ بیان کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔ اس موقع پر لسان الغیب حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر سن کر عاجز اپنے مقصود پر آئے گا:

ہمہ شہر پر زخوباں، منم و جمال ماہے
چہ کنم کہ چشم خوش ہیں، نکلند بہ کس نگاہے

اللہ! اللہ! ایک وہ دور تھا جب جوانوں کو علماء و صلحاء کی تلاش تھی اور یہ شہر دور آیا ہے کہ جوان تو جوان، بوڑھے بھی علماء اور مشائخ سے گریزاں نظر آتے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون! ان حضرات کی صحبتیں تربیت کے مرکز تھے جن سے انسان بن کر نکلتے تھے۔ یہ ہستیاں ملت کی آن اور مذہب کی آبرو ہیں، ان ہی کے دم سے دین و دنیا کی رونق ہے۔ ضرورت ہے کہ ان کو آنکھوں پر بٹھیا جائے اور دل سے لگایا جائے اور ان کی مبارک سیرتوں کو اجاگر کیا جائے۔

حیف صد حیف فرنگی تہذیب و تمدن اور فرنگی سیاست نے امت کو کہیں کا نہ رکھا۔ ان دانایان فرنگ نے اس راز کو پالیا کہ علماء اور مشائخ ملت اسلامیہ کی جان ہیں، انھیں کے دم سے ایمان کی حرارت باقی ہے، ان کو امت سے توڑ دیا جائے۔ ان فرنگیوں نے بڑی بے حیائی کے ساتھ حقیقتوں پر پردہ ڈال دیا، بے گناہ کو مجرم بنایا، مجاہد کو غدار، مصلح کو مفسد، عالم کو جاہل، شہید کو مقتول قرار دیا۔ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے:

تذکرہ حضرت محدث دکن

عالم ہمہ ویرانہ از چنگیزی افرنگ
 معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز
 ذیل کے اوراق میں چند عظیم دانشور، جلیل القدر اہل دل جو اہل قلم بھی ہیں ان کی
 مبارک سیرتوں کا تذکرہ پیش ہے اسے مطالعہ فرما کر اپنی زندگی کے لئے مشعل راہ
 بنائیں۔ بلاشبہ ان کی پاک سیرتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک زندہ معجزہ
 ہیں اور آیہ کریمہ ”ررفعلنا لک ذکرک“ کی جیتی جاگتی تصویر!
 ۱۔ مفکر اسلام مولانا محمد ابراہیم علیہ چشتی فاروقی فریدی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۳۳۵-۱۳۸۸ھ / ۱۹۱۷-۱۹۶۸ء)

عظیم دانشور، مولانا محمد ابراہیم علی چشتی لاہور میں پیدا ہوئے، آپ کا دوھیال اور
 ننھیال علمی، مذہبی اور روحانی روایات سے مالا مال تھا۔ آپ کے نانا حضرت خواجہ
 مستان شاہ کابلی اپنے دور کے قطب شمار ہوتے تھے۔ امیر عبدالرحمن خان والی کابل
 آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت تھے۔ آپ نے بابا بلند کو ہی زابلستانی کے نام سے مسلم
 لیگ کی پر زور حمایت کی۔ آپ کے اثر اور رسوخ سے پنجاب کے اہم طریقت کے
 گھرانوں۔ تونسہ شریف، سیال شریف اور گولڑہ شریف نے مسلم لیگ کی حمایت پر
 اپنے اپنے ارادتمندوں کو مائل کیا جس کی وجہ سے قیام پاکستان عمل آیا۔ مولانا
 ابراہیم علی چشتی علیہ الرحمۃ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور مولانا شاہ احمد
 رضا خان بریلوی علیہم الرحمۃ کے مسلک پر سختی سے پابند تھے۔ حضرت بابا فرید
 الدین گنج شکر قدس سرہ کا یہ لُحنت جگر ۱۹۶۸ء میں داعی اجل کو لبیک فرمایا۔
 مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی قطعہ تاریخ لکھا جس کے آخری اشعار حسب
 ذیل ہیں:

ز اولاد آل فرد مسعود دیں شکر گنج قطب زمان و زمیں
 بد از عاشقان بزرگان چشت خداوند جایش کند در بہشت

تذکرہ حضرت محدث دکن

سنِ رحمتش گویم از لطف شاہ سراج ہدایت مروت پناہ
ز سال مسیحی چو خواہی نشانِ بدارِ خسروے منتخب ہر آن

۱۹۶۸ء

(ملاحظہ تذکرہ اکابر اہل سنت پاکستان، ص ۲۹)

۲۔ مولانا قاری احمد حسین فیروز پوری صدیقی نقشبندی

(۱۳۳۱ھ - ۱۳۷۹ھ / ۱۹۱۳ء - ۱۹۶۰ء)

خطیبِ اہل سنت، عالمِ باعمل، پیکرِ اخلاص و ایثار، مجسمہٴ علم و شفقت حضرت مولانا قاری احمد حسین ابن جناب عبدالصمد، موضع گومتی، تحصیل جھجر ضلع روتھک میں پیدا ہوئے۔ درسِ نظامی کی ابتدائی کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں، مزید تحصیلِ علوم کے لئے دہلی پہنچے اور مشہور نعت گو شاعر مولانا صابر حسین سے مختلف فنون میں استفادہ کیا۔ اور مولانا قادری شبیر حسین سے تجوید اور قراءت سیکھی۔ اللہ تعالیٰ نے لہن داودی عطا کیا تھا اور آواز بھی پر سوز تھی۔ و عظ و تقریر کی طرف میلان ہوا۔ نقشبندیہ کی نسبت ہشیار پور کے حضرت خواجہ عبدالخالق سے حاصل کی۔

حضرت قاری صاحب نے تحریکِ پاکستان اور جہادِ کشمیر میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ آپ کی شخصیت گویا ایک انجمن اور جامعِ اجلاس تھی۔ تلاوت، نعت، تقریر اور سلام و دعاء ساری چیزیں تنہا انجام دیتے۔

اللہ تعالیٰ نے قاری صاحب کو غضب کی آواز اور بلا کا سوز عطا فرمایا تھا مولانا روم، مولانا احمد رضا بریلوی اور علامہ اقبال کا کلام پڑھتے تو مجلس پر ایک کیف طاری ہو جاتی تھی۔

سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور یاد میں شب و روز محو رہتے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

آپ کو بارہا خواب میں اور عالم بیداری میں بھی جمالِ جہاں آراء کے دیدار کا شرف حاصل ہوا۔ نو عمری میں دیکھا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضر ہیں اور ایک نئی نعت سنانے کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔ بعد میں دیکھا کہ وہ نعتِ حدائقِ بخشش دیوان مولانا احمد رضا بریلوی کا ہے تو حضرت فاضل بریلوی سے بے انتہا محبت ہو گئی اور اسی عقیدت کی بناء پر بریلی حاضر ہوئے اور حضرت کی سزا پر حاضری دی۔

۳ / ذوقعدہ / ۱۳۶۹ھ = ۳۰ / اپریل / ۱۹۶۰ء کو جب انتقال ہوا تو زبان مبارک پر ”اور رکنی یا رسول اللہ“ جاری تھا اور روحِ قفسِ عصری سے پرواز کر گئی۔ جناب مظفر نظامی نے درج ذیل تاریخ وفات کمی :

خوبصورت نیک سیرت ، بے ریا عابد و زاہد امام الصالحین
گفت تاریخِ بخش غلام قادری مہر تاباں رفت از چشم بہ میں

۱۳۶۹ھ

گفت ہائے بلبل باغِ رسول بار دیگر با مظفر دل حزیں

۱۳۶۹ھ

(ایضاً تذکرہ: ۹۳)

۳۔ حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان رحمۃ اللہ علیہ

(۱۳۲۳ھ - ۱۳۹۱ھ / ۱۹۰۶ - ۱۹۷۱ء)

شیخ الحدیث مولانا مفتی احمد یار خان بن مولانا محمد یار خان ضلع بدایون کے ویندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ پھر مدرسہ شمس العلوم بدایون میں تین سال درسیات پڑھا۔ اسی زمانے میں بریلی شریف جا کر مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی۔ بعد ازاں جامعہ نعیمیہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

مراد آباد (ہندوستان) میں داخلہ لیا اور یہاں مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور علامہ مشتاق احمد کانپوری سے درس نظامی کی تکمیل کی اور ۱۹۲۵ء میں درسیات سے فراغت حاصل کر لی۔ پھر آپ نے عملی زندگی کا آغاز جامعہ نعیمیہ مراد آباد مدرسہ مسکینیہ کا ٹھیاواڑ سے کیا جہاں تدریس کے علاوہ فتویٰ نویسی کا کام بھی کرتے رہے۔ اس کے بعد مفتی اعظم پاکستان مولانا سید ابوالبرکات کی دعوت پر پاکستان شریف لائے اور مختلف دینی جامعات میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔

حضرت مفتی صاحب اگرچہ درس و تدریس اور تبلیغ کے میدان کے آدمی تھے تاہم مختلف مواقع پر ملی اور سیاسی تحریکوں میں بڑا حصہ لیا۔ ۱۹۳۶ء میں نظریہ پاکستان کی تائید کے لئے بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی تو آپ پنجاب کے علماء اور مشائخ کے عظیم وفد میں شامل تھے۔

حضرت مفتی صاحب پانچ دفعہ حج اور زیارت سے مشرف ہوئے اور تقریباً نصف صدی خدمت دین میں صرف کی۔ ہر وقت درود شریف پڑھتے رہتے۔ سینکڑوں علماء کو فیض یاب فرمانے کے ساتھ ساتھ علمی یادگاروں کا کافی ذخیرہ چھوڑا جس سے مسلک اہل سنت و جماعت کو نہایت تقویت ملی۔

تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ تفسیر نعیمی گیارہ پارے

۲۔ نعیم الباری فی الشرح البخاری (حاشیہ عربی بر بخاری)

۳۔ شرح مشکاة (اردو آٹھ جلدیں)

۴۔ نور العرفان فی حاشیہ القرآن

۵۔ جاء الحق (دو جلد)

۶۔ شان حبیب الرحمن من آیات القرآن وغیرہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ کا انتقال ۳ / رمضان المبارک
۱۳۹۱ھ / ۲۳ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو ہوا اور گجرات (پنجاب) میں آرام فرما ہیں۔

(ایضاً ص ۵۴)

۳۔ حبان عصر علامہ اصغر علی روجی رحمۃ اللہ تعالیٰ

(۱۲۸۳ھ - ۱۳۷۳ھ / ۱۸۷۲ء - ۱۹۵۴ء)

مولانا اصغر علی روجی دریائے چناب کے کنارے واقع قصبہ کٹھالہ ضلع گجرات میں
پیدا ہوئے۔ بچپن میں والد ماجد کا استقبال ہو گیا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لاہور آئے اور
اپنے دور کے ممتاز فضلاء مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مفتی عبداللہ ٹونکی، مولوی
عبداللہ حکیم کلانوری اور مولوی قاسمی ظفر الدین علیہم الرحمۃ سے استفادہ کر کے پنجاب
یونیورسٹی سے فنی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس
کر کے ایم ایل کے ڈگری حاصل کی۔ علامہ روجی اور نیشنل کالج، لاہور کے پروفیسر
رہے پھر ۱۸۹۲ء سے ۱۹۳۱ء تک اسلامیہ کالج لاہور میں شعبہ عربی کے پروفیسر رہے۔
زندگی بھر شریعت مبارکہ کے پابند رہے۔ عربی اور فارسی زبانوں پر کامل عبور
حاصل تھا اور دونوں زبانوں میں بلا تکلف شعر کہتے تھے۔ نعت پاک کے چند اشعار

ملاحظہ ہوں

روٹی تشن لب را دریاب اے ابر کرم اے کہ از فیض لبت تسنیم و کوثر ساختند
از او از خوشن دیگر نبیند چارہ ای زانکہ داغ عشق تو از آتش دل ساختند
نعت آمد، سب قرآن ہر دور معنی کیے ست از پی اجمال یک ، تفصیل دیگر ساختند

۔۔۔۔۔ اہل علم کے آپ سے ایاز مندانہ تعلقات تھے۔ علامہ ڈاکٹر اقبال بھی
ایاز سے متاثر کرتے تھے۔ مرزا قادیانی نے غلط سلط عربی میں نام نہاد قصہء اعجاز یہ
نثر لکھی مگر مارنا شروع کیں تو علامہ روجی نے اس کا جواب لکھ کر شائع کر دیا۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

علامہ اصغر روجی نے تصانیف کا قابل قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا، فارسی دیوان ہزاروں اشعار پر اور عربی دیوان سینکڑوں اشعار پر مشتمل ہے۔ آپ کے فرزند ارجمند ڈاکٹر صوفی محمد ضیاء الحق ادب عربی کے فاضل ہیں اور اپنے والد گرامی کے علمی کارناموں کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ بیشتر تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ (ایضاً ص ۶۰)

۵۔ فقیہ العصر مولانا مفتی اعجاز ولی خان رضوی قدس سرہ

(۱۳۳۲ھ - ۱۳۹۳ھ / ۱۹۱۳ء - ۱۹۷۳ء)

استاذ العلماء، مولانا مفتی اعجاز ولی خان بریلی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولانا شاہ احمد رضا خان اور دیگر اہل علم سے حاصل کی۔ مولانا مصطفیٰ رضا خان مفتی اعظم ہند سے سند حدیث حاصل کی۔ تحصیل علوم کے بعد اعلیٰ حضرت سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور آپ کے فرزند ارجمند رضا بریلوی سے سلسلہ قادریہ میں اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ تکمیل علوم کے بعد کئی مدارس میں تدریس جاری رکھی اور متعدد دینی جامعات میں شیخ الحدیث و الفقہ کی حیثیت سے بخوبی اپنے فرائض انجام دیئے۔

ملک کی سیاسیات میں تحریک مسلم لیگ کی حمایت میں دورہ کر کے ملت کی خدمات انجام دیں۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حسن اخلاق، ایثار و قربانی، حق گوئی، صلابت رائے، تاریخ دانی میں اپنی آپ مثال تھے۔ مختلف کتابوں پر مقدمے اور بے شمار فتاویٰ جاری کرنے کے علاوہ بیش بہا تصانیف بھی چھوڑی ہیں۔ مولانا محمد ابراہیم خوشتر نے درج ذیل تاریخ وصال لکھی:

رخصت ہوا جہاں سے یہ کون باکمال
بو جھل ہوئی زمیں تو فلک غم سے ہے نڈھال
عقبی کی فکر، دین کا جس کو رہا خیال
"از عاقبت بخیر" اس کا سنہ وصال

تذکرہ حضرت محدث دکن

مولانا کی آخری آرام گاہ میانی صاحب، بہاولپور روڈ لاہور میں مولانا غلام محمد ترنم کے سرمانے بنی۔ رحمۃ اللہ وغفرلہ۔ (ایضاً ص ۶۳)

۶۔ واعظ الاسلام مولانا سید محمد اکرام الدین بخاری

مولانا سید محمد اکرام الدین جید عالم دین اور مقبول زمانہ واعظ تھے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور خلافت سے مشرف ہوئے حضرت شیخ نے ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء درج ذیل الفاظ میں اجازت مرحمت فرمائی۔

”اللہ اکبر

از فضلِ رحمن

اما بعد الحمد للہ میاں خواجہ اکرام الدین بخاری کہ مرید این فقیر است اجازت طریقت نقشبندیہ وقادریہ وادم کہ بمر و ماں تعلیم نمایند ثم السلام والدعاء۔“

نیز حضرت مولانا عمر ضیاء الدین عثمانی خالیدی کردی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ وقادریہ کی اجازت عطا فرمائی۔

مولانا نے ممدوح نے ۱۳۳۱ / ۱۸۹۶ء میں حضور سید ناغوث اعظم رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضری دی اور ہدیہ عقیدت پیش کیا، چند اشعار ملاحظہ ہوں :

بدرگاہ جنابت آدم یا شاہ جیلانی منور شد ولم از پر تو انوار ربانی
غریبم، بے نوا افتادہ ام، بیمار در کویت نظر فرما بحالم حضرت محبوب سجانی
آپ شعر و سخن کا بہترین ذوق رکھتے تھے اور اختر تخلص کرتے تھے، درج ذیل مشہور قصیدہ نعتیہ آپ ہی کے فکر عالی کا نتیجہ ہے :

تری الفت میں مرثنا شہادت اس کو کہتے ہیں ترے کوچہ میں دفن ہونا، جنت اس کو کہتے ہیں
تجھی کو دیکھنا، تیری ہی سننا، تجھ میں گم ہونا حقیقت معرفت، اہل طریقت اس کو کہتے ہیں

تذکرہ حضرت محدث دکن
 ریاضت نام ہے تیری لگی میں آنے جانے کا تصور میں ترے رہنا، عبادت اس کو کھتے ہیں
 ترا مفتوں، جاں دادہ، ترا عاشق، ترا شیدا ترا مضطر، ترا اختر ہدایت اس کو کھتے ہیں
 مولانا عبدالحکیم شرف قادری دام فضلہ نے اسی قدر آپ کے مبارک احوال تذکرہ
 اکابر اہل سنت میں جمع فرمائے اور معذرت بھی کی کہ مزید حالات نہیں مل سکے۔
 (ایضاً ص ۶۹)

۷۔ حضرت مولانا الحاج ابو الحقائق پیر سید امانت علی شاہ کاظمی نظامی

(۱۳۲۲ھ - ۱۳۹۱ھ / ۱۹۰۱ء - ۱۹۷۱ء)

حضرت پیر سید امانت علی شاہ کاظمی نظامی موضع گھوٹی ضلع فیروز پور (انڈیا) میں
 پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب ۳۵ واسطوں سے حضرت امام موسیٰ کاظم قدس
 سرہ سے جا ملتا ہے۔ پندرہ برس کی عمر میں اپنے تایا زاد بھائی حضرت پیر سید نادر علی
 شاہ کے دست مبارک پر سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت ہوئے اور پھر ظاہری
 اور باطنی علوم میں درجہ کمال کو پہنچے، آپ کو وعظ و ارشاد میں یدِ طولیٰ حاصل
 تھا۔ وحدۃ الوجود کے نہ صرف قائل بلکہ بڑے مبلغ بھی تھے۔ ثنوی شریف پر بھی بڑا
 عبور تھا۔ اور اشعار پڑھنے کا انداز سامعین میں کیف و مستی پیدا کرتا تھا۔ آپ کی
 تقریر اسرار تصوف کی آئینہ دار ہوتی تھی۔

حضرت پیر سید امانت شاہ عابد شب زندہ دار بزرگ تھے، نماز تہجد باقاعدگی سے ادا
 کرتے اور شریعت ظاہرہ کی پیروی کی ہر وقت پیش نظر رکھتے، کسی حالت میں بھی نماز
 قضاء ہونے نہ دیتے۔ ہر جمعرات کو حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کے آستانہ عالیہ پر
 حاضری دیتے اور ایک عرصہ تک ہر نو چندی جمعرات کو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر
 قدس سرہ کے آستانہ عالیہ پر حاضری دیتے رہے، بزرگان سلسلہ اور مشائخ کے عرس
 بڑے اہتمام سے مناتے۔ لاہور کے چند احباب کے پیہم اصرار پر جامع مسجد شاہ
 کمال کی خطابت قبول فرمائی۔ یہ مسجد پہلے مختصر تھی آپ کے تشریف لانے کے بعد

تذکرہ حضرت محدث دکن

خاصی وسیع اور عریض اور خوبصورت بن گئی۔ آپ تادم واپس اسی مسجد میں اپنے ارشادات اور مواعظ سے دلوں کی دنیا کو روشن کرتے رہے۔

حضرت پیر صاحب شعر و سخن کا عمدہ ذوق رکھتے تھے اور نظام تخلص کرتے تھے ۱۹۵۶ء میں مع اہل و عیال حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں منظوم ہدیہ عقیدت پیش فرمایا جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں :

السلام اے مبتدا و مفتی السلام اے مقتدا و پیشوا
السلام اے واقف علم لدن السلام اے مظہر علم و شہود
السلام اے ناظر قلب حقیر این نظامی گنہ گار و فقیر
۱۹۵۸ء میں حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں اجمیر شریف حاضر ہوئے اور سلام پیش کیا چند اشعار ملاحظہ ہوں :

السلام اے مطلع انوارِ چشت السلام اے رہبر اہل بہشت
السلام اے ساقی جامِ الست السلام اے از جمالِ یارِ مست
السلام اے پیکرِ حسن و جمال السلام اے ماجی کفر و ضلال
ہو قبول اب تو نظامی کا سلام آپ کا ہے یہ غلامانِ غلام
الحمد للہ آپ نے شعر و سخن میں خواب طبع آزمائی کی ہے لیکن آبروئے قلم کو کسی دنیا دار کی مدح و ثناء سے ملوث نہیں ہونے دیا، صرف بزرگانِ دین سے اظہار عقیدت کے لئے اشعار کو وسیلہ بنایا۔ حضرت خواجہ اجمیری قدس سرہ کی منقبت میں فرماتے ہیں :

رہا عمر بھر ہی مجھ کو تیرے نام کا سہارا اسی طرح رات گذری، اسی طرح دن گذارا
سخی اور بھی ہیں بیشک، یہ جہان چھان مارا ہوا منگتوں کا آخر، تیرے در پہ ہی گذارا
کھڑا دیر سے ہوں در پر، مجھے بھیک دو خدا را یہ ہے لاج بھی تمہاری، ہے فقیر بھی تمہارا

تذکرہ حضرت محدث دکن

تیرے در سے پل رہے ہیں، کئی شاہ اور گدا بھی چہ شود اگر نوازی، ز نگاہ این گدارا
ذرا دیکھ اے نظای، کہاں خاک بوس تو ہے تری ہے بلند قسمت، ہے عروج پر ستارا
حضرت شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ کی شان میں فرماتے ہیں:
رہے آستان سلامت، رہے برقرار شاہی کہ تمہارے نام پر ہے یہ ہماری کج کلاہی
تیرے در پہ سرنگوں میں شاہوں کے تاج شاہی ترے فقر پر تصدق ہے ہزار بادشاہی
تیرا نعرہ فریدی، ہے قبول بارگہ میں میرے کان میں ہے آتی، یہ صدائے صبح گاہی
ذرا دیکھ اے نظای، یہ ہے درگہ فریدی کہیں بٹ رہی ہے جنت، کہیں بٹ رہی ہے شاہی
آپ کے مواعظ اور خطبات مختلف عنوانات کے تحت طبع ہو چکے ہیں، آپ کے
مریدین اور معتقدین کا حلقہ خاصا وسیع ہے۔

، محرم الحرام، ۷ مارچ (۱۳۹۱ھ - ۱۹۷۱ء) بروز جمعہ ۱۰ بجے دن آپ اپنے محبوب
حقیقی سے جا ملے۔ مزار لاہور میں ہے جس پر خوبصورت گنبد تعمیر ہو چکا ہے۔
مولانا شرافت نوشاہی نے قطعہ تاریخ وصال کہا ہے:

جناب پیر امانت علی وحید زماں رفیقِ مجلسِ آلِ فخرِ انبیاء آمد
چو سالِ رحلتِ شیخِ زماں شرافتِ جست شہیدِ عشقِ امانتِ علی، ندا آمد

۱۳۹۱ھ

(ایضاً ص ۹۰ تا ۹۳)

۸۔ امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ، محدث علی پوری نقشبندی قدس سرہ

(۱۲۵۷ھ - ۱۳۷۰ھ / ۱۸۳۱ء - ۱۹۵۱ء)

حضرت پیر سید جماعت علی شاہ ابن سید کریم شاہ علی پوری۔ علی پور سیداں۔ ضلع
سیالکوٹ (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ آپ نجیب الطرفین، شیراز کے سادات گھرانے
کے نامور جد اعلیٰ حضرت سید محمد مامون معروف قطب شیرازی کی اولادِ امجاد سے

تذکرہ حضرت محدث دکن

حمایت کرنے کی پُر زور تلقین کی۔ دینی مدارس کی امداد کو اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ ۱۹۱۰ء میں ترکی کے سلطان عبدالحمید خان کی اپیل پر آپ نے حجاز ریلوے فنڈ میں اپنے متوسلین کی طرف سے چھ لاکھ روپے جمع کروائے ۱۹۱۱ء میں علیگڑھ کالج کو یونیورسٹی بنانے کی غرض سے نواب وقار الملک نے امداد کی اپیل کی اور یقین دلایا کہ دینیات کی تعلیم لازمی ہوگی اور یونیورسٹی کی مساجد میں بیچ وقتہ نمازوں کی حاضری تمام طلبہ پر لازمی ہوگی تو لاکھوں روپیہ اپنے حلقہ ارادت سے جمع کروایا۔ علامہ اقبال الرحمتہ آپ کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ کی صدارت کر رہے تھے کہ علامہ اقبال آکر آپ کے قدموں میں بیٹھ گئے اور کہا کہ بزرگوں کے قدموں میں بیٹھنا سعادت ہے۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا ”اقبال جس کے قدموں میں ہو اسے اور کیا چاہئے؟ ایک موقع پر پیر صاحب نے ازراہ عنایت فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب! آپ کا یہ شعر ہمیں بھی یاد ہے:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے، اس کے زور بازو کا

نگاہ مرد مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس پر علامہ اقبال نے کہا:

”میری نجات کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ کو میرا یہ شعر یاد ہے“

آپ کے مریدین اور خلفاء میں زیادہ تر جدید تعلیم یافتہ طبقہ شامل ہے۔ آپ نے بے شمار حج کئے، کم و بیش پچاس مرتبہ دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری دی، سینکڑوں مسجدین تعمیر کرائیں۔ متعدد مدرسے جاری کیئے ۱۹۰۴ء میں انجمن خدام الصوفیہ کی بنیاد لاہور میں رکھی جس نے دینی اور ملی کارہائے نمایاں انجام دیئے کئی رسائل آپ کی سرپرستی میں شائع ہوتے رہے۔ ماہنامہ انوار الصوفیہ لاہور، ماہنامہ لمعات الصوفیہ سیالکوٹ، یہ رسائل بڑے وسیع مضامین پر مشتمل ہوتے تھے۔ آل انڈیا سنی کانفرنس میں بحیثیت سرپرست شریک ہوئے۔ غرض آپ

تذکرہ حضرت محدث دکن

کے کارہائے نمایاں آپ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

الحمد للہ جناب پروفیسر محمد طاہر فاروقی (صدر شعبہ اردو، پشاور یونیورسٹی) نے حضرت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ پر ایک ضخیم سوانح بنام ”سیرت امیر ملت“ مدون فرمائی ہے۔

آپ کی سخاوت اور دریا دلی کا ایک عالم میں چرچا تھا، کوئی سائل آپ کے دربار سے خالی نہ جاتا تھا، خاص طور پر عربوں کی بہت عزت اور تکریم فرماتے چنانچہ اہل عرب آپ کو ابو العرب کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

امیر ملت، ابو العرب حضرت پیر سید جماعت علی شاہ قدس سرہ کا وصال شب جمعہ ۲۷ / ذوالقعدہ ۱۳۷۰ / ۳۰ اگست ۱۹۵۱ کو ہوا۔ آپ کا مزار پُر انوار علی پور سیداں میں مرجع خلافت ہے۔ ہر سال نہایت شان و شوکت سے آپ کا عرس ہوتا ہے جس میں ہزاروں مریدین شرکت کرتے ہیں۔ ڈاکٹر خالد حسن قادری، استاذ شعبہ اردو لندن یونیورسٹی نے کئی مادہ ہائے تاریخ نکالے ہیں ان میں سنہ ہجری و عیسوی کے دو تاریخیں درج ذیل ہیں۔

ولی زمانہ ، فرزند ختم المرسلین

۱۹۵۱ء

شب جمعہ المبارک آرامیدہ

۱۳۷۰ھ

حضرت سید پیر جماعت علی شاہ نقشبندی قدس سرہ ہند و پاک کے گوشہ گوشہ میں شریعت اور طریقت کے استحکام میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں اس کی تفصیل گذشتہ اوراق میں آپ نے ملاحظہ فرمائی۔ حضرت شاہ صاحب کا حیدر آباد کے مسلمانوں پر بڑا کرم تھا اور اپنے مواعظ سے مسلمانان دکن کی رہنمائی فرمایا کرتے تھے۔ سلطنت آصفیہ کے آخری تاجدار نواب میر عثمان علی خان بہادر سے

تذکرہ حضرت محدث دکن

بھی مراسم تھے اور اظہار حق میں ان کے روبرو ان کی بادشاہت سے کبھی مرعوب نہیں ہوئے۔ ان حالات کو یہ عاجز ”سیرت امیر ملت“ سے من و عن ذیل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

بندہ مؤمن کا دل بیم و رجا سے پاک ہے

قوتِ فرماں روا کے سامنے بیباک ہے

(علامہ اقبال علیہ الرحمۃ)

دکن میں تبلیغ و ارشاد

حضرت پیر خیر شاہ صاحب امرتسری خلیفہ مجاز حضرت امیر ملت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق تبلیغ کے لئے ہندوستان کے دورے پر نکلے تو دکن میں کوہ نیل گڑھی پہنچ گئے وہاں حضرت قبلہ عالم کے حکم کے مطابق آپ نے قیام کیا۔ کئی دفعہ واپسی کا ارادہ کیا مگر حضرت نے خط یا تار کے ذریعے روک دیا۔ اور حکم فرمایا کہ ابھی وہیں کام جاری رکھو۔ اس دوران مولانا خیر شاہ صاحب کی مخالفت ہونے لگی جس کے بانی مبانی قاضی عبدالغفار اور ان کے رفیق پیر حیدر شاہ المعروف کالا پیر تھے۔

حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ کانیل گڑھی جانا

نیل گڑھی کے بعض معتقدین نے سعی تبلیغ کے بعد حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں بلایا۔ آپ تشریف لے گئے۔ تو دین اور ترویج سلسلہ نقشبندیہ کو قوت حاصل ہوئی۔ اور حضرت کے اثر سے لوگ کثرت سے داخل سلسلہ ہونے لگے۔ قاضی عبدالغفار اور کالا پیر کو یہ بات سخت ناگوار ہوئی۔ وہ سمجھتے تھے کہ لوگ پابند شریعت بن گئے اور ان کو شرعی مسائل معلوم ہو گئے تو ان کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ اور لوگ ان کے ڈھونگ سے باخبر ہو کر ان سے برگشتہ ہو جائیں گے جس سے ان کی آمدنی میں خلل آئے گا۔ ان دونوں نے کچھ سر پھرے بیہودہ لوگوں کو ساتھ ملا کر مخالفت تیز کر دی۔ مگر حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے مطلق پروانہ کی اور لوگ بھی

تذکرہ حضرت محدث دکن

زیادہ سے زیادہ داخل سلسلہ ہوتے رہے۔

حضرت کی مخالفت

نیل گڑھی سے حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ میسور اور پھر بنگلور تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے اپنی مخالفت جاری رکھی۔ بنگلور میں ان کا کافی اثر تھا۔ وہاں انہوں نے اشتہارات چھپوا کر تقسیم کئے اور الزام لگایا کہ یہ پیر صاحب نہ کسی کے مرید ہیں نہ خلیفہ، نہ حافظ قرآن ہیں نہ عالم دین نہ سید بس صرف مسمریزم جانتے ہیں۔ حلقہ میں اس کے اثر سے بیہوش کر دیتے ہیں۔ کوئی ان کے پاس نہ جائے، نہ ان کا وعظ سنو اور نہ ان کے پیچھے نماز پڑھو۔

مخالفین کے یہ دونوں سرغنہ علوم شرعی سے بالکل ناواقف تھے۔ اور ان کے اعمال بھی خلاف شریعت تھے لیکن انہوں نے ایک ڈھونگ رچا رکھا تھا۔ جس سے ان کا جتھا بن گیا تھا۔ لوگ انہیں اپنا پیر و مرشد سمجھتے اور ان کا حکم بجالاتے۔ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ کی، وعظ کئے اور مسائل شرعیہ بیان کئے تو انہوں نے سمجھا کہ اب ہماری خیر نہیں۔ اگر عوام دین و شریعت سے واقف ہو گئے تو ہماری بات کون مانے گا۔ غرض ان دونوں مفسدوں نے اپنے جاہل مریدوں کو ورغلا کر حضرت کی خوب مخالفت کی۔ حضور کی ایذا رسانی کی راہیں پیدا کیں۔ آپ کے جلسوں میں اینٹ پتھر برسائے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ آپ کے مارنے کے درپے ہو گئے۔ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ اس دور افتادہ مقام پر بالکل بے یار و مددگار تھے۔ سوائے ذات الہی کے کسی پر بھروسہ نہ تھا آپ تمام تکلیفیں بخوش برداشت کرتے۔ اور بارگاہ رب العزت میں دعا فرماتے کہ ”خدا ان کی ہدایت فرمائے“ آخر حالات سے مجبور ہو کر حضور کو شہر چھوڑ کر باہر قیام کرنا پڑا۔ مگر سچ یہ ہے کہ۔

چراغِ مقبلاں ہرگز نہ میرد
اگر گیتی سراسر باد گیرد

عباس خان صاحب بلدیہ یسور کے سربراہ تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ ”ایک رات میں سو رہا تھا۔ کہ خواب میں مجھ سے کہا گیا کہ تو آرام سے گھر میں سو رہا ہے۔ اور ایک سید آل رسول، مسافر بے یار و مددگار کو کچھ بد بخت جاہلوں نے سخت تنگ کر رکھا ہے۔ میں اس بات کو خواب و خیال سمجھ کر پھر سو گیا۔ دوبارہ خواب میں کسی نے پھر مجھ سے یہی کہا۔ میں نے اب کے بھی پروانہ کی اور سو گیا۔ تیسری دفعہ کسی نے میرے چہیت رسید کیا اور کہا کہ تو سوتا ہی رہے گا۔“

عباس خان صاحب کہتے تھے کہ ”اب تو میں سخت حیران پریشان ہوا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میری بیوی نے دریافت کیا کہ ”معاملہ کیا ہے۔ آج آپ کو نیند کیوں نہیں آتی“ میں نے انھیں خواب کا سارا واقعہ سنایا۔ وہ بھی سن کر حیران ہوئیں۔ مگر سوچ کر کہا کہ اپنے کوچوان کو بلا کر دریافت کرو۔ ممکن ہے اسے کچھ خبر ہو۔ میں نے کوچوان کو بلایا اور پوچھا تو اس نے بیان کیا کہ ”پنجاب سے ایک بزرگ آئے ہوئے ہیں۔ یہاں لوگوں نے ان کی مخالفت کی اور انھیں ستایا ہے۔ ممکن ہے یہ اشارہ اسی طرف ہو“ میں نے اسی وقت گاڑی جوتنے کا حکم دیا۔ اور کوچوان کی رہنمائی میں سحری کے وقت حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے ایسے نا وقت حاضری کا سبب دریافت کیا تو میں نے عرض کیا ”آپ کو گھر لے چلنے کے لیے حاضر ہوا ہوں“ فرمایا خان صاحب! میں آپ کو خواہ مخواہ تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ میں تو مسافر ہوں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا بسر کروں گا۔ میری وجہ سے آپ کیوں تکلیف برداشت کریں۔“

”جب میرے بہت اصرار کرنے پر بھی حضور راضی نہ ہوئے، تو مجبوراً میں نے خواب کا تمام واقعہ بیان کیا۔ اور کہا کہ میں تو حکماً بھیجا گیا ہوں۔ اگر آپ میرے ساتھ جانا پسند نہ فرمائیں گے تو میں یہاں آپ کی خدمت میں حاضر رہوں گا۔ غرض

بڑنی منت سماجت کے بعد حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ ان کیساتھ چلنے پر راضی ہوئے تو وہ بصد عزت و احترام حضور کو گھولائے اور اس خوش نصیبی پر خدا کا لاکھ لاکھ شکر بجالائے۔

مہاراجہ میسور کا حضرت کے پیغامِ حق سے متاثر ہونا

عباس خان صاحب کہتے تھے کہ ” پھر وہ مہاراجہ کی خدمت میں گئے۔ اور ان سے حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی پنجاب سے وعظ و ارشاد کے لئے تشریف آوری، غنڈوں کا آپ کو ستانا، آپ کا شہر سے باہر جانا، خواب میں ان کو تنبیہ کیا جانا، ان کا حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے ہمراہ گھولانا، ساری تفصیلات بیان کیں۔ مہاراجہ نے ڈی سی کو حکم دیا۔ اور مجھے ہدایت فرمائی کہ میں ساری تفصیلات اس کے گوش گزار کروں۔ ڈی سی نے پولیس کپتان کو طلب کر کے سارا واقعہ سنایا۔ غرض اس طرح ریاست کے افسران کی امداد حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوئی۔ شریکوں کو اب کیا ہمت ہوتی کہ کھلم کھلا مخالفت کر سکتے۔“

مہاراجہ نے خود خواہش ظاہر کی کہ وہ بھی حضرت کا وعظ سننا چاہتا ہے۔ تو ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں مسلمانوں کے ساتھ ہندو عمائد و اکابر بھی شریک ہوئے اور خود مہاراجہ نے بھی شرکت کی۔ عباس خان صاحب کو حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی باتوں سے آپ کی حق گوئی اور بے باکی کا اندازہ ہو چکا تھا۔ انھوں نے عرض کیا کہ ” حضرت! مہاراجہ ہندو ہے اور یہ ریاست بھی ہندوؤں کی ہے۔ اگر آپ ان کے مذہب کے خلاف کوئی بات نہ کہیں تو اچھا ہے۔“

حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے وعظ فرمایا تو اسلام کی حقانیت ثابت کی۔ اور دلائل سے جملہ مذاہب باطلہ کی تردید فرمائی۔ آپ کے بیان کا معجزہ نما اثر یہ تھا کہ بعد میں مہاراجہ نے عباس خان صاحب سے کہا کہ ” آپ کے پیر صاحب یقیناً خدا کے نیک بندے ہیں۔ تب ہی تو ان میں یہ جرأت ہے کہ ہمارے سامنے بیباکی کے

ساتھ ہمارے مذہب کے خلاف تقریر کرتے ہیں۔ چنانچہ مہاراجہ نے حکم دیا کہ آپ کا وعظ روز کرایا جائے۔ اور افسران کو ہدایت کی کہ ”معقول انتظام کیا جائے تاکہ شریعت کسی قسم کا فساد کھڑا نہ کر سکیں۔ ایسے نیک انسان اب دنیا میں کہاں ملتے ہیں، جو مخالف موافق کی پروا کئے بغیر حق گوئی کریں۔ اور بندگان خدا کی رہنمائی کے لئے اتنا دور دراز سفر اور راہ کی صعوبتیں برداشت کریں۔“

مہاراجہ کی موافقت کی وجہ سے اب کس کی مجال تھی کہ مخالفت کرتا۔ چنانچہ آپ کے وعظ بکثرت ہونے لگے۔ زائرین ہمہ وقت حاضر رہنے لگے۔ آپ کا علم و فضل، اور زہد و تقویٰ اور دور دور مشہور ہونے لگا۔ روزانہ علماء، عمدہ دار، تاجر، فوجی، ملازمت پیشہ ہر طرح کے لوگ حاضر ہونے لگے۔ سلسلہ عالیہ میں لوگ جوق در جوق داخل ہوتے تھے۔ اور پند و نصائح سن کر اتباع شریعت میں سرگرم ہوتے تھے۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی کثرت سے حلقہ ارادت میں شامل ہوئیں۔ ہر روز مغرب و عشاء کے درمیان محلہ نعل بند واڑی میں صوبیدار سید محمد صاحب کی حویلی میں ذکر کا حلقہ منعقد ہوتا تھا۔

بنگلور، میسور، نیل گڑھی وغیرہ میں آپ کا قیام گیارہ مہینے تک رہا۔ آپ کا شہرہ سن کر دور دور سے لوگ آتے تھے اور داخل سلسلہ ہو کر فیض پاتے تھے۔ چناپتن، منڈا، مدھور، کنور، ہیروڑ، نجن گڈہ، گگے سری، نوی پیٹ، پھکیشوان، صالح گرام، گنجنام، سرنگا پٹم وغیرہ دور دور سے لوگ کھینچے چلے آتے تھے۔ غرض بیس پچیس ہزار خلق خدا اس زمانے میں آپ کے دست حق پرست پر تائب ہو کر سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہوئی۔

انھیں دنوں مشہور انجمن ندوۃ العلماء کے اشتہارات بنگلور میں حضرت کے پاس پہنچے جن میں آپ کے نام نامی کے ساتھ ”مولانا مولوی محدث زبدة العارفین قدوة سالکین حاجی حافظ“ القاب چھپے ہوئے تھے۔ یہ اشتہار اہل بنگلور نے دیکھے اور جانا کہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضرت ندوۃ العلماء کے صدر ہیں تو مخالفین و مفسدین کو اور زیادہ منہ کی کھانی پڑی۔ اور اہل یسور پر ان کا دروغ و فساد اور زیادہ روشن ہو گیا۔ سچ ہے۔

چراغے را کہ ایزد بر فرزند

ہر آں کس تف زند ریشش بسوزد

حیدر آباد دکن کے پہلے سفر کا سبب

حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے پہلی دفعہ حیدر آباد (دکن) میں ورود مسعود کا واقعہ بے حد پر لطف اور دلچسپ ہے۔ غلام جیلانی کلیم حیدر آبادی جماعتی (حال سیالکوٹی) نے بتایا کہ ان کے والد ماجد حضرت حاجی غلام احمد ارشاد (خلف و جانشین حضرت الحاج غلام محمد صاحب رکن صدیقی نقشبندی خلیفہ مجاز حضرت مسکن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نے بیان کیا تھا کہ حضور قبلہ عالم قدس سرہ العزیز مدینہ منورہ سے واپسی کے وقت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ سلام پیش کرنے کے بعد آپ نے اجازت چاہی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”ہندوستان پہنچ کر حیدر آباد (دکن) میں مولوی خیر المسین صاحب (خلیفہ مجاز حضرت مسکن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کو ہمارا سلام پہنچاؤ۔“

حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ کے قیام و زیارت اور مکہ معظمہ میں مناسک حج ادا کرنے اور اقامت فرمانے کے بعد براہ بمبئی مراجعت فرما ہوئے۔ تو بمبئی سے سیدھے حیدر آباد تشریف لے گئے۔ یہاں کسی سے آپ کی واقفیت نہ تھی۔ اسٹیشن سے ٹانگہ میں سوار ہو کر محلہ پتھر گٹی میں مولوی خیر المسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فرود گاہ موسوم بہ نبی خانہ پہنچ گئے۔ جس وقت حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہنچے ہیں محفل جی ہوئی تھی۔ آپ کا لباس اور انداز قطعاً اجنبیانہ تھا۔ لوگ حیرت میں تھے کہ آج یہ کون نئے صاحب تشریف لائے ہیں۔ آپ نے اہل محفل کو

سلام علیک کی اور سیدھی مولوی خیر المسبین صاحب کی طرف بڑھے۔ مولوی صاحب نے سلام کا جواب دے کر بیٹھے ہی بیٹھے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آنا ہوا۔ حضور نے فرمایا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرستادہ ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق آنحضرت کا سلام آپ کو پہچانے آیا ہوں۔ مولوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر یہ سنکر عجب کیفیت طاری ہوئی۔ چند منٹ کیلئے مد ہوش سے ہو گئے۔ جب وہ کیفیت ختم ہوئی تو کھڑے ہو کر معانقہ اور مصافحہ کیا۔ اور حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے قریب مسند پر بٹھایا۔

حیدر آباد میں قیام

پہلی بار اس طرح حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ حیدر آباد تشریف لے گئے تھے۔ پھر آپ نے کئی دن وہاں قیام فرمایا۔ جمعہ آیا تو نماز جمعہ کے بعد حاضرین کو مواعظ حسنہ سے مستفید فرمایا۔ مولوی خیر المسبین صاحب نے آپ کو کئی دن مہمان رکھا اور ضیافت و مدارات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ آپ اس کے بعد بھی حیدر آباد تشریف لے جاتے نبی خانہ ہی میں قیام فرماتے تھے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ حضور نظام کی دعوت پر حیدر آباد گئے ہیں۔ اسٹیشن پر شاہی سواریاں اور شاہی مہماندار اور حکام استقبال کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ مگر آپ سیدھے نبی خانہ گئے اور وہاں تھوڑی دیر قیام کیا۔ اس دوران شاہی مہمان دار سخت پریشان ہوتے اور بار بار خوشامدانہ عرض کرتے کہ ہم سے جواب طلبی ہوگی۔ ہم کو عتاب شاہی سے بچائیے۔ وہاں انتظار ہوگا۔ جلد تشریف لے چلتے۔ ان کی منت سماجت پر آپ نبی خانہ سے حضور نظام کے مہمان خانے میں چلے جاتے۔ حضرت مولوی خیر المسبین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ جناب قاری شہاب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی فرود گاہ پر قیام فرماتے رہے۔ اور آخر سفر تک یہی معمول رہا۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

ایک دفعہ حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے حضور نظام دکن کو دو تیر بطور تحفہ بھیجے۔ سب حیران تھے کہ ایسا معمولی تحفہ بادشاہ کی خدمت میں کیوں بھیجا گیا۔ ایک دن قاری شہاب الدین صاحب مرحوم نظام دکن سے ملنے گئے تو انھوں نے کہا ”میں حیران تھا مولانا یہ تیر میرے لئے کیوں ارسال کئے ہیں؟ چند روز گزرنے پر پتہ چلا کہ یہ تیر سحری کے وقت ”سجان تیری قدرت“ کی رٹ لگاتے ہیں تو میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ اور میں نماز تہجد ادا کر لیتا ہوں۔ ورنہ مجھے تہجد کی عادت نہ تھی۔

ایک بار نظام دکن حاضر خدمت ہوئے تو کہا کہ ”میں ایک بار اور اس طرف سے گزرا تھا، اور حاضری کا خیال بھی کیا۔ لیکن اس وقت نصف آستین والی قمیص پہنے ہوئے تھا، اس لئے مناسب نہ سمجھا۔“ ایک مرتبہ شاہی محل کی ایک خاتون خدمت میں حاضر ہوئی۔ وہ نصف آستین کی قمیص پہنے ہوئے تھی۔ آپ اس پر سخت ناراض ہوئے اور کہا ”تمہیں ایک بالشت کپڑا اور نہ مل سکا جو آستین پوری کر لیتیں“ اور نماز ادا ہو جاتی۔ یاد رکھو، عورتوں کے لئے اپنے بازو کو ننگا رکھنا حرام ہے“ اس خاتون نے اسی وقت توبہ کی، اور عہد کیا کہ آئندہ پوری آستین کی قمیص پہنا کروں گی۔ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کے ایک مخلص ارادتمند جناب ڈاکٹر احمد مرزا صاحب ساکن پیوریانے جو شکاگو سے دو سو میل دور ایک شہر ہے نقشبندیہ فاؤنڈیشن قائم کیا اور اس عاجز کو فاؤنڈر ممبر بنایا۔ گذشتہ سال شکاگو میں پہلی انٹرنیشنل میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کانفرنس منعقد کی اور اس عاجز کے ذمہ خطبہ استقبال کیا۔ یہ کانفرنس صبح سے شروع ہو کر رات دیر گئے ختم ہوئی۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۹۳ء کی یہ کانفرنس بڑی کامیاب رہی، پاکستان اور خصوصاً امریکن مسلم اصحاب فضل، و ارباب علم و ادب نے تحقیقی اعلیٰ، معیاری مقالے سنائے۔ الحمد للہ گھرانے جو برسوں سے وہابیت کے رنگ میں ڈوب گئے تھے اس میلاد النبی کانفرنس کی برکت سے الحمد للہ خوش عقیدہ اور اہل سنت والجماعت کے صحیح

تذکرہ حضرت محدث دکن

مسلک پر واپس ہوئے۔

یہ صدقہ جاریہ ہے حضرت امیر ملت کا کہ آپ کے وصال کے پچاس برس بعد اس نئی دنیا میں سلسلہ سے وابستہ ایک فرد نے تنہا ہزاروں ڈالر خرچ کر کے اتنا عظیم الشان کام انجام دیا اور اس کی برکات امریکی اصحاب دیکھ رہے ہیں۔ الحمد للہ اس سال ۲۶ اگست ۱۹۹۵ء کو دوسری میلاد النبی کانفرنس کا انعقاد عمل میں آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کانفرنس کو بھی کامیاب فرمائے آمین۔ بحرمتہ سید المرسلین۔ اللہ تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ ایسے علماء ربانیین اور اولیاء امت کے برکات قیامت تک جاری رہیں گے۔

چراغِ مقبلان ہرگز نمیرد
اگر گیتی سراسر باد باشد

(ملاحظہ ہو سیرت امیر ملت)

۹۔ امام المحدثین حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ رضوی انوری

(۱۲۷۳ھ - ۱۳۵۴ھ / ۱۸۵۶ - ۱۹۳۵ء)

مرجع الفقہاء و المحدثین مولانا ابو محمد سید محمد دیدار علی شاہ ابن سید نجف علی محلہ نواب پورہ، الوری میں پیدا ہوئے۔ آپ کے عم مکرم، بزرگ مولانا سید نثار علی شاہ علیہ الرحمہ نے آپ کی والدہ ماجدہ کو آپ کی ولادت سے قبل بشارت دیتے ہوئے فرمایا۔

”بیٹی تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو دینِ مصطفویٰ کو روشن کرے گا، اس کا نام دیدار علی رکھنا۔“

آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، آپ کے آباء و اجداد مشہد (قدیم طوس) سے ہندوستان آئے اور الوری میں قیام پذیر ہوئے الوری میں ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا کرامت اللہ خان سے دہلی میں درسی کتابوں اور دورہ حدیث کی تکمیل کی، فقہ و منطق مولانا ارشاد حسین رام پوری سے، سند حدیث مولانا

احمد علی سہارنپوری، اور حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مراد آبادی سے حاصل کی، حضرت شیخ الاسلام سید مہر علی شاہ گولڑوی اور مولانا وصی احمد محدث سورتی آپ کے ہم درس تھے۔

آپ سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی کے مرید اور خلیفہ تھے، سلسلہ چشتیہ میں حضرت مولانا سید علی حسین کچھو چھوی اور سلسلہ قادریہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی کے خلیفہ اور مجاز ہوئے۔

ہندوستان کے مختلف مدارس، جامعات میں تدریسی خدمات انجام دے کر لاہور تشریف لائے اور مسجد وزیر خان میں خطابت کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۹۲۵ء میں مرکزی انجمن حزب الاحناف قائم کی اور دارالعلوم حزب الاحناف کی بنیاد رکھی جہاں سے سینکڑوں علماء فضلاء اور مدرسین پیدا ہوئے۔ پاکستان کا شاید ہی کوئی شہر یا دیہات ہوگا جہاں حزب الاحناف کے فارغ التحصیل علماء دینی خدمات انجام نہ دے رہے ہوں۔

حضرت کی ذات ستودہ صفات محتاج تعارف نہیں، بے باکی اور حق گوئی آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی مخالفتوں کے طوفان آپ کے پایہ ثبات کو جنبش نہ دے سکے علم و فضل کے گویا سمندر تھے، کسی مسئلہ پر گفتگو شروع کرتے تو گھنٹوں بیان جاری رہتا۔ سورہ فاتحہ کا درس ایک سال میں ختم ہوا۔

آپ کے بے شمار تلامذہ میں بعض علماء نے ملک کے طول و عرض میں بڑا نام پیدا کیا ہے خصوصاً مولانا رکن الدین الوری نقشبندی نے رسالہ دینیات موسوم بہ ”رکن دین“ لکھ کر ہندو پاک کے اردو دان مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ آپ کی یہ کتاب ہر مسلمان کے گھر میں مسائل کے لئے مرجع بنی ہوئی ہے۔ دوسرے جلیل القدر عالم مولانا عبدالقیوم ہزاروی امد اللہ حیاتہ للاسلام والمسلمین ناظم جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لاہوری گیٹ لاہور (پاکستان) سے ۱۹۹۱ء میں ملاقات رہی۔ ماشاء اللہ عالم

تذکرہ حضرت محدث دکن

با عمل ہیں اور ایک عظیم دینی جامعہ کے سربراہ ہیں۔ کثر اللہ امثالہم۔
حضرت سید دیدار علی شاہ نے محققانہ تصانیف چھوڑے ہیں۔ تحقیق المسائل بڑی
معرکہ الآراء کتاب ہے جو مولانا رشید احمد گنگوہی سے بعض فقہی مسائل کے سلسلہ
میں خط و کتابت کا مجموعہ ہے جن میں مولانا گنگوہی عاجز آگئے تھے۔

۲۲ رجب المرجب ۱۳۵۴ھ کو آپ اپنے رب کریم کے دربار میں حاضر ہوئے اور جامع
مسجد اندرون دہلی دروازہ لاہور میں نحو خواب میں رحمۃ اللہ رحمۃ واسعہ۔ قطعہ تاریخ
ہے۔

حافظ پس سر کوبی اعداء شریعت دیدار علی یافتہ دیدار علی گفت

۱۳۵۴ھ

۱۰۔ محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد چشتی قدس سرہ

(۱۳۲۲ھ - ۱۳۸۲ / ۱۹۰۴ء - ۱۹۶۲ء)

شیخ الحدیث والتفسیر، جامع شریعت و طریقت مولانا ابوالفضل محمد سردار احمد ابن
چوہدری میران بخش موضع دیال گڑھ ضلع گرداسپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم
کے بعد مزید تعلیم کے لئے لاہور آئے۔ انہی دنوں مسجد وزیر خان میں مرکزی انجمن
حزب الاحناف کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا اور پاک و ہند کے
کثیر التعداد علماء اور مشائخ شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں حجۃ الاسلام مولانا حامد
رضا خان بریلوی بھی شریک ہوئے۔ مولانا سردار احمد صاحب نے آپ کی شخصیت
سے متاثر ہو کر انگریزی تعلیم کو خیر باد کہا اور بریلی شریف چلے گئے۔ وہاں مولانا
مصطفیٰ رضا خان بریلوی سے استفادہ کیا اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی مصنف "بہار
شریعت" کی خدمت میں رہ کر جامعہ معینیہ اجمیر شریف سے سند فراغت حاصل کی۔
آپ سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت شاہ سراج الحق چشتی اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں
مولانا حامد رضا خان بریلوی سے بیعت ہوئے اور خلافت سے مشرف ہوئے تکمیل

تذکرہ حضرت محدث دکن

علوم کے بعد جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی میں تدریس فرمائی اور علم حدیث کی گرانقدر خدمات انجام دیں اور بے شمار اہل علم نے فیض حاصل کیا۔

قیام بریلی کے دوران حفظ الایمان کی گستاخانہ عبارت پر ایک معروف دیوبندی عالم سے مولانا سردار احمد صاحب نے کامیاب مناظرہ کیا یہ مناظرہ چار دن جاری رہا اور فریق مخالف کو زبردست شکست ہوئی چوتھے دن معروف دیوبندی عالم نے بے باکی کی انتہا کر دی اور کہا ”میں فاتحہ کو بدعت کہتا ہوں اور ماہ محرم میں سبیل لگانے اور دودھ یا شربت پلانے کو حرام کہتا ہوں اور اس وجہ سے میں کم بخت ہوں تو میں ایسا کم بخت ہی اچھا ہوں، میں بھی بھوکا مرتا ہوں اور میرے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بھوکے مرا کرتے تھے، جو حشر میرا وہ ان کا“ (العیاذ باللہ)

یہ عاجز مذکورہ عبارت کے بارے میں کیا کہے، بجز اس کے کہ تعصب اور عصبیت اور گروہ بندی کا نعرہ باطل ہے کیا سورہ فاتحہ کسی وقت بھی پڑھا جائے بدعت ہو سکتا ہے؟ جبکہ ارشاد ربی ہے ”فاقرؤا ما تیسر منہ (پڑھ لیا کرو قرآن سے جتنا آسان ہو) اسی طرح دودھ یا شربت کسی وقت بھی پلایا جائے حلال ہے، کیا کسی شخص کو حلال کو حرام قرار دینے کا حق ہے؟ پھر اس فقرہ کی آخری عبارت پر غور کرنے والا غور کرے کتنی بڑی گستاخی ہے شان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جبکہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا الفقیر فخری (فقرو فاقہ میرا فخر ہے)

یہ امت کا المیہ ہے کہ ایک گروہ حلال کاموں کو حرام، بدعت بلکہ شرک کہنے سے بھی درگزر نہیں کرتا حالانکہ کتنے مسنون کاموں کو انہی حضرات نے چھوڑ دیا ہے جیسے عمامہ کی بجائے دوپٹی، اپنے اداروں کے جشن منانا وغیرہ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانے میں موجود نہ تھے۔ بس اتنا کہہ کر یہ فقرہ ختم کرتا ہوں۔ کل بعمل علی شاکلتہ فر بکم اعلم بمن هو اھدی سبیلا (سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۸۴) (آپ فرمادیں ہر شخص اپنے اپنے طریقہ پر کام کرتا ہے، تمہارا

تذکرہ حضرت محدث دکن

رضویہ تک ہزار ہا افراد نے دیکھا کہ جنازہ پر نور کی پھوار پڑ رہی ہے۔ نماز جنازہ میں تین لاکھ افراد نے شرکت کی۔

عاشق کا جنازہ تھا بڑی دھوم سے اٹھا

مولانا حضرت شاہ مصطفیٰ رضا خان مفتی اعظم ہند نے پرورد احساسات کو اس طرح منظوم فرمایا:

کیا کہوں میں ہائے کیا جاتا رہا	آہ دل کا حوصلہ جاتا رہا
سنیوں کا دل نہ بیٹھے کس طرح	زور ان کے قلب کا جاتا رہا
موت عالم کی جہاں کی موت ہے	زندگانی کا مزا جاتا رہا
اس زمانہ کا محدث بے مثال	جس کا ثانی ہی نہ تھا جاتا رہا
غوث اعظم قطب عالم کا غلام	نائب شاہ رضا جاتا رہا
مرگیا فیضان جس کی موت سے	ہائے وہ " فیض انما " جاتا رہا

۱۳۸۲ھ

دیو کا سر کاٹ کر نوری کھو چاند روشن علم کا جاتا رہا

(ایضاً ص ۱۳۹ تا ۱۵۶)

۱۱۔ عارف کامل مولانا سید امیر علوی، حمیری قدس سرہ العزیز

(۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء - ۱۳۹۰ھ ۱۹۷۰ء)

حضرت مولانا سید امیر علوی، حمیری ابن حافظ رسول (قدس سرہما) چھپر شریف ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ چونکہ وصال کے وقت آپ کی عمر تقریباً ۹۷ سال تھی اس لئے غالب گمان ہے کہ آپ کی ولادت ۱۲۹۰ھ - ۱۸۷۳ء میں ہوئی ہوگی۔ سات سال کی عمر میں خاموشی سے ملتان روانہ ہو گئے اور گھوٹہ ضلع ملتان میں ایک بزرگ حضرت مولانا حافظ جمال الدین قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر کئی سال تک صرف و نحو کی تکمیل کی اور استاذ گرامی سے امام الخو کا لقب حاصل کیا۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

کچھ عرصہ گھر رہنے کے بعد پھر ملتان شریف چلے گئے اور غوث عالم حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا قدس سرہ کے مزار اقدس پر باقاعدگی سے حاضری دیتے رہے۔ یہ معمول بارہ سال تک جاری رہا۔ اسی اثناء میں ایک نابینا قسبر عالم سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے کہا کہ آپ میرے بیٹے کو نحو کی ایک کتاب پڑھا دیں۔ میں آپ کو فلاں کتاب پڑھا دوں گا پھر انہی کے ایماء پر لہجمیر شریف حاضر ہو کر مدرسہ معینیہ میں مولانا علامہ معین الدین لہجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے علوم دینیہ کی تکمیل کی اور اسی مدرسہ میں مدرس مقرر ہو گئے۔

ایک سال بعد جذبہ محبت الہیہ کی فراوانی کی بناء پر تمام مصروفیات سے دستبردار ہو کر خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین لہجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درگاہ اقدس میں گوشہ نشین ہو گئے۔ ۳۵ سال تک یہ معمول رہا کہ خواجہ کی چوکھٹ پر نگاہ جمائے مختصر حجرے میں بیٹھے رہتے اور حضرت خواجہ کے انوار و برکات سے بہرہ ور ہوتے رہتے تھے۔ سلسلہ طریقت میں امام العارفین حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی قدس سرہ کے مرید تھے۔ آپ کے تلامذہ میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں۔

۱۔ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ بانی دار العلوم مظہر الاسلام لائل پور۔

۲۔ حضرت محقق علامہ مولانا سید غلام جیلانی مدظلہ العالی صدر المدرسین مدرسہ اسلامیہ میرٹھ (بھارت)

حضرت مولانا سید امیر لہجمیری قدس سرہ نے تبلیغ اسلام، اصلاح عقائد اور بد مذہبوں کے رد میں متعدد رسائل تالیف فرمائے بعض کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

- ۱۔ بیعت مشائخ ۲۔ ابلاک الوہابین ۳۔ کشف القناع عن وجہ السماع ۴۔ رسالہ نور
- ۵۔ راہ حق نما ۶۔ مسئلہ وحدۃ الوجود والشوہد ۷۔ سماع موتی ۸۔ آداب زیارت (قبور)
- ۹۔ ارشاد الحق ۱۰۔ رسالہ حاضر و ناظر ۱۱۔ کلمۃ الحق ۱۲۔ کشف الحجاب عن مسئلۃ ایصال

تذکرہ حضرت محدث دکن

الثواب وغیرہ وغیرہ

قیام پاکستان کے بعد آپ حرمین شریفین کی زیارت کے لئے چلے گئے اور واپسی پر چھپڑ شریف میں قیام پذیر ہو گئے۔ آپ نے عین مسجدیں تعمیر کرائیں اور خوشاب میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔

حکیم اہل سنت مکرمی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ راوی ہیں کہ غالباً جنوری ۱۹۶۲ء کو خبر ملی کہ حضرت مولانا بعارضہ فالج بیمار ہیں۔ نومبر ۱۹۶۲ء کو اچانک میرے پاس تشریف لے آئے، غور سے دیکھنے کے باوجود جسم کے کسی حصہ پر فالج کا اثر نظر نہ آیا البتہ زبانی گفتگو کی بجائے اشاروں سے بات چیت کر رہے تھے۔ کاغذ اور قلم پیش کیا لیکن گرفت بالکل صحیح ہونے کے باوجود ایک لفظ بھی نہ لکھ سکے۔ میں نے (حکیم صاحب زید مجدہ نے) پوچھا کہ حضرت کسی وقت کوئی لفظ زبان سے ادا ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ تو آپ نے بغیر کسی لکنت کے صاف طور پر پڑھا:

”الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ وسلم علیک یا حبیب اللہ“

گویا اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کو اپنے اور اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کے لئے مختص فرما دیا تھا ورنہ اگر مرض ہوتا تو دنیاوی باتوں کی طرح درود شریف کی ادائیگی پر بھی قدرت نہ ہوتی، اور یہ حالت آخری دم تک رہی۔ آپ ان لوگوں میں سے تھے جن کی مجلس میں بیٹھ کر خدا یاد آتا ہے اور سکون قلب نصیب ہوتا ہے۔

۴ شعبان المعظم ۶ اکتوبر (۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء) بروز منگل نماز ظہر کے بعد نفل پڑھتے ہی سفر آخرت فرمایا۔ مرکزی مجلس رضالہور کے سرپرست مکرمی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ نے تاریخ وصال کہی۔

”شمع ہدیٰ خموش ہے“

۱۳۹۰ھ

(ایضاً ص ۱۷۲ تا ۱۷۴)

تذکرہ حضرت محدث دکن

۱۲۔ آفتابِ ولایت حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ العزیز

(۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء - ۱۳۳۶ھ / ۱۹۲۸ء)

شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری ابن حضرت میاں عزیز الدین شرقپوری قدس سرہما ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء میں شرقپور شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت سے پہلے حضرت خواجہ امیر الدین قدس سرہ (پرو مرشد حضرت میاں صاحب) نے شرقپور میں آمدرفت شروع کر دی تھی کیونکہ انہیں کشف سے معلوم ہو گیا تھا کہ اس جگہ ایک ولی اللہ پیدا ہوگا۔ بچپن ہی میں آپ پر محبت الہیہ کا غلبہ تھا۔ حیا کا یہ عالم تھا کہ گلی کوچے میں چادر اوڑھ کر گزرتے محلے کی عورتیں کہا کرتی تھیں ہمارے محلہ میں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ ختم قرآن پاک کے بعد مڈل سکول شرقپور میں پانچ جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ سکول سے واپس آکر مسجد کے کسی کونے میں بیٹھ جاتے اور ذکر الہی میں مشغول ہو جاتے۔ بعد ازاں فارسی کی کچھ کتابیں اپنے چچا حضرت حافظ حمید الدین سے پڑھیں، حکیم شیر علی سے بھی کچھ پڑھا۔ پھر خوشنویسی کا شوق پیدا ہوا اور اس فن میں کمال حاصل کیا۔ کئی قرآن پاک جن کے ابتدائی اور آخری پارے بوسیدہ ہو گئے تھے انہیں خود لکھ کر مکمل کیا۔

ظاہری طور پر صرف اسی قدر تعلیم حاصل کی لیکن قدرت ایزدی نے آپ کو علم لدنی کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ بڑے بڑے علماء حاضر ہوتے تو خمیدہ سر، دو زانو ہو کر بیٹھتے اور آپ کے علوم و معارف سے مستفید ہوتے۔

جو دو سخا کی یہ کیفیت تھی کہ جو ضرورت مند حاضر ہوتا اس کی حاجت روائی فرماتے حضرت بابا امیر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ کوئلہ شریف کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔

حضرت میاں صاحب قدس سرہ کی پرکشش شخصیت سے فیضیاب ہونے کے لئے

تذکرہ حضرت محدث دکن

دور دراز سے لوگ حاضر ہوتے اور شاد کام واپس جاتے۔ آنے والے ہر عقیدت مند کو شریعت مطہرہ کی پیروی کا حکم دیتے۔ بعض اوقات خلاف شریعت صورت و سیرت رکھنے والے افراد کو صرف زبانی سمجھانے پر اکتفا نہ کرتے بلکہ تھپڑ تک رسید کر دیتے، کیا مجال کہ کوئی اف بھی کر جائے، ایسے افراد نادام ہو کر تائب ہو جاتے اور عمر بھر میاں صاحب کے ممنون رہتے، حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری لکھتے ہیں۔

”پھالیہ کے غلام رسول صاحب نے اپنی پہلی ملاقات کا حال بیان کیا کہ ۱۹۲۳ء میں سرہند شریف جاتے ہوئے حضرت میاں صاحب کی زیارت کے لئے شرقپور شریف حاضر ہوا، کچھ اور افراد بھی موجود تھے، ان سے گفتگو فرمانے کے بعد مجھ سے پوچھا:

یہ بزرگ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے عرض کیا پھالیہ سے، فرمایا موشیوں میں وقت گزارتے ہو لیکن نماز کا خیال تک نہیں کرتے، میرا نام پوچھ کر فرمایا، کیسا اچھا نام ہے اور شکل کیسی بنا رکھی ہے؟ پھر فرمایا چھوٹے بھائی کا نام کیا ہے؟ میں نے عرض کیا ”نبی بخش!“ اس پر بندہ کو ایک تھپڑ رسید کیا اور فرمایا پھر آؤ تو غلام رسول بن کر آنا! نماز پابندی سے ادا کیا کرو (کچھ وظائف بتا کر) اسلام کی پہلی کتاب (تالیف لطیف مولانا غلام قادر بھیروی قدس سرہ) اور تواریخ حبیب الہ (تالیف مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی قدس سرہ) کے مطالعہ کی تاکید کی اور رخصت عطا فرمائی“

حضرت مولانا مفتی غلام جان ہزاروی ثم لاہوری (مرید اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ) جامعہ نعمانیہ میں مدرس تھے۔ انہوں نے حضرت میاں صاحب کا بڑا چرچہ سنا پھر یہ بھی پتہ چلا کہ امام المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہ ان کی ملاقات کیلئے گئے تھے، واپسی پر ان سے بھی میاں صاحب کی تعریف سنی تو زیارت کا شوق لئے شرقپور شریف پہنچ گئے مشتاقان زیارت پہلے سے موجود تھے یہ بھی بیٹھ گئے، اس سے پہلے میاں صاحب کی زیارت نہیں کی تھی چنانچہ جب میاں صاحب تشریف لائے تو انہوں نے سمجھا کہ شاید یہ کوئی درویش ہوں گے۔ میاں

صاحب نے پوچھا، آپ کہاں سے آئے ہیں اور کیا مشغل ہے؟ مفتی صاحب نے بتایا لاہور سے آیا ہوں اور جامعہ نعمانیہ میں پڑھاتا ہوں۔ میاں صاحب نے فرمایا کیسے آئے؟ عرض کی، قبلہ میاں صاحب کی قد مبوسیٰ کو آیا ہوں۔ فرمایا میاں صاحب کو مل کر کیا کرو گے تم خود عالم ہو، تمہیں فقیروں سے ملنے کی کیا ضرورت ہے؟ مفتی صاحب نے غصے میں پوچھا کیا فقیروں کو ملنا گناہ ہے؟ تم فقیروں کے پاس رہ کر ایسے گمراہ ہو کہ فقیروں سے ملنا گناہ سمجھتے ہو، میاں صاحب نے فرمایا مولوی احمد علی (شیرانوالہ دروازہ لاہور) اور مولوی غلام مرشد کیسے ہیں؟ مفتی صاحب نے کہا، وہ بھی تمہاری طرح گمراہ ہیں جو فقراء کے قائل نہیں۔ فرمایا تو تم غصے میں آگئے ہو۔ مفتی صاحب نے کہا تم خود غصے کی باتیں کر رہے ہو، میاں صاحب سے عرض کروں گا کہ آپ نے ایسے گمراہ کو اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔

میاں صاحب آگے بڑھ گئے اور ایک داڑھی منڈے سے فرمایا تم نے داڑھی کیوں منڈوائی ہے، اگر تیری بیوی کا سر منڈھ دیا جائے تو اچھی معلوم ہوگی؟ اس نے کہا نہیں، اور شرمسار ہو کر داڑھی نہ منڈوانے کا عہد کیا۔ اسی طرح میاں صاحب ایک ایک آدمی کو ہدایت کرتے گئے، اتنے میں کسی نے مفتی صاحب کو اشارہ سے بتا دیا کہ یہی میاں صاحب ہیں۔ مفتی صاحب کو بڑی ندامت ہوئی اور رقت طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد میاں صاحب تشریف لائے اور کشف الجوب لاکر دی جس میں تین جگہ نشانی رکھی ہوئی تھی۔ حضرت میاں صاحب گھر تشریف لے گئے اور واپسی پر مفتی صاحب کے لئے تقریباً آدھ سیر کھجوریں لے آئے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ میں جن تین عقودوں کے حل کے لئے حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تھا کشف الجوب کے مطالعہ سے تینوں حل ہو گئے۔ میاں صاحب نے فرمایا۔ ان باتوں کو یاد رکھنا اور ان پر عمل کرنا۔ پھر فرمایا مولوی احمد علی (شیرانوالہ دروازہ لاہور) گزشتہ جمعہ کو یہاں آیا تھا۔ وہ یہاں جمعہ پڑھانا چاہتا تھا لیکن میں نے اس کی بد عقیدگی کی

تذکرہ حضرت محدث دکن

بناء پر پڑھانے نہیں دیا، واپسی پر جب مفتی صاحب بس پر سوار ہوئے تو دیکھا رومال کے کونے میں ایک روپیہ بندھا ہوا تھا جو آمد و رفت کا کرایہ تھا۔

حضرت میاں صاحب قدس سرہ دورِ آخر میں صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ آپ کی بہت بڑی کرامت یہ تھی کہ بیشمار افراد آپ کی ہدایت پر صورت و سیرت میں تسبیح شریعت بن گئے۔ آپ کے مریدین اور معتقدین کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ آپ نے کئی کتابیں چھپوا کر تقسیم کیں اور متعدد مسجدیں بنوائیں۔

آپ کے بعد آپ کے برادرِ حقیقی حضرت ثانی لاٹانی، میاں غلام اللہ شرقپوری قدس سرہ جانشین ہوئے، انہوں نے میاں صاحب کی روایات کو پوری آب و تاب سے باقی رکھا۔ اب حضرت ثانی لاٹانی کے فرزند ارجمند حضرت الحاج میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ زبیب سجادہ ہیں، مسلکِ اہل سنت اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۳ ربیع الاول، ۲۰۰۱ اگست ۱۳۴۷ھ - ۱۹۲۸ء بروز جان افروز سوموار شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ کا وصال ہوا۔ شرقپور شریف میں آپ کے مزار پر انوار پر گنبد تعمیر ہو چکا ہے، ہر سال بڑے اہتمام سے آپ کا عرس ہوتا ہے۔

قطعہ تاریخ وصال یہ ہے:
چو مولانا نے قبلہ شرقپوری ز دنیا شد رواں با کام و آرام
وصال شیرِ حق، شیرِ محمد شدہ سالِ وصال، اے نگو نام

۱۳۴۷ھ

(تذکرہ ص ۱۸۰ تا ۱۸۳)

۳۸۲

تذکرہ حضرت محدث دکن

۱۳۔ مجاہد اسلام حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی قدس سرہ

(۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء - ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء)

شیخ طریقت، مجاہد جلیل حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین ابن حضرت خواجہ محمد الدین ابن حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی (قدست اسرار ہم) (۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء - ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء) میں سیال شریف (ضلع سرگودھا) میں پیدا ہوئے۔ ”منظور حق“ (۱۳۰۴ھ) مادہ تاریخ ہے۔ آپ کو بچپن ہی سے علوم دینیہ کا بے حد شوق تھا۔ قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد ممتاز افاضل سے علم دین کی تعلیم حاصل کی اور والد ماجد کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ نہ صرف قرآن کریم کے حافظ تھے بلکہ بائبل پر بھی مکمل عبور رکھتے تھے۔ مطالعہ کتب سے اس قدر لگاؤ تھا کہ اکثر و بیشتر شام کا کھانا رات کے دو تین بجے تناول فرماتے، ملک اور بیرون ملک سے کتب دینیہ کا بہت بڑا ذخیرہ منگوا کر کتب خانہ میں خاصی توسیع کی، آستانہ عالیہ پر قائم شدہ دارالعلوم کو خاطر خواہ ترقی دی۔ علامہ زماں مولانا معین الدین اجمیری اور ان کے جلیل القدر شاگرد مولانا محمد حسین اور دیگر اجلہ فضلا کو آپ ہی کی کشش سیال شریف کھینچ لائی تھی، علم دوستی کی اس سے بہتر اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ آپ نے اپنے فرزند ارجمند شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ محمد قمر الدین مدظلہ العالی کو تحصیل علوم کے لئے اجمیر شریف، مولانا معین الدین اجمیری کی خدمت میں بھیجا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام کا کمال علمی اور علوم دینیہ سے لگاؤ آپ ہی کا مرہون نظر ہے۔

آپ کے دل میں ملت اسلامیہ کا بے پناہ درد اور مکار فرنگی سے حد درجہ تنفر تھا۔ آپ نے تمام عمر انگریزوں کو زمین کا لگان نہ دیا، ملت مسلمہ کی اس خیر خواہی اور انگریز دشمنی کے تحت آپ نے ”تحریک ترک موالات“ کی حمایت کی اور تین سال تک فوج اور پولیس میں ملازم مریدین سے نذرانہ قبول نہ کیا۔ آپ نے نہ صرف خود انگریزوں کی مخالفت میں حصہ لیا بلکہ دیگر مشائخ کو بھی اس مخالفت میں بھرپور حصہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

لینے کی طرف رغبت دلائی۔ آپ نے ۱۹۳۴ء میں دربار رسالت میں منظور استغاثہ پیش کیا جس کے ایک ایک مصرعہ سے درد و کرب کا اظہار ہوتا ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

آپ کی امت سا دنیا میں نہیں کوئی لیل
 قوم مسلم وہن کی علت میں ہے اب مبتلا
 عقل مسلم کی ہوئی گم، اس کا سزایا پھرا
 رحم کر ہم پر جو ہے تو رحمۃ للعالمین
 اے خدایا بخش دے ہم کو ضیاء شمس دیں
 سرخرو باشیم و شاداں پیش تو یوم الحساب
 اس سزائے آنکہ اوشد بے خبر زام الکتاب
 استقنا کا سا شفاء من لدنک یا صاحب
 نیک را بد می شمارد، قبح را داند صواب
 چہرہ پر نور تاباں را نمائی بے نقاب
 ایک مرتبہ انگریز کمشنر نے حاضر ہو کر ۳۵ مربع اراضی کی لنگر کے لیے پیشکش کی لیکن
 آپ نے یہ کہہ کر اس پیشکش کو ٹھکرا دیا کہ اگر انگریز اپنی تمام حکومت بھی مجھے دیدے
 تو میرا ایمان نہیں خرید سکتا، فقیر شاہی خزانہ کا مالک ہے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں
 ہے۔

عقا شکار کس نشود دام باز چیں کاجا ہمیشہ باد بدست است دام را
 تحریک خلافت کے سلسلے میں جب گرفتاریاں شروع ہوئیں تو ضلع سرگودھا کے قریب
 ۱۵۶ افراد کو گرفتار کیا گیا جن میں سیال شریف کے دارالعلوم کے صدر مدرس مولانا
 محمد حسین اور دیگر علماء بھی تھے، حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین قدس سرہ کے
 وارنٹ گرفتاری بھی جاری ہوئے لیکن ٹوانہ قوم کے رؤسا نواب اللہ بخش اور خدا
 بخش وغیرہما نے انگریز کمشنر کو واشکاف الفاظ میں متنبہ کیا کہ اگر حضرت کی طرف
 بری نگاہ سے دیکھا گیا تو ان سے پہلے ہم جیل میں جائیں گے اور گورنمنٹ کے مخالف
 ہو جائیں گے، چنانچہ حالات کے خطرناک تصور دیکھ کر آپ کو گرفتار کرنے کی جرأت
 نہ کر سکے۔ آپ نے سون سکیسر کے پہاڑی علاقہ سے وہ پتھر اکھیڑ کر پھینک دیا جس پر
 ترکوں کے خلاف داد شجاعت دینے والے فوجیوں کے نام کندہ تھے۔ آپ نے فرمایا:

تذکرہ حضرت محدث دکن

”ہم ان بد بختوں کے نام دیکھنا نہیں چاہتے جنہوں نے عربوں

پر گولیاں چلائی تھیں۔“

آپ نے رد مرزائیت میں ایک رسالہ معیار المسیح تحریر کیا جو ۱۳۲۹ھ میں چھپا۔

حضرت پیر مر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے آپ کے ساتھ بڑے والمانہ تعلقات تھے، عید کے موقع پر آپ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

عید شد ہر کس زیارے عید پئے دارو ہوس عید ما و عیدی ما دیدن روئے تو بس
عید مردم دیدن ما عید ما دیدار تو این چنین عیدے نہ بیند در دو عالم ہیج کس

۱۳ محرم الحرام ۲۲ جون (۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۹ء) کو آپ کا وصال ہوا۔ اور آپ سیال شریف میں اپنے جد امجد حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ کے پہلو میں محو استراحت ہوئے۔ موجودہ زیب سجادہ عالیہ سیال شریف شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین دام ظلہ الاقدس، تحریک پاکستان کے عظیم مجاہد، اسلاف کی یادگار اور موجودہ دور کے اعتقادی قنوں کے لئے شمشیر براں ہیں، مولائے کریم قوم کو ان سے بیش از بیش مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (تذکرہ ص ۱۹۰ تا ۱۹۳)

۱۳۔ استاذ الافاضل مولانا سید ضیاء الدین سلطان پوری قدس سرہ

(۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۳ء تا ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء)

عالم باعمل، فقیہ زماں مولانا سید ضیاء الدین ابن مولانا سید حمید شاہ قدس سرہما قریباً ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۳ء میں سلطان پور ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان علم و فضل اور تقویٰ و پرہیزگاری میں مشہور معروف تھا۔ الحمد للہ یہ خاندان آج بھی اسی بزرگی اور فضیلت کا حامل ہے آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا احمد دین قدس سرہ (والد ماجد استاذ الاساتذہ مولانا محب النبی دامت برکاتہم العالیہ) سے حاصل کی۔ ترکیب پڑھنے کے لئے موضع شاہراں (ضلع کیمبلپور) میں صرف و نحو کے مشہور آفاق استاذ

تذکرہ حضرت محدث دکن

(نام معلوم نہیں ہو سکا) کی خدمت میں حاضر ہوئے بعد ازاں مختلف اساتذہ سے استفادہ کرتے ہوئے اہل سنت کے مایہ ناز فاضل مولانا مشتاق احمد کانپوری ابن مولانا احمد حسن کانپوری قدس سرہما خدمت میں لاجمیر شریف حاضر ہوئے اور معقول و منقول کی مفتی کتب کا درس لیا۔ دورہ حدیث شریف دہلی میں غالباً جامعہ امینیہ میں پڑھا۔ مولانا سید ضیاء الدین حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہما کے مخلص مریدین میں سے تھے۔ بارہا سیال شریف کے سفر میں حضرت پیر صاحب کے ہم سفر رہے۔

حضرت مولانا سید ضیاء الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فراغت کے بعد ۱۳۳۶ھ میں سلطان پور میں دارالعلوم حمیدیہ کے نام سے دینی مدرسہ قائم کیا اور وصال سے دو تین سال پہلے تک علوم دینیہ کا درس فی سبیل اللہ دیتے رہے۔ ویسے تو تمام علوم میں دسترس رکھتے تھے لیکن فقہ، اصول فقہ اور میراث میں خاص طور پر یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ استاذ الاساتذہ مولانا محب النبی دامت برکاتہم العالیہ ان کی زندگی میں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے فقہی جزئیات کا ایسا ماہر کوئی شخص نہیں دیکھا۔ علم و فضل کے باوجود آپ سراپا اخلاق، پیکر شفقت، متواضع اور حلیم الطبع شخصیت کے مالک تھے، سحری کے وقت طلباء کو درس دیتے اور نماز کے بعد بل چلاتے، آخر دم تک نماز باجماعت ادا کرتے رہے۔ آپ کے تلامذہ میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں :

- ۱۔ مولانا سید غلام محی الدین مدظلہ مہتمم ضیاء العلم جامعہ رضویہ سبزی منڈی راولپنڈی
- ۲۔ مولانا سید عبدالرحمن شاہ مدظلہ خطیب رحمانیہ جامع مسجد ہری پور۔
- ۳۔ مولانا سید حسین الدین شاہ ناظم اعلیٰ ضیاء العلوم جامعہ رضویہ سبزی منڈی راولپنڈی

۴۔ مولانا عبدالحق مہتمم مدرسہ مفتاح العلوم بنگلی (حضر)

تذکرہ حضرت محدث دکن

۵۔ مولانا حافظ عبدالغفور مہتمم جامعہ غوثیہ بھاڑہ بازار راولپنڈی (وغیر ہم) اول الذکر عن حضرات مولانا سید ضیاء الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ کے فرزند ان گرامی ہیں، ان کے افکار و کردار کی بلندی کو دیکھ کر ان کے والد ماجد کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے جن کے فیض تربیت سے تینوں صاحبزادے آج دنیائے سنیت کے لئے سرمایہ افتخار ہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ راولپنڈی کی مشہور دینی درس گاہ ضیاء العلوم جامعہ رضویہ (سبزی منڈی) مولانا سید ضیاء الدین قدس سرہ کے نام ہی سے منسوب ہے۔

۱۷ جمادی الثانیہ ۱۹ جولائی (۱۳۹۳ھ - ۱۹۷۳ء) بروز جمعرات حضرت مولانا سید ضیاء الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ کا وصال ہوا، دوسرے دن بارش کے باوجود جم غفیر نے نماز جنازہ میں شرکت کی، سلطان پور میں آپ کے آبائی قبرستان میں آخری آرام گاہ بنائی گئی۔ راقم الحروف (مولانا عبدالحکیم شرف قادری) ماہ رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوا تھا۔

۱۵۔ حضرت ابو مخدوم سید محمد طاہر اشرف شاہ جیلانی قدس سرہ

(۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء - ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء)

حضرت ابو مخدوم سید محمد طاہر اشرف شاہ اشرفی جیلانی ابن حضرت سید حسین اشرف شاہ جیلانی قدس سرہما (م ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) ۱۲ ربیع الاول ۲۸ نومبر ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والد ماجد سے حاصل کی۔ تزکیہ نفس کے ابتدائی مراحل بھی انہی سے طے کئے والد گرامی کے وصال کے بعد جامع فتحپوری سے طحہ مدرسہ میں مولانا مفتی غلام حبیب احمد علوی سے دینی علوم کی تکمیل کی مفتی صاحب نے آثارِ نجابت و سعادت دیکھتے ہوئے اپنی صاحبزادی کا عقد آپ سے کر دیا،

اسی دوران ایک بزرگ کھیل پوش نے باطنی تربیت میں آپ کی رہنمائی فرمائی لیکن بیعت نہیں کیا بلکہ مرشد کامل کے ملنے کی بشارت دی۔ چنانچہ مرجع المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین شاہ اشرفی قدس سرہ دہلی تشریف لائے تو آپ کو بیعت کیا، سلسلہ عالیہ قادریہ، سراجیہ اشرفیہ میں اجازت و خلافت سے مشرف فرمایا۔

مرشد کامل کے ارشاد پر عازم کشمیر ہوئے اور بارہ سال تک ریاضت و مجاہدہ میں مصروف رہے۔ واپس تشریف لانے پر لاکھوں مسلمان آپ کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے اور صد ہا غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ آپ چار دفعہ حرمین شریفین کی زیارت سے بہرہ ور ہوئے اور بلاد اسلامیہ کی سیاحت کی۔ ۱۹۳۷ء میں تقسیم ملک پر اہل و عیال سمیت ہجرت کر کے کراچی تشریف لے آئے۔ ابتداءً کھبائٹڈ ملٹری ہاسپٹل کی بارکوں میں قیام رہا بعد ازاں فردوس کالونی میں مسکن سادات اشرفیہ کی بنیاد ڈالی۔ آپ کی طبیعت سادگی اور نفاست کا بہترین مرقع تھی۔ اقوال و افعال اور نشست و برخاست میں سنت مبارکہ کی پیروی کو مد نظر رکھتے۔ آپ کے مریدین کا وسیع سلسلہ پاک و ہند کے طول و عرض میں پھیلا ہوا ہے۔

آپ کا معمول تھا کہ ہر شخص کی بات پوری توجہ سے سنتے اور اس کی تسکین کے لئے ہر امکانی سعی فرماتے یہی وجہ تھی کہ ایک دفعہ آپ کی خدمت میں حاضری دینے والا ہمیشہ کے لئے آپ کا عقیدت کیش بن جاتا تھا۔

اوراد و وظائف ادا کرنے کے علاوہ پابندی کے ساتھ تبلیغ و ارشاد کی محفل منعقد فرماتے۔ دعا، تعویذ اور دم کے ذریعے اہل حاجت کی دستگیری فرماتے۔ آپ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ ایک دفعہ آپ کلکتہ میں تشریف فرما تھے کہ بستی دیگونہ (صوبہ بہار) کے چند سرکردہ افراد نے آکر ایک ہندو جادوگر کے مظالم کی داستان سنائی اور اس کا شردفع کرنے کی درخواست کی۔ آپ اس بستی میں تشریف لے گئے۔ جادوگر کو پتہ چلا تو ایسا افسون پھونکا کہ بستی کے گرد شعلے بھڑکنے لگے۔ لیکن آپ کی برکت

سے کوئی نقصان نہ ہوا، جادوگر نے آپ کو چیلنج کیا کہ اگر کوئی کمال ہے تو دکھاؤ آپ نے فرمایا ہم کوئی جادوگر نہیں ہیں، البتہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے تمہارا کوئی حربہ کامیاب نہ ہوگا۔

آپ نے کھیت میں ایک چار پائی بھجوائی اور اسے وار کرنے کے لئے کہا۔ اس کے جادو سے ایک آتشیں دائرہ پیدا ہوا جس کی تپش دور دور تک پہنچتی تھی، آپ کے سر پر جا کر شعلہ بار ہوا۔ آپ نے انگلی کا اشارہ کیا تو وہ آتشیں دائرہ جادوگر کی طرف پلٹا اور بم کی طرح زمین میں دھنس گیا جہاں سے پانی ابل پڑا۔ یہ صورت حال دیکھ کر نہ صرف وہ جادوگر مسلمان ہو گیا بلکہ اس آبادی کے پانچ چھ ہزار غیر مسلم دولتِ اسلام سے مشرف ہو گئے۔

آپ کے ایک صاحبزادے مخدوم اشرف شاہ جیلانی آپ کی زندگی ہی میں وصال فرما گئے تھے، آپ نے وصال کے وقت دو صاحبزادیاں اور عین صاحبزادے یادگار چھوڑے صاحبزادگان کے نام یہ ہیں:

۱۔ حضرت ابو محمد سید احمد اشرف جیلانی، سجادہ نشین درگاہ عالیہ اشرفیہ

۲۔ سید طیب اشرف جیلانی

۳۔ سید مظاہر اشرف جیلانی

۱۷ جمادی الاولیٰ ۲۷ اکتوبر (۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء) کو حضرت سید محمد طاہر اشرف جیلانی قدس سرہ کا وصال ہوا اور فردوسِ کالونی (کراچی) میں محو استراحتِ ابدی ہوئے۔ مولانا سید حامد حسن قادری نے قطعہ تاریخ وفات لکھا:

مخدوم جناب طاہر اشرف دین و دنیا میں فردِ کامل
اشرفی و قادری و چشتی اہل تقویٰ و صاحبِ دل
پردہ فرما کے اس جہاں سے اب ہو گئے اپنے رب سے واصل
ہو روح پہ ان کی رحمت حق گزار ہو ان کی پہلی منزل

تذکرہ حضرت محدث دکن

تاریخ: یہ قادری نے لکھی جاوید وصال ذات حاصل

۱۳۸۱ھ

(تذکرہ ص ۱۹۵-۱۹۷)

حضرت موصوف قدس سرہ کے قریبی عزیز مولانا سید محمد جیلانی اشرفی معروف بہ مولانا مدنی میاں خطیب اہل سنت امد اللہ حیاتیہ للاسلام والمسلمین ہند و پاک کے گوشے گوشے میں دینِ متین کی تبلیغ میں مصروف ہیں، جامع شریعت و طریقت ہیں، مقبول ترین واعظ ہیں، حیدر آباد دکن میں وہابیوں نے سر اٹھایا تو آپ کے حقیقت افروز مواعظ سے وہابیت مردہ ہو گئی۔ شکاگو بھی تشریف لاتے ہیں۔ ۱۹۹۵ء میں میلاد النبی کی مجلسیں آپ کی تشریف آواری پر سجائی گئیں۔ اس عاجز سے الحمد للہ مضبوط روابط ہیں۔ آپ کے برادر عم زاد پروفیسر سید وحید اشرف حفظہ اللہ سابق صدر شعبہ عربی، فارسی، اردو مدراس یونیورسٹی سے بھی اس عاجز کے برادرانہ روابط ہیں۔ آپ ہی نے اس عاجز کے عزیز شاگرد ڈاکٹر محمد مصطفیٰ شریف سلمہ لکچرار عربی مدراس یونیورسٹی کے تقرر میں دوستی کا حق ادا کیا ہے۔ جزاء اللہ عناخیر الجزاء (ابوالخیرات غفرلہ)۔

۱۶۔ حضرت مولانا پیر سید ظہور شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ

(۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء - ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء)

مجمع جمالِ صوری و معنوی، صاحبِ کمالِ ظاہری و باطنی، حضرت مولانا پیر سید ظہور شاہ ابن مولانا پیر سید محمد شاہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ جلال پور جٹاں ضلع گجرات میں ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے آپ کے اجداد کشمیر سے آکر جلال پور میں مقیم ہو گئے تھے۔ جب سن شعور کو پہنچے تو قرآن پاک مولانا حافظ نور الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ سے جلال پور میں پڑھا اور کچھ درسی کتابیں بھی انہی سے پڑھیں، بعد ازاں کچھ عرصہ

حضرت پیر صاحب شریعت مطہرہ کی سختی سے پابندی فرمایا کرتے تھے، کوئی کام خلاف شریعت دیکھتے تو بروقت اس کی ممانعت کرتے موضع بوچھال کلاں (ضلع جہلم) میں ایک عظیم اجتماع سے خطاب فرما رہے تھے کہ انگریز ڈپٹی کمشنر سر راہ گزرتے ہوئے انہوہ کثیر دیکھ کر رک گیا اور جلسہ گاہ میں جا کر مجمع کی تصویر اتارنے لگا۔ آپ نے فوراً منع فرما دیا اور فرمایا ہمارا دین اس کی اجازت نہیں دیتا۔ وعظ ختم ہونے پر وہ انگریز آپ کی خدمت میں بڑے احترام سے حاضر ہوا اور معذرت کر کے رخصت ہوا۔

آپ نے تقریباً چالیس برس تک وعظ و ارشاد کے ذریعے عوام الناس کے دلوں کو نور ایمان سے گرمائے رکھا اور دور دراز علاقوں میں جا کر دین کا پیغام لوگوں تک پہنچایا خاص طور پر جہلم، گجرات اور سرگودھا کے قصبوں اور دیہاتوں میں آپ کا دورہ اکثر ہوا کرتا تھا۔ تبلیغ دین کے سلسلے میں آپ نے بڑی بڑی صعوبتوں کو برداشت کیا اور کسی بھی موقع پر آپ کے عزم میں تزلزل پیدا نہیں ہوا۔

ایک مرتبہ ایک شیعہ نے آپ کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا اور الزام لگایا کہ یہ اہل تشیع کو برا بھلا کہتے ہیں اور گالیاں دیتے ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ آپ کے صاحبزادے سید فخر الزماں شاہ قادری (جن کی عمر اس وقت چھ سات سال کی تھی) نے جب آپ کو ہتھکڑی پہنے ہوئے دیکھا تو رو دیئے اور پوچھا: آپ کو یہ زنجیر کس نے لگائی ہے؟ آپ نے انہیں دلا سے دیا اور فرمایا۔ بیٹا۔ یہ اسلام کی خاطر میرا زور ہے۔ یہ کیس میں ماہ تک چلتا رہا۔ بالآخر ہندو جج کنول نین نے آپ کو باعزت طور پر بری کر دیا، اور فیصلے میں لکھا کہ میں ایسے شخص کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ کسی کو گالی دے، یا خلاف شائستگی کوئی بات زبان پر لائے۔

حضرت پیر صاحب کامیاب مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین شاعر بھی تھے۔ آپ کے کلام میں بلا کا اثر تھا آپ کے کلام کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ دیہاتی عورتیں بھی

تذکرہ حضرت محدث دکن

دودھ بلوئی اور پیستی ہوئی آپ کے اشعار پڑھا کرتی تھیں، اور کلمہ طیبہ کا ورد کیا کرتی تھیں۔

آپ نے وعظ تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی نہایت خوش اسلوبی سے جاری رکھا اور نہایت مفید اور مقبول عام تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا جن میں اصلاح اعمال کے علاوہ عقائد باطلہ خاص طور پر مرزائیت اور تشیع کی مدلل تردید کی ہے۔ آپ کی تصانیف کے نام درج ذیل ہیں :

- ۱۔ ظہور صداقت و ردِ مرزائیت ۲۔ قہرِ یزدانی بر سرِ دجال قادیانی ۳۔ نور ہدایت
- ۴۔ ظہور ہدایت ۵۔ شمشیرِ پیرِ برگردنِ شریر ۶۔ وظائفِ حضوری ۷۔ چرخہٴ ظہوری
- ۸۔ خطباتِ ظہوری ۹۔ سیفِ مرید بر فرقہٴ یزید ۱۰۔ صمصامِ حنفیہ ۱۱۔ سیفِ اتحادِ مین
- ۱۲۔ مرغوب الواعظین المعروف بہ محبوب العاشقین ۱۳۔ ظہور کرامت وغیرہ وغیرہ

آپ کے ہاں چار صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے سید قمر الزماں شاہ، سید فخر الزماں شاہ (فاضل حزب الاحناف لاہور سجادہ نشین دربار شریف ظہوری منارہ ضلع جہلم)، سید محبوب الزمان شاہ اور سید عادل مسعود شاہ تولد ہوئے۔

حضرت پیر سید ظہور احمد شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ۲۲ جمادی الاولیٰ ۸ فروری (۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء) اتوار اور پیر کی درمیانی رات کو وصال فرمایا۔ مزار انور منارہ ضلع جہلم میں ہے۔ آپ کے خلف الرشید مولانا سید فخر الزمان شاہ قادری مدظلہ، ہر سال آپ کا عرس باقاعدگی سے کرتے ہیں۔ (تذکرہ ص ۱۹۸)

۱۷۔ مولانا حکیم سید ظہور اللہ شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ

واعظ خوش بیان، طبیب حاذق مولانا حکیم سید ظہور اللہ ابن مولانا سید چراغ شاہ ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے علوم دینیہ کی تکمیل اپنے برادر معظم

تذکرہ حضرت محدث دکن

مولانا حافظ سید عبداللہ شاہ سے کی، فن طب کی تکمیل حکیم فضل دین سیالکوٹی سے کی آپ بہترین خوشنویس اور جمید عالم دین تھے۔ پندرہ سولہ سال تک جامع مسجد دربار امام علی الحق قدس سرہ میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ مولانا سید نور محمد قادری مدظلہ العالی کے پاس آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی جمائل شریف موجود ہے، جو آج سے ستر سال پہلے اتحاد پریس سیالکوٹ میں طبع ہوئی تھی۔

عارف و طبیب مولانا حکیم خادم علی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے آپ کے مخلصانہ روابط تھے۔ ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۶ء میں جب آپ کا وصال ہوا تو متعدد شعراء نے مرثیے لکھے، حضرت حکیم خادم علی قدس سرہ کے مرثیہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

سید والا حسب عالی نسب صاحب زہد و ورع، علم و ادب
وہ طبیب حاذق و مردِ خلیق تھا غریبوں کا ہی خواہ اور رفیق
تھا وہ شاگرد حکیم فضل دین طب و حکمت میں جو تھا مردِ گزیر
اس کی فرقت میں ہے اب شام و پگاہ زار نالان شاہ نور اللہ شاہ
وہ رہا یادِ خدا کے شوق میں عمر ساری کی بسر اس ذوق میں
مرنے والے کا ہو جنت میں مقام صبر کی دولت سے ہوں سب شاد کام
ختم کر خادم دعا پر اب یہیں اس کو بجھے ذاتِ رب العالمین
آپ حضرت شاہ شیدا پیر و مرشد حضرت شاہ دولہ دریائی قدس سرہما کی درگاہ میں
مدفون ہیں۔ (تذکرہ ص ۲۰۱)

۱۸۔ مجاہد ملت مولانا شاہ محمد عبدالحامد قادری بدایونی قدس سرہ

تحریک پاکستان کے ممتاز راہنما حضرت مولانا شاہ محمد عبدالحامد قادری بدایونی ابن مولانا حکیم عبدالقیوم شہید (م ماہ رجب ۱۳۱۸ھ) ابن مولانا حافظ فرید جیلانی ابن مولانا محی الدین ابن مولانا سیف اللہ السلول شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ اسرارہم (۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) میں دہلی میں اپنے ننھیال کے ہاں پیدا ہوئے۔ محمد

تذکرہ حضرت محدث دکن

ذوالفقار حق (۱۳۱۸ھ) تاریخی نام تجویز ہوا۔ ابھی آپ کی عمر بیس دن ہی کی تھی کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ ان کے وصال کا واقعہ بڑا روح پرور ہے۔ پٹنہ، بہار میں ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہو رہا تھا جس میں شرکت کے لئے آپ تین سو علماء کے ہمراہ تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک اسٹیشن پر عصر کی نماز ادا کی۔ اتنے میں گاڑی چل دی، آپ سوار ہوتے ہوئے پیہوں میں پھنس گئے، زخم اس قدر تھے کہ سترٹانکے لگائے گئے، اسی حالت میں اجلاس میں شریک ہوئے تمام تقریریں سنیں، اجتنام پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کے لئے اٹھ کر کھڑے ہو گئے، رقت کے عالم میں ٹانگے ٹوٹ گئے اور صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہوئے مالک حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔

آپ کا خاندان شریعت و طریقت کے اعتبار سے نہ صرف بدایوں بلکہ پورے ہندوستان میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا، مسلک اہل سنت و جماعت کی ترویج و اشاعت اور فرق باطلہ کی تردید میں اس خاندان کی مساعی جمیلہ ناقابل فراموش ہیں۔

مولانا عبدالحامد بدایونی اور ان کے بڑے بھائی مولانا عبدالماجد بدایونی کی تعلیم و تربیت کا تمام تر انتظام ان کی والدہ ماجدہ (سید بہاء الدین دہلوی کی ہمشیرہ) نے کیا۔ ابتداء اپنے آبائی مدرسہ، مدرسہ قادریہ میں تعلیم حاصل کی، آخری دو سال الہیات کی تکمیل اور فنِ قراءت کی تحصیل کے لئے مدرسہ الہیہ کانپور میں رہے۔ آپ کے اساتذہ میں آپ کے مرشد برحق حضرت مولانا شاہ عبدالمقدر بدایونی قدس سرہ کے علاوہ حضرت مولانا محب احمد قادری، مولانا حافظ بخش بدایونی، مولانا قدیر بخش بدایونی، مولانا مفتی محمد ابراہیم، مولانا مشتاق احمد کانپوری، مولانا واحد حسین اور مولانا عبدالسلام فلسفی کے نام ملتے ہیں۔

تکمیل کے بعد مدرسہ شمس العلوم بدایوں کے نائب مہتمم مقرر ہوئے اور تین سال تک مدرسہ کے انتظام و انصرام اور ترقی میں کوشاں رہے۔ اسی زمانے میں تحریکِ خلافت شروع ہوئی تو مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے لکھنؤ سے مولانا محمد علی جوہر اور

تذکرہ حضرت محدث دکن

مولانا شوکت علی کو حضرت مولانا شاہ عبدالمقدر بدایونی کی خدمت میں بدایوں بھیجا ، انہوں نے مہمانوں کی خوب خاطرمدارت کی اور اپنے خاندان کے تمام افراد کو عموماً اور مولانا عبدالحامد بدایونی کو اور مولانا عبدالماجد بدایونی کو حکم دیا کہ انگریزی استعمار کے خاتمے کے لئے علی برادران اور ان کے رفقاء کا ساتھ دیں ، پیرو مرشد کے حکم کے مطابق مولانا عبدالماجد بدایونی اور مولانا عبدالحامد بدایونی نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں جا کر تحریک خلافت کا پیغام پہنچایا ۔ مولانا عبدالحامد بدایونی ، ڈسٹرکٹ خلافت کمیٹی ، بدایوں کے جنرل سیکرٹری رہے ، خلافت پرائونٹل کمیٹی اور سنٹرل خلافت کمیٹی ، بمبئی کی مجلس عاملہ کے رکن رہے ۔

گاندھی نے تحریک خلافت میں شریک ہو کر قائدانہ پوزیشن حاصل کر لی تھی ، مسلمان اپنی سادہ لوحی کی بنا پر ہندوؤں کو اپنا ہمدرد تصور کر بیٹھے تھے لیکن شدھی تحریک شروع ہونے پر منکشف ہوا کہ ہندو کے عیار ذہن میں مسلمانوں کے خلاف کیا کیا منصوبے پرورش پا رہے ہیں ۔ مولانا عبدالحامد بدایونی شدھی تحریک کے شروع ہوتے ہی کانگریس سے الگ ہو گئے اور مرکزی تبلیغ الاسلام ، انبالہ اور آگرہ میں شریک ہو کر ہر اس جگہ میں پہنچے جہاں شدھی تحریک کام کر رہی تھی ۔

ہندوؤں کی تنگ نظری اور اسلام دشمنی کے پیش نظر ضرورت محسوس کی گئی کہ مسلمانوں کی الگ جماعت قائم ہونی چاہیے چنانچہ جب مسلم کانفرنس قائم کی گئی تو مولانا عبدالحامد بدایونی اور تحریک خلافت کے اکثر مسلم رہنما کانفرنس میں شریک ہو گئے ، لندن کانفرنس کے بعد دہلی میں مولانا شوکت علی کی قیام گاہ پر مسلم زعماء کا اجلاس ہوا تو مولانا عبدالحامد بدایونی نے بھی اس میں شرکت کی ، اس اجلاس میں طے ہوا کہ آئندہ انتخابات میں صرف مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندگی کرے گی ۔ مولانا عبدالحامد بدایونی نے یوپی ، سی پی ، بہار ، اڑیسہ ، بنگال ، آسام ، بمبئی ، کراچی ، سندھ ، بلوچستان اور پنجاب کے دور افتادہ علاقوں میں جا کر عامۃ المسلمین

کو مسلم لیگ کے حق میں ووٹ دینے پر تیار کیا۔ پیر صاحب مانگی شریف کے ایماء پر قائد اعظم نے انہیں صوبہ سرحد میں بھیجا، جہاں آپ نے خان برادران کے اثرات کو زائل کر کے مسلم لیگ کی مقبولیت کو چار چاند لگادئے، انہی خدمات کی بنا پر آپ کو فتح سرحد کا لقب دیا گیا تھا۔ سلٹ اور بنگال میں مولوی حسین احمد ٹانڈوی کا بڑا اثر و رسوخ سمجھا جاتا تھا، مولانا بدایونی کی ولولہ انگیز تقریروں نے کانگریسی طلسم کو توڑ کر مسلم لیگ کے نمائندہ کو کامیاب کرایا۔

حافظ بشیر احمد غازی آبادی لکھتے ہیں۔

” آج کے بہت سے (کانگریسی) علماء جو پاکستان میں نظریہ پاکستان کی حفاظت کر رہے ہیں اور مختلف سیاسی پلٹ فارموں سے اپنی حب الوطنی کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں، آل انڈیا نیشنل کانگریس کے ہمنوا تھے اور آل انڈیا مسلم لیگ اور قائد اعظم محمد علی جناح کے مقابلے میں حریفانہ سیاسی چالیں چل رہے تھے، خدا مولانا عبدالحامد بدایونی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، انہوں نے اس محاذ پر نیشنلسٹ علماء کا مقابلہ کیا اور مسلم لیگ میں اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کیں۔“

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو ٹٹو پارک، لاہور کے تاریخی اجلاس میں قرار داد پاکستان پیش کی گئی تو مولانا محمد عبدالحامد بدایونی مسلم لیگ کے ان زعماء میں شامل تھے جنہوں نے قرار دار کی تائید میں تقریر کی۔ ۳۰ اگست ۱۹۴۱ء کو لدھیانہ میں آپ کی صدارت میں پاکستان کانفرنس منعقد ہوئی، اس کانفرنس میں آپ نے پاکستان کے حق میں بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جو بعد میں نظامی پریس، بدایوں سے چھپ کر ملک بھر میں تقسیم ہوا۔ ۱۹۴۵ء میں قائد اعظم اور میر عثمان علی خان فرمازوائے دکن کے باہمی اختلافات نازک صورت اختیار کر گئے تو قائد ملت خان لیاقت علی خان نے مولانا عبدالحامد بدایونی کو منتخب کیا تاکہ اختلافات ختم کرانے کے لئے دونوں راہنماؤں کی ملاقات کا راستہ ہموار کریں۔ والی دکن مولانا بدایونی کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اور

تذکرہ حضرت محدث دکن

مقدس گئے اور مسئلہ کشمیر کی اہمیت کو واضح کیا۔ آپ نے بائیس مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری کی سعادت حاصل کی آپ کے شاہ فیصل، صدر ناصر، ڈاکٹر محمد حمتمی، عبدالسلام عارف (عراق) مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی اور مسلمانان روس کے مفتی اعظم سے ذاتی مراسم تھے اور ان حضرات نے آپ کی دینی اور علمی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا۔

آپ نے بے اندازہ ملکی مشاغل کے باوجود قابل قدر تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا، چند تصانیف کے نام یہ ہیں

- ۱۔ فلسفہ عبادت اسلامی ۲۔ تصحیح العقائد ۳۔ نظام عمل ۴۔ کتاب و سنت غیروں کی نظر میں ۵۔ اسلام کا زراعتی نظام ۶۔ اسلام کا معاشی نظام ۷۔ مرقع کانگریس (مطبوعہ ۱۹۳۸ء) ۸۔ مشرق کا ماضی و حال ۹۔ انتخابات کے ضروری پہلو ۱۰۔ الجواب المشکور (عربی) ۱۱۔ اسلامک پریز (انگریزی) ۱۲۔ حرمت سود ۱۳۔ تاثرات دورہ روس ۱۴۔ تاثرات دورہ چین ۱۵۔ مشیر الحج

محمدہ تعالیٰ کراچی میں مولانا بدایونی اکیڈمی قائم ہو چکی ہے۔ امید ہے کہ آپ کی تصانیف کو از سر نو شائع کرنے کو اولیت دی جائے گی۔

۱۵ جمادی الاولیٰ ۲۰ جولائی (۱۳۹۰ھ - ۱۹۷۰ء) کو تحریک پاکستان کے صف اول کے مجاہد عالم باعمل مولانا شاہ محمد عبدالحامد بدایونی، قادر قدس سرہ کا جناح ہسپتال، کراچی میں وصال ہوا۔ آپ کی آخری آرام گاہ جامعہ تعلیمات اسلامیہ، منگھو پیر روڈ، کراچی کے احاطہ میں بنی۔ پسماندگان میں اہلیہ محترمہ، دو صاحبزادے جناب محمد عابد القادری (جنہوں نے مولانا کے بارے میں معلومات فراہم کرنے میں بڑا کرم فرمایا، راقم (مولانا شرف قادری) ان کا شکر گزار ہے اور جناب محمد زاہد القادری اور ایک صاحبزادی یادگار ہیں۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

سال رحلت کو ہے صابر سبز گنبد کی صدا
 ”عالم مشہور، حامد، عازم باغ جناں“

۱۹۶۰ء

۱۹۔ استاذ الافاضل حضرت مولانا مفتی عبدالحفیظ حقانی قدس سرہ

حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحفیظ حقانی ابن مولانا عبدالمجید قدس سرہما محلہ مداری دروازہ، بریلی میں پیدا ہوئے، تاریخی نام حفظ الرحمن، (۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) تجویز ہوا، ابتدائی تعلیم و تربیت ان کے وطن آنولہ میں ہوئی، قرآن پاک کی تعلیم استاذ الحفظ مولانا حافظ محمد عوض مرحوم سے حاصل کی، بعد ازاں والد ماجد سے فارسی اور عربی کی تعلیم شروع ہوئی۔ ۱۹۱۳ء میں والد ماجد کے ہمراہ ٹانڈہ چلے آئے۔ والد ماجد اس قدر محنت سے پڑھاتے کہ ریل کے سفر کے دوران بھی سبق جاری رہتا۔ مولانا اکثر و بیشتر علوم و فنون کی تحصیل کر لی، کچھ عرصہ لکھنؤ میں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر سراجی، شرح چغمنی اور منطق و فلسفہ کی بعض کتابیں پڑھیں۔

۱۹۲۰ء میں حضرت مفتی صاحب مبارک پور، اعظم گڑھ کے مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۴ء میں آپ کی شادی بدایوں میں ہوئی، اسی سال والد ماجد نے مدرسہ منظر حق، ٹانڈہ میں اپنے پاس بطور مدرس بلا لیا۔ ۱۹۲۲ء میں مدرسہ حمید یہ بنارس میں صدر مدرس مقرر ہوئے، ۱۹۳۰ء میں بعض احباب کی درخواست پر تصور (پنجاب) چلے آئے۔ ۱۹۳۴ء میں انجمن تبلیغ الاحناف کی دعوت پر امرتسر تشریف لے گئے اور مسجد سکندر خان، ہال بازار میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس علاقہ میں مرزائیوں کی سرگرمیاں عروج پر تھیں، مفتی صاحب نے ان کے رد میں ایک جامع کتاب السیوف الکلامیہ لقطع الدعوی الغلامیہ تحریر فرمائی، دوسرا رسالہ ”الحسنی والمزید لمحبت التقلید“ لکھا جس میں تقلید شخصی کے وجوب پر بہترین

تذکرہ حضرت محدث دکن

انداز میں گفتگو فرمائی۔

اسی زمانہ میں مولوی ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد سے آپ کا مناظرہ ہوا جس میں آپ کو نمایاں کامیابی ہوئی، اسی دوران ملتان میں شیر بیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مناظرہ مولوی ابوالوفاء شاہجہانپوری سے ہوا۔ اہل سنت کی طرف سے مولانا محمد عبدالحفیظ رحمۃ اللہ تعالیٰ اور دیوبندیوں کی طرف سے مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری صدر تھے۔ اس مناظرہ میں بھی مخالفین کو شکست ہوئی، اس کامیابی پر مخدوم صدر الدین سجادہ نشین درگاہ حضرت حافظ جمال الدین موسیٰ پاک شہید قدس سرہ (ملتان) نے آپ کو ایک قیمتی تحفہ عطا فرمایا۔

۱۹۳۶ء میں حضرت مفتی عبدالحفیظ رحمۃ اللہ تعالیٰ مدرسہ نعمانیہ، فراش خانہ دہلی میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ اگست ۱۹۳۹ء میں آپ جامع مسجد آگرہ کے خطیب اور مفتی مقرر ہوئے اور ۱۹۵۵ء تک وہیں رہے۔

آپ کو قدرت نے بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا، تقریر فرماتے تو دلائل کے انبار لگا دیتے، تدریس کے وقت علم و فضل کے دریا بہا دیتے، حکیم عبدالغفور مؤلف سوانحات المتاخرین، آنولہ لکھتے ہیں:

(مولوی عبدالحفیظ) مولوی عبدالمجید صاحب مرحوم کے بڑے صاحبزادے ہیں اور ہر بات میں باپ پر سبقت ہے۔ علم میں، وعظ گوئی میں، جسم کی زینت میں، خوبصورتی میں، غرضیکہ ہر بات میں باپ پر فوقیت حاصل ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے تدریس، خطابت اور مناظرہ کی گوناگوں مصروفیات کے باوجود تصانیف کا قابل قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ تکمیل ایمان۔ عقائد اہل سنت پر مختصر رسالہ (چھپ چکا ہے)

۲۔ السیوف الکلامیہ لقطع الدعوی الغلامیہ۔ رد قادیانیت پر مدلل کتاب

(امر تسرا اور لاہور سے چھپ چکی ہے) ۲۰۳

تذکرہ حضرت محدث دکن

۳۔ الحسنی و المرید لمحّب التقلید۔ تقلید شخصی کے وجوب پر بہترین رسالہ (امرتسر سے شائع ہوا)۔

۴۔ علم غیب۔ طبع ہو چکا ہے۔

۵۔ کلمہ اسلام کلمہ طیبہ کی شرح و تفصیل۔ (انجمن اصلاحی جماعت، آگرہ کی طرف سے شائع ہونے والا پہلا رسالہ جس کے صدر پروفیسر حامد حسن قادری اور نائب صدر مفتی صاحب تھے)۔

۶۔ عبادت اسلام۔ اصلاحی جماعت آگرہ کی طرف سے شائع ہونے والا دوسرا رسالہ جس میں نماز روزہ حج، زکوٰۃ اور قربانی وغیرہ کی شرعی حیثیت بیان کی گئی ہے۔

۷۔ تہافتہ الوہابیۃ (وہابی اور دیوبندی معتقدات کو اہل سنت و جماعت کے عقائد روشنی میں باطل و مردود قرار دیا ہے، یہ مفید کتاب اخبار پریس، آگرہ سے طبع ہو چکی ہے)۔

۸۔ ریڈیو کے اعلان کا شرعی طریقہ (روایت بلال کے بارے میں مشروط طور پر تائید فرمائی ہے۔ اسی کے ساتھ دوسرا رسالہ نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال تحریر فرمایا ہے۔ یہ دونوں رسالے غیر مطبوعہ ہیں)۔

۹۔ صیانتہ الصحابہ عن خرافات بابا (بابا خلیل داس سوانی نے چند چھوٹے چھوٹے رسائل لکھے ہیں جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں سوء ظنی کا اظہار تھا، مفتی صاحب نے ان رسائل کی تردید فرمائی ہے، یہ قابل قدر کتاب بھی چھپ چکی ہے۔

۱۰۔ متروکہ جائیداد پر مساجد (مضمون کتاب نام سے ظاہر ہے۔ یہ رسالہ جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے چھپ کر تقسیم ہو چکا ہے)۔

۱۱۔ مجموعہ فتاویٰ۔ (قیام کراچی کے دوران جو فتاویٰ آپ نے قلمبند فرمائے ان کا یہ مجموعہ بھی چھپ چکا ہے)۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

۱۲۔ ارغام باذر۔ ماہر القادری نے ماہنامہ فاران، کراچی کے توحید نمبر اور خاص طور پر اس کے اداریہ میں بڑے شد و مد سے مسلک اہل سنت و جماعت کی مخالفت کی، حضرت مفتی صاحب نے اس کا جواب لکھا تھا جسے ملتان سے شائع کیا گیا۔

۱۳۔ مرزائیت پر تبصرہ۔ خاتم النبیین کا صحیح مفہوم، یہ رسالہ مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور کی طرف سے شائع ہوا۔ راقم الحروف (مولانا شرف قادری) کی نظر سے گزرا ہے۔

ان کے علاوہ آپ کی تصانیف میں شمع ہدایت اور مووددی پر تنقید کے نام بھی ملتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب ۱۹۵۵ء میں کراچی تشریف لائے، ابتداءً جناح مسجد میں مفتی و خطیب رہے پھر مدرسہ دارالعلوم مظہریہ کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ نومبر ۱۹۵۷ء میں مدرسہ انوار العلوم ملتان میں بحیثیت شیخ الحدیث تشریف لے گئے۔

۱۹ جون ۱۹۵۸ء کو جامعہ نعیمیہ، لاہور کے افتتاحی جلسہ میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔ ۲۲ جون کو واپسی ہوئی، راستہ ہی میں ریاتی ورد شروع ہو گیا، ۵ ذوالحجہ ۲۳ جون (۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء) کو مفتی آگرہ حضرت مولانا محمد عبدالحفیظ قدس سرہ کا وصال ہو گیا۔ ملتان میں قبرستان حسن پروانہ میں دفن ہوئے۔ حضرت مولانا محمد حسن حقانی مہتمم دارالعلوم امجدیہ کراچی۔ ایم پی۔ اے صوبہ سندھ آپ ہی کے فرزند ارجمند اور اہل سنت کے مایہ ناز عالم دین ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا سید ابو البرکات مد اللہ ظلہ الاقدس نے تعزیتی مکتوب میں تحریر فرمایا:

”حضرت مولانا مولوی عبدالحفیظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کی وفات حسرت آیات کی خبر وحشت اثر سے بے حد رنج و ملال لاحق ہوا۔ مولیٰ تعالیٰ مرحوم کو غریقِ رحمت فرمائے۔ اس پُر فتن اور پُر آشوب زمانہ میں مولانا کا ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا

تذکرہ حضرت محدثِ دکن

بھوجانا ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔“

”آہ! آپ مولوی عبدالحفیظ! آپ کی ایمان افروز اور ضلالت سوز تقریریں یاد آکر دل کو بے چین کرتی ہیں، آپ کی ساہما سال کی محبت بھری صحبتیں یاد آکر دل کو تڑپاتی ہیں۔“

پروفیسر حامد حسن قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے قطعہ تاریخ کہا:

مفتی عبدالحفیظ صاحب آج پردہ فرما کے حق سے ہیں واصل
 نیک دل، نیک طبع، نیک اوصاف سرسبز پاک جان و روشن دل
 واعظ خوش بیان و بحر علوم صاحب فیض و فاضل و کامل
 تربت پاک ان کی نورانی رشک خلد ان کی اولیں منزل
 قادری نے بھی ان کا سالِ وصال لکھدیا ”موصل ذات کا حاصل“

۱۹۵۸ھ

مادہ دیگر:

ذو فضل علی العالمین

۱۹۵۸ھ

(ملاحظہ ہو تذکرہ ص ۲۱۰)

۲۰۔ فاضل متبجّر مولانا مفتی عبدالحمید قادری قدس سرہ العزیز

حضرت مولانا مفتی عبدالحمید قادری ابن استاذ الحفظ عبدالمجید قادری ۲۰ - ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۲ء میں قصبہ آنولہ (ضلع بریلی - یو۔ پی) میں پیدا ہوئے، قرآن پاک والد ماجد سے حفظ کیا، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا برکت اللہ اور مولانا رحیم بخش (م ۱۹۲۰ء) سے پڑھیں، بعد ازاں بریلی شریف جا کر مولانا رحم الہی، مولانا عبدالعزیز خان، مولانا عبدالمجید آنولوی، اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی

قدس سرہ (شہزادہ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ) سے علوم دینیہ کی تحصیل و تکمیل کی۔
 مولانا مفتی عبدالحمید قادری قدس سرہ نے کچھ عرصہ بریلی شریف میں سلسلہ درس
 و تدریس جاری رکھا، بعد ازاں جامعہ حنفیہ رضویہ، بنارس میں صدر مدرس اور
 شیخ الحدیث رہے، تقریر و تحریر پر یکساں قدرت رکھتے تھے، کتب درسیہ میں یدِ طولیٰ
 رکھتے تھے، اعلیٰ کلمۃ الحق اور تبلیغ دین پوری بے باکی سے انجام دیتے تھے۔ ۱۹۴۶ء
 میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے مشہور اجلاس کے انعقاد میں حصہ لیا اور اس کے
 سرگرم رکن رہے، کانگریس کا رد نہایت شدت سے کرتے تھے۔ غیر مقلدین کے رد
 میں چند رسائل سپرد قلم کئے۔

۱۹۵۰ء میں پاکستان آکر شہداد پور (سندھ) میں قیام پذیر ہو گئے اور وعظ و تبلیغ کا
 سلسلہ جاری رکھا، آخر میں جامع مسجد نواب شاہ میں خطیب اور مفتی مقرر ہو گئے،
 ۳ / ربیع الثانی، ۱۳۷۰ / مئی (۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء) بروز پیر مولانا عبدالحمید قادری رحمۃ اللہ
 کا نواب شاہ میں انتقال ہوا۔

۲۱۔ مجاہد اعظم حضرت پیر عبدالرحمن بھرچونڈی شریف قدس سرہ

مجاہد ملت، ناصر تحریک پاکستان، شیخ ثالث حضرت مولانا پیر عبدالرحمن ابن حضرت
 حافظ محمد عبداللہ قدس سرہ، ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء میں بھرچونڈی شریف (ضلع سکھر)
 میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید پڑھنے کے بعد سراج العلماء مولانا سراج احمد خان
 بیلوی ثم خانپوری قدس سرہ سے نحو اور فقہ حنفی کی کتابیں پڑھیں اور بقیہ تعلیم
 مولانا عبدالکریم ساکن میانوالی سے مکمل کی چونکہ آپ کو بچپن ہی سے ایسا ماحول
 میسر آیا تھا جو شریعت و معرفت کے انوار اور ذکر و فکر برکات سے معمور تھا اور پھر
 ولی کامل والد ماجد کی کیمیا اثر صحبت سے آپ پوری طرح مستفید ہوئے تھے اس لئے
 آپ کے کمالات و درجات کا اندازہ لگانا نظر ظاہر بین کے بس کی بات نہیں ہے۔
 ۱۳۴۶ء میں والد ماجد کے وصال کے تیسرے روز خانقاہی دستور کے مطابق آپ کی

دستار بندی کرائی گئی۔ آپ نے مسندِ سجادگی پر جلوہ افروز ہو کر وہ محیر العقول کارنامے انجام دیئے جو تاریخ کا روشن ترین باب ہیں۔

حضرت شیخ ثالث حد درجہ پابند شریعت تھے، نماز باجماعت کے ایسے پابند تھے کہ عمر بھر میں شاید ہی کوئی نماز بغیر جماعت کے پڑھی ہو، اذان کے دوران گفتگو کرنے کو سخت ناپسند رکھتے تھے۔ تقبیلِ ابہامین کو مستحسن سمجھتے تھے، نہایت سادہ لباس زیب تن فرماتے، ظاہری کروفر سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے، ان کے ہر کام میں لہسیت جلوہ گر ہوتی، ان کی نظر میں دنیا اور اہل دنیا کی کچھ وقعت نہ تھی۔ ایک مرتبہ سردار شیر محمد خان مرحوم نے عرض کیا کہ میں قومی اسمبلی کا امیدوار ہوں، جیکب آباد میں آپ کے بہت سے مریدین ہیں لہذا آپ تشریف لے آئیں اور جماعت کو حکم دیں کہ مجھے کامیاب کرائے۔ آپ ازراہ کرم تشریف لے گئے۔ بنگلے پر پہنچ کر اس نے عین ہزار روپے لنگر کے مصارف کے لئے پیش کئے۔ آپ نے یہ پیشکش ٹھکرا دی اور واپس آگئے فرمایا: خان مجھے دامِ دولت میں پھنسا کر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتا ہے۔

آپ کے خلوص اور ایثار کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ مدرسہ انوار العلوم ملتان جلسہ میں رونق افروز تھے، حضرت علامہ شیخ القرآن مولانا محمد عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم کے لئے چندہ کی اپیل کی، کوئی سو روپیہ، کوئی دو سو روپیہ اور کوئی پانچ سو روپیہ دے رہا تھا اور اس کا اعلان کیا جا رہا تھا، دریں اثناء حضرت ممدوح نے ایک روپیہ عنایت فرمایا۔ اس کا اعلان بھی کر دیا گیا، لوگ تعجب خیز نگاہوں سے آپ کو دیکھ رہے تھے لیکن آپ اس طرتِ اطمینان سے تشریف فرما تھے کہ جیسے کوئی بات ہی نہ ہو، تین دن بعد جب جلسہ ختم ہوا تو آپ نے حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی دامت برکاتہم العالیہ سے اجازت چاہی اور خلوت میں مدرسہ کیلئے ایک ہزار روپے کی خطیر رقم عطا فرمائی۔ آج بے نفسی کی ایسی مثالیں شاید ہی کہیں دیکھنے میں آتی ہوں۔

کے ممبر بن گئے۔

یہ وہ دور تھا جب سندھ میں کانگریس کی طوطی بول رہی تھی۔ مسلم لیگ نے ابھی تک اس صوبے میں قدم نہیں جمائے تھے۔ انجمن احیاء الاسلام اور حضرت پیر صاحب کی ساعی جمیلہ کے نتیجے میں کانگریس کافسوں ٹوٹ کر رہ گیا اور پاکستان کی والہانہ محبت لوگوں کے رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ انجمن احیاء الاسلام کی قوت و مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ سندھ اسمبلی کے آٹھ ممبر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے جن میں سے پانچ وہ تھے جنہیں حضرت پیر صاحب نے احیاء الاسلام کی طرف سے کامیاب کرایا تھا۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ مسلم لیگ میں شامل ہو جاؤ کیونکہ مقصد تو دین کی خدمت، ملک کی اصلاح اور اسمبلی میں ہندو عنصر کا زور توڑنا ہے لہذا کیوں نہ ہم مسلم لیگ کو کامیاب کرائیں، اس طرح آپ نے تحریک پاکستان کو موثر اور مضبوط بنانے کے لئے زبردست کردار ادا کیا۔

۲۷ اپریل ۱۹۴۶ء کو صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور خطیب عصر مولانا سید محمد محدث کچھو چھوی کی کوششوں سے آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی جس سے دو قومی نظریہ کو صحیح طور پر عوامی مقبولیت حاصل ہوئی، حضرت شیخ ثالث اس فقید المثال کانفرنس میں ڈیڑھ سو رفقہاء کی معیت میں شریک ہوئے اور کانفرنس کو کامیاب کرانے میں نمایاں حصہ لیا۔ حق و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے مجاہدانہ کارناموں اور خاص طور پر تحریک پاکستان کے سلسلے میں آپ کی مساعی جمیلہ کو آب زر سے لکھا جائے۔

آپ نے مسجد منزل گاہ سکھر کو ہندوؤں کو قبضہ سے آزاد کرانے کے لیے بھرپور جدوجہد کی اور اس سلسلہ میں قید و بند کی صعوبتوں کو بھی برداشت کیا، آپ جیل میں کیا گئے کہ وہاں ایک دبستان معرفت کھل گیا، جرائم پیشہ لوگ آپ کے فیض صحبت سے متقی اور پرہیزگار بن گئے۔ ویسے آپ کی تبلیغ اسلام اور پرکشش

تذکرہ حضرت محدث دکن

شخصیت کا یہ اثر تھا کہ آپ کی زندگی کا شاید ہی کوئی ایسا دن گزرتا تھا۔ جب کوئی غیر مسلم آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام قبول نہ کرتا ہو۔

حضرت شیخ ثالث صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ آپ نے اپنی تمام عمر اشاعتِ اسلام کے لئے وقف کر رکھی تھی، علم اور اہل علم کی بڑی قدر و منزلت فرماتے تھے۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور نے فتاویٰ رضویہ جلد اول اور بہار شریعت کی اشاعت آپ ہی کی تحریک پر کی تھی۔

آخر اسلام کا یہ عظیم مجاہد، سنیت کا بطل جلیل اور سلسلہ عالیہ قادریہ نقشبندیہ کا عظیم مقتدا ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۰ اکتوبر (۱۹۲۰ء) بروز اتوار اپنے رب کریم کے دربار میں حاضر ہو گئے اور اپنے پیچھے لاکھوں معتقدین کو سوگوار چھوڑ گئے۔ آپ کا مزار پر انوار بھر چونڈی شریف (ضلع سکھر) میں مرجع خلائق ہے۔

(تذکرہ ص ۲۱۸)

۲۲۔ مجاہد ملت حضرت مولانا پیر عبدالرحیم شہید قدس سرہ (بھر چونڈی شریف) پیکرِ عزم و استقامت، منبعِ رشد و ہدایت حضرت مولانا پیر عبدالرحیم شہید ابن حضرت مولانا عبدالرحمن ابن حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ (قدست اسرارہم) ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۰ء میں بھر چونڈی شریف، ضلع سکھر میں پیدا ہوئے۔ ساتویں دن جدِ امجد نے عبدالرحیم نام تجویز کیا۔ کسی نے پوچھا حضرت صاحبزادے کا نام کیا تجویز کیا؟ فرمایا ہم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پورا کیا ہے، وہ اس طرح کہ اپنا نام عبداللہ، صاحبزادے کا نام عبدالرحمن اور پوتے کا نام عبدالرحیم، تینوں ناموں سے لفظ ”عبد“ ہٹانے سے بسم اللہ شریف پوری ہو جاتی ہے۔

جدِ امجد حضرت شیخ ثانی کو آپ سے بہت محبت تھی۔ اکثر آپ دادا جان کے سینے پر کھیلتے رہتے تھے۔ آپ ابتداء ہی سے غیر معمولی ذہین تھے، جو سبق دوسرے طالب علم

تذکرہ حضرت محدث دکن

گھنٹوں میں یاد کرتے اسے آپ منٹوں میں یاد کر لیتے۔ قرآن مجید کی تعلیم شروع ہوئی، پندرہ پارے حفظ اور پندرہ ناظرہ پڑھے۔ درسی کتابیں پہلے حضرت مولانا عبدالکریم (ساکن میانوالی) سے، پھر سراج الفقہاء مولانا سراج احمد (قدس سرہ) خانپوری سے پڑھیں اور آخر میں حضرت علامہ سید مغفور القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ (شاہ آباد شریف، ضلع رحیم یار خان) سے پڑھنا شروع کیا، شرح جامی، شرح وقایہ اور مشکوٰۃ شریف تک کتابیں خود سمجھ کر پڑھیں حتیٰ کہ دوسری کتابوں کے سمجھنے کا خاصا ملکہ پیدا ہو گیا۔

حضرت پیر صاحب نہایت بلند ہمت اور بے باک شخصیت کے مالک تھے، اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ اور سر بلندی کے لئے کسی قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہ کرتے تھے کئی ایسے واقعات پیش آئے کہ ہندوؤں نے نو مسلم عورتوں کو قید کر کے ارداد پر مجبور کیا پیر صاحب کسی خطرے کو دل میں نہ لاتے ہوئے میدان میں آگئے اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک ان نو مسلم خواتین کو آزاد نہ کرایا۔

اپنے والد ماجد مجاہد اعظم حضرت مولانا عبدالرحمن قدس سرہ کے زیر سایہ رہ کر انجمن احیاء الاسلام اور تنظیم المشائخ کی بے مثال خدمات انجام دیں اور اس دور میں جب کہ کانگریس پوری طرح صوبہ سندھ پر چھائی ہوئی تھی۔ آپ نے تحریک پاکستان اور دو قومی نظریہ کی بھرپور اشاعت و حمایت کی یہ انہی مشائخ کی قربانیوں کا نتیجہ تھا کہ صوبہ سندھ کی رائے عامہ مسلم لیگ کے حق میں ہموار ہو گئی اور عوام الناس نے بڑے جوش و خروش سے نظریہ پاکستان کو اپنایا۔

۱۹۴۶ء میں والد ماجد کی قیادت میں ڈیڑھ سو افراد کی جماعت کیساتھ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں شریک ہوئے اور قیام پاکستان کی پُر زور تائید کی۔ اہل سنت کی اس نمائندہ کانفرنس میں متحدہ پاک و ہند کے تقریباً پانچ ہزار علماء و مشائخ کا قیام پاکستان کی خاطر اپنی تمام کوششوں کو صرف کر دینے کا عہد ایک ضرب کاری تھی جس نے کانگریس کے سامریوں کا طلسم توڑ کر رکھ دیا تھا۔ احیاء الاسلام اور تنظیم المشائخ

تذکرہ حضرت محدث دکن

کے بعد آپ جمعیت علماء پاکستان، سندھ کے نائب صدر منتخب ہوئے اور جس جرأت و ہمت اور خلوص و ایثار سے جمعیت کی سرگرمیوں میں حصہ لیا اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

۱۹۶۰ء میں شیخ ثالث حضرت مولانا عبدالرحمن قدس سرہ کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے تو آپ کی مصروفیات میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا لیکن جس حسن و خوبی سے آپ نے ذمہ داریوں کو نبھایا، موجودہ دور میں اس کی مثال پیش کرنا مشکل ہے۔ آپ کے دل میں دین و ملت کا بے پناہ درد تھا۔ اگرچہ آپ پر قاتلانہ حملے کئے گئے، طرح طرح سے آپ کو اذیتیں پہنچائی گئیں لیکن اس مرد خدا کے قدم پیچھے ہٹنے کے بجائے ہمیشہ آگے ہی بڑھتے رہے۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں راجستان سیکٹر میں عملی طور پر حصہ لیا اپنے مریدین حر مجاہدین کے کئی دستے مسلح کر کے محاذ پر بھیجے اور انہیں تمام ضروریات پہنچانے کا باقاعدہ انتظام کیا اور دو دفعہ خود محاذ پر تشریف لے گئے۔

حضرت پیر صاحب نظریہ اسلام کے زبردست حامی تھے۔ ۱۹۶۱ء کے انتخابات میں جمعیت علماء پاکستان کے صوبہ سندھ کے نائب صدر ہونے کی حیثیت سے علی الاعلان اسلامی قوتوں کا ساتھ دیا اور ہر ممکن کوشش کی کہ عوام کے اذہان میں صحیح اسلامی اقدار کو اس قدر راسخ کر دیا جائے کہ وہ نظریہ اسلام کے علاوہ کسی نظریے اور ازم کو قبول نہ کریں۔

اسلام دشمن عناصر حضرت پیر صاحب کی بااثر شخصیت کو اپنے راستے میں بڑی رکاوٹ یقین کرتے تھے۔ ۱۹۶۰ء میں جب سندھ میں قلمندہریت عروج پر تھا، پیر صاحب اس قلمندہ کے خلاف سینہ سپر ہو گئے اور لاہور میں یوم محمد بن قاسم کے اجلاس کی صدارت کی۔

۳۰ رجب المرجب ۲۱۰ ستمبر (۱۳۹۱ھ / ۱۹۶۱ء) کی شام کو جب حضرت پیر صاحب چار

تذکرہ حضرت محدث دکن

غیر مسلح آدمیوں کے ساتھ کھڑے تھے، مخالفین نے فائرنگ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کے جنازہ میں ایک لاکھ افراد نے شرکت کی، آپ کی آخری آرام گاہ بھر چوٹھی شریف میں ہے، آپ کی شہادت سے ملتِ اسلامیہ ایک عظیم مجاہد سے محروم ہو گئی۔ (تذکرہ ص ۲۲۲)

۲۳۔ مولانا ابورشید مفتی محمد عبدالعزیز چشتی قدس سرہ

(مزنگ، لاہور)

مولانا مفتی ابورشید محمد عبدالعزیز ابن میاں محمد فضل الدین (یکم صفر ۶ نومبر ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء) ابن محمد عطا اللہ ابن میر عبدالحکیم ابن میر قائم ابن میر شرف اللہ ابن میر زمان اللہ (یکے از خلفائے بابا نصیب الدین غازی) موضع چانگا نوالی (مضافات جلال پور جٹاں ضلع گجرات) میں پیدا ہوئے مدرسہ رحیمیہ نیلا گنبد لاہور میں مولانا محمد عالم سے استفادہ کیا، کچھ عرصہ مدرسہ حمیدیہ انجمن حمایت اسلام لاہور میں بھی تعلیم حاصل کی۔ مولانا کریم بخش (والد ماجد مولانا فضل میراں متوفی ۶ ربیع الاول اپریل ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء) سے فیضیاب ہوئے پھر ان کے صاحبزادے ادب عربی کے مایہ ناز فاضل مولانا فضل میراں پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور کی خدمت میں دس بارہ برس رہ کر ظاہری و باطنی علوم کی تحصیل کی۔ مفتی صاحب مولانا فضل میراں کے قابل فخر شاگرد اور داماد تھے، مزنگ میں مرزا محمد بیگ سے جلد سازی کا کام سیکھا، تکمیل کے بعد مسجد چاہ جھنڈی والی میں امام مقرر ہوئے۔ یہاں آپ نے ایک مدرسہ قائم کیا جہاں سے مزنگ کے کئی علماء فیضیاب ہوئے، اس کے بعد عرصہ دراز تک مسجد قلعہ مادھو مزنگ اور جامع مسجد جنازہ گاہ میں بلا مشاہرہ خطیب رہے۔ انجمن اسلامیہ مزنگ کی بنیاد رکھی اور مختلف مقامات پر تبلیغ کے لئے تشریف لیجاتے رہے حکومت برطانیہ کے عہد میں آپ سینٹرل جیل میں جا کر تبلیغ کیا کرتے تھے جس سے متاثر ہو کر کئی ہندو اور سکھ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ آپ حضرت پیر قربان علی شاہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

آدم پور دوآبہ ضلع جالندھرا کے مرید تھے۔

آپ مرنبان میرنج انسان تھے، والدہ ماجدہ کی بیحد خدمت کی اور دعائیں لیں۔ آپ کا ذریعہ معاش تصحیح کتب تھا، ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور اور متعدد ناشرین کا اکثر و بیشتر مطبوعات کی تصحیح کتابت آپ ہی کرتے تھے چنانچہ بہار شریعت (۷ حصے) تجرید الاحادیث، اور تجرید البخاری وغیرہ کتب پر بحیثیت تصحیح آپ کا نام ملتا ہے۔ آپ ہر وقت مطالعہ کتب تصحیح، فتویٰ نویسی اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے، اس دوران اگر کوئی مسئلہ دریافت کرتا تو کتب معتبرہ کے حوالہ سے جواب دیتے اور کسی کو مایوس نہ کرتے، بچے سلام کرنے حاضر ہوتے تو انہیں شیرینی عنایت فرما کر خوش کر دیتے۔ آپ کثیر التصانیف عالم دین تھے، چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ الافتاء فی جواب الاستفتاء۔ (اہل سنت کے عقائد اور معمولات کو دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے)۔

۲۔ عزیز المعظم فی اکرام المکرم (اس بارے میں کہ سیدہ کالکاح غیر سید سے نہیں کرنا چاہیے)۔

۳۔ آفتاب ہدایت۔ رد و افض میں حج کی دعائیں

۴۔ عزیز البیان فی تفسیر القرآن۔ یہ تفسیر مستند تفاسیر کا خلاصہ مولانا اشرف علی تھانوی کے ترجمہ کے ساتھ حاشیہ پر چھپی ہے، اس تفسیر میں مفتی صاحب کے ساتھ مولانا ابو المظفر فضل الرحمن شریک تھے۔

۵۔ عمد نامہ مترجم۔ (مطبوعہ ملک سراج دین لاہور)

۶۔ اربعین عزیز المعروف بہ احسن الاقوال فی احوال الابدال اس میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا گیا ہے، اس میں ستر کتب معتبرہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۷۔ سیرۃ النبی الخلیل صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم (سوانح عمری سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

تذکرہ حضرت محدث دکن

۸۔ عزیز الجلی (ترجمہ و تشریح غنیۃ المصلی المعروف بہ مکمل صلوة الرحمن)

۹۔ قربانی کے احکام

۱۰۔ مسائل زکوٰۃ

۱۱۔ نسب نامہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۲۔ زاد الآخرة فی مسائل الجنائزہ

۱۳۔ تصحیح و تحشیہ عزیز المرقاة الی مطالب مشکوٰۃ

آپ کی تصانیف دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ دینی اور فقہی معلومات کے دائرہ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) تھے۔ ذوالحجہ، فروری (۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۸ء) میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ الحاج مولانا میاں محمد حسین نقشبندی مجددی (ف ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء) ساکن جھنگیاں ناگرہ کلاں (مضافات لاہور) حضرت مفتی صاحب کے شاگرد اور صاحب دل بزرگ تھے۔

مفتی صاحب نے ۳۰ رجب المرجب ۱۴۰ دسمبر ۱۳۸۳ھ - ۱۹۶۳ء کو دار فانی سے انتقال فرمایا۔ مکرمی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ نے یہ تاریخ وصال نکالی ہے:

آہ خوش سیر عبدالعزیز

۱۳۳۸ھ

(ملاحظہ ہو تذکرہ ص ۲۳۲)

۲۳۔ فاضل جلیل حضرت مولانا مفتی محمد عبدالعزیز قدس سرہ (مفتی الگوں)

اپنے دور کے زبردست فاضل، مسلک اہل سنت و جماعت کے عظیم مبلغ حضرت مولانا الحاج مفتی محمد عبدالعزیز قدس سرہ فقہ حنفی کے عظیم مفتی اور ملت اسلامیہ کا بے پناہ درور کھنے والے بزرگ تھے، آپ کے ابتدائی حالات پردہ خفاء میں ہیں۔ امین الحسنات حضرت مولانا سید خلیل احمد قادری مدظلہ خطیب مسجد وزیر خاں نے ایک

تذکرہ حضرت محدث دکن

دفعہ بر سبیل تذکرہ راقم (مولانا عبدالحکیم شرف قادری) سے بیان کیا کہ حضرت مفتی صاحب ابتداء وہابی علماء سے تعلیم حاصل کرتے رہے تھے اس لئے ان پر غیر مقلدانہ رنگ چڑھا ہوا تھا، خوش قسمتی سے حدیث شریف پڑھنے کے لئے امام المحدثین حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بعض حضرات کا خیال تھا کہ انہیں دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور میں داخلے کی اجازت نہ دی جائے لیکن حضرت امام المحدثین نے نہ صرف داخلے کی اجازت دی بلکہ خاص توجہ سے بھی سرفراز فرمایا۔ چند ہی دنوں میں حضرت امام المحدثین کے دلائل قاہرہ اور توجہ کی برکت سے اثرات وہابیت کافور ہو گئے اور حنفیت کا ایسا رنگ چڑھا کہ حضرت مفتی عبدالعزیز قدس سرہ تمام عمر فقہ حنفی کی خدمت اور اہل باطل کی سرکوبی میں مصروف رہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فراغت کے بعد ضلع لاہور کے ایک قصبہ الگوں (جو تقسیم کے بعد ہندوستان کا حصہ بن گیا) میں ۱۹۳۳ء میں مدرسہ عربیہ احیاء العلوم قائم کیا۔ آپ کے دروہ حدیث کے ساتھی فقیہ جلیل حضرت مولانا مفتی ابوالخیر محمد نور اللہ نعمی مدظلہ العالی نے بصیر پور میں دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کا آغاز کیا۔ الگوں ایک ایسا قصبہ تھا جہاں کے باشندے احکام الہیہ سے بے بہرہ تھے۔ مدرسہ عربیہ احیاء العلوم کے قیام سے جہاں ایک طرف، اطراف و اکناف کے طلباء اپنی علمی پیاس بجھانے لگے وہاں دوسری طرف عوام الناس میں پھیلی ہوئی جہالت کی تاریکی چھٹنے لگی اور یہ علاقہ ذکر الہی اور ذکر مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے جگمگانے لگا۔

قیام پاکستان کے بعد حضرت مفتی محمد عبدالعزیز نے غلہ منڈی بوریوالہ کی جامع مسجد میں مدرسہ عربیہ احیاء العلوم دوبارہ جاری کر دیا۔ ۱۹۵۰ء میں مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر آپ نے حاضرین کی توجہ مدرسہ کی عمارت قائم کرنے کی طرف مبذول

تذکرہ حضرت محدث دکن

کرائی تو سردار محمد یعقوب نے مدرسہ کو دو کنال زمین دے دی۔ ۳ مئی ۱۹۵۱ء کو عمارت کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا اور اسی سال مدرسہ نئی عمارت میں منتقل ہو گیا جو اب تک دینِ متین کی خدمات، بحسن و خوبی انجام دے رہا ہے۔

آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت میاں غلام اللہ، لائٹانی شرقپوری قدس سرہ سے بیعت اور مجاز تھے۔ ۱۹۳۵ء اور ۱۹۵۳ء میں دوبار حرمین طیبین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت مفتی صاحب نے عمر بھر علوم دینیہ کی تعلیم اور مسلک اہل سنت و جماعت کی تبلیغ میں صرف کی، آپ کے شاگرد آج بھی پاکستان کے مختلف شہروں میں خدمات دین میں مصروف ہیں، چند تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱۔ ابو الفیض مولانا علی محمد نوری، وہاڑی۔

۲۔ ابو الیسر مولانا محمد اسمعیل علیہ الرحمۃ، بوریوالہ

۳۔ مولانا زبیر احمد، چک ۴۱۵ بوریوالہ

۴۔ ابو الرضا مولانا محمد حسن، منڈی بہرا سنگھ

۵۔ مولانا محمد علی، چک ۴۸۳، بوریوالہ

۶۔ مولانا محمد شریف نوری کھروڑ پکا

۷۔ مولانا سید محفوظ الحق شاہ، بوریوالہ

۸۔ مولانا سید عبدالحق، چک ۲۶۷، ضلع ساہیوال

۱۹۶۰ء میں حضرت مفتی صاحب پر ذیابیطس کا شدید حملہ ہوا، علاج کارگر نہ ہو سکا

اور ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ اپریل (۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۱ء) بروز بدھ چار بجے شام آپ کا وصال ہو گیا

اور بوریوالہ میں آپ کی آخری آرام گاہ بنی، محمدہ تعالیٰ آپ کے صاحبزادگان مدرسہ

عربیہ احیاء العلوم بوریوالہ کا نظم و نسق سنبھالے ہوئے ہیں۔ صاحبزادگان کے نام

یہ ہیں۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

- ۱۔ مولانا محمد عتیق الرحمن زید مجدہ، مہتمم
- ۲۔ مولانا محمد خلیق الرحمن، نائب مہتمم اور صدر مدرس
- ۳۔ حافظ شفیق الرحمن، مدرس شعبہ حفظ
- ۴۔ مولانا حافظ محمد عتیق الرحمن، مہتمم مدرسہ عزیز، غازی آباد (ایضاً ص ۲۳۴)
- ۲۵۔ مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ محمد عبد العظیم صدیقی میرٹھی قدس سرہ العزیز
- محسن ملت، نازش اہلسنت، مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ محمد عبد العظیم صدیقی میرٹھی
- ابن حضرت مولانا محمد عبد الحکیم قدس سرہما ۱۵ رمضان المبارک ۳۰ اپریل (۱۳۱۰ھ /
- ۱۸۹۲ء) کو میرٹھ (یو۔ پی) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد عظیم المرتبت
- درویش صفت عالم دین اور بلند پایہ شاعر تھے۔ جوش تخلص کرتے تھے، ابتدائی تعلیم
- گھر پر ہی حاصل کی، چار سال دس ماہ کی عمر میں قرآن پاک پڑھ لیا، اردو، فارسی اور
- عربی کی ابتدائی تعلیم والد گرامی سے حاصل کی بعد ازاں جامعہ قومیہ میرٹھ میں داخل
- ہوئے اور سولہ سال کی عمر میں درس نظامی کی سند حاصل کی۔

آپ کو چونکہ شروع ہی سے تبلیغ اسلام کا شوق تھا اس لئے علوم جدیدہ حاصل کرنے کے لئے اٹاوہ ہائی سکول سے میرٹھ پاس کیا اور پھر ڈویژنل کالج میرٹھ میں داخلہ لیا، ۱۹۱۷ء میں بی اے کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا، کالج کی چھٹیوں کے دنوں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں بریلی شریف حاضر ہو کر اکتساب فیض کرتے رہے۔

میرٹھ کالج کی تعلیم کے دوران آپ کو آل برما لیجوکیشنل کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس کانفرنس میں آپ نے جو خطبہ دیا وہ برما اور سیلون میں مقبول عام ہوا اور برما کے احباب سے دینی نشر و اشاعت پر آپ کی جو گفتگو ہوئی وہ مستقبل کے تبلیغی مشن کے لئے بنیاد ثابت ہوئی۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

آپ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے اور انہی کے ایماء و ارشاد پر اپنی زندگی تبلیغ دین اور خدمت اسلام کے لئے وقف کر دی اور اپنے نجی خرچ پر پیغام اسلام دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا۔ محسن ملت امام اہل سنت آپ کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اپنے تلامذہ اور خلفاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عبد علیم کے علم کو سنکر

جہل کی بہل بہکاتے یہ ہیں

حضرت مولانا صدیقی قدس سرہ کو اپنے شیخ طریقت سے کمال عقیدت تھی۔ حرمین طیبین کی زیارت سے واپسی پر آپ نے ایک طویل قصیدہ مدحیہ اعلیٰ حضرت امام رضا بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں پیش کیا جس کے چند شعر درج ذیل ہیں:

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو	تسیم جام عرفاں اے شہ احمد رضا تم ہو
غریق بحر الفت ، مست جام بادۂ وحدت	محب خاص ، منظور حبیب کبریا تم ہو
جو مرکز ہے شریعت کا مدار اہل طریقت کا	جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیاء تم ہو
عرب میں جا کے ان آنکھوں نے دیکھا جسکی صورت کو	عجم کے واسطے لاریب وہ قبلہ نما تم ہو
تمہیں پھیلا رہے ہو علم حق اکناف عالم میں	امام اہل سنت نائب غوث الوری تم ہو
علیم خستہ اک ادنی گدا ہے آستانہ کا	کرم فرمانے والے حال پر اس کے شہا تم ہو

جب یہ اشعار سنا چکے تو امام اہل سنت نے اپنے قیمتی عمامہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

”مولانا آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں؟ آپ اس دیار پاک سے تشریف لارہے ہیں، یہ عمامہ تو آپ کے قدموں کے بھی لائق نہیں، البتہ میرے کپڑوں میں سب سے بیش قیمت ایک جبہ ہے، وہ حاضر کئے دیتا ہوں۔“

تذکرہ حضرت محدث دکن

اس واقعہ اور مندرجہ بالا قصیدے کو غور سے پڑھیے اور دیکھئے کہ آج کل وہ خلوص و محبت کہاں جو ان مقدس ہستیوں کا طرہ امتیاز تھا۔

حضرت مولانا محمد عبدالعلیم صدیقی شعلہ بیان خطیب، بلند پایہ ادیب اور عظیم مفکر اسلام تھے۔ جب آپ اپنی نغمہ ریز آواز میں دلائل و براہین سے اسلام کی حقانیت بیان کرتے تو حاضرین پر سکوت چھا جاتا اور بڑے بڑے سائنسدان فلاسفر اور دہریہ قسم کے لوگ آپ کے دست اقدس پر حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔ آپ تقریباً دنیا کی ہر زبان میں اس روانی سے تقریر کرتے تھے کہ خود اہل لسان و رطہ حیرت میں رہ جاتے آپ نے پوری قوت اور بے باکی سے دین فطرت اسلام کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچایا جس کے نتیجے میں پچاس ہزار سے زائد غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے، یہ ناقابل فراموش کارنامہ ہے، جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

۱۹۵۱ء میں آپ نے پوری دنیا کا تبلیغی دورہ کیا جس میں قابل ذکر ممالک انگلستان، فرانس، اٹلی، برٹش، گیانا، مڈغاسکر، سعودی عرب، ٹرینی ڈاڈ، امریکہ، کینیڈا، فلپائن، سنگاپور، ملائیشیا، تھائی لینڈ، انڈونیشیا اور سیلون تھے، اس کے علاوہ برما، سیلون، ملائیشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، انڈو چائنا، چین، جاپان، ماریشس، جنوبی و مشرقی افریقہ کی نو آبادیات، سعودی عرب، عراق، اردن، فلسطین، شام اور مصر کے متعدد تبلیغی دورے کئے، تمام مذاہب کے لوگوں کو دعوت اسلام دی اور ہر زبان میں اسلام کا لٹریچر شائع کیا۔ آپ کی تبلیغی کوششوں سے بوریو کی شہزادی Her Highness

princess Gladys Palmer Khairun nisa of Sarawak State Borneo

ماریشس جنوبی افریقہ کے فرانسیسی گورنر مروات Governor Merwate Tiffrnch

Statesman اور ٹرینی ڈاڈ کی ایک خاتون وزیر (Murifl Donawa Fatima)

مشرف بہ اسلام ہوئے۔

بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح، مراکش کے غازی عبدالکریم، فلسطین کے مفتی

اعظم سید امین الحسینی، اخوان المسلمین کے سربراہ حسن البنا، سیلون کے آزیل جسٹس ایم مروانی، کولمبو کے جسٹس، امین ٹی اکبر، سنگا پور کے ایس این دت اور مشہور انگریز ڈرامہ نویس اور فلسفی جارج برناڈشا آپ کی علمی اور روحانی شخصیت سے بے حد متاثر تھے۔

۱۷ اپریل ۱۹۳۵ء کو ممبایا (جنوبی افریقہ) میں جارج برناڈشا سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ آپ نے برناڈشا کے مختلف سوالات کے جوابات اس انداز سے دیا کہ دنیا کا عظیم فلاسفر آپ کے سامنے طفل مکتب نظر آنے لگا۔ آپ نے اسلام اور عیسائیت کے اصولوں کا تقابلی جائزہ تاریخ، سائنس اور فلسفہ کی روشنی میں اس طرح بیان کیا کہ برناڈشا کو اسلام کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا۔ اس گفتگو کا اردو ترجمہ ماہنامہ ترجمان اہلسنت، کراچی شمارہ محرم و صفر ۱۳۹۲ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

حضرت مولانا صدیقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تعلیمات اسلامیہ کو عام کرنے کے لئے ہر پہلو پر توجہ دی، متعدد مساجد تعمیر کرائیں جن میں سے حنفی جامع مسجد کولمبو، سلطان مسجد سنگا پور، اور مسجد ناگریا جاپان زیادہ مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ عربی یونیورسٹی ملایا، پاکستان نیوز مسلم ڈائجسٹ، ٹرینی ڈاڈ، مسلم اینوول (جنوبی افریقہ) کی بنیاد آپ ہی نے قائم کی۔ ۱۹۴۹ء میں سنگا پور میں تنظیم بین المذاہب کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد ڈالی اور تمام دنیا کے عیسائی، یہودی، بدھ مت اور سکھ مذاہب کے پیشواؤں کو ایک پلیٹ فارم جمع کر کے لاؤینیت کا قلع قمع کرنے کی اپیل کی، تمام مذاہب کے راہنماؤں کی اس مشترکہ کانفرنس میں آپ کو ہزنگز الیٹڈ ایجینسی (His Exalted Eminence) کا خطاب دیا گیا۔ نیز مصر میں تنظیم بین المذاہب الاسلامی کے نام سے مختلف مکاتب فکر کی ایک تنظیم قائم کی۔

۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۷ء میں حضرت مولانا شاہ عبدالعظیم صدیقی قدس سرہ رابطہ اسلامیہ ہند کے رئیس وفد اور ملایا، شرقی و جنوبی افریقہ اور جزائر شرقیہ کے مندوب کی

حیثیت سے سعودی عرب تشریف لے گئے اور سعودی حکومت کی طرف سے حجاج پر عائد کردہ ٹکسوں کے خاتمہ اور حجاج کے لئے سہولتیں فراہم کرنے کے لئے دنیا بھر سے آئے ہوئے اجلہ علماء، حکومت سعودیہ کے عمائدین اور عبدالعزیز بن سعود سے مذاکرات کئے، جن کا خاصا اثر ہوا۔ ان مذاکرات کی تفصیل البیان کے نام سے عربی میں شائع ہوئی تھی جس کے آغاز میں اخوان المسلمین (مصر) کے بانی حسن البنا نے ابتدائیہ لکھا اور حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم قدس سرہ کی مساعی جمیلہ کو خراج تحسین پیش کیا، چنانچہ لکھتے ہیں

”کماکان من فضل اللہ و توفيقه انا التقينا منذ عامين في الارض المقدسة وعند البيت العتيق بصاحب الفضيله والداعية الاسلامي الشيخ محمد عبدالعليم الصديقي ... و نحن نسأل الله تبارك و تعالی ان يجزئى الا ستاذ الفضال الشيخ محمد عبدالعليم الصديقي عن المسلمين عامة خير جزاء“

(ترجمہ) ”اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دو سال ہوئے ہماری ملاقات ارض مقدس میں بیت اللہ شریف کے پاس صاحب فضیلت مبلغ اسلام الشیخ محمد عبدالعلیم صدیقی سے ہوئی (کچھ عبارت کے بعد) ہم اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صاحب فضیلت استاذ شیخ محمد عبدالعلیم صدیقی کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔“

تبلیغ اسلام کی قابل قدر خدمات کے علاوہ آپ کی سیاسی خدمات بھی نا قابل فراموش ہیں۔ دنیا کے کسی گوشے میں مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھایا جاتا تو آپ بے چین ہو جاتے۔ تحریک خلافت، شدھی تحریک کے رد اور تحریک پاکستان میں مردانہ وار حصہ لیا۔ صرف پاک و ہند ہی میں نہیں بلکہ دیگر ممالک میں بھی تحریک پاکستان کے لئے فضا ہموار کی۔ مصر اور انگلینڈ میں کانگریسی ایجنٹوں سے مناظرہ کئے، مسلم لیگ کی طرف سے باقاعدہ طور پر علماء کی ایک جماعت کے قائد کی حیثیت سے حج کے موقع پر

مکہ مکرمہ جا کر دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے مسلمانوں کے سامنے پاکستان کی اہمیت کو واضح کیا۔ مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی، حسن البناء قائد اخوان المسلمین، سید عبداللہ شاہ (اردن) اور دیگر عرب لیڈروں کو تحریک پاکستان سے پوری طرح روشناس کرایا۔

۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس، بنارس میں شرکت فرمائی اور علی الاعلان تحریک پاکستان کی حمایت فرمائی۔ قائد اعظم کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے عالمی دورے سے واپسی پر کراچی میں عظیم کانفرنس منعقد کی جس میں سندھ، پنجاب اور مشرقی پاکستان کے اکابر علماء و مشائخ نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں پاکستان کے لئے آئین اسلامی کے جامع دستور کا مسودہ تیار کر لیا گیا، علماء نے تائیدی نوٹ لکھے اور حضرت مولانا صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی سرکردگی میں قائد اعظم کی خدمت میں مسودہ آئین پیش کیا گیا۔ قائد اعظم نے عین گھنٹہ تک مسودہ آئین کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی، حضرت مولانا نے انہیں اس خوش اسلوبی سے مطمئن کیا کہ قائد اعظم نے یقین دلایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ قومی اسمبلی کے منظور کرنے پر بہت جلد یہ آئین نافذ کر دیا جائے گا اس کے بعد جلد ہی ان کی وفات ہو گئی اور قائد اعظم علماء کرام سے کیا ہوا یہ وعدہ ایفاء نہ کر سکے۔ یاد رہے کہ پاکستان بننے کے بعد قائد اعظم نے پہلی نماز عید آپ ہی کے اقتداء میں ادا کی تھی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی قدس سرہ نے تالیف و تصنیف پر بھی خاطر خواہ توجہ دی اور کثیر التعداد، قابل فخر تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا لیکن افسوس ان میں سے بہت سی تصانیف زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکیں اور جو طبع ہوئیں ان کا شایان شان اہتمام نہ کیا گیا۔ چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ ذکر حبیب (دو حصے)

۲۔ کتاب تصوف

تذکرہ حضرت محدث دکن

۳۔ بہارِ شباب (نوجوانوں کی اصلاح کے لئے بہترین کتاب)

۴۔ احکامِ رمضان (یہ تصانیف اردو میں ہیں)

۵۔ اسلام کی ابتدائی تعلیمات

۶۔ اسلام کے اصول

۷۔ اسلام اور اشتراکیت

۸۔ مسائل انسانی کا حل

۹۔ اسلام میں عورت کے حقوق

۱۰۔ مکالمہ جارج برناڈشا

۱۱۔ مرزائی حقیقت کا اظہار۔

(یہ تصانیف انگریزی میں ہیں)

چالیس سال تک دنیا بھر میں تبلیغِ اسلام کا فریضہ انجام دے کر ۲۲ ذوالحجہ ۱۲ اگست (۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۳ء) کو مدینہ منورہ میں اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، اور تعلیماتِ اسلامیہ کی تبلیغِ اسلام و اشاعت کے انعام کے طور پر جنت البقیع میں جگہ ملی، اس نابغہ روزگار ہستی کے وصال سے تاریخِ اسلام کا ایک روشن ورق الٹ گیا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی قدس سرہ کے وصال کے بعد آپ کے محبوب خلیفہ اور داماد حضرت مولانا حافظ ڈاکٹر محمد فضل الرحمن انصاری قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ بین الاقوامی تبلیغی جماعت ورلڈ فیڈریشن آف سالامک مشنرز کے بانی و صدر اور فرزند ارجمند حضرت مولانا علامہ شاہ احمد نورانی مدظلہ العالی (صدر جمعیت علماء پاکستان) نے نہ صرف حضرت علامہ صدیقی قدس سرہ کے مشن کو جاری رکھا بلکہ اسے آگے بڑھایا، حضرت علامہ شاہ احمد نورانی وہ حق گو، بیباک اور مردِ مجاہد ہیں جن کی جرأتِ ایمانی کو موافق و مخالف نے تسلیم کیا ہے، ان دنوں پاکستان میں نظامِ مصطفیٰ

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نفاذ کے لئے تمام تر مساعی کو وقف کئے ہوئے ہیں۔ اللہ رب العزت انہیں کامیابی عطا فرمائے۔ ملک و ملت کی بقاء و استحکام اور عزت و آبرو کا راز صرف اور صرف آئینِ اسلامی کے عملی نفاذ میں ہے۔

حضرت مولانا عبد العظیم صدیقی قادری رحمۃ اللہ علیہ کا حلقہ ارادت بھی بیحد وسیع تھا اس عاجز کے والد بزرگوار علیہ الرحمۃ کے خالہ زاد برادر عالی قدر ساکن محبوب نگر حضرت میر محبوب علی صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مجاز اور خلیفہ تھے اپنے پیرومرشد کا ذکر بڑے اخلاص اور محبت کا ساتھ کرتے تھے۔

اسی طرح مدراس کے عزیز دوست جناب سیٹھ امین الماس ام۔ اے (فارسی) لکچرار مدرسہ اعظم (مدراس) کی خوش و امن صاحبہ حضرت مولانا عبد العظیم صدیقی کی مرید ہیں۔ پاکستان کے صدر جمعیت علماء مولانا شاہ احمد نورانی امد اللہ حیاتیہ للاسلام والمسلمین سے گذشتہ سال ۱۰ ستمبر ۱۹۹۳ء ٹورنٹو (کینیڈا) میں میلاد النبی کانفرنس میں ملاقات ہوئی اور انگریزی زبان میں آپ کی تقریر سننے کا موقع ملا ماشاء اللہ صورت اور سیرت کے اعتبار سے اسلاف کرام کی یاد گار ہیں۔ کثر اللہ امثالہم۔ (سوانحی خاکہ تذکرہ مذکورہ ص ۲۳۶ سے ماخوذ ہے)

(اللہ تعالیٰ ان جیسی برکت والی ہستیوں کو کثیر تعداد میں پیدا کرے! آمین۔ محرمہ سید المرسلین)

تذکرہ حضرت محدث دکن

میں نواب محمد صادق والی بہاولپور کی مدح میں ایک تاریخی قصیدہ لکھا جس کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے ہر ایک مصرعہ سے تاریخ (۱۳۱۰ھ) نکلتی تھی، اگر دو مصرعوں کے حروف منقوٹہ یا غیر منقوٹہ کو جمع کیا جاتا تو بھی یہی تاریخ نکلتی، اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

مصلحِ جود و صداقت منبعِ سرِ نہاں ہمدِ عدل و جلالت، صادقِ صاحبِ قرآن
مقطع یہ ہے:

اس قصیدہ گفت مالکِ سرِ عالم لا جواب آفرین صد مرحبا احسن صد گوید جہاں
علامہ صادقی نے عرفی کی زمین میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ اقدس میں ہدیہ نعت پیش کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اے برزہ بر عرشِ بریں نقشِ قدمِ را	و ز نام تو علمِ ازلی لوح و قلمِ را
اے فخرِ بذاتِ تو صنایدِ عربِ را	وے نازِ بنامِ تو اقالیمِ عجمِ را
مشاطہ تقدیر، رخِ حسنِ تو آراست	تا ہست تماشا بکند حسنِ عدمِ را
فطرت، بسرِ زانویں اندیشہ نہد سر	تا جلوہ بہ بیند از حدوثِ تو قدمِ را
ہر گہ کہ تصورِ بادبِ دستِ تو بوسد	آرامِ ز ہر گونہ دہد درد و المِ را
آن کس کہ گلِ روضہٴ خضرانے بوید	فارغ کند از مشکِ ختنِ قوتِ شمِ را
در بیشہ، بنامِ تو پناہ جست، اگر کس	برپائے خود افگند سرِ شیرِ اجمِ را
اے فخرِ رسلِ جز تو پناہ ہے بکہ جویم	چوں چرخِ نہد بر سرمِ آفاتِ عمِ را
نوراست وجودت کہ بیک جنبشِ مشرگاں	طے کردہ مقاماتِ فلکِ را و حرمِ را
بر درگہ تو صادقِ آورد پناہ ہے	بنواز بہ الطافِ در افتادہٴ غمِ را

۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء میں نواب صاحب کی معیت میں حرمین شریفین کی حاضری سے مشرف ہوئے دربارِ رسالت میں منظوم ہدیہ سلام پیش کیا جس کا ایک ایک لفظ فراوانی شوق اور گہری عقیدت کا پتہ دیتا ہے، ذیل میں شعر پیش کئے جاتے ہیں:

تذکرہ حضرت محدث دکن

السلام اے شیر تابندہ برج وجود السلام اے گوہر رخشندہ انعام وجود
السلام اے مظہر حق مصدر اسرار غیب کز تو حق ظاہر شدہ در دیدہ اہل شہود
واپسی پر حضرت مولانا محمد سلام اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے قطعہ تاریخ لکھا:

شکر ذات کبریا خوش آمدید مرحبا و حبا خوش آمدید
حج بیت اللہ وہم بیت رسول شد بہ لطف حق ادا خوش آمدید
از حریم روضہ خیر الانام زارا ! صل علی خوش آمدید
صد مبارک لک مبارکباد باد صد سلام و صد دعا خوش آمدید
شکر حق ہر دو فضیلت شد ادا از عطیات خدا خوش آمدید
گفت شائق مصرع سال قدوم حاجیا صد مرحبا خوش آمدید

۱۳۳۳ھ

یا الہی ! ایں سعادت از کرم ہر شائق ہم عطا خوش آمدید
مولانا محمد عبدالملک با عمل اور صاحب حال عالم دین تھے۔ آپ اپنے اوراد میں
قصیدہ برودہ شریف بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے تھے۔ آپ کو اس قصیدہ مبارکہ کے
ساتھ اس قدر شغف تھا کہ پہلے ”اطباق السردہ فی شرح القصیدۃ البرودہ“ کے نام سے
ایک شرح لکھی لیکن اس سے تشنگی دور نہ ہوئی تو ”حسن الجردہ فی شرح القصیدۃ
البرودہ“ کے نام سے دوبارہ ایک مبسوط شرح لکھی جس سے آپ کے علمی جوہر خوب
خوب نمایاں ہوئے۔ شرح کے مقدمہ میں قصیدہ مبارکہ کی افادیت پر بحث کرتے
ہوئے فرماتے ہیں۔

”میں نے بارہا آزمایا ہے کہ یہ حصول حاجات اور دفع مصائب کے لئے تیر بہدف
ثابت ہوا ہے۔ جب ایسا ثابت ہے کہ لاکھوں بلکہ کروڑوں کے حاجات حاصل
ہوئے اور ہزاروں مصائب اس کے پڑھنے سے رفع ہوئے ہیں تو انکو اتفاق پر حمل
کرنا جہالت اور گمراہی ہے۔ اس کے منکرین وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کو اسلام سے

تذکرہ حضرت محدث دکن

واسطہ نہیں ہے یا جو اس کا تجربہ نہیں کرتے

اس شرح میں آپ نے اردو ترجمہ، حل لغات اور بیانِ مطلب کے علاوہ ہر شعر کا ترجمہ فارسی شعر میں کیا ہے۔

آپ کی تیسری اہم تصنیف الجواہر المنیۃ فی شرح القصیدۃ الغوثیہ ہے۔ اس میں قصیدۃ غوثیہ کی مبسوط شرح اور مسائل تصوف کی سیر حاصل بحث ہے۔ نیز قصیدۃ مبارکہ پر صرنی اور نحوی طور پر کئے جانے والے اعتراضات کو متقدمین شعراء کے حوالے سے بڑی خوش اسلوبی سے رفع کیا ہے۔ آپ کے معاصر حضرت مولانا محمد اعظم نوشاہی رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

” موجودہ زمانہ میں قصیدۃ شریفہ کی ایک شرح جناب مولوی فاضل ابوالبرکات عبدالملک صاحب مشیر مال، ریاست بہاولپور نے لکھی ہے جو بس غنیمت ہے، تحقیق الفاظ و معانی کی خوب داد دی ہے، صرنی نحوی، عروضی، قراءتی اعتراضوں کو بدلائل عقلی و نقلی اس خوبی سے اٹھایا ہے کہ اگر ترک ادب اسلاف مانع نہ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ مذاق زمانہ کے مطابق یہ شرح سب سے اچھی ہے۔“

ان کے علاوہ آپ کی تصانیف کے نام یہ ہیں

۳۔ شرع محمدی (علم میراث) مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی

۵۔ شرح درود کبریت احمر

۶۔ النور

۷۔ المنزل۔ یہ دونوں رسالے سیرت پاک پر ہیں

۸۔ النکاح۔ مسائل نکاح و طلاق

۹۔ النبوة والرسالة، نبوت و رسالت کو عقلی دلائل سے ثابت کیا ہے۔

۱۰۔ صادق الارشاد فی شرح بانس سعاد، قصیدۃ، ”بانس سعاد“ کی شرح

تذکرہ حضرت محدث دکن

۱۱۔ شاہان گوجر، مطبوعہ معارف اعظم گڑھ، قوم گوجر کی مستند تاریخ ہے۔

علامہ صادقی مولانا محمد عبدالملک رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ۲۶ جمادی الثانیہ ۲۱ جولائی ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء بروز سوموار موضع کھوڑنی (ضلع گجرات) میں ہوا۔

مولوی غلام احمد اختر مؤرخ سرشتہ تالیفات بہاولپور نے قطعہ تاریخ کہا:

کے نگہ بر روئے عبدالملک مالک رسد بست رخت زندگی را سوائے درگاہ صمد
جست اختر از فلک تاریخ تر حیل و سبکفت مالک ملک فصاحت جر با عیش ابد

۱۳۶۰ھ

مولانا حکیم محمد مظفر علی مدظلہ ساکن چک عمر (گجرات) نے درج ذیل تاریخ وفات
کہی:

فخر گوجر عبد مالک نیک نام کرد رحلت جانب دارالسلام
بود عالم با عمل از اب وجد فیض یاب از خانہ اش ہر خاص و عام
گفت شائق با مظفر دیں چنیں کن رقم تاریخ آن "ذی احترام"
(ایضاً ۲۷۶)

۱۳۶۰ھ

۲۷۔ فاضل جلیل حضرت مولانا عبدالواحد عثمانی بدایونی قدس سرہ

مولانا عبد الواحد عثمانی ابن مولانا حکیم ابو المنظور عبدالماجد بدایونی (برادر اکبر
مولانا عبدالحامد بدایونی) رحمہم اللہ تعالیٰ بدایوں میں پیدا ہوئے، علمی ماحول اور ناز
و نعم میں پرورش پائی، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، مدرسہ قادریہ، بدایوں اور
مدرسہ شمس العلوم، بدایوں میں اجلہ اساتذہ حضرت مولانا مفتی حافظ بخش بدایونی
اور مولانا حبیب الرحمن قادری سے استفادہ کیا، پھر مولانا مفتی قدیر بخش بدایونی
کے پاس مدرسہ تعلیم الاسلام، بے پور میں حاضر ہو کر دو تین سال میں تکمیل کی،
مولانا مفتی قدیر بخش نے ان کے لئے بڑا آرام دہ انتظام کیا تھا، مولانا عبدالواحد

۴۳۱

تذکرہ حضرت محدث دکن

بدایونی اپنے استاذ مکرم کا ذکر بڑی عقیدت سے کیا کرتے تھے، مولانا عبدالماجد بدایونی انہیں جامعہ ازہر، مصر بھیجنا چاہتے تھے لیکن ان کی وفات سے یہ منصوبہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکا البتہ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی مولوی فاضل کا امتحان دیا اور کامیاب ہوئے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ میں عاشق رسول حضرت مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی ابن تاج الفحول حضرت مولانا شاہ محب رسول عبدالقادر بدایونی قدس سرہما سے بیعت تھے اور مرشد گرامی سے والمانہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔

مولانا عبدالواحد عثمانی بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کچھ دنوں ماہنامہ ”المنظور“ بدایوں سنبھالا پھر مولانا مظہر الدین شیرکوٹی (م ۱۹۳۹ء) مالک و مدیر سہ روزہ الامان (دہلی) نے انہیں اپنے پاس بلالیا اور الامان کی ادارت ان کے سپرد کر دی، ان دنوں تحریک پاکستان بڑے زور شور سے جاری تھی، مولانا عبدالواحد نے الامان اور دیگر جرائد و اخبارات میں مضامین لکھے اور شد و مد سے نظریہ پاکستان کی حمایت کی۔ قیام پاکستان تک دہلی میں رہے، وہاں سے بدایوں اور پھر کراچی آگئے، لالو کھیت میں خاموشی اور گمنامی سے وقت بسر کیا، کچھ دنوں محکمہ آباد کاری میں ملازم رہے۔ کئی اسکولوں اور مدرسہ سے متعلق رہے، پنجاب یونیورسٹی کے السنہ شرقیہ کے ممتحن بھی رہے۔

حضرت مولانا عبدالواحد بدایونی ادب عربی کے زبردست فاضل اور میدانِ خطابت کے شعلہ بیان مقرر تھے، موزون طبیعت کے مالک تھے، کبھی کبھی نعت اور سلام لکھا کرتے تھے، الامان، دہلی کی ادارت کے زمانے میں ایک کتاب ”اسلامی مساوات“ لکھی تھی جو بہت مقبول ہوئی، کراچی میں آپ کے والد ماجد کے مریدین اور معتقدین کی خاصی تعداد تھی لیکن آپ نے کبھی ان سے رابطہ نہیں بڑھایا۔ قدرت نے ان کے مزاج میں کمال استغناء و دیعت فرمایا تھا۔

۵ ذیقعد ۱۳۹۵ / نومبر ۱۹۷۵ء کو کراچی میں مولانا عبدالواحد عثمانی بدایونی

رحمۃ اللہ تعالیٰ کا وصال ہوا۔

پروفیسر محمد ایوب قادری، مکرمی حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”۹ نومبر ۷۵ء کو مولانا عبدالواحد عثمانی بدایونی کا انتقال ہو گیا، یہ مولانا عبدالماجد بدایونی کے فرزند تھے۔ بڑے باپ کے بڑے بیٹے تھے، لالو کھیت کوارٹر میں رہے، خاندان، سجادگی اور علم و فضل کو حصول تعارف اور اعزاز کا ذریعہ نہیں بنایا، گم نامی میں زندگی گزار دی، تقسیم سے پہلے الامان و وحدت کے ادارہ سے وابستہ تھے، بڑی خوبیوں کے بزرگ اور اپنے اسلاف کے صحیح جانشین تھے، مولانا فضل رسول بدایونی کے خاندان میں اب کوئی شخص عربی جاننے والا نہیں رہا، یہ آخری رکن تھے، دو سو سال سے جس خاندان میں قال اللہ، قال الرسول کا چرچا تھا اب بالکل معدوم ہو گیا۔“

بدایوں میں اس وقت حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر بدایونی قدس سرہ کے دو صاحبزادے مولانا عبدالہادی (بڑے صاحبزادے) اور مولانا سالم میاں سجادہ نشین، تشریف فرما ہیں جو حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ کے علمی اور روحانی جانشین ہیں۔ (تذکرہ ص ۲۷۷)

(مولانا عبدالہادی معروف بہ ہادی القادری صاحب نے ۱۹۹۳ء میں بدایوں میں انتقال فرمایا۔ آپ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں عربی کے استاذ تھے۔ ابو الحیرات غفرلہ)

۲۸۔ عالم باعمل حضرت مولانا علی محمد جماعتی فیروز پوری قدس سرہ

حضرت مولانا علی محمد ابن مولوی احمد الدین، موضع فتو والا ضلع فیروز پور (بھارت) میں تقریباً ۱۳۰۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آباء و اجداد نہایت نیک سیرت تھے۔ آپ نے قرآن کریم اپنے والد ماجد سے پڑھا اور جب حضرت مولانا محمد حسین ساکن انگلہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

شریف ضلع سرگودھا (تلمیذ رشید امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان قدس سرہ) بریلی شریف میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے فیروز پلٹن میں تشریف لائے تو درس نظامی کی تحصیل کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ معمول یہ تھا کہ مغرب کی نماز پلٹن میں ادا کرتے اور رات کے بارہ بجے اسباق سے فارغ ہو کر واپس آتے، نیز روزانہ گائے کا دودھ استاد کی خدمت میں پیش کرتے۔ مولانا محمد حسین آپ پر نہایت مہربان تھے۔ مولانا علی محمد کو بھی ان سے حد درجہ عقیدت تھی، وہ نہ صرف ایک بلند پایہ فاضل تھے بلکہ ولی کامل بھی تھے، دوران تدریس ہاتھ بلا بلا کر فرمایا کرتے کہ ”مولوی علی محمد! ہوش کرو، فتنے آئے، فتنے آئے“ مولانا فرمایا کرتے کہ ہم نے آپ کے اس ارشاد کی تصدیق ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اسی زمانہ میں مناظر اسلام مولانا محمد عمر لہتھروی رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی آپ کے پاس قیام پذیر رہے اور مولانا محمد حسین قدس سرہ سے اسباق پڑھ کر واپس آجاتے اور آپ سے بھی استفادہ کرتے۔ مولانا علی محمد قدس سرہ فتو والا سے فرائض امامت و خطابت کیلئے فیروز شید میں آگئے اور سلسلہ تعلیم جاری رکھا۔ نصف بخاری شریف پڑھی تھی کہ استاد مکرم کا وصال ہو گیا چنانچہ آپ ہمہ تن خدمتِ دین میں مصروف ہو گئے، علم دین کا شغف دیکھنے کہ آپ علوم دینیہ کی تحصیل میں تقریباً تیس سال تک منہمک رہے۔ فیروز پو شید میں ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۷ء تک معروف شیخ طریقت حضرت سید محمد اسمعیل شاہ قدس سرہ العزیز (کرمانوالہ) آپ کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا فرماتے رہے، شاہ صاحب آپ کو ولی کامل سمجھتے تھے اور اس کا اظہار اپنے مریدین میں بھی کیا کرتے۔

آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں یہ حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پورلی قدس سرہ کے دست اقدس پر بیعت تھے۔ پیر و مرشد کی آپ پر نظر عنایت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب آپ حاضر خدمت ہوتے تو وہ آپ کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

تقسیم ملک کے بعد آپ لائل پور سے کوٹ ال گڑھ قصور تشریف لے آئے اور یہاں مسجد چھتی گلی میں فرائض امامت انجام دینا شروع کر دیا نیز کوٹ حلیم خان کی جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتے رہے۔ مسجد چھتی گلی میں بھی آپ نے سلسلہ تدریس جاری رکھا اور مسلسل کئی سال تک فارسی، صرف و نحو اور تفسیر کا درس دیتے رہے کتب بینی آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا، آپ نے کئی مرتبہ بخاری شریف پڑھی اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے آج تک جس مقصد کے لئے اسے پڑھا ہے، محمدؐ تعالیٰ ہمیشہ کامیاب رہا ہوں۔ دینی معاملات میں آپ کسی بڑے سے بڑے آدمی کی رعایت نہ کرتے اور ڈنکے کی چوٹ صحیح مسئلہ بیان کرے، فرقہ وپاہیہ کے تو آپ جانی دشمن تھے اور مسائل متنازعہ کے حل کے لئے دلائل کے انبار لگا دیا کرتے تھے۔

قصور میں آپ سے جن تلامذہ نے استفادہ کیا ان میں صوفی سردار احمد (امام و خطیب کوٹ حلیم خان) مولوی برکت اللہ (مان) شاہ محمد چشتی خوشنویس اور حافظ عبدالحق قابل ذکر ہیں۔ آپ کے ہاں تین صاحبزادے ہوئے جو صغریٰ ہی میں انتقال کر گئے۔

(۲۶ ربیع الثانی، جولائی ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء) بروز ہفتہ صبح ساڑھے آٹھ بجے آپ کا وصال ہوا اور کوٹ ال گڑھ کے بڑے قبرستان میں آپ کی آخری آرام گاہ بنی۔ آپ کے نواسے حافظ عبدالحق زید مجدہ اور عبدالحق آپ کا سالانہ عرس باقاعدگی سے کرتے ہیں۔ (تذکرہ ص ۲۸۷)

۲۹۔ ثانی لائٹنی حضرت میاں غلام اللہ شرقپوری قدس سرہ العزیز

حضرت ثانی لائٹنی میاں غلام اللہ شرقپوری ابن حضرت میاں عزیز الدین قدس سرہما ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۱ء میں شرقپور شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے بھائی شیر لوبانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ سے تیس سال چھوٹے تھے۔ ابھی پانچ سال کے تھے کہ والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور تمام تر پرورش حضرت میاں شیر محمد

تذکرہ حضرت محدث دکن

شرقی پوری قدس سرہ نے کی۔ چونکہ حضرت میاں صاحب کے اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے آپ نے تمام تر توجہ انہی پر صرف فرمائی۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد آپ نے طبیبہ کالج لاہور سے حکیم حافظ کا امتحان دیا اور کامیابی حاصل کرنے کے بعد شرق پور شریف میں علاج معالجہ شروع کر دیا۔ حضرت میاں صاحب قدس سرہ انہیں روحانی طبیب بنانا چاہتے تھے اس لئے اس شغل سے منع فرما دیا۔ آپ نے یہ سلسلہ ترک کر کے میونسپل کمیٹی میں بطور سیکریٹری ملازمت اختیار کر لی۔ حضرت میاں صاحب کو پتہ چلا تو سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

حضرت میاں صاحب نے پندرہ سال کی عمر میں آپ کی شادی کر دی اور نہ صرف اپنی تمام زمین حوالے کر دی بلکہ ان کے نام لگوادی، ایک دفعہ حضرت خواجہ امیر الدین قدس سرہ کے بھتیجے حکیم بابا اکرام خان نے حضرت میاں صاحب کو پتہ چلا تو سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا!

ایک دفعہ حضرت خواجہ امیر الدین قدس سرہ کے بھتیجے حکیم بابا اکرام خان نے حضرت میاں صاحب سے عرض کیا۔ آپ کے بعد کیا ہوگا؟ حضرت میاں صاحب نے حضرت میاں غلام اللہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ”وہ جو ہے“ حکیم صاحب نے عرض کیا ان کی طبیعت تو تبلیغ و ارشاد کی طرف مائل نہیں ہے۔ آپ نے پُر جوش لہجے میں فرمایا۔

”میں اسی کو دوں گا“

اور واقعی ایک مرد کامل کی نگاہ نے ان میں وہ صلاحیت پیدا کر دی کہ دیکھنے والے حیران و ششدر رہ گئے۔

کیمیا پیدا کن از مشق کئے بوسہ زن بر آستانِ کابلے
حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے وفات سے پہلے آپ کو خلافت اور جانشینی شرف بخشا۔ آپ نے حضرت میاں صاحب کی روشن کی ہوئی شمع کو بجھنے نہ دیا اور

تذکرہ حضرت محدث دکن

اسی طرح تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اس سلسلے میں دُور دراز کے سفر بھی کئے اور خلق خدا کو فیض یاب کیا۔ آپ کی شخصیت پر کشش اور گفتگو پر تاثیر ہوا کرتی تھی۔

ایک دہریہ لڑکا آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے اسے صرف اتنا فرمایا ”نماز پڑھا کرو“ اس مخقر سے جملے کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ لڑکا دینِ متین کا پابند ہو گیا اور وجود باری تعالیٰ پر ایسی دلیلیں قائم کرنا کہ سننے والے حیران رہ جاتے۔

حضرت میاں صاحب سادہ لباس زیب تن فرماتے اور کسرِ نفسی کا یہ حال تھا کہ صاحبِ سجادہ ہونے کے باوجود فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اسی قدر ہوں کہ جو کوئی حضرت اعلیٰ کا مہمان آئے اس کے ہاتھ دھلا دیا کروں اور کھانا کھلا دیا کروں۔ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ نے شرق پور شریف میں جو متعدد مساجد تعمیر کرائی تھیں انہیں آپ نے پختہ بنا دیا اور بعض مساجد کو وسیع کر دیا۔ اس کے علاوہ ایک مدرسہ تعمیر کرایا جس میں دینی تعلیم کے لئے بہترین اساتذہ کو متعین کیا جو اب بھی جاری ہے اور ”درس حضرت میاں صاحب“ کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری قدس سرہ کے ایک خلیفہ حضرت الحاج عبدالرحمن رحمۃ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ثانی لاثانی کا لقب دیا جو زبان زد خاص و عام ہے۔

آپ کے دو صاحبزادے حضرت میاں غلام احمد مدظلہ (فرزند اکبر) اور حضرت میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری مدظلہ (فرزند اصغر) آپ کے طریق پر قائم ہیں اور دینِ متین کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ العالی نے ایک تبلیغی ادارہ دارا لبلاغین قائم کیا ہے جس سے علماء اور حفاظ مستفید ہو رہے ہیں۔ حال میں حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ کی سرپرستی میں ماہ نامہ نور اسلام کا امام اعظم نمبر (شمار ستمبر اکتوبر ۱۹۷۵ء) شائع ہوا ہے۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد میں اتنا عمدہ اور ضخیم نمبر آج تک پاک و ہند میں شائع

تذکرہ حضرت محدث دکن

نہیں ہوا ہوگا، مولائے کریم ان حضرات کے ذریعہ دین اسلام کو عام فرمائے۔
حضرت میاں غلام اللہ شرقپوری متعدد بزرگان دین کے مزارات پر حاضر ہوئے اور
تین مرتبہ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ پہلی دفعہ اپنی طرف سے
دوسری مرتبہ والدہ ماجدہ کی طرف سے اور تیسری مرتبہ حضرت میاں شیر محمد
شرقپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حج کیا، تقریباً تیس سال تک تبلیغ دین کا
فریضہ انجام دیتے رہے۔

۷ ربیع الاول ۳۰ اکتوبر (۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ء) بروز بدھ عین بجے دن محبوب
حقیقی سے جا ملے اور حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پہلو میں
دفن ہوئے (تذکرہ ص ۲۹۶)

۳۰۔ حضرت علامہ مولانا مفتی غلام جان ہزاروی ثم لاہوری قدس سرہ العزیز
ابوالمظفر اے کہ عبدالمصطفیٰ مصدر ایقانِ عالی دودماں
با غلامانِ محمد نسبتش در شریعت رہبر پیر و جوان
مفتی اعظم زہے بے قیل و قال ایکہ در لاہور چوں پیشینگان
حضرت مولانا مفتی ابوالمظفر عبدالمصطفیٰ غلام جان ابن مولانا احمد جی ابن مولانا محمد
عالم ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۶ء میں مقام اوگرہ تحصیل مانسرہ ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن
مجید اور فارسی نظم و نثر اور صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں، اس
کے بعد شوق علم میں دہلی اور سہارن پور کی درس گاہوں میں بھی گئے۔ مدرسہ عالیہ
جامع مسجد آگرہ کے اساتذہ سے بھی کسب علم کیا۔ مولانا غلام رسول (انتی ضلع
گجرات) سے حمد اللہ اور زواہد ثلاثہ کا درس لیا۔ مینڈھو ضلع اعظم گڑھ اور گلاوٹی
ضلع بلند شہر میں معقول کی کتابیں پڑھیں۔ ٹونک میں حضرت علامہ حکیم سید
برکات احمد سے ریاضی اور معقولات میں استفادہ کیا۔ ۱۳۳۵ھ میں مدرسہ عالیہ
رامپور سے درجہ تکمیل پاس کیا۔ مولانا شاہ سلامت اللہ رام پوری آپ پر بے حد

تذکرہ حضرت محدث دکن

شفقت فرماتے تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا شہرہ سن کر مرکز علم و عرفان بریلی شریف پہنچے اور شمس العلماء مولانا ظہور الحسن فاروقی رام پوری اور صدر الشریعہ مولانا حکیم محمد امجد علی (مصنف بہار شریعت) سے درس نظامی کی آخری کتابیں پڑھ کر صحاح ستہ کا دورہ کیا۔ ۱۳۳۷ھ کے جلسہ دستار بندی میں امام اہل سنت کے دست اقدس پر مرید ہوئے اور پھر خلافت سے نوازے گئے۔ فراغت کے بعد مدرسہ منظر الاسلام بریلی میں مدرس اور مسجد بی بی جی (بریلی) میں امام و خطیب مقرر ہوئے۔ حضرت مولانا خواجہ محمود تونسوی کی دعوت پر وہاں سے مدرسہ سلیمانہ تونسہ شریف جا کر کچھ عرصہ کام کیا۔ ایک سال مکھڑ شریف رہے، اس کے بعد خان محمد امیر خان رئیس شہیلیہ ضلع ہزارہ نے آپ کو بلا کر عمدہ قضا پر مامور کیا لیکن کچھ دن بعد ہی آپ لاہور چلے گئے اور جامعہ نعمانیہ لاہور میں صدر مدرس اور مفتی مقرر ہوئے۔ ۱۳۴۵ھ میں بریلی شریف اور اتمیر شریف حاضری دیتے ہوئے حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ شب بیداری یتیموں، بیواؤں کی دستگیری اور اپنا کام خود کرنا آپ کے اوصاف تھے۔ دین متین کی تبلیغ و ترویج کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ آپ کے تصانیف یہ ہیں:

۱۔ فتاویٰ غلامیہ

۲۔ نور العینین فی سفر الحرمین

۳۔ سیف رحمانی علی راس القادیانی

۴۔ دیوان غلامیہ

۵۔ نغمہ شہادت (یہ ہنوز غیر مطبوعہ ہیں)

۶۔ القول المحتاط فی جواز الحیلۃ والا سقاط

۷۔ رسالہ اذان علی القبر و تعدد الجمعہ فی مساجد المصر (طبع ہو چکی ہیں)

تذکرہ حضرت محدث دکن

بخش بلبل (۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء) برادر اکبر مولانا غلام دستگیر قصوری کے پاس قرآن مجید پڑھنے کے لئے بٹھایا گیا، نومبر ۱۸۹۱ء میں اپنے قرآن کریم ختم کر لیا، پھر والد ماجد نے اسلامیہ سکول کی برانچ واقع حویلی کابلی کی دوسری جماعت میں داخل کرادیا۔ کچھ عرصہ بعد پیر حامد شاہ کا تبادلہ قصور ہو گیا چنانچہ مولانا نامی ۱۸۹۳ء کے درمیانی ربع میں قصور گورنمنٹ اسکول میں پڑھتے رہے، وہیں ۱۱ اکتوبر ۱۸۹۳ء میں آپ کے والد گرامی کا وصال ہو گیا اور آپ داغ یتیمی لیکر رتہ پیراں چلے گئے۔

۱۸۹۵ء میں آپ اسلامیہ سکول شیرانوالہ گیٹ لاہور کی پانچویں جماعت میں داخل ہوئے اور ۱۹۰۳ء میں فرسٹ ڈویژن میں انٹرنس پاس کیا، سکول کی تعلیم کے دوران لاہور کے ممتاز فضلاء مثلاً پروفیسر شجاع الدین (م ۱۹۶۵ء) صدر شعبہ تاریخ دیال سنگھ کالج، لاہور کے نانا محمد نجم الدین اور مولانا علامہ اصغر علی روجی سے اکتساب فیض کیا، ان کے علاوہ دیگر متعدد اہل علم کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے جن کی صحبت نے آپ کے ذوق علمی کو نکھار عطا کیا۔

مولانا نامی نے کسی دینی درس گاہ میں باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی اس کے باوجود اردو، فارسی اور انگریزی میں مہارت کے ساتھ ساتھ عربی سے بھی اچھی طرح آشنا تھے چونکہ قدرت نے آپ کو ابتداء سے ہی ذہانت و فطانت کے جوہر اعلیٰ سے نوازا تھا اس لئے بہت جلد بہترین مضمون نگار، مصنف، شاعر، تاریخ گو، ماہر قانون وراثت اور ماہر علم الانساب کی حیثیت سے مشہور ہو گئے۔

تحصیل علم کے بعد چند ماہ محکمہ ریلوے میں ملازمت کی پھر محکمہ ڈاک میں بھرتی ہو کر ٹیلی گرام کی ٹریننگ حاصل کی، اسی اثناء میں ڈپٹی کمشنر لاہور نے انٹر پاس مسلمانوں کو ضلع پکھری کی ملازمت کے لئے طلب کیا چنانچہ آپ ضلع پکھری میں چھ ماہ تک بلا تنخواہ کام کرتے رہے بالآخر مئی ۱۹۰۵ء میں مستقل ملازمت مل گئی لیکن یہاں کی رشوت آلود فضا آپ کو پسند نہ آئی اور آپ ۱۹۰۶ء میں محکمہ تعلیم میں

تذکرہ حضرت محدث دکن

منتقل ہو گئے اور آخر تک اسی محکمہ میں مختلف کاموں پر مامور رہے بالآخر سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں تباولہ ہو گیا اور یہاں خازن رہ کر ۱۹۳۸ء میں ریٹائرڈ ہو گئے۔ مولانا نامی کو بچپن ہی سے اپنے خاندانی بزرگوں کے حالات، علمی کمالات اور نسب معلوم کرنے کا شوق تھا۔ اس سلسلے میں آپ نے اپنے بزرگوں کے نادر مخطوطات اور دیگر کتب تاریخ کا بڑی دلچسپی سے مطالعہ کیا حتیٰ کہ تاریخی تجسس اور کتب بینی کا ذوق لازم زندگی بن گیا، بارہا رکاوٹیں پیدا ہوئیں مگر ہر بار آپ کے پہاڑ ایسے عزم و استقلال سے ٹکرا کر پسا ہو گئیں اور آپ کے تصنیف و تالیف اور مطالعہ کے ذوق میں بدستور اضافہ ہی ہوتا تھا۔ ملازمت کے زمانہ میں فارغ وقت تالیف اور مضامین نویسی میں صرف کرتے اور ریٹائر ہونے کے بعد تو گویا آپ اس کام کے لئے وقف ہو گئے۔ آپ نے ایک سو سے زائد کتابیں اور رسائل لکھے جنہیں قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ ان میں سے بعض تصانیف تو لازوال اہمیت کی حامل ہیں۔ مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والے مضامین کی تعداد ہزار تک پہنچتی ہے چند تصانیف کے نام یہ ہے :

۱۔ تاریخ جلیلہ۔ خاندانی بزرگوں کے حالات اور دیگر اہم تاریخی معلومات

۲۔ بزرگان لاہور۔ لاہور کے ڈیڑھ سو بزرگان دین کے حالات

۳۔ نسب نامہ رسول انام و صحابہ کرام

۴۔ مناقب خلفائے راشدین (منظوم)

۵۔ اسلامی قانون وراثت

۶۔ تاریخ نجدیہ۔ یعنی حقیقت وہابیہ

۷۔ صدیق اور فاروق مستشرقین کی نظر میں وغیرہ وغیرہ

ان مستقل تصانیف کے علاوہ آپ نے کئی کتابوں کو جامہ اردو بھی پہنایا۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

جناب نامی کو شعر گوئی کا سلسلہ ورثے میں ملا تھا۔ پہلے پہل از خود طبع آزمائی کرتے رہے۔ ۱۹۰۷ء میں علامہ اصغر علی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو اپنا کلام سناتے رہے اور بہت جلد پختہ کلام پر دسترس حاصل کر لی۔ ابتداءً غزل نگاری کی جانب میلان تھا پھر نعت، منقبت اور تاریخ گوئی سے لگاؤ پیدا ہو گیا، تاریخ گوئی میں آپ کو کمال حاصل تھا، بلاشبہ آپ نے اپنی زندگی میں ہزاروں منظوم تاریخیں کھیں ہیں۔

مولانا نامی نے اپنے بعض مخلص دوستوں کے تعاون سے ۱۵۔ ۱۹۱۳ء میں اصلاح رسوم اور اصلاح اخلاق کی غرض سے دائرۃ الاصلاح کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کے تحت لٹریچر شائع ہو کر مفت تقسیم ہوتا تھا، پھر اس ادارے کی طرف سے فضائل صحابہ کرام اور اتحاد بین المسلمین کے موضوع پر رسائل طبع ہونے لگے۔ اس ادارے کی طرف سے تقریباً نوے کتب اور رسائل طبع ہو کر مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں جن میں سے دس بارہ کے علاوہ باقی سب مولانا نامی کی کاوش قلم کا نتیجہ ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت نامی کے ماموں اور خسر جناب پیر محمد اشرف عالم شاہ (م ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء) متولی خانقاہ حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی نے اپنی وفات سے قبل وصیت لکھ دی تھی کہ میرے بعد اوقاف کے متولی نامی صاحب ہوں گے چنانچہ آپ نے اس ذمہ داری کو بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا اور نہ صرف بزرگوں کے مزارات کی دیکھ بھال کی بلکہ ان کے علمی تبرکات کو شائع کر کے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا، غرض جناب نامی نے ایک پیرزادہ اور مزارات کا متولی ہونے کی حیثیت سے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ ان کا طرز عمل موجودہ دور کے بعض مشائخ کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

۷۔ رجب المرجب ۱۶ دسمبر (۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء) کو ایک ماہ صاحب فراش رہنے کے بعد اسلام کے مخلص خادم اور مسلمانوں کے محسن جناب پیر غلام دستگیر نامی کا انتقال محلہ چلہ بیسبیاں، لاہور میں ہوا اور آپ کی میت رتہ پیراں (ضلع شیخوپورہ)

تذکرہ حضرت محدث دکن

لے جا کر حضرت قلندر شاہ کے پائیں میں دفن کی گئی۔

قطعہ تاریخ وفات از جناب حضرت مولانا شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ العالی:
غلام دستگیر آں پر نہی بہ جنات المعلى کرد مسکن
ز تر حیلش شرافت گفت تاریخ بفر دوس بریں شد شاد محسن

۱۳۸۱ھ

جناب حکیم محمد موسی امرتسری مدظلہ العالی نے ان الفاظ سے تاریخ وصال کا استخراج کیا:

”کھا آج ہائے چراغِ علوم“

۱۳۸۱ھ

(تذکرہ ص ۳۱۱)

۳۔ مجاہد تحریک آزادی مولانا غلام مجدد سرہندی مجددی قدس سرہ

حضرت مولانا الحاج غلام مجدد سرہندی ابن حضرت مولانا عبدالکلیم ابن حضرت عبدالرحیم مجددی سرہندی (قدست اسرارہم) ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب ۱۰ واسطوں سے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ تک پہنچتا ہے۔ تحصیل علوم کے بعد آپ نے میدان سیاست کو منتخب کیا اور فرنگی سامراج کے خاتمہ کے لئے زبردست جدوجہد کی علی برادران کے ساتھ دو سال جیل میں رہے، اسی دوران قرآن پاک کے پندرہ پارے حفظ کر لئے۔

آپ اصل مسلم لیگی، منجھے ہوئے سیاست دان، شعلہ بیان خطیب اور سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے محب تھے، تحریک پاکستان کے سلسلے میں فضا ہموار کرنے کے لئے دھواں دار تقریریں کیں اور اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے شب و روز کام کیا۔ نواب زادہ لیاقت علی خان اور سردار عبدالرب نشتر

۲۲۲

آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔

حق گوئی، بے باکی، مہمان نوازی اور خود داری آپ کے نمایاں اوصاف تھے۔ باوجودیکہ آپ ہندوؤں کے سخت مخالف تھے، ہندو آپ کا دلی طور پر احترام کرتے تھے چنانچہ قیام پاکستان کے بعد کئی ہندو جاتے ہوئے اپنے مکانات آپ کے حوالے کر گئے جو آپ نے مہاجرین کے حوالے کر دیئے البتہ دیوان ولی رام کے بنگلہ واقع ہیرا آباد، حیدر آباد میں آپ نے رہائش اختیار کر لی، کچھ عرصہ گلکٹر حیدر آباد نے یہ کہہ کر آپ سے بنگلہ خالی کرالیا کہ آپ کی ضرورت سے زائد ہے۔ چیف منسٹر سندھ کو پتہ چلا تو اس نے کہا کہ اگر مولانا غلام مجدد مجھ سے ملیں تو میں انہیں بنگلہ واپس دلا دوں گا! آپ نے شان بے نیازی سے فرمایا:

”میرے لئے بنگلے کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، میں اس کے پاس نہیں جاؤں گا۔“

یہ بات خان لیاقت علی خان کو بھی پہنچ گئی، انہوں نے معذرت کے ساتھ بنگلہ آپ کو واپس کر دیا اور گلکٹر صاحب پر ناراضگی کا اظہار کیا۔

اپریل ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۷ء میں مجسمہ علم و فضل، پیکر زہد و تقویٰ، میدان شجاعت و فصاحت کا شہسوار، تحریک پاکستان کی صف اول کا مجاہد دنیا سے رخصت ہو گیا جنہیں ایک دنیا غلام مجدد کے نام سے یاد کرتی تھی۔ (رحمۃ اللہ تعالیٰ) ٹیاری ضلع حیدر آباد میں آپ کا مزار شریف ہے۔

مولانا غلام رسول جان سرہندی درویش منش بزرگ آپ کے فرزند ارجمند ہیں۔
(تذکرہ ص ۳۳۳)

۳۳۔ شیخ الجامعہ حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی قدس سرہ العزیز

علامہ زماں، فاضل اجل مولانا محمد گھوٹوی قدس سرہ العزیز موضع گمرالی (گجرات) میں جمادی الاولیٰ جنوری ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور صرف و نحو کی

تذکرہ حضرت محدث دکن

کتابیں چکوڑی (گجرات) میں مولانا محمد چراغ سے پڑھیں ، پھر قصبہ گھوٹہ (ضلع ملتان) میں سیبویہ زمانہ مولانا حافظ محمد جمال رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر قطبی اور میبذی تک کتابیں پڑھیں بعد ازاں مولانا علامہ سید غلام رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں موضع تلیری (مظفر گڑھ) حاضر ہوئے اور اکتسابِ علم کیا ، پھر بمقام چکی (مضافات کیمبلپور) مولانا علامہ محمد زماں رحمۃ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے ، انہیں آپ کی ظاہری حالت بکھرے ہوئے بال اور پرانے کپڑے دیکھ کر گمان ہوا کہ یہ پڑھنے والا طالب علم نہیں ہے اس لئے انہوں نے داخلے کی اجازت نہ دی ، مولانا خاموشی سے بیٹھ گئے ، اتفاقاً صدرا (شرح ہدایۃ الحکمہ) کا ایک مشکل ترین مقام زیرِ درس تھا ، مولانا محمد زماں نے اس مقام کی تقریر کی اور طلبہ کو تقریر دہرانے کے لئے کہا لیکن کوئی بھی اسے نہ دہرا سکا ۔ علامہ گھوٹوی نے اجازت طلب کی اور پوری تفصیل سے اس مقام کو بیان کر دیا ۔ اب جو مولانا محمد زماں کو ان کی قابلیت کا پتہ چلا تو نہ صرف داخلے کی اجازت دی بلکہ انہیں قربِ خاص سے نوازا ۔

وہاں کچھ عرصہ استفادہ کرنے کے بعد جامعہ نعمانیہ لاہور چلے آئے اور مولانا علامہ غلام احمد حافظ آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں زانوائے تلمذتہ کیا ، پھر علامہ زماں مولانا احمد حسن کانپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے پاس جا کر فنونِ عالیہ کا درس لیا ، ڈیڑھ سال بعد جب ان کا وصال ہو گیا تو آپ مدرسہ عالیہ رامپوری میں مولانا فضل حق رامپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے درس میں شریک ہوئے اور کسبِ فیض کیا ۔ طب اور صحاح کا درس حضرت مولانا وزیر حسن رامپوری سے لیا ۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں شیخ الاسلام مرشد المسلمین حضرت خواجہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے ۔

فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ رام پور میں مدرس مقرر ہوئے اور عین سال تک درس دیا ، ازاں بعد قصبہ گھوٹہ میں تشریف لے آئے ، یہاں بیس سال تک علم

وفضل کے دریا بہائے اور قصبہ گھوٹے میں قیام کی وجہ سے گھوٹوی مشہور ہوئے۔ پھر نواب صاحب کے بلانے پر بہاول پور تشریف لے گئے اور جامعہ عباسیہ (اب جامعہ اسلامیہ) بہاولپور کے شیخ الجامعہ مقرر ہوئے اور تقریباً بیس سال تک علوم دینیہ کی گرانقدر خدمات انجام دیں اور بے شمار متلاشیانِ دولت علم و فضل کو منزل مراد تک پہنچایا۔

مولانا غلام محمد گھوٹوی قدس سرہ اپنے دور کے شرعہ آفاق علامہ اور زبردست مناظر تھے، بہت سے مناظروں میں آپ کی شرکت کا ثبوت ملتا ہے۔

۱۹۱۱ء میں حرمین طیبین کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے، ارادہ یہ تھا کہ اجمیر شریف حاضری دی کر بمبئی سے جہاز پر سوار ہوں گے لیکن دہلی کے اسٹیشن پر پتہ چلا کہ کئی گھنٹے انتظار کرنی پڑے گی۔ اتفاقاً اس وقت دیوبند جانے والی گاڑی تیار تھی، آپ اس میں سوار ہو گئے دیوبند پہنچے تو دیکھا کہ مولوی محمود حسن مسئلہ سماع موتی پر اجلاس سے خطاب کر رہے ہیں، حضرت شیخ الجامعہ نے اس اجلاس کے دوران مداخلت کرتے ہوئے فرمایا، علماء احناف کا مسلک یہ ہے کہ مردے سنتے ہیں آپ کی عالمانہ گفتگو سے مولوی محمود حسن متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور جب انہیں پتہ چلا کہ یہ مولانا غلام محمد گھوٹوی ہیں تو فوراً آپ کو اسٹیج پر لے گئے اور کہنے لگے۔

”مردے سنتے ہوں یا نہ سنتے ہوں محمود کا کیا بگڑتا ہے“

۱۹۲۴ء میں جب حضرت مولانا مفتی غلام مرتضیٰ قدس سرہ اور مولوی جلال الدین شمس قادیانی کے درمیان مسئلہ ”حیات مسیح“ پر مناظرہ ہوا تو مولانا غلام محمد گھوٹوی اہل اسلام کی جماعت کے صدر تھے۔ اس مناظرے میں اسلامی مناظر مولانا مفتی غلام مرتضیٰ قدس سرہ کو زبردست کامیابی ہوئی اور قادیانی مناظر کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ مقدمہ فیصلہ بہاولپور میں بھی آپ نے اہم کردار ادا کیا۔

مولانا غلام محمد گھوٹوی ابتداءً نیشنل کانگریس ملتان ڈویژن کے صدر تھے بعد ازاں

مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور تحریک پاکستان کے لئے دل و جان سے کام کیا۔ قیام پاکستان کے بعد جب مہاجرین کے قافلے بہاولپور آئے تو ان کی آباد کاری کے لئے نہایت سرگرمی سے کام کرتے رہے۔

حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے تلامذہ کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ ان میں سے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مہر محمد اچھروی قدس سرہ العزیز کا نام نامی سرفہرست ہے۔

ان کے علاوہ چند تلامذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ پیر امام علی شاہ۔ مہر آباد تحصیل لودھراں۔ ملتان
۲۔ مولوی محمد شفیع۔ مہتمم مدرسہ قاسم العلوم، چشتیاں شریف

۳۔ مولانا سید دین محمد شاہ۔ مظفر گڑھ

۴۔ مولانا محمد ذاکر۔ بانی جامعہ محمدی۔ جھنگ

۵۔ مولانا محمد صادق۔ دیپالپور

۶۔ علامہ رحمت اللہ ارشد۔ (مشہور لیڈر) بہاولپور

۷۔ مولوی غلام یسین۔ واں بھجراں

۸۔ مولانا افضل الحق۔ رامپور

۹۔ پیر ولایت شاہ۔ گجرات

۱۰۔ مولانا مفتی عطا محمد۔ رتہ۔ چکوال

حضرت شیخ الجامعہ نے علم غیب پر ایک مبسوط رسالہ لکھا تھا جو طبع نہ ہو سکا۔

آپ نے دو صاحبزادے یادگار چھوڑے

۱۔ مولانا عبدالحی چشتی

۲۔ مولانا حافظ غلام احمد

۲۷ جمادی الاولیٰ ۹۰ مارچ (۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء) بروز پیر آپ کا وصال ہوا اور قبرستان ملوک شاہ عقب نور محل ، بھاولپور میں دفن ہوئے۔ (تذکرہ ص ۳۳۵)

۳۳۔ مبلغ اسلام حضرت مولانا غلام محمد ترنم امرتسری قدس سرہ

شعلہ بیان مقرر ، مبلغ اسلام مولانا غلام محمد ترنم ابن جناب عبدالعزیز ، امرتسر میں ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے ، ابتدائی دینی تعلیم پروفیسر عبدالرحیم اور فقیہ عصر مولانا مفتی عبدالصمد خان کاشمیری سے حاصل کی ، قالین بانی اور شال بانی کا کام سیکھا حکیم فیروز الدین فیروز طغرانی کی خدمت میں طلب علم کے لئے حاضر ہوئے اور بہت جلد منشی فاضل اور ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا۔ علامہ طغرانی کے جانشین علامہ محمد حسین عرشی امرتسری نے آپ کا تخلص ترنم تجویز کیا۔ اس کے بعد مختلف اساتذہ سے علوم و فنون کی تحصیل کر کے ادب عربی کے فاضل مولانا محمد عالم آسی امرتسری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ادب عربی کی کتابیں پڑھ کر مولوی فاضل کا امتحان دیا ، علوم دینیہ سے فارغ ہو کر طب کی کتابیں حکیم حاجی محمد علی ، حکیم محبوب عالم اور حکیم فتح چند سے پڑھیں ، لاہور کے نامور طبیب حکیم شہزادہ غلام محمد سے اصول مطب سیکھے اور انگریزی میں بھی خاصی استعداد پیدا کر لی۔

مولانا ترنم قادر الکلام مقرر تھے ، ان کی تقریر میں روانی ، بے باکی ، بے پناہ خلوص اور سب سے بڑھ کر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عشق جلوہ گر ہوتا تھا ، غالباً ۱۹۳۱ء میں امرتسر میں جامعہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی جس کی بدولت مسلمان نوجوانوں کے لئے یونیورسٹی کے امتحانات پاس کرنے آسان ہو گئے ، مولانا ترنم انجمن تبلیغ الاحناف امرتسر کی روح رواں تھے جس کے زیر اہتمام ہر سال عرس امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا تھا اسی انجمن نے دارالعلوم حنفیہ رضویہ کی بنیاد رکھی جس کا افتتاح ۱۹۴۵ء میں حضرت سید محمد کچھو چھوی نے کیا۔ قیام امرتسر کے دوران مختلف سیاسی تحریکوں میں حصہ لیا خصوصاً

تذکرہ حضرت محدث دکن

تحریک پاکستان میں مثالی کردار ادا کیا، اپنی شعلہ بیان تقاریر کے ذریعے مسلمانوں کے خوابیدہ جذبات کو بیدار کیا۔ قیام پاکستان کے بعد لاہور میں قیام پذیر ہوئے، جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ، بیرون موری گیٹ میں وعظ درس کا سلسلہ جاری کیا، پھر عقیدت مندوں کی فرمائش پر مسجد سول سیکرٹریٹ میں خطابت کی ذمہ داری قبول کر لی۔ ایک عرصہ تک جمعیت علمائے پاکستان، پنجاب کے صدر رہے پھر مرکزی جمعیت کے نائب صدر ہو گئے اور نہایت وسیع خدمات انجام دیں۔

تحریک ختم نبوت میں پُر جوش حصہ لیا اور چھ ماہ سے زائد تک جیل کی صعوبتوں کو پامردی سے برداشت کیا، مولانا ترنم حضرت حافظ پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہ سے بیعت تھے۔ حضرت شاہ علی حسین قادری کچھو چھوی سے بھی کسب فیض کیا، بے شمار مصروفیات کے باوجود چند علمی تبرکات آپ کی یادگار ہیں تعقیبہ کلام، دستور پاکستان، مقدمہ و حواشی بطل نبوت، الجہاد، غذائی چارٹ اور ماہنامہ ٹمپرنس لاہور جو عین سال تک جاری رہا، مولانا ترنم اس کے پرنٹر اور پبلشر تھے، مولانا ترنم نغز گو شاعر بھی تھے، پنجابی، اردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔

اڑھائی عین سال تک ذیابیطیس کے مریض رہ کر، ۱۷ محرم الحرام، ۲۳ جولائی (۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹ء) جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو سفر آخرت اختیار کیا۔ مزار گورستان میانی، لاہور میں بہاول پور روڈ پر واقع ہے۔ (تذکرہ ص ۳۳۹)

۳۵۔ قدوة المحققین علامہ مولانا غلام محمود قدس سرہ

(محشی تکملہ عبدالغفور)

امام معقولات و منقولات، فاضل ریاضیات، ادب عربی کے بلند پایہ ادیب، فقہ حنفی کے مقبض فاضل، سیبویہ زمانہ مولانا غلام محمود ابن نورنگ بن محمد باقر، بمقام قصبہ وانڈہ محمد خان ضلع میانوالی میں ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے، اسی جگہ حافظ محمد مرزا سے قرآن مجید حفظ کیا، فارسی اور عربی کی کتابیں اور نحو، عروض اور قوافی کی بعض کتابیں مولانا سلطان محمود بندیالوی (بندیال، ضلع سرگودھا) سے پڑھیں۔ کتب نحو کی تکمیل مولانا فیض محمد شاہ جمالی (قصبہ شاہ جمال، ملتان) سے کی، فنون کی کتابیں جامعہ نعمانیہ، لاہور میں مولانا غلام احمد حافظ آبادی سے پڑھیں، کتب ریاضی میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے استفادہ کیا، درس حدیث مولانا محمود حسن شیخ الحدیث دیوبند سے لیا، ۱۹۰۲ء کو فارغ التحصیل ہو کر پہلاں (لیاقت آباد، ضلع میانوالی) میں تدریس کا کام شروع کیا، ۱۹۰۷ء میں مکھڑ شریف ضلع کیمبلپور تشریف لے گئے، اسی دور میں حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دست اقدس پر بیعت ہوئے۔ تین سال وہاں قیام کیا، اس کے بعد تین سال چکی شیخ (ضلع کیمبلپور) اور تین سال وطن میں قیام پذیر رہے اور تین سال نڑھال ضلع ملتان میں کام کیا پھر واپس آکر پہلاں میں دارالعلوم محمودیہ قائم کیا اور تمام عمر علوم دینیہ کی خدمت میں صرف کر دی۔

آپ کو تمام علوم دینیہ میں زبردست عبور حاصل تھا، خاص طور پر صرف و نحو، فقہ و اصول، ادب عربی، ہیئت، ربع الجیب، ربع المقنطرہ اور زینج وغیرہ میں کمال دسترس رکھتے تھے۔ آپ کے تلامذہ اکثر و بیشتر علم و عرفان کے ماہتاب بن کر چمکے، ملک المدرسین مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ العالی زیب مسند تدریس دارالعلوم مظہریہ امدادیہ، بندیال ضلع سرگودھا اور حضرت مولانا پیر سید محمد کرم شاہ بھیروی

فاضل جامعہ ازہر، مدیر اعلیٰ ماہنامہ ضیائے حرم آپ ہی کے فیض یافتہ ہیں۔ آپ کی تصنیفات تحقیق و تدقیق کے اعلیٰ شاہکار ہیں، چند ایک کے نام یہ ہیں۔

۱۔ نجم الرحمن۔ علم غیب کے موضوع پر فاضلانہ تالیف

۲۔ ارمغان شاداں، گرامر فارسی، (نحو اور ریاضی میں بھی رسائل لکھے ہیں)

۳۔ تحفہ سلیمانیہ۔ آفتاب پنجاب مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے کلمہ عبدالغفور کا حاشیہ ہے، کلمہ عبدالغفور نحو کی نہایت ادق کتاب ہے، اس سے پہلے اس پر کوئی مستقل حاشیہ نہ تھا، یہ پہلا مستقل حاشیہ ہے جس میں سلیس اور شگفتہ عربی عبارت میں اس کے مطالب کی تشریح اس خوبی سے کی ہے کہ بے ساختہ علامہ تفتازانی کی وقت نظر اور تحریر کی فصاحت کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

۲۳ رمضان المبارک، یکم اگست (۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء) کو آپ کا وصال ہوا، آپ کے صاحبزادے مولانا علامہ محمد حسین شوق، دارالعلوم محمودیہ میں تدریس علوم و فنون میں مصروف ہیں۔ (تذکرہ ص ۳۴۱) مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا ذکر آگیا تو حضرت کا ایک واقعہ روضہ قیومیہ میں ذکر ہے کہ محرم ۱۹۷۱ھ نواب خان اعظم رکن سلطنت شہنشاہ اکبر کو نجومیوں نے بتایا کہ عین دن سے ایک ستارہ طلوع ہو رہا ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانہ سے اس وقت تک نہیں نکلا۔ اکبر کے درباریوں نے اکبر سے کہا کہ ”اکبر مجدد الف ثانی ہے“ یعنی دوسرے ہزارہ کا مجدد، علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوگ غلط کہہ رہے ہیں ”مجدد الف ثانی“ تو حضرت شیخ احمد سرہندی ہیں چنانچہ ”قول مرداں جان دارد“ کے بمصداق آج پوری دنیا حضرت شیخ احمد سرہندی کو اسی لقب ”مجدد الف ثانی“ سے پہچانتی ہے۔ (جوہر مجددیہ از مولانا احمد حسین خان امروہی فرزند محدث جلیل قطب زماں حضرت حافظ مولانا محمد عباس علی خان قادری نقشبندی مجددی از اولاد امجاد حضرت سید شمس الدین امیر کلال قدس سرہ (ابوالخیرات غفرلہ)

تذکرہ حضرت محدث دکن

۳۶۔ مرشد طریقت حضرت خواجہ سید غلام محی الدین گولڑوی قدس سرہ
 حضرت خواجہ سید غلام محی الدین ابن حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہما
 (۹۔ ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۱ء) کو گولڑہ شریف (ضلع راولپنڈی) میں پیدا ہوئے۔ جب یہ
 اطلاع مبارکباد کے ساتھ حضرت قبلہ عالم کو دی گئی تو آپ نے فرمایا ”مبارکباد سے تو
 میں نے سمجھا تھا کہ شاید مجھے خدا مل گیا ہے“۔ پھر فرمایا زینہ اولاد کی پیدائش سے
 ہر شخص کو خوشی ہوتی ہے لیکن مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ ہمارے گھر میں اللہ
 اللہ کرنے والی ایک روح کا ورود ہوا ہے۔ آپ کی یہ پیش گوئی حرف صحیح
 ثابت ہوئی۔ حضرت خواجہ سید غلام محی الدین گولڑوی کی تعلیم تربیت کے لئے نادر
 روزگار اساتذہ مقرر کئے گئے، تجوید و قراءت میں مولانا قاری عبدالرحمن جونپوری
 سے استفادہ کیا، علوم دینیہ کی تحصیل حضرت مولانا علامہ محمد غازی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے
 کی، والد ماجد حضرت پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ کے فیض توجہ نے آپ کو جلد ہی
 پایہ تکمیل تک پہنچادیا۔

تربیت اور نگرانی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت اعلیٰ گولڑی قدم
 قدم پر ہدایات جاری فرماتے جن کی تعمیل کمال سعادت مندی سے کی جاتی۔ یہی وجہ
 تھی کہ حضرت خواجہ سید غلام محی الدین قدس سرہ علم و عمل، نظم و ضبط، صبر و تحمل،
 فراست و بے نفسی، اوراد و اشغال کی پابندی اور ارباب اقتدار سے بے نیازی میں
 یکتائے روزگار تھے، آپ کے نام حضرت اعلیٰ گولڑی کے ایک مکتوب کا اقتباس
 ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:-

”سب گھروں اور مہمانوں کی خبرگیری رکھنا، جمعہ و جماعت کا التزام رہے، اپنے استاد
 صاحب کا حسب ہدایت خیال رکھنا، ان کی ضروریات کو قبل از وقت مہیا رکھنا، ان
 کی صحت کا خیال رہے۔ نہ صرف اپنے سبق اور مطلب کا۔ ایسا ہی جناب قاری
 صاحب کی خبرگیری رکھو، یعنی کوئی وطنی نا تراشیدہ حسب عادت اہل وطن پیش آنے

تذکرہ حضرت محدث دکن

نہ پاوے، ایسا حلیم نہ ہونا چاہیے کہ ضروریات میں نقصان ہو اور نہ ایسا درشت کہ خلق اللہ بیزار ہو۔“

آپ کو بچپن ہی سے گاڑی کے انجن سے دلچسپی تھی، اسی لئے حضرت اعلیٰ قدس سرہ نے آپ کو بابو جی کا خطاب دیا جو اتنا مقبول ہوا کہ پیر جواں آپ کو اسی لقب سے یاد کرتے تھے، شاہ ولی اللہ گوالیاری نے آپ کو انجن کا ایک ماڈل پیش کیا جس میں کوئلے کی جگہ مٹھائی اور پانی کی جگہ شربت بھرا ہوا تھا جو تاحیات آپ کے کمرے کی زینت بنا رہا۔ ایک مرتبہ کسی دوست نے انجن سے دلچسپی کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا، مجھے اس کی چار ادائیں پسند ہیں :

۱۔ حوصلہ : کہ جتنی زیادہ آگ ڈالو، اتنا ہی تیز چلتا ہے۔

۲۔ وفا : جہاں خود جائیگا وہیں تمام ڈبوں کو بلا تمیز ساتھ لے جائے گا۔

۳۔ ایثار : خود چلتا ہے اور دوسروں کو منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے۔

۴۔ استقامت : ہمیشہ معین راستہ (لائن) پر چلتا ہے۔

گویا آپ نے بڑا عام فہم انداز میں مرشد کی خصوصیات بیان فرمادیں۔

علمی و روحانی تکمیل کے بعد حضرت اعلیٰ اقدس سرہ نے آپ کو اجازت و خلافت سے نوازا لیکن آپ کسی کو بیعت کرنے پر تیار نہ ہوئے تا آنکہ حضرت پیر سید مر علی شاہ قدس سرہ نے ارشاد فرمایا :

”جو شخص تمہارے ہاتھ پر بیعت کرے گا اس کا میں ذمہ دار ہوں۔“

۱۹۱۰ء میں آپ کی شادی ہوئی جس میں دیگر علماء و مشائخ کے علاوہ حضرت سید محمد دیوان پاکپتن شریف، حضرت صاحبزادہ خواجہ محمود تونسہ شریف، حضرت صاحبزادہ خواجہ ضیاء الدین سیال شریف، حضرت میاں شیر محمد شرقپوری، حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری اور حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لائٹنی علی پوری (قدست اسرار ہم) شریک ہوئے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

آپ متعدد دفعہ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے اور ہر دفعہ بیسیوں افراد آپ کے ساتھ ہوتے۔ ۱۹۴۴ء میں حرمین طیبین کی زیارت سے مشرف ہوئے اور زر کثیر حجاز مقدس کے غرباء، فقراء اور علماء میں تقسیم کیا۔ حضور غوث اعظم اور مولانا روی قدس سرہما سے عشق کی حد تک عقیدت و محبت تھی چنانچہ متعدد دفعہ بغداد شریف اور قونیہ شریف (ترکی) کا سفر کیا۔ ۱۹۴۸ء میں ایک سو آٹھ افراد کے ہمراہ بغداد شریف کا سفر کیا اور گرد و نواح کے تقریباً تمام مزارات مقدسہ پر حاضری دی۔ ہندوستان، افغانستان، عراق، شام، مصر، ترکی، ایران اور حجاز مقدس میں شاید ہی کسی بزرگ کا مزار ہو جہاں آپ نے حاضری نہ دی۔ ہر سفر میں آپ کے منظور نظر قوال جناب محبوب صاحب ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے جنھیں آپ کی تربیت نے اس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ بڑے بڑے اہل علم ان کا پڑھا ہوا کلام سنکر محو حیرت ہو جاتے ہیں۔

حضرت خواجہ غلام محی الدین قدس سرہ نے جامعہ غوثیہ (گولڑہ شریف) کی تعمیر و ترقی پر خاطر خواہ توجہ دی، کتب خانہ کی توسیع فرمائی، حضرت پیر مر علی شاہ قدس سرہ کی تصانیف عالیہ کی اشاعت کا اہتمام فرمایا، دیگر تقریبات کے علاوہ آپ کے زیر اہتمام حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس ماہ ربیع الثانی میں بڑے تزک و احتشام سے ہوتا، لاکھوں کے اجتماع کے باوجود نظم و نسق ایسا شاندار ہوتا تھا کہ کسی کو شکایت نہ ہوتی تھی۔

دو صاحبزادے آپ کی یادگار ہیں، حضرت شاہ غلام معین الدین مدظلہ (متولد ۱۹۲۰ء) اور حضرت شاہ عبدالحق مدظلہ، اول الذکر فرزند اکبر آپ کے جانشین ہیں۔ اہل نظر کا کہنا ہے کہ ان کی ذات سے سلسلہ عالیہ کو مزید ترقی و عروج حاصل ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت شاہ غلام معین الدین مدظلہ کے فرزند ارجمند حضرت صاحبزادے سید غلام نصیر الدین مدظلہ (متولد ۱۹۴۹ء) عبقری صلاحیتوں کے مالک ہیں

تذکرہ حضرت محدث دکن

وہ بیک وقت عالم دین اور بلند پایہ قاری ہیں، اردو، فارسی، عربی، پوربی زبان میں مشق سخن فرماتے ہیں۔ ان کے کلام کی پختگی اور ندرت تخیل میں اساتذہ کا رنگ جھلکتا ہے، ناواقف یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا کہ یہ ان کا کلام ہے لیکن چند لمحے ان کی مجلس میں بیٹھنے کے بعد تسلیم کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ مولانا حافظ مظہر الدین مدظلہ فرماتے ہیں:

”شاہ نصیر الدین کی نعتیہ شاعری رومی، جامی، سعدی کی صدائے بازگشت معلوم ہوتی ہے، کلام سے ہرگز یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ کسی جوان سال شاعر کا کلام ہے۔“

۲۲ جون (۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۴ء) بروز اتوار لاکھوں دلوں کے مرکز عقیدت حضرت خواجہ سید غلام محی الدین قدس سرہ کنبائٹڈ ملٹری ہسپتال، راولپنڈی میں وصال فرما گئے۔ دو لاکھ سے زیادہ افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے جوار میں آخری آرامگاہ بنی۔ جناب ابوالظاہر فدا حسین فدا مدیر مہر و ماہ، لاہور نے قطعہ تاریخ کہا:

ہوئے عازم سوئے جنت ہیں آج فدا! حضرت محی دیں، دیں پناہ
وہ شیدائی حسن محبوب خالق وہ مخمور و مست مئے لا الہ
سراپا تھے اک شرع دین نبی کا نشانات سر حقیقت کی راہ
چمکتے نہ چرخ ولایت پہ کیوں وہ رہی ان پہ مہر علی کی نگاہ
سن و صبر ان کا فدا بر محل کہوں ”رحلت ہادی خلق آہ“

۱۳۹۳ھ

(تذکرہ ص ۳۲۸)

۳۷۔ برہان الواصلین حضرت خواجہ پیر غلام محی الدین نقشبندی قدس سرہ

(نیریاں شریف)

حضرت خواجہ پیر غلام محی الدین ابن خواجہ محمد اکبر خان قدس سرہما افغانستان کے مردم خیز غزنی میں (۱۔ ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے ماموں حضرت مولانا گل محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ سے حاصل کی۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

اوائل عمر میں اخروٹ کی تجارت کیا کرتے تھے، ان دنوں بھی دینداری کا یہ عالم تھا کہ رات کو عبادت الہی میں مصروف رہتے۔ ایک دفعہ سر راہ بابا اقبال سے ملاقات ہو گئی، انہوں نے استفسار پر بتایا کہ میں اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی کی خدمت میں حاضری دینے جا رہا ہوں، آپ نے اس نام میں اتنا کیف و سرور محسوس کیا کہ جو کچھ جیب میں تھا، نکال کر بابا اقبال کو دے دیا اور کہا کہ غزنی کے ایک مسافر کا سلام اور یہ نذرانہ حضرت کی خدمت میں پیش کر دینا۔ جب حضرت خواجہ محمد قاسم کی خدمت میں بابا اقبال نے وہ نذرانہ پیش کیا تو انہوں نے فرمایا: دوبارہ ملاقات ہو تو اس شخص سے کہنا کہ:

”ہمیں تمہاری ضرورت ہے نذر و نیاز کی ضرورت نہیں ہے۔“

پھر کیا تھا کشاں کشاں بارگاہ شیخ میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور واپس آگئے، کاروبار تجارت ایک مرتبہ خوب چمکا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ تمام پس انداز رقم بھی خسارے کی نذر ہو گئی، صرف تین سو روپے باقی رہ گئے، اسی عالم میں بارگاہ شیخ میں حاضر ہوئے اور رقم پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ اسے بطور امانت رکھ لیں تاکہ بوقت ضرورت کسی سے مانگنے کی نوبت نہ آئے۔ مرشد کامل نے وہ رقم فقراء میں تقسیم کر دی جس سے آپ حد درجہ کبیدہ خاطر ہوئے۔ حضرت بابا جی موہڑوی قدس سرہ نے یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا ”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں،

تذکرہ حضرت محدث دکن

میں نے تمہارے لئے ایسا سودا رکھا ہوا ہے جس کے خریدار مشرق اور مغرب سے تمہارے پاس پہنچیں گے۔ اس فرمان سے اطمینان قلبی حاصل ہو گیا اور آپ یکسوئی سے شیخ کی خدمت اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔

بارہ سال تک منازل طریقت طے کرنے کے بعد مرشد کامل نے حکم دیا کہ آزاد کشمیر کے بے آباد مقام ڈنا پوٹھی میر خان (نیریاں شریف) کو اپنا مرکز بنا کر رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دو، وہ مقام جہاں دن کے وقت بھی جاتے ہوئے لوگ گھبراتے تھے آپ کے قدم مہینت لزوم سے اس طرح آباد ہوا کہ رات کے وقت بھی وہاں کی فضا ذکر و فکر کرنے والوں کے دم قدم سے معمور رہتی۔

سینکڑوں نہیں ہزاروں افراد آپ کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کر کے معصیت و نافرمانی کی زندگی سے تائب ہو گئے۔ آپ نے راولپنڈی، کیمبل پور، مظفر آباد، مردان، پوٹھوہار، میرپور، جہلم اور ہزارہ کے علاقوں کے متعدد دورے کئے، عوام الناس کو اتباع شریعت کی تلقین کی، بد مذہبوں سے کنارہ کشی اور مسلک اہل سنت و جماعت پر ثابت قدمی کا خوب خوب درس دیا۔ حق یہ ہے کہ ان کے وجود مسعود کی بدولت مسلک اہل سنت کو بہار تازہ حاصل ہوئی تھی، خدا کرے کہ یہ بہار ان کے گرامی قدر صاحبزادگان کے ذریعہ ترقی پذیر رہے۔ راقم الحروف (مولانا شرف قادری) چکوال میں ان کی زیارت سے مشرف ہوا تھا، کم گو، بارعب اور پر وقار شخصیت کے مالک تھے۔ مزاج میں استغناء بدرجہ اتم موجود تھا۔ اتباع شریعت اور معمولات کی ادائیگی کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔

آپ نے قریباً تیس حضرات کو خلافت عطا فرمائی، چند حضرات کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا مفتی پیر ہدایت الحق مدظلہ، مہتمم مدرسہ حقائق العلوم، حضرو

۲۔ جناب فیض محمد۔ آف تنہا پانی

۳۔ جناب غلام محمد۔ ساہیوال

تذکرہ حضرت محدث دکن

۴۔ جناب محمد شفیع۔ گوجر خان

۵۔ جناب محمد امیر، افغانستان

غالباً ۱۹۳۵ء میں آپ کی پہلی شادی ہوئی جس سے دو صاحبزادے یادگار ہیں :

۱۔ حضرت مولانا الحاج علامہ علاء الدین صدیقی مدظلہ

۲۔ جناب نظام الدین قاسمی

دوسری بیوی سے پانچ صاحبزادے ہیں :

۱۔ جناب امام ربانی

۲۔ غلام ربانی

۳۔ فضل ربانی

۴۔ شیر ربانی

۵۔ شمس العارفین

اول الذکر مولانا علاء الدین صدیقی مدظلہ والد ماجد کے جانشین ہیں، حج و زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں اور ایک عرصہ تک انگلینڈ میں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔

حضرت خواجہ غلام محی الدین قدس سرہ کے پیٹ میں ایک گولا سا پیدا ہو گیا، اپریشن ہوا تو پانی کی خاصی مقدار خارج ہونے کی وجہ سے کمزوری بہت ہو گئی لیکن آپ بدستور وضو کر کے باقاعدگی سے نماز ادا کرتے رہے۔ آپ کے معالج جناب جنرل شوکت علی اور آئی ڈی حسن نے وضو کرنے سے منع کیا اور نماز اشارے سے پڑھنے کو کہا تاکہ آپریشن کے ٹانگے ٹوٹنے نہ پائیں، آپ نے فرمایا:

”چھیالیس سال تک کوئی وقت بغیر وضو کے نہیں گزرا، اب مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ زندگی بھر کا معمول چھوڑ دوں، نماز حسب سابق ادا کروں گا، ٹانگے ٹوٹتے ہیں تو

تذکرہ حضرت محدث دکن

ٹوٹتے رہیں۔“

بارہ ربیع الاول، ۱۱ اپریل (۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء) کو نیریاں شریف کا نیر تاباں چشم ظاہر ہیں سے روپوش ہو گیا جسے خلق خدا حضرت خواجہ غلام محی الدین قدس سرہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ نیریاں شریف (تراڑ کھل، آزاد کشمیر) میں آج بھی آپ کے مزار سے سکون قلبی حاصل کرتے ہیں۔

حضرت پیر کرم شاہ مدظلہ، مدیر اعلیٰ ضیائے حرم تعزیتی کلمات لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”پچاس سال کے قریب یہ مرد کامل اپنی مسیحا نفسی سے مردہ دلوں کو حیات جاوید بخشتا رہا، ہزاروں گم کردہ راہ لوگوں نے ان کے دست حق پرست پر بیعت کی اور اپنے دلوں میں عشق الہی کا چراغ روشن کیا، آپ کے اخلاق حسنہ کا دامن اتنا وسیع تھا کہ اپنے قدموں میں حاضر ہونے والوں کو کبھی محروم واپس نہیں کیا، آپ کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تبلیغ دین میں بسر ہوئی۔ آپ سنت نبوی کا حسین پیکر تھے۔ ہم انتہائی قلبی رنج و اندوہ کے ساتھ لکھ رہے کہ صد حیف وہ چراغ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا جس کی تابناک کرنوں سے ہزاروں سینے منور ہو رہے تھے۔
انا للہ وانا الیہ راجعون“۔ (تذکرہ ص ۳۵۲)

۳۸۔ عارف ربانی حضرت مولانا سید فتح علی شاہ قادری قدس سرہ

(کھروٹ سیداں سیالکوٹ)

شیخ المشائخ حضرت مولانا سید فتح علی شاہ ابن سید امیر شاہ ابن قیوم زمان شاہ قدس سرہ
۱۱ ربیع الاول ۵ مارچ (۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۹ء) کو کھروٹ سیداں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد اور جد امجد اپنے دور کے مقتدر فضلاء میں شمار کئے جاتے تھے، آپ نے پرائمری پاس کرنے کے بعد درس نظامی کی ابتدائی کتابیں جد امجد سے پڑھیں پھر حضرت مولانا عبدالرحمن کوٹلوی (م ۱۲۹۸ھ) سے فقہ و حدیث کا درس لیا، بعد ازاں جامعہ حنفیہ، گجرات میں مولانا محمد عبداللہ سے اکتساب فیض کیا،

تذکرہ حضرت محدث دکن

کچھ عرصہ جامع مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی میں رہے پھر مدرسہ منظر اسلام، بریلی شریف میں دورہ حدیث کیا اور ۱۹۱۴ء میں سند حدیث حاصل کی، ۱۹۱۷ء میں جامعہ طبیبہ، دہلی سے طب کی سند حاصل کی، ۱۹۱۸ء میں دوبارہ بریلی شریف حاضر ہو کر سلسلہ عالیہ قادریہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ سے بیعت ہوئے اور ۱۹۲۰ء میں اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔

تکمیل علوم کے بعد اپنی زندگی تبلیغ اسلام کے لئے وقف کر دی، سیالکوٹ اور اس کے اطراف جموں و کشمیر اور اس کے گرد و نواح میں مسلسل دورے کئے اور عوام و خواص کو اسلامی تعلیمات اور مسلک اہل سنت سے روشناس کرایا۔ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۰ء تک سیالکوٹ چھاؤنی کی جامع مسجد میں فرائض خطابت انجام دیتے رہے اور فوجی جوانوں کے دلوں کو حب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جذبہ جہاد سے گرماتے رہے۔ ۱۹۵۳ء میں مسجد شہید گنج کی تحریک میں امیر ملت حضرت پیرسید جماعت علی شاہ قدس سرہ کی قیادت میں شاہی مسجد، لاہور کے تاریخی اجلاس میں شریک ہوئے۔ ۴ / اکتوبر ۱۹۳۹ء کو مراد آباد میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی قدس سرہ کی صدارت میں مؤتمر العلماء کا اجلاس ہوا، آپ علماء سیالکوٹ کے ساتھ اس عظیم الشان اجلاس میں شریک ہوئے۔ اپریل ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس کے فقید المسال اجلاس میں شریک ہوئے۔ قصبہ قصبہ، گاؤں گاؤں نظریہ پاکستان کی تبلیغ کی اور قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آباد کاری کے لئے زبردست جدوجہد فرمائی، ۱۹۵۳ء میں سیالکوٹ میں تحریک ختم نبوت کو بڑی کامیابی سے چلایا، غرض یہ کہ ملک و ملت کی بہتری کے لئے جو تحریک بھی اٹھی، حضرت شاہ صاحب نے دل و جان سے اس کے لئے کام کیا۔

آئینہ میں معیار صداقت، چہل حدیث، سچا ایمان، مجموعہ وعظ تین حصے اور مجموعہ شعار یادگار ہیں۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

۸ رجب ۱۸۰ جنوری ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء کو حضرت مولانا سید فتح علی شاہ قدس سرہ کا وصال ہوا، کھروٹہ سیداں ضلع سیالکوٹ میں آپ کا مزار ہے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا سید احمد حسن قادری، جامع حنفیہ کھروٹہ سیداں میں فرائض خطابت انجام دے رہے ہیں۔ (تذکرہ ص ۲۶۷)

۳۹۔ فاضل محقق حضرت مولانا فتح الدین اذہر انصاری حنفی قادری

حضرت مولانا فتح الدین اذہر ابن حکیم میاں غلام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ (۱۲۹۱ھ / ۵۔ ۱۸۷۳ء) میں خوشاب ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت اسید بن حضیر القاری الصحابی سے ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم خوشاب میں حاصل کی، منشی فاضل کا امتحان دیا، پھر موران والی مسجد، لاہور میں کچھ عرصہ پڑھتے رہے بعد ازاں حیدر آباد، دکن جا کر مولانا انوار الحق سے معقول و منقول کی تعلیم حاصل کی، انہوں نے آپ کی قابلیت کے پیش نظر اپنی صاحبزادی کا عقد آپ سے کر دیا۔ مزید تعلیم کے لئے جامعہ ازہر مصر بھی گئے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت سید ابراہیم قادری قدس سرہ (بغداد شریف) سے بیعت ہوئے اور سلوک قادریہ کی منازل طے کر کے اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ شیخ الدلائل مدنی مولانا شیخ ممتاز احمد المعروف بہ عارف اللہ شاہ نقشبندی قادری چشتی سے دلائل الخیرات شریف کی اجازت حاصل کی، مروجہ علوم دینیہ کے علاوہ طب میں بھی دسترس حاصل کی۔

امیر عثمان علی خان والی دکن کے ابتدائی دور میں شاہی طبیب اور قاضی القضاہ مقرر ہوئے۔ دس سال تک اس منصب کے فرائض انجام دیتے رہے۔ پھر ایک ناگوار واقعہ کے ظہور پر خوشاب واپس آگئے۔

حضرت مولانا فتح الدین اذہر رحمۃ اللہ تعالیٰ تفسیر عالم دین، حق گو اور کثیر التصانیف بزرگ تھے، آپ کی اکثر و بیشتر تصانیف حیدر آباد دکن سے شائع ہوئیں۔ چند تصانیف کے نام یہ ہیں۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

- ۱۔ مقدمہ تفسیر روح الایمان (تصنیف ۱۳۴۰ھ ، مطبوعہ امرتسر ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء)
 - ۲۔ تفسیر روح الایمان فی تشریح آیات القرآن (۱۳۲۲ھ - مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۳۶ھ ، پہلا پارہ ۲۲۶ صفحات پر مشتمل ہے)۔
 - ۳۔ الوقعۃ الاسلامیہ (محرم ۱۳۵۱ھ ، مطبوعہ قیومی کانپور ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۳ء صفحات ۲۳۳)
 - ۴۔ شرح ترکیب (ویباجہ گلستان مع حواشی مفید ، مطبوعہ لاہور ۱۳۲۶ھ - صفحات ۵۸)
 - ۵۔ کتاب العطا یا (علم میراث) مطبوعہ۔
 - ۶۔ خزینۃ المیراث (علم میراث) مطبوعہ
 - ۷۔ نقشۃ النوار الفرائض (علم میراث) مطبوعہ
 - ۸۔ صفوۃ المصادر العربیہ المعروف صرف اذبریہ (قلمی)
 - ۹۔ کتاب الصرف المعروف صرف کبیر (قلمی)
 - ۱۰۔ شجرۃ ولایۃ الشهداء (مطبوعہ)
 - ۱۱۔ ترجمہ و حاشیہ دلائل الخیرات (مطبوعہ) صفحات ۲۳۲
 - ۱۲۔ رسالہ مفتاح الدلائل (مطبوعہ)
 - ۱۳۔ قرار الانوار و مراداة الاسرار (عملیات) مطبوعہ
- آپ کے تلامذہ کا سلسلہ بہت وسیع تھا ، ان میں سے مولانا سید امیر علوی دہمیری قدس سرہ اور مولوی غلام مرشد (دیوبندی) کے نام معلوم ہو سکے ہیں۔
- آپ کے چند خلفاء کے نام یہ ہیں:
- ۱۔ مولوی حکیم محمد ظریف ابن میاں بہاء الدین (برادر زادہ مولانا فتح الدین اذبر) چونکہ مولانا اذبر کے ہاں نرینہ اولاد نہ تھی اس لئے ان کے وصال پر جانشین ہوئے۔ صاحب علم و فضل اور بہترین طبیب تھے۔ ۵۶ سال کی عمر میں ۲۷ / شوال ۱۳۹۴ھ کو وفات پائی۔

فرید الدین، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی رحمۃ اللہ تعالیٰ اور دوسرے طلباء کسب فیض کے لئے ان کے ہمراہ میرٹھ چلے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ابتداء ہی سے ذہن رسا، تقویٰ و پرہیزگاری اور سلامتی طبع ایسے اوصاف سے نوازا تھا۔ دور طالب علمی میں بھی آپ کی یہ صفات نمایاں رہیں۔ آپ کے فرزند ارجمند مولانا حسن الدین ہاشمی کا بیان ہے کہ:

” ایک مرتبہ ملتان کے سفر کے دوران جب میں نے مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو اپنے والد ماجد کے حوالے سے اپنا تعارف کرایا تو وہ خوشی سے اچھل پڑے اور فرمایا اچھا آپ مولانا فرید کے لڑکے ہیں؟ ہم انہیں طالب علمی کے دور میں مولانا فرید کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ وہ بہت قابل اور پرہیزگار طالب علم تھے اور اپنے ساتھی طلباء کو حمد اللہ وغیرہ پڑھایا کرتے تھے۔“

میرٹھ سے واپس آکر کچھ کتابیں والد گرامی سے اور زیادہ تر اپنے بڑے بھائی استاذ العلماء مولانا محب النبی دامت برکاتہم العالیہ سے پڑھیں اور سند حدیث بھی انہی سے حاصل کی۔

تقریباً ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد مدرسہ صلاحیہ بکار والا (ضلع لائل پور) میں اعزازی طور پر تدریس کا آغاز کیا اور تمام عمر اس مقدس فریضہ کو انجام دیتے رہے۔ آپ کا زمانہ تدریس بیالیس سال پر پھیلا ہوا ہے جس میں سے زیادہ تر وقت اپنے آبائی گاؤں بھونئی میں گزارا، اس کے علاوہ مختلف اوقات میں جامعہ غوثیہ، گولڑہ شریف، جامعہ محمدیہ بھیرہ، جامعہ رضویہ دار برٹن، دارالعلوم کھڈ شریف، دارالعلوم ترگ شریف، دارالعلم لالہ موسیٰ وغیرہ میں پڑھاتے رہے۔

آپ کو اپنے پیر طریقت اور شیخ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی۔ اسی طرح ان کے صاحبزادے حضرت پیر سید غلام محی الدین

رحمۃ اللہ تعالیٰ سجادہ نشین گولڑہ شریف سے بھی بے حد نیاز مندی رکھتے تھے، ان کا حکم کبھی نہ ٹالتے اور ان کے حکم کے مقابل ہر شخص کی بات کو ٹھکرا دیتے تھے، جس مدرسہ میں بھی تدریس کے لئے تشریف لے جاتے بیشتر اوقات قصبہ بھونئی میں گزارتے۔ بعض اوقات آپ کو اس جگہ تکالیف کا سامنا بھی کرنا پڑا لیکن آپ کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہ آئی۔

آپ مفتی کتب کے بیس بیس سبق یومیہ پڑھاتے رہے ہیں، اس کے باوجود باقاعدگی کے ساتھ ہر کتاب کا مطالعہ فرماتے اور طلباء کو بھی یہی تلقین فرماتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مطالعہ کے بغیر مدرس خود بے یقینی سے دو چار رہتا ہے، طلبہ کو یقین کی نعمت سے کس طرح بہرہ ور کر سکتا ہے۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ سحری کے وقت مختصر اور ادو وظائف پڑھنے کے بعد مطالعہ کتب میں مصروف ہو جاتے، نماز فجر سے ظہر تک اسباق پڑھاتے اور نماز کے بعد پھر مطالعہ میں محو ہو جاتے، عمر کے آخری حصہ میں ناسازی طبع کی بنا پر اسباق کم کر دیئے اور اسی تناسب سے اوراد و وظائف میں اضافہ ہو گیا۔

آپ بنیادی طور پر عالم دین، صوفی اور مدرس تھے اس لئے سیاست کے ساتھ کچھ زیادہ لگاؤ نہ تھا، لیکن دو مواقع ایسے آئے کہ آپ سرگرم سیاست ہوئے۔ ۱۹۳۶ء کے انتخابات کے موقع پر آپ نے مسلم لیگ کی پر زور حمایت کی اور دوسرے لوگوں کو بھی یہی تبلیغ کی جب بعض کانگریسی ذہن کے مولوی قائد اعظم پر تنقید کرتے تو آپ فرماتے:

”اس وقت کفر اور اسلام کا مقابلہ ہے، قائد اعظم ایک مسلمان ہے اور اسلام کا نمائندہ ہے جبکہ گاندھی کافر ہے اور کفر کا نمائندہ ہے، اس لئے اس موقع پر قائد اعظم کا ساتھ دینا اسلام کا ساتھ دینا ہے اور گاندھی کا ساتھ دینا دانستہ یا نادانستہ طور پر کفر کا ساتھ دینا ہے۔“

دوسرا موقع ۱۹۵۳ء میں آیا جب ناموس رسالت کے تحفظ کی خاطر مرزائیوں کے خلاف تحریک ختم نبوت شروع ہوئی، آپ نے بڑی تندہی سے اس میں حصہ لیا، تقریریں کیں، جلوسوں میں شریک ہوئے ایک جلوس آپ کی قیادت میں بھونئی سے حسن ابدال پہنچا، اس وقت تو حکومت نے آپ کو گرفتار نہ کیا لیکن جب راولپنڈی جا کر ایک جلوس میں شریک ہوئے تو گرفتار کر کے سنٹرل جیل بھیج دئے گئے جہاں اسی تحریک کے سلسلے میں آپ کے فرزند ارجمند مولانا حسن الدین ہاشمی پہنچ چکے تھے۔

آپ نہایت خوش اخلاق، کم گو، جمید عالم دین اور متواضع شخصیت تھے، تصنع اور تکبر سے انہیں کوئی واسطہ نہ تھا، سادگی کا پیکر مجسم تھے۔ ایک دفعہ دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور تشریف لے گئے اور راقم الحروف (مولانا شرف قادری) سے حمد اللہ پر مولانا احمد حسن کانپوری رحمۃ اللہ کے حاشیہ کا ایک نسخہ طلب کیا، میں نے منگوا کر دے دیا، اس وقت میرا ان سے تعارف نہ تھا اور چونکہ سرحد کے اکثر و بیشتر معمر افراد باریش ہوتے ہیں اور سر پر پگڑی باندھتے ہیں اس لئے مجھے یہ خیال تک نہ ہوا کہ یہ اپنے علاقے کے بہت بڑے فاضل ہوں گے۔ ان کے چلے جانے کے بعد کسی نے بتایا کہ مولانا فرید الدین تھے۔

اب مجھے بہت افسوس ہوا کہ میں ان کے شایان شان خاطر و مدارات نہ کر سکا تھا چنانچہ اسی وقت ایک طالب علم کو بھیج کر ان سے واپس تشریف لانے کی درخواست کی چنانچہ آپ بلا تکلف تشریف لے آئے اور فرمایا میرے پاس اس حاشیہ کا قلمی نسخہ موجود تھا لیکن جب مجھے پتہ چلا کہ یہ حاشیہ چھپ گیا ہے تو میں نے سوچا کہ لے لینا چاہیے، ان کے ذوق علمی اور بے نفسی نے مجھے بہت متاثر کیا۔

آپ سرورِ دو جہاں، محبوبِ ربّ انس و جاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار تھے، جب کبھی نعت شریف سنتے تو آپ پر رقت طاری ہو جاتی، اولیائے کرام کا بہت احترام کیا کرتے تھے، جہاں جاتے اہل اللہ کی جستجو میں رہتے۔

یکم صفر، ۱۷۰۰ جون (۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء) میں آپ کی شادی ہوئی، ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء میں مولانا حسن الدین ہاشمی کی پیدائش ہوئی، ڈیڑھ سال بعد ایک اور فرزند پیدا ہوا جو چند ماہ بعد فوت ہو گیا، چند سال بعد آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد آپ نے تجرد کی زندگی بسر کی۔ آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد ہیں لیکن جسمانی اولاد میں اس وقت صرف مولانا حسن الدین ہاشمی یادگار ہیں۔

۷ شوال، ۱۳۰ نومبر (۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء) کو صبح آٹھ بجے بھوئی کی مسجد غوثیہ کے ایک کمرے میں مصروف مطالعہ تھے کہ دل کا شدید دورہ پڑا اور آپ پر سکتہ کی حالت طاری ہو گئی، ساڑھے پانچ گھنٹے اسی حالت میں گزر گئے آخر دن کے ڈیڑھ بجے جان جان آفریں کے سپرد کر دی، ۱۵ نومبر کو حسب وصیت والد ماجد مولانا احمد الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ (تذکرہ ص ۳۷۵)

۳۱۔ مبلغ اسلام مولانا ڈاکٹر فضل الرحمن انصاری قدس سرہ

مولانا فضل الرحمن انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ دنیائے اسلام کے مایہ ناز مبلغ اور بین الاقوامی شخصیت کے حامل تھے انہوں نے اپنی ساٹھ سالہ زندگی کا اکثر حصہ تبلیغ اسلام میں صرف کیا، پاکستان کے علاوہ افریقہ، امریکہ، ایشیا اور یورپ کے مختلف ممالک میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں نمایاں کام کیا۔ مولانا انصاری اپنی دینی خدمات کی بنا پر عالم اسلام میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، مصر کے نائب وزیر اعظم ڈاکٹر عبدالعزیز کامل ۱۸ جون ۱۹۷۳ء کو مولانا انصاری کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے گئے اور ان کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

”ان کے انتقال سے عالم اسلام ایک جید عالم، مفکر اور اسلام کے مبلغ سے محروم ہو گیا ہے، میں اسلام کی تبلیغ کے لئے ڈاکٹر انصاری کے طریقہ کار سے بہت متاثر ہوں جو تعلیم یافتہ اور ذہین افراد کو متاثر کرتا تھا“

مولانا فضل الرحمن انصاری نے نو عمری میں قرآن پاک حفظ کیا، درسِ نظامی پر

تذکرہ حضرت محدث دکن

عبور حاصل کیا اور مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں ایک عرصہ تک تعلیم حاصل کرتے رہے، مولانا فرماتے تھے:

”جامعہ علی گڑھ سے سائنس فیکلٹی سے انٹری پاس کرنے کے بعد اسلامی عقائد کے بارے میں عجیب و غریب شکوک و شبہات دل میں پیدا ہونے لگے تھے بلکہ ایک وقت تو دماغ انکار پر مائل ہو گیا تھا۔“

لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ عالم اسلام کے عظیم ترین مبلغ مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی قدس سرہ سے ملاقات ہوئی، ان کی نگاہ کیمیا اثر نے دل و دماغ کی کایا پلٹ دی اور فکر و نظر کا دھارا صحیح سمت کو موڑا، جو دل انکار اسلام پر مائل تھا، دین فطرت کی محبت اور عظمت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا گوارہ بن گیا۔ پروفیسر محمود حسین صدیقی لکھتے ہیں:

”مولانا کی ذات وہ مرکز تھی جہاں عشق و عقل دونوں آکر ملتے ہیں، سیاح عالم مولانا حافظ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی قادری کی چشم کرم نے فضل الرحمن صاحب کے قلب و دماغ کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے نور سے منور کیا تھا، ایک مبلغ اسلام کی خصوصیات میں بنیادی چیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ محبت ہے اور یہ محبت کی چنگاری کسی محبت میں فنا فی اللہ والے کی نظر سے ہی منتقل ہوتی ہے اور پھر شعلہ بن کر جسد خاکی کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے تب ہی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام سے وابستگی اور اس میں ہمہ تن انہماک پیدا ہوتا ہے۔“

اب نہ صرف مولانا کے خیالات بدل گئے بلکہ وضع قطع میں بھی تبدیلی آگئی۔ فیکلٹی آف تھیولوجی میں داخلہ لیا، فلسفہ میں مولانا ظفر الحسن اور دینیات میں مولانا سید سلیمان اشرف کے شاگرد بنے، اول درجہ میں امتحان پاس کیا اور وہ امتیازی مقام حاصل کیا کہ طالب علمی ہی میں اساتذہ آپ پر فخر کرنے لگے۔

کراچی یونیورسٹی سے فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، پیر و مرشد مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی کے ساتھ دنیا بھر کے تبلیغی دورے کئے اور اپنی سحر انگریز خطابت سے دلوں کی دنیا پر نقشِ اسلام ثبت کیا، پیر و مرشد کے ساتھ پہلے دورہ دنیا کے بعد گزیٹڈ عہدے سے استعفاء دے دیا اور مکمل طور پر مطالعہ و تبلیغ کے لئے وقف ہو گئے۔ آپ نے دورہ فلپائن کا ایک مشاہدہ بیان فرمایا ہے جس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

۱۹۵۰ء میں کوتابا میں شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی ایک عظیم اجتماع سے خطاب فرمانے والے تھے، عین تقریر کے وقت برق و باراں کے آثار پیدا ہونے سے مجمع میں اضطراب پیدا ہونے لگا حضرت شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی نے نور بصیرت سے معلوم کر کے اعلان کرادیا کہ آپ اطمینان رکھیں بارش نہیں ہوگی۔ چنانچہ آپ کی دو گھنٹے کی ولولہ انگیز تقریر کے دوران بارش نہ ہوئی اور بعد میں موسلا دھار بارش ہوئی۔ یہ آپ کی بین کرامت تھی جس نے بے شمار دلوں کو متاثر کیا۔

مولانا انصاری کا یہ کارنامہ ناقابل فراموش ہے کہ آپ نے شمالی ناظم آباد، کراچی میں ایک ادارہ المرکز الاسلامی (ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشن) قائم کیا جہاں سے زیادہ تر غیر ملکی طلباء حالات حاضرہ کی ضروریات کے مطابق تبلیغ اسلام کی تربیت حاصل کر کے اپنے اپنے علاقوں میں فرائض تبلیغ انجام دیتے تھے۔ بقول مولانا انصاری اس ادارہ سے ۴۱ ادارے وابستہ ہیں جو دنیا کے گوشے گوشے میں فرائض تبلیغ انجام دے رہے ہیں خدا کرے کہ مولانا کے لواحقین اس ادارہ کو ان کے مشن کے مطابق چلاتے رہیں۔

مولانا فضل الرحمن انصاری انگریزی میں سحر انگیز تقریر فرماتے تھے۔ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں ممتاز اہل علم کے سامنے آپ نے بارہا تقریر کی اور بیشمار اہل علم آپ کی تقریر سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ قدرت نے

تذکرہ حضرت محدث دکن

(Thinker) کا خطاب دیا گیا، وہ کوئی سیاسی شخصیت یا سرمایہ دار نہیں تھے لیکن عالم اسلام میں لاکھوں افراد کے دلوں میں ان کا مقام ہے۔

ماہنامہ فکر و نظر میں ہے:

”ڈاکٹر انصاری نے ملک اور بیرون ملک خصوصاً افریقی اور لاطینی امریکہ میں وسیع پیمانہ پر تبلیغی کام کو منظم کیا تھا وہ بیرونی ممالک میں قائم شدہ اسلامی مشن کے وفاق کے بھی سربراہ تھے اور اس حیثیت میں متعدد ممالک کا دورہ کر چکے تھے۔ آپ کی تصانیف میں معاشرہ کی قرآنی بنیادیں نمایاں مقام رکھتی ہے، یہ کتاب انگریزی زبان میں ہے اور دو جلدوں پر مشتمل ہے، عصر حاضر کے اسلامی لٹریچر میں یہ کتاب ایک بہت ممتاز حیثیت کی مالک ہے۔“

مشہور شاعر ماہر القادری نے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے ان کی وفات کو ملت اسلامیہ کے لئے عظیم سانحہ قرار دیا، انہوں نے کہا کہ مرحوم کی تبلیغی، علمی اور دینی خدمات ناقابل فراموش ہیں اور مرکز اسلامی ان کے اخلاص اور عملی جدوجہد کا زندہ ثبوت ہے۔

جناب راغب مراد آبادی نے قطعہ تاریخ کہا:

تبلیغ سے کی بلند اسلام کی شان
تعلیم کی شمعیں بھی جلائیں ہر آن
پوچھو کوئی مہمانِ علم دیں سے
جو لانگہ علم دیں تھے فضل الرحمن

۱۹۶۳ء

آرزو اکبر آبادی نے یہ قطعہ تاریخ وصال لکھا:

وہ مسلخ تھے زالی شان کے اہل دل کو ہے انہی کی جستجو
جانشین حضرت عبدالعظیم جن کی شہرت ہے جہاں میں چار سو
دامن رحمت میں جا کر سو گئے ”عابد حق فضل رحمان“ آرزو

۱۹۶۳ء

(تذکرہ از مولانا شرف قادری ص ۳۷۹)

۴۲۔ صدر المشائخ مولانا فضل عثمان فاروقی مجددی قدس سرہ

مجاہد ملت ، صدر المشائخ حضرت مولانا پیر فضل عثمان مجددی ابن حضرت نور المشائخ مولانا فضل عمر المعروف بہ ملا شور بازار (متولد ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء متوفی ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۶ء) قدس سرہ ماہ جمادی الاولیٰ ، اگست (۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء) میں شور بازار کابل میں خاندان مجددیہ میں پیدا ہوئے آپ کے جد امجد سلسلہ عالیہ مجددیہ کے برگزیدہ بزرگ حضرت مولانا غلام قیوم قدس سرہ نے آپ کی پرورش فرمائی۔ سن شعور کو پہنچنے پر شور بازار کابل کے مشہور مدرسہ مجددیہ میں داخل ہوئے اور اپنے دور کے ممتاز افاضل سے علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی ، منازل سلوک طے کرنے کے لئے والد گرامی حضرت نور المشائخ کے دست اقدس پر طریقہ نقشبندیہ مجددیہ معصومیہ میں بیعت ہوئے اور جلد ہی خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔

دوسری جنگ عظیم میں والد ماجد کے ہمراہ جنوبی افغانستان میں تل کے مقام پر انگریزوں کے خلاف عملی جہاد میں حصہ لیا۔ ان حضرات کی برکت اور فضل ایزدی سے انگریزوں کو شکست تسلیم کرنا پڑی اور افغانستان کو حقیقی آزادی نصیب ہوئی۔ جب بچہ سقہ نے غازی امان اللہ کے خلاف بغاوت کی تو حضرت صدر المشائخ پیر فضل عثمان ، افغانستان کے شمالی علاقہ ترکستان میں مقیم تھے۔ آپ نے باغیوں کے خلاف جنرل غلام نبی خان سے مکمل تعاون کیا۔ ترکستان میں بچہ سقہ کے گورنر عطا محمد نے حضرت صدر المشائخ کو قید کر دیا اور جبر و تشدد کے ذریعے بچہ سقہ کی حمایت پر مجبور کیا، آپ نے واضح طور پر فرمایا:

”وہ لیٹرے اور غاصب کو کسی قیمت پر بھی مسلمانوں کا بادشاہ تسلیم نہیں کریں گے، بدطینت بچہ سقہ کے سامنے کبھی بھی اپنا سر نہیں جھکانیں گے۔“ گورنر عطا محمد نے آپ کے ناقابل شکست خیالات سے آگاہ ہو کر پھانسی کا حکم دے دیا۔ اسی اثنا میں جنرل غلام نبی خان نے زبردست حملہ کر کے مزار شریف بلخ اور ترکستان کے

تذکرہ حضرت محدث دکن

علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح آپ بفضلہ تعالیٰ محفوظ رہے، چند دن بعد غازی امان اللہ نے اقتدار سے دستبردار ہونے کا پیغام بھیج دیا۔ اس لئے حضرت صدر المشائخ نے افغانستان سے معززین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ تاشقند کا عزم کیا۔ حکومت روس نے یہ پابندی عائد کر دی کہ تاشقند کے علاوہ نہ تو کسی جگہ قیام کر سکتے ہیں اور نہ نقل و حرکت کی اجازت ہے۔ آپ نے اہل و عیال سمیت آٹھ ماہ اس پابندی میں گزارے، اتنے میں نادر شاہ نے بچہ سقہ کی حکومت کا تختہ الٹ کر بادشاہت قائم کر لی اور آپ کو کابل بلا کر وزارت انصاف (عدلیہ) میں اصلاح امور شرعیہ کا رکن نامزد کر دیا جب آپ نے محسوس کیا کہ یہ وزارت اپنے فرائض کما حقہ ادا نہیں کر سکتی تو مستعفی ہو کر ارشاد و تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔

۱۹۳۸ء میں جب یہودیوں نے فلسطین کے عرب مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر انہیں بے دخل کرنا شروع کیا تو حضرت صدر المشائخ نے اپنے والد ماجد کے ساتھ مل کر پورے افغانستان کا دورہ کیا اور لاکھوں روپے جمع کر کے مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی کے توسط سے مظلوم مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے لئے بھجوائے۔

حضرت نور المشائخ مولانا فضل عمر قدس سرہ نے جب غزنی میں ایک دینی ادارہ نور المدارس کے قیام کا ارادہ کیا، تو حضرت صدر المشائخ نے بے پناہ کوشش سے اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور ایک عرصہ تک اس مدرسہ کے نائب صدر رہے۔ تحریک خلافت کے سلسلے میں مولانا محمد علی جوہر اور دوسرے لیڈروں نے افغانستان کا دورہ کیا تو آپ نے پورا پورا تعاون کیا، تحریک پاکستان کی حمایت میں آپ نے تمام مریدوں کو خاص ہدایات جاری کیں چنانچہ آپ کی تحریک پر قبائلی اور پوہندہ افغانوں نے کشمیر کے محاذ پر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قیام پاکستان کے بعد افغانستان اور پاکستان کے درمیان بعض عناصر کے پیدا کردہ اختلافات کو ختم کرنے کے لئے آپ نے مسلسل جدوجہد کی اور یہ کوشش تا حیات جاری رکھی۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۶ء میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ واپسی پر جب کراچی پہنچے تو حسین شہید سہروردی، فیروز خان نون اور پاکستان کی وزارت خارجہ کے اعلیٰ افسروں نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا۔ اس موقع پر آپ نے دورانِ تقریر آزادی کشمیر کا اعلان فرمادیا اور کہا کہ ہم اس تحریک کے لئے جہاد کو جاری رکھیں گے۔

بعض مریدین کی خواہش پر آپ نے دہلی، کاٹھیاواڑ، بمبئی، گلگتہ اور مشرقی پاکستان کا دورہ کیا اور جا بجا عالم اسلام اور افغانستان و پاکستان کے اتحاد پر زور دیا۔ اس دورے سے واپسی پر جب کراچی میں افغانستان کے سفارتخانے میں پاسپورٹ پیش کیا تو سفیر نے حکومت افغانستان کے اتناعی حکم کی بنا پر پاسپورٹ کی تجدید یا توسیع سے انکار کر دیا۔ ان حالات میں آپ نے ایک سال کراچی میں قیام فرما کر گلبرگ لاہور میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ نو سال بعد جب حالات معمول پر آئے تو آپ نے اہل و عیال کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔

مکرمی پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ نے آپ کے پاکستان میں قیام کا سبب یوں تحریر فرمایا ہے:

”جس زمانے میں افغانستان میں عریانیت اور غیر شرعی امور کی ترویج ہوئی تو آپ نے سخت مخالفت کی چنانچہ اسی وجہ سے آپ ترک وطن پر مجبور ہوئے اور پاکستان میں قیام فرمایا۔ صدر پاکستان محمد ایوب خان نے آپ کی بڑی قدر و منزلت کی۔“

۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں جب ہندوستان نے اعلان جنگ کے بغیر پاکستان پر حملہ کیا تو حضرت صدر المشائخ نے اپنے تمام مریدین کو اس جہاد میں شریک ہونے کی تلقین فرمائی، چنانچہ قبائلی علاقہ کے مجاہدین نے آپ کی آواز پر لبیک کہی اور ہر محاذ پر سرفروشانہ خدمات انجام دیں۔ غرض یہ کہ آپ نے اپنی تمام زندگی عام پیروں سے مختلف گزاری اور ہمیشہ اعلیٰ کلمۃ الحق اور عالم اسلام کے اتحاد کی کوشش کرتے رہے۔ جمعیت علماء پاکستان کی ہمیشہ سرپرستی فرماتے رہے۔ آپ کے مریدین

تذکرہ حضرت محدث دکن

کا حلقہ افغانستان اور پاکستان کے اندر پھیلا ہوا ہے۔

۱۵ ربیع الاول ۱۸۰ اپریل (۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء) کو دن کے ایک بجے البرٹ وکٹر ہسپتال میں اہل سنت کے محبوب رہنما حضرت صدر المشائخ پیر فضل عثمان مجددی قدس سرہ کا وصال ہوا۔ ۱۶ ربیع الاول کو ایک خاص چارڈ طیارے کے ذریعے آپ کے جسد مبارک کو کابل پہنچا دیا گیا جہاں آپ کو آپ کے والد ماجد کے مزار انور کے پہلو میں خانقاہ عالیہ مجددیہ، قلعہ جواد میں دفن کر دیا گیا۔

مولانا سید شریف احمد شرافت مدظلہ العالی نے قطعہ تاریخ وصال کہا:

شد ز دنیا چوں سوئے دار الخلد	آں؛	شہنشاہ	ذروۃ	ثقلین
نسل پاک مجدد سرہند	ابن	فضل عمر	مہ	حسنین
آں کہ صدر مشائخ دیں بود	محرم	راز	سید	کونین
فیض و رشدش بہ کابل و لاہور	فخر	فاروق	و	مظہر
سال ترحیل وے شرافت گفت	فضل	عثمان	،	قبلہ
				دارین

۱۹۷۳ء

ولہ ایضا:

بگو ترخیصِ آں فخر المشائخ کہ محبوبِ جہاں صدر المشائخ

۱۳۹۳ھ

دیگر مادۃ تاریخ:

” حاجی ہادی غفرہ اللہ ”

۱۳۹۳ھ

حضرت مولانا فضل عثمان مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے وصال کے بعد ان کے فرزند ارجمند پیر فضل الرحمن مجددی مدظلہ (متولد ۲۲ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء) کو

تذکرہ حضرت محدث دکن

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا سید ابو البرکات قادری مدظلہ العالی نے پاکستان اور افغانستان کے علماء و مشائخ کی متفقہ رائے سے بدر المشائخ کا خطاب دیا اور دستار بندی کرائی۔ (تذکرہ ص ۳۸۳)

۳۳۔ علامہ زمن مولانا فیض الحسن فیض جہلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ادیب یگانہ ، فاضل اجل مولانا فیض الحسن ابن مولانا علامہ محمد حسن فیضی قدس سرہما ۲ جمادی الاول ۱۲۷۰ / اپریل (۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۰ء) کو بمقام بھیس تحصیل چکوال (ضلع جہلم) میں پیدا ہوئے علوم دینیہ کی تحصیل اپنے والد ماجد فتح قادیانیت مولانا محمد حسن فیضی سے کی ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ آپ ایک عرصہ تک لاہور کی مشہور دینی درس گاہ جامعہ نعمانیہ میں مدرس رہے ، امیر حزب اللہ پیر شید فضل شاہ جلالپوری آپ کے تلامذہ میں سے تھے۔

مولانا فیض الحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے والد گرامی کی طرح ادب عربی کے بینظیر فاضل اور قادر الکلام شاعر تھے۔ امام الائمۃ ، مالک الائمۃ ، سراج الائمۃ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں ایک قصیدہ عربیہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کیف اثنیہ	جل من اثناء	مل فی وصفہ	حجی العلماء
جل عما نقول	فیہ کما جل	باوصافہ	عن النظراء
امانا بل	امام کل امام	و رکن قصر الشریعۃ	الغراء
حیوة دین	ابو حنیفہ	صین	المکرمات و سند الاصفیاء
کان و اللہ	روضۃ الدین فی	الغبراء اغصانہ	علی الحضراء
قر الفلک	آفل کل یوم	ولذاک السکون	وسط سماء
لا بہ آفة	احقاق و ان لا	یبصر الفضل	مقلتہ عمیاء
تم انظم ایھا	الفیض و استغفر	لما قد جنیت	من اخطاء

ترجمہ:

”میں ان کی کیسے تعریف کروں، وہ تو تعریفوں سے بلند ہیں، ان کی تعریف میں اہل علم کی عقول عاجز ہیں۔ وہ ہماری تعریف و توصیف سے بلند ہیں، جیسے صفات میں اپنے معاصرین پر فائق ہیں۔“

”وہ ہمارے بلکہ ہر امام کے امام ہیں اور قصر شریعت کے ستون ہیں ابو حنیفہ دین کی زندگی، فضائل کا منبع اور اہل صفا کے لئے مرجع ہیں۔ بخدا آپ دین متین کا ایسا باغ تھے کہ جنگل میں ہوتے ہوئے اس کی شاخیں آبادی پر چھائی ہوئی تھیں۔ آسمان کا چاند ہر دن ڈوب جاتا ہے لیکن امت مسلمہ کا چاند آسمان کے وسط میں قائم و دائم رہتا ہے۔ وہ چاند (امام ابو حنیفہ) گرہن کی آفت سے محفوظ رہے اگرچہ اندھی آنکھ اس کی فضیلت کو نہ پاسکے اے فیض اپنی نظم مکمل کر اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگ۔“

مولانا فیض الحسن کو اپنے والد ماجد کی طرح شیخ الاسلام و المسلمین حضرت پیر سید مر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ سے والہانہ عقیدت تھی چنانچہ انہوں نے ایک عربی قصیدے میں گھمائے عقیدت اس طرح پیش کئے ہیں جیسے ایک مرید صادق اپنے مرشدِ کامل کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے، فرماتے ہیں:

ایا من لک الحسنی وانت مدارھا	ایک المعالی والمکارم	تنب
لعمری انت الفرد فی الجد والتقی	واوحد فی الاقرآن جبر مدرتب	
و کم مدع للفقیر من غیر حجہ	و خدع للجمال مکرا و یغلب	
و لکنہ فی الناس حظک وافر	و جدک یعلو کل یوم و یغلب	
جمیت من الرحمن رشدًا و برکتہ	فکل فعال من فعالک اطیب	
ومن جاء یرجو من جنابک ینصرف	باضعف ما قد کان یرجو و یطلب	
و فی یدک الیمینی کodus ہدایۃ	و طالبھا یسعی الیھا و یشرب	

تذکرہ حضرت محدث دکن

و وجهک میمون و فیہ شہادۃ بانک خیر الخب طرا و انجب
 من السادۃ الاخیار کالوا اعزۃ برضاتہ کل یحییٰ و یدہب
 ورثت من الآباء فحزا و سوددا و ہمتک العلیا و نفسک تکب
 و امک خیر الام بل غایۃ المنی و رویاک اعلیٰ فی اللواد واعذب
 و شمس سموات تروح و تغدی و شمس علیٰ شمسنا لیس تغرب
 ا مولای ہل نظر الیٰ تکرا و نفسی فی العصیان تسعی و عذاب
 و ہل کان لی فی کاسک الخیر شریۃ افوز بها ام انی اتخب
 الست من القوم الذین یمینہم بزن فیوضات تسیل و تکب
 ولم اتکلف فی مدحک انی اردت فجرائل اہلی مدحک و اکتب
 کما انہ نظمی عجیب باسره کذاک و ربی انت فی الخلق اعجب
 و حاجات نفسی و اللہ کثیرۃ فحنام یا مولای فیما اعزب
 و مشک یرجی فی الامور لکلھا و نفع الیہ کما نھیب
 فھب لی بما انی و انک تعلم و فیضک بین الناس یحوی و ینھب

(ترجمہ) ” اے ممدوح! آپ حسنات و برکات کے جامع اور محور ہیں، فضائل و کمالات آپ کی طرف ہی منسوب کئے جاتے ہیں۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم آپ تقویٰ و بزرگی میں بے مثل اور معاصرین میں بے نظیر بلند پایہ عالم ہیں۔ بہت سے لوگ کسی دلیل کے بغیر فقر کے مدعی ہیں اور جاہلوں کو مکرو فریب سے لوٹتے ہیں۔ لیکن تمام لوگوں میں فقر کے اعتبار سے آپ کو وافر حصہ ملا ہے اور آپ کی کوشش و ہمت ہر دن بلند سے بلند تر ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے رشد و برکت سے نوازا ہے اس لئے آپ کا ہر فعل پاکیزہ ہے۔ جو شخص بھی آپ کے دربار میں آرزو لے کر آیا وہ امید سے کہیں زیادہ بامراد ہو کر لوٹا۔ آپ کے متبرک ہاتھ میں ہدایت کے جام ہیں، ہدایت کے طالب آتے ہیں اور ان سے سبامب ہوتے ہیں۔ آپ کے چہرہ انور

میں یمن و برکت اور اس بات کی شہادت ہے کہ آپ ہر انتخاب سے بہتر اور صاحب عزت ساداتِ اخیار سے نجابت میں فائق ہیں اور ہر شخص کی آمد و رفت آپ کی رضا مندی سے ہے۔ آپ کو فخر اور سیادتِ آباء سے ورثہ میں ملی ہے آپ کی ہمت بلند اور ذاتِ اقدس کریم ہے۔ آپ کی زیادت کا قصد بہترین مقصود بلکہ انتہائے آرزو ہے اور آپ کی زیارت میں دل کے لئے لذت و سرور ہے۔ آسمان کا سورج کبھی طلوع اور کبھی غروب ہوتا ہے جبکہ مہر علی ہمارا اور آفتاب ہے جسے غروب نہیں ہے۔ آقا کیا آپ مجھ پر نظر کرم فرمائیں گے میرا نفس گناہوں میں کوشاں اور محو ہے۔ کیا آپ کے خیر و برکت والے جام میں میرا حصہ ہے مجھے بھی حصہ ملے گا یا میں محروم ہی رہوں گا؟ کیا میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جنہیں آپ کے فیوضات عامہ کے بادل سے نوازا جاتا ہے۔ میں نے آپ کی مدح میں تکلف سے کام نہیں لیا بلکہ میرے ارادہ کرنے پر جبریل امین مجھے لکھاتے جارہے ہیں اور میں لکھتا جا رہا ہوں۔ جس طرح میری نظم تمام تر عجیب ہے اس طرح آپ تمام مخلوق سے نہایت عجیب ہیں۔ بخدا میری حاجتیں بکثرت ہیں، آقا! میں ان کے عذاب میں کب تک جلتا رہوں گا۔ آپ ایسی شخصیت ہی سے تمام امور کے حل کی توقع کی جاسکتی ہے، کوئی بھی تکلیف ہو ہم آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ میری آرزو پوری کیجئے جسے آپ جانتے ہیں، آپ کا فیض لوگوں میں عام ہے جس سے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔“

مولانا فیض الحسن فیض نے متعدد کتابوں کا اردو ترجمہ کیا، اس وقت جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ علم الکلام۔ از امام غزالی قدس سرہ

۲۔ تجرید الاحادیث از امام عبدالرؤف مناوی قدس سرہ

۳۔ حدائق الاخبار۔ از محمد صادق فرغانی

تذکرہ حضرت محدث دکن

۳۔ سیرت محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) از ثالثانی (مفکر روس)
ان کے علاوہ انسائیکلو پیڈیا، شائع کردہ پیسہ اخبار، لاہور کی تدوین و ترتیب میں آپ
کا بہت بڑا حصہ تھا۔

جمادی الاولیٰ، نومبر (۱۳۳۷ھ / ۱۹۲۸ء) میں اس جلیل القدر علامہ کا وصال ہوا اور
اپنے آبائی گاؤں بھیں تحصیل چکوال (ضلع جہلم) میں محو استراحت ابدی ہوئے۔
۳۳۔ استاذ العلماء مولانا محمد قدیر بخش بدایونی قدس سرہ

حضرت مولانا علامہ محمد قدیر بخش ابن مولانا مفتی حافظ بخش رحمہما اللہ تعالیٰ
۱۳۰۷ھ / ۱۸۸۹ء میں آنولہ (مضافات بریلی) میں پیدا ہوئے، والد ماجد نے تاریخی
نام منظور الجیب ۱۳۰۷ھ تجویز کیا درس نظامی کی اکثر و بیشتر کتابیں مدرسہ
شمس العلوم، بدایوں میں حضرت والد ماجد سے پڑھیں شرح جامی کی ابتداء مولانا
شاہ عبدالقادر بدایونی قدس سرہ سے کی اور بعض درسی کتابیں بھی ان سے
پڑھیں۔ ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء میں حضرت تاج الفحول شاہ عبدالقادر بدایونی قدس سرہ
کے عرس کے موقع پر سند اور دستار فضیلت حاصل کی بعد ازاں حکیم سید حسن مراد آبادی
سے دو سال میں طب کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۲۰ء میں مدرس شمس العلوم،
بدایوں میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا
امتحان پاس کیا، ۱۹۲۳ء میں مدرسہ تعلیم الاسلام جے پور میں صدر مدرس مقرر
ہوئے اور ۳۲ سال تک نہ صرف محنت و جانفشانی سے علوم دینیہ پڑھائے بلکہ سماجی
اور اصلاحی کاموں میں بھی گرانقدر خدمات انجام دیتے رہے۔

حضرت علامہ مولانا محمد قدیر بخش قدس سرہ ۱۹۵۶ء میں مستقل طور پر پاکستان
(حیدرآباد، سندھ) تشریف لے آئے اور یہیں آپ کا وصال ہوا۔ تمام زندگی آپ کا
مقصد علوم دینیہ کی اشاعت رہا۔

پروفیسر محمد ایوب قادری کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”میری زندگی کا نصب العین علومِ دین کی اشاعت ہے، بحمد اللہ تعالیٰ میں اپنے اساتذہ کے مسلک کے مطابق اس باب میں جدوجہدِ عمل میں لا رہا ہوں، میں نے درسِ نظامی کے مروجہ نصاب کی ہی تعلیم جاری رکھی جو بڑی بابرکت ہے اور جامعیتِ علوم و فنون کے اعتبار سے درسِ نظامی اکمل ترین نصاب ہے، اس نصاب کی تکمیل سے تمام علوم و فنون کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ درسِ نظامی ملا نظام الدین سہالوی علیہ الرحمۃ کی زندہ کرامت ہے جن کا فیض ہمیشہ جاری رہے گا، اس درس کے ساتھ ساتھ زمانہ کے رجحانات کے پیش نظر پنجاب اور الہ آباد کی یونیورسٹیوں کے نصابوں کی تعلیم بھی جاری رکھی جو درسِ نظامی میں قدرے ترمیم کے بعد ترتیب دیئے گئے ہیں۔“

آپ کی تصانیف میں سے ایک رسالہ کتاب النکاح و الطلاق ۱۹۵۶ء میں حیدرآباد، سندھ میں شائع ہوا، ایک اور رسالہ علم الفرائض کا مسودہ آپ کے فرزند مولوی عبدالباری کے پاس محفوظ ہے۔

آپ کے طویل عرصہ تدریس میں سینکڑوں علماء نے آپ سے اکتساب کیا۔ چند تلامذہ کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حضرت مفتی عزیز احمد مدظلہ العالی خطیب جامع مسجد جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو، لاہور

۲۔ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

۳۔ مولانا عبدالخالد بدایونی

۴۔ مولانا عبدالواحد عثمانی

۵۔ مولانا عبدالخلیم چشتی

۶۔ مولانا نادر حسین بدایونی

۷۔ مولانا محمود الحسن بدایونی

تذکرہ حضرت محدث دکن

۸۔ مولانا عبدالقیوم ناطق، بے پوری

۹۔ میر سرفراز علی بے پوری

۱۰۔ مولانا حکیم نسیم الدین نقوی (حیدرآباد، سندھ)

۱۱۔ پروفیسر کے۔ ایل وٹہ (مہاراج کالج بے پورا)

۱۲۔ حافظ مبارک علی نابینا (سابق ایم ایل اے، حیدرآباد سندھ) وغیرہم۔

حضرت مولانا محمد قدیر بخش قدس سرہ کا وصال ۹ ربیع الثانی، ۱۳ نومبر (۱۳۷۶ھ /

۱۹۵۶ء) بروز ہفتہ حیدرآباد، سندھ میں ہوا، پروفیسر محمد ایوب قادری نے تاریخ

وفات کھی :

”ہائے ہائے مولانا قدیر بخش“

۱۳۷۶ء

مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے قطعہ تاریخ وصال کہا جس میں مولانا کی ساری زندگی کا عکس موجود ہے:

دلی صفت تھے محمد قدیر بخش، ضیاء
پدر بھی آپ کے تھے عالم و ولی و فقیہ
حدیث و منطق و تفسیر و فقہ و علم کلام
تھے آپ باہمہ اوصاف علم و زہد و سلوک
سند فراغ کی تھی دست مقتدر سے ملی
چلے بدایوں سے بے پور میں اقامت کی
برائے چندے، ریاست سے آئے پاکستان
پہر تھے آپ کے مسکن گزین حیدرآباد
نثار شان قضاء و قدر بحکم قدیر
ہزار حیف! سدھارے بہشت کو مرحوم

تھے علم و فضل میں یکتائے عصر بے تمثال
تھے آپ بھی ہمہ تن علم و فضل و زہد و کمال
غرض تھے ماہر ہر فن، بغیر قیل و قال
خلیق و نیک صفت، متقی فرشتہ خصال
رہے مدرس اعلیٰ وطن ہی میں کچھ سال
تھے قدردان، ریاست کے سارے اہل کمال
یہاں مقیم تھے ممدوح کے کچھ اہل و عیال
یہیں قیام پذیر آپ بھی ہوئے فی الحال
پدر کا ہو گیا نور نظر کے گھر میں وصال
ہیں قادر یوں کے دل ان کے غم میں محو ملال

تذکرہ حضرت محدث دکن

میرے حبیب و صدیق و ولی تھے مولانا
کریم ! بعد فنا مغفرت کرے ان کی
ضیاء تلاش ہے تاریخ کی تو کہہ دیجئے
میں ان کی دید سے محروم رہ گیا امسال
سکون و صبر عطا ہو برائے اہل و عیال
”مولیٰ حبیب محمد قدیر بخش“ ہے سال

۱۳۶۶ھ

(تذکرہ از مولانا شرف قادری ص ۳۹۸)

تذکرہ حضرت محدث دکن

۴۵۔ مولانا علامہ حکیم محمد قطب الدین جھنگوی قدس سرہ العزیز

مناظر جلیل، طبیب حاذق حضرت مولانا حکیم محمد قطب الدین ابن مولوی احمد بخش موضع پیرکوٹ سدانہ (ضلع جھنگ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی بعد ازاں صرف و نحو کے امام مولانا حافظ جمال اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گھوٹہ (ضلع ملتان) میں حاضر ہوئے اور صرف سے لے کر عبدالغفور (حاشیہ شرح جامی) اور متن متین تک کتابیں پڑھیں، حضرت حافظ صاحب کے وصال کے بعد شمس العلماء مولانا غلام حسین قریشی ساکن تلیری کی خدمت میں مصروف تعلیم رہے، اس کے بعد دہلی چلے گئے اور طبیبہ کالج دہلی میں داخل ہوئے۔ یکم رمضان المبارک، ۱۳۰۱ جولائی۔ ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء) کو فاضل طب و جراحی کی سند اور تمغہ حاصل کر کے واپس پنجاب تشریف لائے۔

آپ کو طالب علمی کے دور ہی سے تقریر و مناظرہ سے دلچسپی تھی۔ قیام دہلی کے دوران مسلمانان دہلی نے فوارہ کے مقام پر مخالفین اسلام کے اعتراضات کے جواب دینے کے لئے آپ ہی کو منتخب کیا ہوا تھا۔ آپ نے دہلی، آگرہ وغیرہ مقامات میں عیسائی اور آریہ مبلغین سے مناظرے کئے اور انہیں شکست فاش دی، بڑے بڑے مناظر آپ کا سامنا کرنے سے پہلو تھی کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آگرہ میں ایک آریہ کیساتھ آپ کا مناظرہ ہوا، شرائط مناظرہ میں ایک بات یہ طے ہوئی کہ کوئی ایسا مسئلہ پیش نہ کیا جائے جو فریقین میں مشترک ہو۔ آریہ نے اسلام پر اعتراض کیا کہ اس مذہب میں انصاف نہیں ہے۔ مثلاً جب مسلمان کی ہوا خارج ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا اور پھر لطف یہ کہ جہاں سے ہوا خارج ہوئی اس کو دھونے کی بجائے دوسرے اعضاء کو دھونا شروع کر دیا جاتا ہے۔ مولانا نے فرمایا: تم شرائط مناظرہ کی خلاف ورزی کر رہے ہو کیونکہ یہ مسئلہ فریقین میں مشترک ہے، دیکھو جب تمہارا کوئی آدمی مرجاتا ہے تو اس کے چند خاص رشتہ دار چاہے اس سے ہزاروں میل کے فاصلے

پر ہوں خبر ملتے ہی غسل کرتے ہیں، کپڑے دھوتے ہیں، برتنوں اور چوکے کی صفائی کرتے ہیں مرنے والا ہزاروں میل دور ہے اور اس کی پلیدی یہاں اثر کر رہی ہے، وضو کے اعضاء تو پھر بھی قریب ہیں۔

آریہ مناظر نے دوسرا اعتراض کیا: تم چند کلمات پڑھ کر جانور کو چھری، چاقو سے ذبح کر دیتے ہو، میں پوچھتا ہوں وہ جانور پہلے حلال تھا یا ان کلمات کے پڑھنے سے حلال ہوا؟ اگر پہلے ہی حلال تھا تو کلمات پڑھنے کی کیا ضرورت؟ اور اگر ان کلمات کے پڑھنے سے حلال ہوا ہے تو چاہئے کہ بلی کتے پر بھی یہی کلمات پڑھ کر ذبح کر کے کھا جاؤ، مولانا نے فرمایا۔ پنڈت صاحب ذرا ہوش سے بات کرو، تم پھر شرائط کی خلاف ورزی کر رہے ہو، کیونکہ یہ مسئلہ بھی فریقین میں مشترک ہے، دیکھئے جب آپ نکاح پڑھاتے ہیں تو آپ کا برہمن ”بھوج“ پڑھتا ہے اور دولہا کو دلن کے گرد چند چکر دلاتا ہے۔ اب بتائیے کہ بھوج پڑھنے اور چکر دلانے سے دلن، دولہا پر حلال ہوئی ہے یا پہلے ہی حلال تھی؟ اگر پہلے ہی حلال تھی تو بھوج پڑھنے کی کیا ضرورت؟ اور اگر ان کلمات سے حلال ہوئی ہے تو چاہئے کہ بھوج پڑھ کر اور چکر کاٹ کر ماں بہن کو بھی حلال کر کے نکاح میں لے آؤ! غرض مولانا کی سخت گرفت پر آریہ مناظر کو راہ فرار کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔

مسئلہ تقلید شخصی پر موضع بدوآند تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ میں مولوی شہاب اللہ امرتسری سے مناظرہ کیا اور فتح مہین حاصل کی، اس مناظرہ میں احناف کی طرف سے مولانا محمد قطب الدین کے علاوہ مولانا غلام حسین تلیری، مولانا غلام محمد گھوٹوی اور مولانا نظام الدین ملتانی شریک تھے، اور غیر مقلدین کی طرف سے مولوی شہاب اللہ، مولوی عبدالحمید بدو آنوی، مولوی عبدالوہاب دہلوی اور مولوی محمد یار حویلی بہادر شاہ موجود تھے۔ ۲۵ / ستمبر ۱۹۲۵ء کو روڈ چدھڑ (ضلع لائل پور) میں مولوی فیض محمد لکھیانوی (مخالف صحابہ) سے مناظرہ کیا اور پانچ اہم مسائل پر گفتگو کر کے زبردست فتح

تذکرہ حضرت محدث دکن

حاصل کی، مولانا نے اپنی تمام زندگی مذہبِ اسلام اور مسلکِ اہل سنت و جماعت کے تحفظ اور اشاعت میں بسر کی۔

مولانا منفرد انشاء پرداز اور صاحبِ قلم تھے، آپ کے مضامین عرصہ تک مجلہ طیبہ دہلی، المنیر دہلی، الفقیہ امرتسر، شمس الاسلام بھیرہ، لمعات الصوفیہ اور انوار الصوفیہ سیالکوٹ وغیرہ جرائد میں شائع ہوتے رہے۔ آپ کی تصانیف میں سے دو رسالے ”فیصلہ شرعیہ“ (زور و افض) اور خونی داستان چھپ چکے ہیں۔

حضرت مولانا، تحصیل علم کے بعد امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے، حضرت امیر ملت کی معیت میں دو دفعہ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ آپ ہی کی استدعاء پر حضرت امیر ملت کی تشریف آوری جھنگ میں ہوئی، جا بجا تبلیغی جلسے ہوئے اور کثیر التعداد بندگانِ خدا شرفِ بیعت سے بہرہ ور ہوئے۔ آپ کو اپنے شیخ سے بہت عقیدت تھی، حضرت امیر ملت بھی آپ پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ آپ کو خلافت عنایت فرمائی اور ہمیشہ الطاف خسروانہ سے نوازتے رہے۔

حضرت مولانا محمد قطب الدین رحمۃ اللہ فنِ طب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ قرآن مجید اور علوم دینیہ سے تو انہیں اتنا لگاؤ تھا کہ اپنے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کو حفظ قرآن کرایا تھا ایک صاحبزادی کو مشکوٰۃ شریف اور جلالین شریف پڑھا رہے تھے کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ کے دو صاحبزادے ہیں، ایک حافظ، عالم اور طبیب حکیم محمود الحسن، طب کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور دوسرے اہل سنت کے مایہ ناز مدرس مناظر اور خطیب مولانا عبدالرشید جھنگوی مدظلہ دینِ متین کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہیں۔

مولانا محمد قطب الدین جھنگوی قدس سرہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۲۹۰ اکتوبر (۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹ء) بروز جمعرات عین بچے دن واصل بحق ہوئے۔ آپ کا مرقد انور قطب آباد (چک ۲۳۲

تذکرہ حضرت محدث دکن

انشاء پر دازی اور فارسی میں کسی قدر مہارت حاصل کر لی، پھر تمام علوم و فنون کی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔

اسی اثناء میں مشین سازی، رنگائی، کارپنٹری، گھڑی سازی، خیاطی اور ٹیلیفون کا کام سیکھ لیا، مراد آباد میں حکیم نواب حامی الدین سے علم طب حاصل کیا۔ حضرت صدر الافاضل کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔

تحصیل علوم سے فارغ ہوتے ہی ایک حادثہ رونما ہوا، ہندوؤں نے الور کی مسجد ترپولہ شہید کر دی، اس واقعہ نے مولانا کو شعلہ جوآلہ بنا دیا، آپ نے خدا داد خطیبانہ صلاحیتوں سے مسلمانوں میں روح پھونک دی، مسجد کی وگزاری کے لئے زبردست جدوجہد شروع ہو گئی، مولانا کو گرفتار کر لیا گیا لیکن مسلمانوں کے شدید دباؤ کی بناء پر مہاراجہ الور نے نہ صرف مولانا کو رہا کیا بلکہ سرکاری خرچ سے مسجد دوبارہ تعمیر کر دی۔

حضرت علامہ ابوالحسنات قدس سرہ تبلیغ اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے، متحدہ پاک و ہند کا شانہ ہی کوئی گوشہ ایسا ہوگا جہاں تبلیغ اسلام کی خاطر آپ نے پیچھے ہوں، ذریعہ معاش کے طور پر مطب جاری رکھا، اس طرح روحانی امراض سے بھی زندگی بھر جہاد کرتے رہے۔

مسجد وزیر خان، لاہور کی خطابت سے امام المحدثین مولانا سید دیدار علی شاہ قدس سرہ سبکدوش ہوئے تو سر ظفر علی ریٹائرڈ جج ہائیکورٹ و متولی مسجد وزیر خان نے بڑے اصرار کے ساتھ منصب خطابت مولانا ابوالحسنات کے سپرد کیا چنانچہ مولانا الور سے رخت سفر باندھ کر لاہور تشریف لے آئے اور ہمیشہ کے لئے لاہور کے ہو کر رہ گئے۔ لاہور سے جو بھی دینی و ملی تحریک اٹھی اس میں آپ امتیازی حیثیت سے شریک ہوئے۔ الور میں آپ انجمن خادم الاسلام کے صدر اور فتویٰ کمیٹی کے ہیڈ مفتی تھے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

مسجد وزیر خاں میں بزمِ تنظیم قائم ہوئی جس کے صدر بنائے گئے، اس تنظیم کے شعبہ تالیف کے زیر اہتمام ۳۵ ٹریکٹ لکھ کر شائع کئے، انجمن حزب الاحناف، لاہور کے امیر مقرر ہوئے اور گرانقدر خدمات انجام دیں۔

آل انڈیا سنی کانفرنس نے تحریک پاکستان میں جس سرفروشی اور جاں سپاری سے کام کیا، اس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ قیام پاکستان کے بعد ایک ایسی ہمہ گیر تنظیم کی ضرورت محسوس ہوئی جو اہل سنت و جماعت کو منظم کرنے کے ساتھ ملکی اور ملی مسائل میں راہنمائی کا فریضہ انجام دے، غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی دامت برکاتہم العالیہ کی تحریک پر انوار العلوم، ملتان میں ۲۶، ۲۷، ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں پاکستان بھر کے علماء مشائخ نے شرکت کی، جمعیتہ العلماء پاکستان کی تشکیل کے بعد حضرت علامہ ابوالحسنات صدر، اور حضرت علامہ کاظمی، ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔

جمعیتہ العلماء پاکستان اور جمعیتہ المشائخ کے متفقہ فیصلہ کے مطابق، مئی ۱۹۳۸ء بروز جمعہ پاکستان بھر میں یوم شریعت منایا گیا، جلسے منعقد ہوئے، قائد اعظم اور اسلامی جرائد کو تارویئے گئے اور حکومت پر زور دیا گیا کہ پاکستان میں قانون اسلامی نافذ کیا جائے۔

مجاہدین اسلام کشمیر کے محاذ پر حق خود ارادیت کے حصول کے لئے جانبازی کا مظاہرہ کر رہے تھے، موڈووی صاحب نے اس جنگ کو جہاد تسلیم نہیں کیا، حضرت علامہ ابوالحسنات رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دیا کہ یہ جنگ جہاد فی سبیل اللہ ہے اور مسلمانوں کو ہر ممکن طریقہ سے مجاہدین کی امداد کرنی چاہئے۔ جمعیتہ العلماء پاکستان کی تحریک پر ۸۰ ہزار روپے سے زائد کا ساز و سامان مجاہدین میں تقسیم کیا گیا۔ صدر جمعیتہ نے بنفس نفیس احباب سمیت محاذ کشمیر کے کئی دورے کئے اور مجاہدین کی ہمت افزائی کے ساتھ ساتھ انہیں سامان ضرورت مہیا کیا، ان مساعی جمیلہ کی بنا پر آپ کو "غازی

تذکرہ حضرت محدث دکن

کشمیر کا لقب دیا گیا۔

جہادِ کشمیر کے قائدین نے آپ کی خدمات کا برملا اعتراف کیا اور آپ کا شکریہ ادا کیا
چوہدری غلام عباس، پریزیڈنٹ آزاد کشمیر و صدر مسلم کانفرنس، جموں و کشمیر کا ایک
مکتوب ملاحظہ فرمائیں:

۹ مئی ۱۹۴۹ء سیالکوٹ

احقر غلام عباس

محترم جناب ابو الحسنات صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج شریف!

آپ کا خط ملا، اس سے قبل بھی جناب کا گرامی نامہ موصول ہوا تھا، قیام لاہور کے
دوران میں نے آپ سے ملاقات کی بے حد کوشش کی لیکن مصروفیت کی وجہ سے
میں ایسا نہ کر سکا، امید کہ آپ معاف فرمائیں گے۔

جہادِ کشمیر اور مسئلہ کشمیر کے بارے میں آپ کی مالی، اخلاقی اور سیاسی سرگرمیاں
باعثِ تشکر و اطمینان میں، خدا آپ کو، ہم کو مشترکہ مقصد میں جلد کامیاب کرے،
آمین ثم آمین۔

ایک اور مکتوب ملاحظہ ہو:

فورسز ہیڈ کوارٹرز لائن

السلام علیکم

۳۹-۳-۱۶، محترم بندہ

گذشتہ ماہ مجھے لاہور مدعو کیا گیا وہاں آپ اور آپ کے رفقاء نے جس خلوص
اور ہمدردی کا ثبوت دیا اس کے لئے میں تہ دل سے شکر گزار ہوں، من لم یشکر

الناس لم يشكر الله۔

آپ کی ذات گرامی سے امیدِ واثق ہے کہ بسلسلہ استصواب رائے کشمیر آپ کی مساعی جمیلہ اس وقت تک جاری و ساری رہیں گی جب تک تمام کشمیر اور اس کے ملحقات کا الحاق پاکستان کے ساتھ ہو کر وہاں اسلام کا قرآنی نظام نہ ہو جائے!

والسلام بالوف الاحترام

احمد علی شاہ

وزیر دفاع آزاد کشمیر

قیام پاکستان کے بعد ختم نبوت کے قصر رفیع میں نقب لگانے والے مرزائی قادیان سے منتقل ہو کر پاکستان آگئے اور پاکستان کے وزیر خارجہ ظفر اللہ کے نام سے برائے نام قیمت کے عوض ربوہ کی زمین حاصل کر کے ارداد پھیلانے میں مصروف ہو گئے، اس فتنے کے انسداد کے لئے پاکستان کے تمام علماء، سنی، دیوبندی، غیر مقلد، جماعت اسلامی اور شیعہ نے مل کر ۱۹۵۳ء میں مجلس عمل قائم کی جس کے صدر مولانا ابوالحسنات قادری منتخب ہوئے۔ متفقہ طور پر خواجہ ناظم الدین کی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ظفر اللہ کو وزارت کے منصب سے برطرف کیا جائے اور مرزائیوں کو قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے لیکن ارباب اقتدار بس سے مس نہ ہوئے، آخر طے پایا کہ ایک وفد کراچی جا کر مرکزی وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے ملے اور اپنے مطالبات پیش کرے۔

خواجہ صاحب نے معذوری کا اظہار کیا اور قائدین وفد کو گرفتار کر لیا۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی، جگہ جگہ احتجاجی جلسے ہونے لگے جلوس نکلنے لگے عوام و خواص کے مطالبے اور احتجاج کی شدت کے ساتھ ساتھ حکومت کا تشدد بھی بڑھتا گیا اور پورے ملک کے جیل خانے فدائیان ختم نبوت سے بھر گئے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضرت علامہ ابوالحسنات رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر زعماء کو سکھر جیل میں منتقل کر دیا گیا، آپ نے قید و بند کی صعوبتوں کو بڑی استقامت کے ساتھ برداشت کیا۔ جب پس دیوار زنداں آپ کو اطلاع ملی کہ آپ کے اکلوتے فرزند مولانا خلیل احمد قادری مدظلہ کو تحریک ختم نبوت میں حصہ لینے پر پھانسی کی سزا دی گئی ہے تو آپ نے بے ساختہ کہا:

”الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے میرا یہ معمولی ہدیہ قبول فرمایا“

بعد میں پتہ چلا کہ یہ خبر غلط تھی۔ آپ نے ایام اسیری میں قرآن پاک کی تفسیر تفسیر الحسنات لکھنے کا کام شروع کر دیا اور معتد بہ حصہ جیل ہی میں لکھا۔ جب دیگر زعماء گرفتار ہو گئے تو مجاہد اسلام مولانا عبدالستار خان نیازی مدظلہ العالی نے مسجد وزیر خاں کو مرکز بنا کر اپنی شعلہ بار تقریروں سے تحریک کو آگے بڑھایا، انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا اور ان کے خلاف پھانسی کا فیصلہ صادر کر دیا گیا۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

قریب تھا کہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو جاتی لیکن بعض آسائش پسند لیڈر حکومت سے معافی مانگ کر رہا ہو گئے، بعد ازاں مولانا ابوالحسنات اور مولانا عبدالستار خان نیازی کو بھی رہا کر دیا گیا، اس طرح یہ تحریک وقتی طور پر رک گئی۔ ۱۹۷۳ء میں دوبارہ یہ تحریک چلی تو کامیابی سے ہمکنار ہو گئی اور، ستمبر ۱۹۷۳ء کو مرزائی غیر مسلم اقلیت قرار دے دئے گئے۔

حضرت علامہ ابوالحسنات مایہ ناز خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ میدان تحریر و نظم و نثر پر قدرت کاملہ رکھتے تھے، حافظ تخلص کرتے تھے، انجمن حمایت اسلام، لاہور کے ایک اجلاس میں علامہ اقبال نے اپنی مشہور غزل پڑھی:

تذکرہ حضرت محدث دکن

کبھی اے حقیقت فتنہ نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں
حضرت علامہ ابوالحسنات نے اس کے جواب میں ایک غزل پڑھی جس کے چند شعر
پیش کئے جاتے ہیں:

تو ہی خود ، جب اے دلِ حُسن جو ہو اسیرِ زلفِ دراز میں
تو کمی ہو کیوں ترے سوز میں ، ترے فکرِ آئینہ ساز میں
جو دبائے حشر کے فتنے سب ، جو اٹھائے حشر میں فتنے سب
وہ ہے کامِ آپ کے لطف کا ، یہ ہے لطفِ آپ کے ناز میں
تری آرزو تو سعید ہے ، مگر ایسا ہونا بعید ہے
کہ جمالِ یار کی دید ہو ، رہے تو لباسِ مجاز میں
تجھے اور وصل کی آرزو ، تجھے دیدِ حسن کی جستجو
نظرِ ہوس تری آبرو نہیں ، چشمِ بندہ نواز میں
یہ غزل سنکر علامہ اقبال دیر تک عالم وارفتگی میں روتے رہے ، اس غزل کو انہوں نے
”جذباتِ حافظ“ کے عنوان سے یاد کر لیا تھا۔

آپ نے تصانیف کا اگر انقدر ذخیرہ یادگار چھوڑا ، چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

- ۱۔ تفسیر الحسنات ۲۔ ترجمہ کشف المحجوب ۳۔ اوراقِ غم ۴۔ طیب الوردہ شرح قصیدہ
برودہ ۵۔ مخمس حافظ ۶۔ مسدس حافظ ۷۔ دیوان حافظ اردو ۸۔ مرزائیت پر تبصرہ وغیرہ
وغیرہ

۲ شعبان المعظم ۲۰۰۱ جنوری (۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۱ء) بروز جمعہ ساڑھے بارہ بجے ہوا ، وصال
سے کچھ پہلے یہ شعر زبان پر تھا:

حافظ رند زندہ باش ، مرگ کجا و تو کجا
تو شدہ ای فنائے حمد ، حمد بور لقاے تو

تذکرہ حضرت محدث دکن

آستانہ شیخ کے سوا کہیں نہیں گئے۔ آپ کے مریدین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ آپ شریعت و طریقت کے جامع، علوم وینیہ کے جید فاضل اور سلف صالحین کے اخلاق کے پیکر ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین خطاط، مایہ ناز طبیب، نغزگو شاعر اور کتب کثیرہ کے مصنف تھے۔

مولانا محمد اعظم قادری بڑے راسخ العقیدہ بزرگ تھے، ہمیشہ وہابیوں، دیوبندیوں اور دیگر باطل فرقوں سے اجتناب کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ جن دنوں آپ کے بھانجے مولانا عبدالحق دیوبند میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، آپ نے انہیں ایک منظوم خط لکھا، اس خط کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تا توانی از وہابی در گریز بر سر چکڑالوی ہم خاک ریز
در وہان خارجی بگذار گوز رافضی را نیز در آتش بسوز
شیخ نجدی را براں از خویشتن تا نیندازد ترا اندر قفن
گرچہ پیش آید رہ دیگر برو نیست شیطان و وہابی ہیچ دو
الذذر ! ہر خدا کل الذذر از وہابی و ز کلامش پر خطر
پائے بوس اہل حق شو اے پسر الہابی بیکرک فی السقر
خاصہ آن خادع کہ او حنفی نماست صحبتش مگزیں کہ آواز حق جداست
اتفاقاً یہ خط مولوی محمود حسن دیوبندی کے پاس پہنچ گیا، اسے دیکھتے ہی انہوں نے مولوی عبدالحق کو مدرسے سے خارج کر دیا۔

ایک اور نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جس میں انہوں نے ازراہ خوش طبعی پنجابی الفاظ فارسی اشعار میں سمودیتے ہیں:

دماغ دیوبندی را گرفتہ بوائے بد نجدی فرود آرد بہ شکمش تا دہد آواز گڑ گڑبا
نہ معلوم است کایشاں را بہ پنہمبر پر خاشست کہ از مدح و شمائے او بدل وارند کڑ کڑبا

تذکرہ حضرت محدث دکن

چو بغضِ مصطفیٰ اور دل چہ ایمانے چہ اسلاے چہ شک فردا بنار اکتند با ہم جملہ جڑ جڑ ہا
چو پیش اہل حق آئند تاب گفتگو نارند گریزاں می روند امان پس بیند مژمڑا
کانگریوں پر وطن کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پڑی اپنے دل میں جو یہ ہوس ہائے کانگریس ہائے کانگریس
ہا رب ، ہی نہ دھیان میں بنے آپ گاندھی جو ہو ہو
ایسا ہی ایک فارسی شعر ہے:

من از ذکر قرآن چہ اندو ختم چرا ورد گاندھی نیامو ختم
مرزائیت پر بھرپور چوٹ ملاحظہ ہو:

اے پیٹ تیرے واسطے ہم کیا سے کیا بنے مہدی بنے ، مسیح بنے ، مقتدا بنے
بے شرم تو بھرا نہیں ، گو ہم خیال میں نانک بنے ، کرشن بنے اور خدا بنے
آپ کی چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ غایۃ الغایۃ فی برء الساعۃ (اردو) حکیم زکریا رازی کے رسالہ برء الساعۃ کا ترجمہ ،
مطبوعہ ۱۸۸۷ء)

۲۔ تحفہ اخوان الصفا فی جواز السماع والغناء (سماع مشائخ کے جواز پر)
(میر و وال سے شائع ہوا)

۳۔ رحمۃ الرحمن شرح قصیدہ النعمان (قصیدہ امام اعظم کی اردو شرح ، پہلی مرتبہ مطبع
مجتبائی دہلی سے چھپی اور حال ہی میں مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ سے شائع ہوئی ہے)۔

۴۔ تحفۃ الفقراء المعروف نذر مولیٰ (تصوف) ۱۳۳۳ھ میں میر و وال سے چھی)

۵۔ اسم اعظم (۱۳۳۳ھ میں میر و وال سے چھی)

۶۔ المقصیدہ الیوسفیہ شرح قصیدہ غوثیہ یہ شرح دوسری بار ادارہ معارف اعظمیہ
نوشاہیہ مرید کے سے شائع کی جا چکی ہے۔

۷۔ بے مثل بشر۔ فضائل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر بہترین کتاب۔ (۱۳۵۰ھ میں میرو وال سے شائع ہوئی)

۸۔ ہدایۃ المریدین (یہ رسالہ جناب محمد لطیف زار نے ۱۳۹۲ھ میں دوبارہ شائع کیا)۔ پاکستان کے مشہور نعت خوان اور نعت گو جناب چشتی کا نام حضرت مولانا محمد اعظم قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نام پر رکھا گیا تھا کیونکہ جناب چشتی صاحب کے والد ماجد مولانا کے نیاز مند اور مخلص احباب میں سے تھے۔

حضرت مولانا محمد اعظم قادری نو شاہی قدس سرہ کا وصال ۲۲ / شوال ۲۰ جون ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء کو ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب ۹ بجے ہوا، آپ کا مزار شریف قصبہ میرو وال، ضلع شیخوپورہ کی جامع مسجد اعظمیہ کے احاطے میں ہے۔
(تذکرہ اکابر از مولانا شرف قادری ص ۴۳۳)

تذکرہ حضرت محدث دکن

۴۸۔ شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد حسن جان فاروقی مجددی قدس سرہ
بقیۃ السلف حجة الخلف حضرت مولانا خواجہ محمد حسن جان فاروقی مجددی ابن حضرت
خواجہ عبدالرحمن قدس سرہ (م ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء) ابن حضرت شیخ عبدالقیوم
سرہندی قدس سرہ (۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۵ء) شوال ۲۰ اپریل (۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۲ء) کو
قندھار میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی
قدس سرہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد ماجد حالات کی پراگندگی اور طوائف الملوکی
کے سبب ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۵ء میں قندھار سے ارغستان چلے گئے۔ جب امیر عبدالرحمن
نے خراسان پر تسلط جما کر قتل و غارت کا بازار گرم کیا تو حضرت خواجہ عبدالرحمن
قدس سرہ نے ۱۲۹۷ھ میں حرمین شریفین کی طرف ہجرت کرنے کے لئے رخت سفر
باندھا، سندھ، کراچی اور بمبئی سے ہوتے ہوئے عرب شریف پہنچے، ۱۳۰۰ھ سے ۱۳۰۲ھ
تک تین سال مکہ مکرمہ اور طائف میں قیام کیا، بعد ازاں مدینہ طیبہ دربار رسالت
میں حاضر ہوئے اور ایک سال چار ماہ تک وہیں قیام پذیر رہے۔ آپ کے مخلص
دوستوں اور خاص طور پر مولانا رحمت اللہ مہاجر کی قدس سرہ نے مشورہ دیا کہ
آپ وطن مالوف کو واپس تشریف لے جائیں کیونکہ آپ کے وجود مسعود سے خلق
خدا کو فائدہ پہنچے گا۔ چنانچہ پانچ سال تک بلاد طیبہ میں رہ کر وطن کو تشریف
لے جاتے ہوئے جب سندھ سے گزرے تو معتقدین نے بصد اصرار گزارش کی کہ
خراسان جانے کی بجائے ہمارے پاس تشریف رکھیں، چنانچہ آپ ٹکڑ (مضافات
حیدر آباد) میں قیام پذیر ہو گئے اور پھر یہیں جان جاں آفرین کے سپرد کی اور کوہ گنجہ
کے دامن میں مدفون ہوئے بعد ازاں اولاد امجاد نے ٹنڈو سائیں داد کو مسکن بنا لیا۔

حضرت مولانا خواجہ محمد حسن جان قدس سرہ نے قرآن مجید پڑھنے کے بعد قندھار
میں مولانا باز محمد سے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ جب ۱۲۹۷ھ میں والد ماجد کے ہمراہ
سندھ تشریف لائے تو قصبہ ٹکڑ میں دو سال تک قیام کے دوران مولانا الحاج لعل محمد

تذکرہ حضرت محدث دکن

مستعلوی سے کسب فیض کرتے رہے، بعد ازاں جب مکہ مکرمہ گئے تو مولانا رحمت اللہ
مہاجر مکی قدس سرہ کے قائم کردہ مدرسہ صولتہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور
حضرت بانی مدرسہ کی صحبت سے بھی فیضیاب ہوتے رہے۔ اسی مدرسہ میں مولانا
حضرت نور سے سراجی پڑھی۔ ۱۳۰۱ھ میں درس حدیث مفتی مکہ حضرت مولانا شیخ
سید احمد دحلان رحمۃ اللہ تعالیٰ سے لیا۔ والد ماجد سے دیگر کتب کے علاوہ بخاری
شریف سبقتاً پڑھی اور سند فراغت حاصل کی۔

ابتداء ہی سے آپ کو حفظ قرآن مجید کا بہت شوق تھا۔ مکہ مکرمہ میں تعلیم حاصل
کرنے گھر کے تمام کام کاج کرنے، ہر روز عمرہ ادا کرنے اور عبادت و ریاضت کی
بے پناہ مصروفیت کے باوجود قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا اور احتیاطاً والد ماجد کو نہ
بتایا کہ بے اندازہ مصروفیات کی بناء پر کہیں ممانعت نہ فرمادیں، والد ماجد کو اس
وقت پتہ چلا جب آپ بائیس پارے حفظ کر چکے تھے، اس پر انہوں نے بڑی مسرت
کا اظہار فرمایا اور ختم قرآن کے موقع پر وسیع دعوت کا اہتمام فرمایا۔

حضرت مولانا محمد حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علوم دینیہ کو بہت اہمیت دیتے تھے اور فرمایا
کرتے تھے کہ قرآن و حدیث میں جو فضائل علم وارد ہیں وہ صرف علوم دینیہ سے
متعلق ہیں، مساجد اور مدارس دینیہ کی تعمیر و ترقی میں خود بھی حصہ لیتے تھے اور
مریدین کو بھی بیش از بیش حصہ لینے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اتباع شریعت، سادگی
اور اخلاق حمیدہ میں بے مثل تھے صبر و تسلیم کا یہ عالم تھا کہ ۱۳۵۳ھ میں آپ اہل
وعیال سمیت کونٹہ میں تشریف فرما تھے کہ ۲۷ صفر کو ہولناک زلزلے نے قیامت
صغریٰ قائم کر دی، پورا علاقہ تہ و بالا ہو گیا، لا تعداد افراد شہید ہوئے۔ حضرت مولانا
کے اہل و عیال اور ہمراہیوں میں سے گیارہ افراد جام شہادت نوش کر گئے لیکن آپ
نے حیرت انگیز ہمت و استقامت کا مظاہرہ کیا اور چند معاونین کے ہمراہ ایک ایک فرد
کو بلے کے نیچے سے نکالا اور کفن و دفن کا انتظام کیا۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

۱۳۳۲ھ میں حرمین شریفین، کربلا، نجف اشرف، شام اور بیت المقدس کی زیارت کی نیت سے تقریباً بیس افراد کے ہمراہ بغداد شریف حاضر ہوئے۔ یہ آپ کا چوتھا سفر زیارت تھا۔ اسی دوران جنگ عظیم چھڑ گئی اور آپ بہ ہزار مشقت حرمین شریفین پہنچے اور مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے واپس تشریف لائے۔

حضرت مولانا علم و فضل کے ساتھ ساتھ بے باک مجاہد اور مرد میدان بھی تھے چنانچہ جب ۱۲۹۶ھ میں انگریزوں نے افغانستان پر حملہ کیا تو آپ بھی والد ماجد کے ہمراہ شریک کار راز ہوئے۔ آپ بیدار مغز اور صاحب بصیرت قومی راہنما تھے۔ ترکی کے سلطان عبدالحمید خان کو خلیفۃ المسلمین تصور کرتے تھے اور جب انگریز پرستوں نے سلطان کو معزول کیا تو آپ بڑے رنجیدہ ہوئے۔ جنگ بلقان اور اطالیہ کے طرابلس پر حملے کے موقع پر معتقدین اور سندھ کے مسلمانوں سے خطیر رقم اکٹھی کر کے ہلال احمر کے ذریعہ مجاہدین کے لئے بھجوائی۔

تحریک خلافت میں گم کردہ راہ لیڈروں کی کجروی پر بہت افسوس کیا کرتے تھے۔ آپ نے کھل کر بعض مسائل میں شرعی نقطہ نظر سے اختلاف کیا اور طعن و تشنیع کی پرواہ کئے بغیر اپنے موقف کو واضح طور پر پیش کیا۔ آپ گاندھی کی قیادت کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے، ان لوگوں پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو حامی ہیں جو انگریزوں سے لا تعلق کرتے ہیں اور دوسری طرف مشرکین ہنود سے اتحاد اور ووداد کے حامی ہیں جو انگریزوں سے بھی زیادہ دشمن اسلام ہیں۔ اسی طرح جب لیڈروں نے ہندوؤں کے فریب میں آکر سادہ لوح مسلمانوں کو انگریز کے مقبوضہ علاقوں سے ہجرت کر کے افغانستان چلے جانے کا مشورہ دیا اور لوگ جوق در جوق ترک وطن کرنے لگے تو اس موقع پر بھی آپ نے قوم کی صحیح رہنمائی کی اور ترک وطن سے ممانعت کی اور فرمایا۔

”وہاں اتنی گنجائش کہاں ہے کہ سب لوگ سما سکیں، خواہ مخواہ خود بھی پریشان ہوں

تذکرہ حضرت محدث دکن

گے اور مسلمانوں کے بادشاہ کو بھی تکلیف دیں گے اس سے مسلمانوں کے دشمنوں کو خوشی ہوگی۔“

تاریخ شاہد ہے کہ ترک وطن کر کے جانے والوں کا جو حال ہوا وہ کسی طرح بھی قابل اطمینان نہ تھا۔

اسی دوران سندھ میں فتنہ نجدیت نے سراٹھایا، اس کی سرکوبی کے لئے بھی آپ نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ غرض اعتقادی، عملی، اخلاقی اور سیاسی امور میں قوم کی بروقت راہنمائی کی اور ایک روشن دماغ، صائب الرائے قائد کے فرائض انجام دیئے۔

حضرت مولانا محمد حسن جان رحمۃ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے۔ ہر اس تحریک میں بڑھ کر حصہ لیتے جو اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کے لئے شروع کی جاتی۔ تحریک خلافت کے دور کا ایک واقعہ آپ کے فرزند ارجمند مولانا پیر ہاشم جان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان کیا:

”جب تحریک خلافت شروع ہوئی تو اس وقت مولانا محمد علی جوہر کی ہدایت پر سندھ میں اہل ثروت لوگوں سے چندہ جمع کرنے کے لئے حاجی عبداللہ ہارون کی قیادت میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس کمیٹی کے افراد حاجی صاحب خود، حکیم فتح محمد اور مولانا محمد صادق وغیرہ میرے والد ماجد محمد حسن جان سرہندی کی خدمت میں پہنچے اور اپنا مقصد بیان کیا۔ والد محترم نے فرمایا کہ خلافت اسلامیہ کے احیاء اور انگریز حکومت سے مسلمان ممالک کی آزادی کے لئے ضرورت جس بات کی ہے وہ جسمانی جہاد کی ہے، مالی جہاد جسمانی جہاد سے بہت فروتر ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ میں گھر جا کر دیکھتا ہوں، گھر میں جو رقم ہوگی وہ لا کر پیش کر دوں گا، اس وقت کاغذ کے نوٹ نہیں تھے۔ اشرفیوں کی صورت میں روپیہ جمع رہتا تھا چنانچہ والد محترم بھری ہوئی تھیلیاں اٹھوا کر لائے، کمیٹی کے ممبروں کے

تذکرہ حضرت محدث دکن

حوالے کر دیں اور فرمایا میرے گھر میں دس ہزار روپیہ سے کچھ زائد تھے وہ سب آپ کے حوالے کر رہا ہوں، انہوں نے ایک آنہ بھی گھر میں نہیں چھوڑا تھا۔ پورے برصغیر میں مالی قربانی کی اس طرح کی پہلی مثال تھی جو والد محترم نے پیش کی۔ مولانا محمد حسن جان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں مسلم لیگ کی بھرپور امداد کی، مریدین کو مسلم لیگ کے حق میں ووٹ ڈالنے کا حکم دیا اور بااثر لوگوں کو خطوط لکھ کر مسلم لیگ کی حمایت کا حکم دیا، ذیل میں آپ کے ایک فارسی مکتوب کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

مخلصین مکرین و ڈیرہ محمد قاسم، و ڈیرہ عبداللہ و قاضی جان محمد سلمہم رہم! بعد از دعائے خیر! تم مخلصین کو بہ طور نصیحت لکھا جاتا ہے کہ الیکشن کے سلسلے میں اسلام کے مددگار بنو اور کافر ہندوؤں کی رفاقت سے الگ ہو جاؤ کیونکہ یہ ہندوؤں کا مسلمانوں سے مقابلہ ہے۔ سید اکبر علی شاہ کو مسلم لیگ کا ٹکٹ دے دیا گیا ہے اس لئے تم پر لازم ہے کہ ان کی مخالفت سے دست بردار ہو جاؤ اور جس قدر ممکن ہو امداد کرو۔ والسلام!

فقیر محمد حسن جان عفی عنہ

۶ صفر ۱۳۵۵ھ

سندھ میں یہ مقولہ مشہور تھا کہ:

”پیر ہندی سندھ کا بے تاج بادشاہ ہے“

چنانچہ آپ کی امداد و اعانت سے مسلم لیگ نے سندھ میں زبردست کامیابی حاصل کی۔

مسجد منزل گاہ سکھر کو ہندوؤں کے قبضے سے واگزار کرانے کی تحریک چلی تو آپ نے اپنے دو صاحبزادوں ، مولانا عبداللہ جان اور مولانا عبدالستار جان کی قیادت میں ہزاروں مریدین کو سکھر بھیج دیا جنہوں نے مسجد کی واپسی تک تحریک میں پر جوش حصہ لیا۔

سندھ میں لواری بہت بڑی گدی ہے ، وہاں کے مشائخ دینی اور قومی خدمات کی بنا پر زبردست شہرت کے حامل رہے ہیں۔ قیام پاکستان سے کچھ عرصہ قبل بعض لوگوں نے مشہور کر دیا کہ جناب احمد زمان سجادہ نشین لواری شریف نے عرس کے موقع پر حج کا سلسلہ شروع کر دیا ہے اور مریدین کو یہ تاثر دیا ہے کہ مکہ مدینہ جانے کی بجائے یہیں حج کر لیا کریں ، مکہ کا سارا نور لواری شریف میں منتقل ہو گیا ہے ، حضرت خواجہ محمد حسن جان رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اطلاع پہنچی تو ان کے ایماء پر ہزاروں مریدین کفن بردوش میدان میں نکل آئے۔ جب انگریز حکومت نے دیکھا کہ مسلمان اس مسئلہ پر خون بہانے کے لئے تیار ہیں تو سرکاری طور پر پابندی کا اعلان کر دیا۔

حضرت مولانا کو دینی اور علمی کتب کے مطالعہ سے بے حد شغف تھا ، اپنے اکثر اوقات تصنیف و تالیف میں صرف فرماتے تھے۔ آپ کا ذاتی کتب خانہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نادر و نایاب کتب کا بہترین ذخیرہ ہے۔ آپ نے اس دور کی اعتقادی آویزش کو ختم کرنے کے لئے نہایت اہم کتابیں لکھیں۔ آپ نے دیگر موضوعات پر بھی قلم اٹھایا اور فضیلت علمی کے قابل قدر جواہر پارے چھوڑے۔ آپ کی تصانیف یہ ہیں:

۱۔ شفاء الامراض۔ (عربی)۔ جملہ امراض کے لئے کتب طبیہ کی ترتیب پر تعویذات اور وظائف پر مشتمل ہے۔

۲۔ انیس الارواح۔ والد ماجد حضرت خواجہ عبدالرحمن فاروقی قدس سرہ کی سوانح حیات ہے اس میں مشائخ عظام کا اجمالی تذکرہ اور سلوک طریقہ نقشبندیہ کے ابکاٹ

تذکرہ حضرت محدث دکن

- شریفہ درج ہیں۔ (مطبوعہ مطبع مجددی امرتسر ۱۳۲۸ھ)
- ۳۔ ترجمہ عمود و مواثیق (غیر مطبوعہ) حضرت مولانا عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ (م ۱۹۷۳ھ) کی تصنیف کا فارسی ترجمہ
- ۴۔ انساب الانجاب۔ خاندان مجددیہ کا تذکرہ (مطبوعہ مشہور عالم، لاہور)
- ۵۔ الاصول الاربعۃ فی تردید الوہابیہ۔ مولوی محمد دین وفائی کی کتاب ”توحید الایمان“ سندھی ترجمہ ”تقویۃ الایمان“ کی تردید
- ۶۔ طریق النجاة مع رسالۃ التنویر فی اثبات التقدیر (عربی) اردو نیچریت
- ۷۔ العقائد الصحیحۃ فی بیان مذہب اہل السنۃ والجماعۃ۔ علماء بریلی اور دیوبند کے اختلافی مسائل پر تبصرہ اور مسلک اہل سنت و جماعت کی تائید۔ (مطبوعہ مطبع الفقہیہ امرتسر)
- ۸۔ رسالہ تہلیلہ۔ کلمہ طیبہ کی شرح۔ (مطبوعہ مطبع رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور)
- ۹۔ تذکرۃ الصلحاء فی بیان الاتقیاء۔ اُن اولیاء و صالحین کا تذکرہ جن سے عرب شریف سندھ، خراسان اور ہند میں آپ کی ملاقات ہوئی (مطبوعہ مطبع نظامی کانپور ۱۳۴۸ھ)
- ۱۰۔ شرح حکم شیخ عطاء اللہ سکندری (مطبوعہ ۱۳۵۷ھ) علم توحید اور بندے کے اپنے رب کے ساتھ تعلقات کی مکمل تشریح
- ۱۱۔ پنج گنج۔ اس میں پانچ رسالے ہیں۔ (۱) سفر حجاز کی تفصیلات (۲) شرح چہل کاف (۳) مناسک حج (۴) مجموعہ احادیث، جو آپ کو مکہ مکرمہ میں شیخ سید محمد ابو نصر دمشقی سے حاصل ہوئیں مع خطبات نبویہ (۵) دینی و دنیاوی نصائح
- ۱۲۔ سفر نامہ عربستان
- ۱۳۔ الاشارة الی البشارة۔ التحیات میں اشارہ نہ کرنے کی تائید و تحقیق
- ۱۴۔ رسالہ فی باب صحۃ الجموعۃ فی القرۃ۔ دیہاتوں اور قصبوں میں جواز جمعہ کے

تذکرہ حضرت محدث دکن

متعلق فتویٰ

۱۵۔ لغات القرآن۔ قرآن پاک کے مشکل الفاظ کی تفسیر

۱۶۔ رسالہ در قواعد تجوید و قراءت

حضرت مولانا شعر و شاعری کا عمدہ ذوق رکھتے تھے، عربی اور فارسی میں اظہار خیال کرتے تھے۔ اگرچہ اس طرف میلان طبع بہت کم تھا اور کوئی شعری ذخیرہ بھی یادگار نہیں چھوڑا لیکن آپ کے کلام کی سلاست، روانی اور پختگی، بلندی فکر کی غماز ہے، مدینہ طیبہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:

زاو صاف مدینہ ہرچہ گویم، قطرہ از دریا است
عفاف آنجا، کفاف آنجا، صلوة آنجا، زکوٰۃ آنجا
خداوندا! عطا کن بندۂ خود را بفضل خود
قیام آنجا، مقام آنجا، حیات آنجا، مہمات آنجا
اگر خواہی کہ بینی جنت المآوے دریں عالم
نشیں در روضۂ اطہر، بخواہ از حق نجات آنجا

۱۲ رجب ۲۰ جون ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء کو آپ کا وصال ہوا اور کوہ گنجہ (مضافات حیدرآباد - سندھ) کے وامن میں والد ماجد کے مزار کے پہلو میں محو خواب ابدی ہوئے۔ آپ کا مزار پر انوار مرجع خاص و عام ہے۔ جناب صاحبزادہ محمد سلیم جان مجددی نے ”نغفرلہ“ (۱۳۶۵ھ) سے تاریخ وفات نکالی ہے۔ آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا عبداللہ جان المعروف بہ شاہ آغا رحمہ اللہ تعالیٰ سجادہ نشین ہوئے۔ افسوس آپ نے ۱۹۷۳ء میں انتقال فرمایا لیکن الحمد للہ اس وقت آپ کے جانشین صاحبزادہ علی جان مدظلہ العالی ہیں جو بڑے صاحب ورع اور تقویٰ ہیں۔

(تذکرہ ص ۲۳۵)

تذکرہ حضرت محدث دکن

۴۹۔ آقائے سرہندی حضرت مولانا محمد حسین جان قدس سرہ
 حضرت مولانا محمد حسین جان ابن حضرت خواجہ عبدالرحمن (م ۱۳۱۵ھ) ابن
 حضرت خواجہ عبدالقیوم (قدست اسرار ہم) ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء میں بمقام ارغستان
 قندھار میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ تک
 پہنچتا ہے۔ آپ کے بڑے بھائی حضرت خواجہ محمد حسن جان قدس سرہ اپنے دور کے
 مقتدر عالم و عارف تھے۔ حضرت خواجہ محمد حسین جان سرہندی نے تمام علوم اپنے
 والد ماجد اور فضلاء عصر سے حاصل کئے۔ پانچ سال تک مدرسہ صولتئیہ مکہ مکرمہ میں
 تعلیم حاصل کی، شب و روز مطالعہ میں منہمک رہتے، تمام علوم میں یدِ طولی رکھتے تھے،
 خاص طور پر علم ادب اور تاریخ پر کامل عبور رکھتے تھے۔ جوانی ہی میں شعر و سخن کا
 آغاز کیا اور حالات زمانہ کے دگرگوں ہونے کے باوجود فارسی شاعری کو بام عروج تک
 پہنچایا۔ آپ کو فی البدیہہ شعر کہنے میں کمال حاصل تھا، طریقت میں حضرت خواجہ
 عبدالرحیم قدس سرہ (م ۱۳۱۵ھ) سے بیعت ہوئے۔

حضرت سرہندی تقریباً تمام اصنافِ سخن میں ماہرانہ انداز میں اظہار خیال فرماتے تھے۔
 آپ کے کلام میں قطععات، رباعیات اور مثنویات تمام اصنافِ سخن ملتے ہیں۔ فارسی
 کے علاوہ عربی اور پشتو میں بھی طبع آزمائی فرماتے تھے۔ تاریخ گوئی پر مکمل عبور رکھتے
 تھے۔ آپ نے شعر و شاعری کو اپنا پیشہ اور مسلک نہیں بنایا بلکہ بعض اوقات
 تفسن طبع کے طور پر دلی جذبات کو اشعار کے قالب میں ڈھال دیا کرتے تھے۔
 آپ نے فارسی زبان کے نامور شعراءِ نظامی، عمر خیام، سعدی، رومی، خسرو، حافظ،
 جامی، عرفی، کلیم اور بیدل کی زمینوں میں بڑی جاندار غزلیں کہی ہیں، حافظ شیرازی کی
 ایک غزل کا مطلع ہے :

تعالی اللہ چہ دولت دارم امشب کہ آمد ناگہاں دلدارم امشب
 اس پر حضرت سرہندی کہتے ہیں :

تذکرہ حضرت محدث دکن

تعالی اللہ چہ شیریں کارم امشب ز وصل آں پری بیدارم امشب
 مسم چوں تاب مہر از در در آمد ز عکس سر بسر انوارم امشب
 فقلت الیک اشکو من فراقک بگفتا شکر کن ، غمخوارم امشب
 خداوندا کہ سرہندی چو حافظ زجام بے خودی سرشارم امشب

کلمہ ہمدانی کے تمجید میں ایک غزل لکھی ہے جس کا مقطع ہے :

سرہندی ازاں بست لب از شربت وصلش کز ابروئے او دید ہلال رمضان را
 ہلال رمضان دیکھ کر روزہ رکھنے کو استعارے کے انداز میں کس خوبی سے نبھایا ہے۔
 افغانستان کی زبوں حالی کی وجہ سے حجاز مقدس چلے گئے، وہاں پانچ سال قیام کے بعد
 واپس آکر موضع ٹکھر صوبہ سندھ میں طویل عرصہ تک قیام پذیر رہے۔ آخر میں
 سمارو شریف منتقل ہو گئے اور یہیں ماہ صفر ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۸ء میں (۸۰) اسی سال کی
 عمر میں وصال فرمایا۔ آخر وقت میں جب حالت انتہائی نازک، زنگئی تھی۔ آپ کو
 اطلاع دی گئی کہ کراچی کے ایک ماہر طبیب کو بلایا گیا ہے۔ ان شاء اللہ العزیز کل صبح
 تک پہنچ جائے گا، آپ نے حدیث پاک کا مطالعہ کرتے ہوئے فرمایا:

”صبح تک حکیم کی ضرورت ہی نہ رہے گی“

چنانچہ ایسا ہی ہوا، رات کے عین بجے کے قریب کلمہ پڑھتے ہوئے مالک حقیقی کی
 بارگاہ میں حاضر ہو گئے ایک صاحبزادی کے علاوہ باقی اولاد آپ کی زندگی ہی میں فوت
 ہو گئی تھی۔

حضرت سرہندی کی کلیات ”خیابان سرہندی“ کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ آپ کے
 کلام کے مطالعہ کے بعد وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ آپ برطانوی عہد کے سندھی
 فارسی گو شعراء کی صف اول میں شامل تھے۔ (ایضاً ص ۲۵۹)

۵۰۔ سراج الملتہ حضرت پیر سید محمد حسین شاہ علی پوری قدس سرہ العزیز
 حضرت مولانا حافظ پیر محمد حسین شاہ ابن امیر ملت حضرت پیر حافظ جماعت علی شاہ
 محدث علی پوری قدس سرہما، شوال المکرم ۱۳۰ اپریل (۱۲۹۸ھ - ۱۸۷۸ء) کو
 علی پور سیداں (سیالکوٹ) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب ۳ واسطوں سے
 امیر المؤمنین اسد اللہ الغالب حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا
 ہے۔ ۵ سال کی عمر میں حفظ قرآن کریم کے لئے حافظ شہاب الدین مرحوم کے پاس
 بٹھائے گئے۔ حفظ کلام پاک کے بعد مڈل تک سکول میں تعلیم حاصل کی، بعد ازاں
 فارسی اور صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں مولانا عبدالرشید صدیقی سے پڑھیں، پھر
 امرتسر کے نامور عالم دین مولانا نور احمد امرتسری (محشی مکتوبات شریف) کی خدمت
 میں حاضر ہو کر اکتساب فیض کیا۔

جن دنوں آپ امرتسر میں زیر تعلیم تھے، امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ
 قدس سرہ امرتسر شریف لے گئے اور امتحاناً آپ سے چند مشکل صیغے پوچھے جنہیں
 آپ نے صحیح طور پر بتادیا۔ ایک مولانا صاحب نے پوچھا کہ ”سگ بچہ در، ہو البغغو“
 کونسا صیغہ ہے؟ آپ نے بتایا کہ یہ فعل ماضی رباعی مجرد فعلل کے ابتدائی تین
 صیغوں دحرج، دحرجا، دحرجوا کے وزن پر ہے اس پر حضرت امیر ملت بہت خوش
 ہوئے۔ دورہ حدیث کی تکمیل مدرسہ امینیہ دہلی میں کی جہاں اس وقت مولوی
 کفایت اللہ دہلوی درس حدیث دیتے تھے۔ ڈپٹی نذیر احمد سے ادب اور تاریخ کی کچھ
 کتابیں پڑھیں۔

تکمیل علوم کے بعد ۲۰ سال کی عمر میں حضرت پیر سید نجابت علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ
 (حضرت امیر ملت کے برادر بزرگ) کی دختر نیک اختر سے شادی ہوئی، انہی دنوں
 علی پور شریف میں مدرسہ نقشبندیہ کی بنیاد رکھی گئی جس کے آپ مہتمم مقرر ہوئے،
 مدرسہ کے انتظام کے علاوہ آپ مختلف و فنون کی کتابیں خود بھی پڑھایا کرتے تھے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضرت پیر محمد حسین شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ حضرت بابا فقیر محمد قدس سرہ (چورہ شریف) کے دست مبارک پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہو کر خلافت پائی، ان کے وصال کے بعد اپنے والد ماجد سے بیعت ہو کر خلافت سے نوازے گئے، ہزاروں افراد حضرت امیر ملت قدس سرہ کی ظاہری حیات ہی میں آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو کر ہدایت یاب ہوئے۔

آپ کے چند ملفوظات ملاحظہ ہوں:

۱۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی تمام کمالات کا سرچشمہ ہے
 ۲۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر کے بغیر نجات ناممکن ہے
 اگرچہ کتنا عابد و زاہد ہو۔

۳۔ جو شریعت کا پابند نہیں اگرچہ اس سے خوارق عادات کا بکثرت ظہور ہو، ولی نہیں ہے، ولایت کی بناء اتباع سنت پر ہے، کرامات پر نہیں۔

۴۔ اہل سنت و جماعت کا طریق ہی طریق حق ہے

۵۔ صحبت صالحین اخلاق و احوال کی اصلاح کے لئے اکسیر اعظم ہے

افضل الرسل آپ کی تصنیف یادگار ہے جس میں مدلل طور پر ثابت کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام رسولوں سے افضل ہیں (تالیف ۱۹۱۲ء) علاوہ ازیں آپ کی کئی تصانیف ماہنامہ انوار الصوفیہ قصور میں قسط وار شائع ہوتی رہی ہیں۔

۱۳ ربیع الاول ۱۶۰ اکتوبر (۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۱ء) بروز سوموار آپ کا وصال ہوا، دوسرے دن ہزاروں افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی، علی پور شریف میں آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔

حضرت مولانا ضیاء القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تاریخ وصال لکھی :

تذکرہ حضرت محدث دکن

راہی ہوئے بہشت بریں کو ہزار حیف بزمِ جہاں سے آج محمد حسین شاہ
نورِ نگاہ پر جماعتِ علی تھے آپ تھے آپ شیخِ کامل و اکمل خدا گواہ
سالِ وصال کہئے ضیاءِ آنجناب کی "جنتِ نصیب میر محمد حسین شاہ"

۵۱۳۸۱

راقمِ عاجز (مؤلف تذکرہ قدس سرہ حضرت محدث دکن) نے حضرت پیر سید محمد
حسین شاہ علی پوری قدس سرہ سے استاذِ محترم پروفیسر محمد عبدالمعید خان علیہ الرحمۃ
سابق صدر شعبہ عربی و ناظم دائرۃ المعارف کے گھر واقع اڈیکمیٹ (حیدرآباد) میں
ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ ماشاء اللہ اسلافِ کرام کی یادگار تھے۔ والحمد للہ علیٰ ذلک!

۵۱۔ زبدۃ السالکین حضرت الحاج میاں محمد حسین قادری نقشبندی مجددی
قدس سرہ

زبدۃ الاصفیاء، حضرت الحاج میاں محمد حسین قادری نقشبندی ابن کرم الہی (رحمہما اللہ تعالیٰ) ۹ محرم الحرام، ۲۰ نومبر بروز سہ شنبہ (۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء) موضع جھنگیاں ناگرہ مضافات لاہور میں پیدا ہوئے، والد ماجد نے ہوش سنبھالتے ہی تعمیر سیرت پر پوری توجہ دی۔ ایک دن میاں محمد حسین کپاس کا پھول توڑ لائے، والد گرامی کو پتہ چلا تو خوب تواضع کی اور زمیندار کے پاس جا کر فرمایا اس بچے نے تمہارے کھیت سے ایک پھول توڑ لیا ہے۔ اب تمہاری مرضی ہے چاہو تو قیمت لے لو اور چاہو تو معاف کر دو۔ میاں صاحب فرمایا کرتے تھے مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد مجھ سے کوئی ایسی کوئی حرکت سرزد ہوئی ہو۔ قرآن مجید والد ماجد سے پڑھا اور قصبہ ڈھولن وال میں پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت پیر عبدالغفار شاہ قدس سرہ ”حامی اشاعت درود شریف“ امام مسجد تکیہ سادھواں کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور فارسی کی مروجہ کتب گلستاں، بوستاں وغیرہ پڑھیں، اس کے بعد حضرت مولانا حافظ فتح محمد بانی جامعہ فتحیہ چھہرہ (لاہور) کی خدمت میں حاضر ہو کر عین سال تک کسب فیض کیا اور مالا بدمنہ، مفتاح الصلوٰۃ، اخلاق جلالی اور زلیخا جامی وغیرہ کتابیں پڑھیں، ان کے زہد و اتقاء اور اتباع شریعت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے دست اقدس پر بیعت ہوئے۔ میاں محمد حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ کو اپنے مرشد کامل سے والمانہ محبت تھی، ان کے ارشادات کو تمام عمر حرز جان بنائے رکھا۔

ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز خطیب جنازہ گاہ مزنگ (لاہور) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قدوری، نئیہ المصلی، کنز الدقائق، شرح و قایہ اور تفسیر حسینی وغیرہ کتب پر عبور حاصل کیا، مولانا نور الدین ابن مولانا غلام قادر

تذکرہ حضرت محدث دکن

ہای نے کئی بے سر انکار یہ تاریخ "حاجی ہوئے مغفور" سنو عالم محزون

۵۱۳۷۸

حضرت میاں صاحب سے عین فرزند یاد گار ہیں:

۱۔ جناب حکیم محمد اکرم صاحب

۲۔ جناب الحاج محمد اعظم خوشنویس

۳۔ ہمارے کرم فرما، صاحب علم و ادب محمد عالم مختار حق مدظلہ

حضرت میاں صاحب کے صاحبزادگان نے نقوش جمیل کے نام سے اپنے والد گرامی کے مختصر حالات شائع کر دئے ہیں۔ (تذکرہ اکابر از مولانا شرف قادری ص ۴۶۴)

۵۲۔ امیر جند اللہ حضرت پیر محمد شاہ غازی قدس سرہ (بھیرہ شریف)

مصلح عظیم، مرد میدان، امیر جند اللہ حضرت پیر حافظ محمد شاہ غازی ابن حضرت امیر السالکین پیر امیر شاہ (قدس سرہما) تقریباً ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء میں بھیرہ ضلع سرگودھا میں رونق افزائے دار دنیا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق والدین ابو محمد زکریا سروردی ملتانی قدس سرہ (جن کی دینی خدمات تاریخ اسلامی کا روشن ترین باب ہیں) سے ہوتا ہوا اصحاب صفہ میں سے صحابی رسول حضرت ہبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ قریباً عین سو سال پہلے حضرت شیخ الاسلام کے خاندان کے ممتاز فرد حضرت دیوان پیر فتح شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ بھیرہ میں تشریف لائے اور رشد و ہدایت اور تبلیغ اسلام کا وہ چراغ روشن کیا جو آپ کی اولاد امجاد کی بدولت ہمیشہ درخشندہ و تابندہ رہا حتیٰ کہ یہ مرکزیت اور دینی قیادت حضرت پیر محمد شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حصہ میں آئی۔

حضرت پیر محمد شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سن شعور کو پہنچے تو مکتب میں بٹھائے گئے جہاں آپ نے حافظ محمد موسیٰ اور حافظ جہاں سے قرآن کریم حفظ کیا بعد ازاں اگرچہ درس نظامی کی تکمیل نہیں کی لیکن بہت سے اساتذہ سے بہت حد تک ضروری

۵۱۴

تذکرہ حضرت محدث دکن

مسائل کی واقفیت حاصل کر لی۔ قرآن پاک کے ساتھ آپ کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ رمضان شریف میں تراویح کے علاوہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں نوافل میں قرآن مجید کا ختم آپ کا معمول تھا۔ قدرت نے آپ کو لُحْنِ دَاوُدِی عطا فرمایا تھا جب آپ تراویح میں قرآن پاک پڑھتے تو بعض ہندو مسجد کے باہر بیٹھ کر ذوق و شوق سے سنا کرتے تھے۔

والد گرامی نے بڑی توجہ سے آپ کی تربیت فرمائی اور مناسب وقت پر حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی قدس سرہ العزیز سے بیعت کرا دیا، حضرت خواجہ نے مختلف ریاضتیں کرانے کے بعد آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا اور خلق خدا کی رہنمائی کا کام آپ کے سپرد کیا جسے آپ نے اس خوبی سے نبھایا کہ باید و شاید، عبادت و ریاضت میں محویت کا یہ عالم تھا کہ تمام عمر صوم داؤدی (ایک دن روزہ اور ایک دن افطار رکھتے رہے۔ نماز تہجد اور دیگر نوافل اس پابندی سے ادا کرتے کہ حالت علالت میں بھی شاید ہی کبھی قضاء ہوئے ہوں گے۔ نماز باجماعت ادا کرنے کے خیال سے سفر میں کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ ضرور رکھتے۔ پندرہ شعبان سے آخر رمضان تک اعتکاف میں رہتے، وصال سے چند سال قبل تک آپ کا معمول تھا کہ نماز عصر کے بعد دریائے جہلم کے کنارے تشریف لیجاتے اور رات کو نو، دس بجے تک اور ادو وظائف میں مشغول رہ کر واپس تشریف لاتے۔

علوم دینیہ کی ترویج سے آپ کو فطری لگاؤ تھا جس کی بنا پر آپ نے والد گرامی کی موجودگی میں مدرسہ تدریس القرآن قائم کیا جو اب تک جاری ہے، ایک پرائمری اسکول کھولا تاکہ قوم کے نونہال لکھنے پڑھنے کے قابل بن سکیں۔ ۱۹۲۵ء میں تعلیم المسلمین کے نام سے ایک دینی درس گاہ قائم کی جس میں اپنے دور کے مقتدر فضلاء کو تدریس کے لئے مقرر کیا۔ اس دارالعلوم نے خاطر خواہ ترقی کی اور قابل قدر دینی و علمی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۶ء میں آپ کے فرزند ارجمند حضرت پیر محمد

تذکرہ حضرت محدث دکن

کرم شاہ مدظلہ العالی مدیر ماہنامہ ضیائے حرم نے دارالعلوم محمدیہ غوثیہ (بھیرہ) کے نام سے ایک خوشگوار انقلاب پیدا کیا اور دارالعلوم کے نصاب میں قدیم و جدید علوم کو یکجا کر دیا، اپنی نوع کا یہ منفرد دارالعلوم بڑی کامیابی سے جانب منزل گامزن ہے۔ قیام پاکستان سے قبل مسلمانوں کی زبوں حالی اور بے عملی آپ کو ہمیشہ بے چین رکھتی اور خاص طور پر جب مسلمانوں کو ہندو بنیوں کے سودی قرضوں میں جکڑا ہوا دیکھتے تو بیقرار ہو جاتے اس لئے آپ سال میں ڈیڑھ دو ماہ کا تبلیغی دورہ کرتے اور احکام الہیہ پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے، سودی قرضوں سے نجات پانے کے لئے بچوں کو زیور علم سے آراستہ کرنے اور تجارت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی بھرپور تبلیغ فرماتے۔

تحریک پاکستان کے زمانے میں بڑی گرمجوشی سے مسلم لیگ کی تائید و حمایت کی، اپنے حلقہ اثر میں بکثرت طوفانی دورے کئے اور مسلم لیگی امیدوار کو کامیاب کرانے کے لئے فضاء ہموار کی، اگر کسی مرید نے کسی مجبوری کے تحت مسلم لیگ کو ووٹ دینے میں پس و پیش کی تو اس سے تعلق قطع کر لیا۔ جب قائد اعظم کے ایما پر سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تو آپ بھی اس میں شریک ہوئے اور قید و بند کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔

قیام پاکستان کے بعد جب آزادی کشمیر کی جنگ شروع ہوئی تو حضرت پیر محمد شاہ قدس سرہ نے اپنے پچاس مریدوں کے ساتھ (جو سابق فوجی تھے) میدان کارزار میں عملی طور پر مردانہ وار حصہ لیا۔ بچیت گڑھ (بھارت) کے مقابل موضع بولے وینس (ضلع سیال کوٹ) میں ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ آپ کے پاس روسی ساخت کی ایک بہترین رائفل تھی۔ آپ کے حکم پر ایک مرید نے اسی رائفل سے دشمن کے جہاز پر عین فائر کئے نتیجہ وہ بھارت کے علاقہ میں جا کر گر گیا۔ ایک دن مغرب کے وقت بھارتی ہوائی جہاز نے آکر گولیوں کی بارش کر دی۔ آپ اپنے تمام

تذکرہ حضرت محدث دکن

آپ بچے محب وطن اور سب کے لئے عظیم مشعل راہ ہیں، میری تمنا ہے کہ آپ جیسے مزید سپاہی ہماری میراث بنیں۔“

آئی۔ بے کیانی
آزاد کشمیر فورسز

آپ کی اولاد میں سے دو صاحبزادے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا پیر محمد کرم شاہ مدظلہ فاضل جامعہ ازہر (فرزند اکبر)

۲۔ جناب صاحبزادہ غلام حیدر شاہ انچارج سول ہسپتال سکھسکی (گوجرانوالہ)

چونکہ آپ کو اس امر کا قوی احساس تھا کہ گہری تعلیمی شعور ہی مسلمانوں کو پستی سے نکال کر باعزت مقام پر پہنچا سکتا ہے اس لئے آپ نے اپنی اولاد کو زیور علم سے آراستہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا، خاص طور پر فرزند اکبر مولانا پیر محمد کرم شاہ مدظلہ کی تعلیم پر بہت زیادہ توجہ دی چنانچہ علوم عقلیہ کی تعلیم کے لئے امام المناطقہ مولانا محمد دین بدھوی (کیمبلپور) اور فقہ، تفسیر، ادب، عروض اور ریاضی وغیرہ علوم کے لئے قدوة الفضلاء مولانا غلام محمود قدس سرہ (پپلاں، میانوالی) مصنف نجم الرحمن و محشی تکلمہ عبدالغفور کو مدعو کیا، دورہ حدیث کے لئے قائد اہل سنت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد بھیجا، بعد ازاں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کرایا۔ اس کے باوجود آپ کو اپنے لخت جگر کو مزید تعلیم دلانے کا اشتیاق تھا۔ اس مقصد کے لئے اپنے نور نظر کو جامعہ ازہر (مصر) بھیجا۔ بلڈ پریشر کے عارضہ میں مبتلا ہونے کے باوجود اس طویل سفر پر روانہ کیا اور رخصت کرتے وقت فرمایا۔

”اس وقت جب کہ مجھے تمہاری اشد ضرورت ہے دور دراز سفر پر اس لئے روانہ کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دولت علم سے نوازے اور اپنے دین کی خدمت کی توفیق ارزانی فرمائے۔“

تذکرہ حضرت محدث دکن

حضرت صاحبزادہ پیر محمد کرم شاہ مدظلہ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۴ء تک جامعہ ازہر میں رہے آخری امتحان میں پورے جامعہ ازہر میں دوسری پوزیشن حاصل کی اور کلیۃ الشرعیہ الاسلامیہ کی سب سے بڑی ڈگری لے کر واپس آئے۔ اس عرصے میں حضرت پیر محمد شاہ قدس سرہ کی بیماری نے بڑی شدت اختیار کر لی لیکن آپ نے متعلقین کو تاکید حکم فرمایا کہ انہیں میری علالت کی شدت کی ہرگز اطلاع نہ دی جائے بلکہ اگر خدا نخواستہ کوئی سانحہ پیش آجائے تو بھی مطلع نہ کرنا تاکہ ان کی تعلیم میں خلل واقع نہ ہو، علم دین کی اس قدر والہانہ محبت کی مثال آج کے دور میں شاید ہی کہیں پیش کی جاسکے۔

۲۴ شعبان ۲۶۰ مارچ (۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۷ء) منگل اور بدھ کی درمیانی شب کو مجاہد وغازی حضرت الحاج حافظ پیر محمد شاہ سجادہ نشین و امیر جند اللہ بھیرہ (سرگودھا) کا وصال ہوا۔ انتقال کے روز سخت نقاہت تھی، اکثر اوقات خاموش رہتے۔ جب کبھی آواز سنائی دیتی تو پتہ چلتا کہ سورہ یسین یا سورہ ملک کی کوئی آیت تلاوت کر رہے ہیں۔

وصال سے چند دن پہلے اکثر اس آیت مبارکہ کا ورد کرتے رہے شہد اللہ انہ لا الہ الا هو و الملئکة و اولو العلم قائما بالقسط (الآیۃ)

بھیرہ شریف میں ہر سال نہایت اہتمام سے آپ کا عرس ہوتا ہے جس میں بصد حسن و خوبی دین مہین کی تبلیغ ہوا کرتی ہے۔ (تذکرہ اکابر از مولانا شرف قادری ص ۴۷)

۵۳۔ مقرر جادو بیان مولانا الحاج محمد شریف نوری قصوری رحمۃ اللہ علیہ

خطیب پاکستان مولانا الحاج محمد شریف نوری (رحمۃ اللہ تعالیٰ) ابن مولانا محمد دین مدظلہ العالی ۴۔ ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۵ء میں بمقام چکوڑی (ضلع گجرات) میں پیدا ہوئے۔ کنجاہ (گجرات) میں میٹرک کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد پاکستان کی عظیم دینی

درس گاہ دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور (ضلع ساہیوال) میں تمام متداولہ کتب کی تحصیل و تکمیل کر کے فقیہ عصر مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی دامت برکاتہم العالیہ سے درس حدیث لیا اور ۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۳ء میں فراغت حاصل کی، اسی سال قصور میں خطیب مقرر ہوئے اور ۱۳۸۱ھ تک کمال خوبی سے فرائض خطابت انجام دئے یہیں سے ان کی شہرت دور دراز تک پہنچی۔ آپ کی آواز میں بلا کا سوز تھا اور دوران تقریر مجمع پر چھا جایا کرتے تھے بڑے سے بڑے مجمع کو کنٹرول کرنا ان کے لئے معمولی بات تھی ۱۹۷۰ء میں جب دارالسلام (ٹوبہ ٹیک سنگھ) میں شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی دامت برکاتہم العالیہ کی صدارت میں سنی کانفرنس منعقد ہوئی تو کسی وجہ سے لاکھوں افراد میں پھیل جانے والی بے چینی کو آپ نے کنٹرول کر کے مشاہیر کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ پاکستان کے سابق گورنر ملک امیر محمد خاں اپنے گھر پر منعقدہ مجلس میلاد کے لئے آپ کو دعوت دیا کرتے تھے آپ نے ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں جمعیت العلماء پاکستان کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لیا۔

قصور کے قیام کی نسبت سے نوری قصوری کے نام سے عوام و خواص کے طبقے میں متعارف ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل اور ۱۹۵۵ء میں ادیب فاضل کا امتحان نمایاں کامیابی سے پاس کیا۔ قصور ہی میں مشہور نعت خوان جناب محمد علی ظہوری کو ساتھ لے کر ماہنامہ نور و ظہور نکالا جسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی مگر زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ ان کے سحر خطابت کا یہ کارنامہ ناقابل فراموش ہے کہ یکم مئی ۱۹۵۹ء کو گلارک آباد (مضافات رائے ونڈ) کے تقریباً دو ہزار عیسائی ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

۱۳۸۱ھ / ۲ - ۱۹۶۱ء میں لاہور آ گئے۔ پہلے ایک عرصہ تک جامع مسجد سہیل والی شاہ عالم مارکیٹ میں، پھر کچھ عرصہ سرانے رتن چند میں خطیب رہے، بعد ازاں شیش محل ہوزری کے بالمقابل جامع مسجد محمدیہ (راوی روڈ) میں تشریف لے آئے، یہاں

آپ نے جامعہ محمدیہ کی بنیاد رکھی، مسجد کا عظیم مینار آپ ہی کی مساعی سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔

۱۳۸۴ء میں مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے بغداد شریف، کربلائے معلیٰ، نجف اشرف اور بیت المقدس کا سفر کیا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۹۱ھ میں کمال اشتیاق سے حرمین شریفین کی حاضری سے فیضیاب ہوئے۔ واپسی پر راستے ہی میں علالت نے آیا، واپس وطن پہنچنے کے بعد میوہسپتال لاہور میں علاج معالجہ شروع کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اور جلد ہی عالم بقا کی طرف سے کوچ کر گئے، مولانا مرحوم نے چار مرتبہ حج و زیارت کی سعادت حاصل فرمائی۔

مولانا نوری بلند اخلاق کے مالک تھے، دوستوں کے دوست تھے اور ملنے جلنے والوں کی بڑی فراخدالی سے تواضع کیا کرتے تھے، جمعیتہ العلماء پاکستان، پاک سنی تنظیم اور انجمن اصلاح المسلمین کے سرگرم رکن اور ممتاز عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۳۹۰ھ میں جا بجا دورے کئے اور آئین اسلام کے نفاذ کے حق میں پر زور تقریریں کیں اور عوام الناس کو آئین اسلامی کی تائید و حمایت کے لئے تیار کیا۔

مولانا نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے دور کے مقبول ترین مقرر تھے، سامعین ان کی خوش نوائی کے اثر سے کیف و سرور میں ڈوب جاتے تھے، وہ جہاں ایک مرتبہ تقریر کر آتے تھے وہاں کے لوگ ہمیشہ ان کے مشتاق رہتے، تقریر اپنی مادری زبان پنجابی میں کیا کرتے، ان کے عقیدہ تمندوں کا حلقہ نہایت وسیع تھا، انہوں نے اپنے مواعظ کے ذریعے سنیت کا پیغام پاکستان کے گوشے گوشے تک پوری بیباکی سے پہنچایا اور عقائد باطلہ کی تردید پوری قوت سے کی، پر خطر راستوں سے گزرے، دھمکیاں سنیں مگر کبھی ان کا عزم متزلزل نہ ہوا۔

مولانا نوری نور اللہ مرقدہ نے وعظ و تقریر کے ساتھ تحریر کا سلسلہ بھی جاری رکھا، لاہور آنے کے بعد ماہنامہ الجیب جاری کیا جسے کامیابی سے چلاتے رہے ان دنوں

تذکرہ حضرت محدث دکن

نوجوان فاضل مولانا محمد شریف شرقپوری (فاضل بصیر پور) آپ کے معاون رہے۔ اس کے علاوہ آفتاب سنت رد چراغ سنت (تالیف فردوس علی شاہ دیوبندی قصوری) بارہ تقریریں، نشری تقریریں، مسئلہ گیارہویں، حرمت تعزیه داری اور عرب کا مسافر ایسی مقبول عام تصانیف یادگار چھوڑ دیں۔

۲۸ ربیع الاول، ۱۳۰ مئی (۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۲ء) جمعہ ہفتہ کی درمیانی شب میوہسپتال میں تقریباً ۳ بجے آپ کا انتقال ہوا۔ نماز جنازہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا علامہ ابو البرکات سید احمد دامت برکاتہم العالیہ نے پڑھائی۔

آپ نے اپنے والد گرامی کے اکلوتے فرزند تھے۔ خطیب پاکستان مولانا غلام الدین قدس سرہ آپ کے عم محترم تھے، مولانا نوری قدس سرہ کے ہاں نرینہ اولاد نہیں ہوئی، اس وقت چار بچیاں بقید حیات ہیں۔

جامع مسجد محمدیہ راوی روڈ پر آپ کا مزار زیر تعمیر ہے۔ (تذکرہ اکابر ص ۳۸۶)

۵۲۔ حضرت مولانا ابوالنور محمد صدیق چشتی بصیر پوری قدس سرہ

حضرت مولانا ابوالنور محمد صدیق چشتی ابن مولانا، ابوالصدیق احمد دین (قدس سرہما) پاک سیرت اور صوفی مشرب عالم تھے۔ آپ کے آباء و اجداد ضلع فیروز پور (بھارت) کے رہنے والے تھے۔ سکھوں کے عہد میں منتقل ہو کر یہ بزرگ ضلع ساہیوال میں آباد ہو گئے۔ اس خاندان نے علوم وینسہ کی اشاعت میں اہم خدمات انجام دی ہیں۔ آپ کے جد اعلیٰ حضرت مولانا ابوالجمال حافظ محمد حبیب اللہ المعروف برقع پوش قدس سرہ بلند پایہ عالم اور ولی کامل تھے چہرہ انور پر حجاب ڈالے رہتے اور حسن اتفاق سے تدفین کے دوسرے روز آپ کے مرقد پاک کو بھی سبزہ زار نے ڈھانپ کر آپ کی عادت کریمہ کی اتباع کا حق ادا کر دیا۔

آپ کے والد ماجد اپنے دور کے ممتاز عالم تھے، فارسی زبان میں مہارت تامہ رکھتے تھے چنانچہ آپ نے علوم عربیہ اور فارسی کی تعلیم انہی سے حاصل کی اور دورہ حدیث پاک کی تحصیل کے لئے اپنے فرزند ارجمند فقیہ عصر مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی مدظلہ العالی کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے، ذکر مصطفیٰ سن کر آپ کا جسم لرز جاتا تھا۔ ایک مرتبہ دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کے سالانہ جلسہ پر شیخ القرآن علامہ ابو الحقائق محمد عبدالغفور ہزاروی قدس سرہ اپنے خاص انداز میں تقریر شروع کی، آپ بہت علیل تھے، علامہ ہزاروی کی آواز سن کر فرمایا مجھے جلسہ گاہ میں لے چلو چنانچہ دو آدمی کندھوں پر آپ کو جلسہ گاہ میں لائے اور تین فٹ اونچے اسٹیج پر بٹھا دیا، علامہ ہزاروی نے امام اہل سنت امام احمد رضا بریلوی قدس کا یہ شعر پڑھا:

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں

جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس مخصوص مہک سے محظوظ ہو کر آپ

تذکرہ حضرت محدث دکن

آپ نے دو شادیاں کیں جن سے متعدد صاحبزادیوں کے علاوہ مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی مدظلہ شیخ الحدیث و بانی دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور، مولانا ابوالبقاء محمد حبیب اللہ نوری، مولانا ابو الخالد محمد احمد چشتی، مولوی محمود احمد اور حافظ مقصود احمد صاحبزادگان آپ کے خلف ہیں۔

استاذ العلماء مولانا الحاج فتح محمد بہاولنگری قدس سرہ نے قطعہ تاریخ وصال رقم فرمایا: بصد حسرت بگویم دوستان را کہ رحلت مولانا صدیق فرمود مجاہد عابد و عاشق رسولے فقیہ و ہم تقی و ہم صفی بود گذشتہ عمر او در خدمت خلق برفت از ما بحق خرسندہ خوشنود ز دل تاریخ پرسیدیم و گفتہ فگندہ شمش جہت "مغفور مودود"

۱۳۸۰ھ

(ایضاً تذکرہ ۴۹۱)

۵۵۔ مفسر جلیل، تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی قدس سرہ العزیز محسن ملت، محدث و مفسر مولانا محمد عمر نعیمی ابن محمد صدیق ربیع الاخر اکتوبر ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۳ء میں بمقام مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید الحاج حافظ محمد حسین سے پڑھا، فارسی اور صرف نحو کی کتابیں مولانا نظام الدین سے پڑھیں، ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۶ء کو صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بہت جلد علوم و فنون اور حدیث شریف کی تکمیل کیساتھ ساتھ ادب عربی اور طب میں دسترس حاصل کی۔ صفر ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء میں سند فضیلت حاصل کی، دستار بندی کے وقت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی، مولانا محمد فاخر اجملی، شاہ عبدالمقدر بدایونی، مولانا محب احمد بدایونی، مولانا عبدالمجاہد بدایونی، مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری، مولانا اعجاز

تذکرہ حضرت محدث و کن

حسین رامپوری وغیر ہم فخر ملت اکابر اسلام جلوہ افروز تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے دستار بندی کی رسم ادا کی۔

فراغت کے بعد مراد آباد میں اہل سنت کی عظیم درس گاہ جامعہ نعیمیہ کے مدرس اور مہتمم مقرر ہوئے۔ ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء میں شیخ المشائخ مولانا سید علی حسین کچھوھوی کے دست اقدس پر بیعت ہوئے۔ ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء میں اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے، قیام مراد آباد کے دوران ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء میں نہایت اہم ماہنامہ السواد الاعظم جاری کیا۔ یہ ماہنامہ ربع صدی سے زیادہ عرصہ تک علوم اسلامیہ اور سنت کا سرگرم نقیب رہا۔ حالات حاضرہ اور ملکی سیاست پر زبردست تنقید و تبصرہ کے علاوہ دینی نقطہ نظر سے راہنمائی کے فرائض بھی انجام دیتا رہا۔ مفتی صاحب نے آل انڈیا سنی کانفرنس کے نائب ناظم کی حیثیت سے نمایاں خدمات انجام دیں ۱۹۳۶ء میں بنارس کے تاریخی اجلاس میں تحریک پاکستان کی پر زور تائید فرمائی۔

تقسیم ملک کے بعد جب آپ نے دیکھا کہ ہندوستان میں عافیت سے رہنا مشکل ہے تو ہجرت کر کے بغداد شریف جانے کے ارادے سے کراچی تشریف لائے اور مبلغ اسلام مولانا عبدالعلیم میرٹھی کے اصرار پر کراچی ہی میں قیام پذیر ہو گئے، دارالعلوم مخزن علوم عربیہ جاری اور جامع مسجد آرام باغ میں اعزازی طور پر خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

۲۳ ذیقعد ۲۰۵ مارچ (۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۶ء) کو کراچی میں وفات پائی۔ آپ کا مزار شریف مسجد دارالصلوٰۃ ناظم آباد کراچی میں ہے ”مفتی سنت محمد عمر“ (۱۳۸۵ھ) تاریخ وصال ہے۔

جناب صابر براری نے درج ذیل تاریخ وفات لکھی ہے:

ہو کیوں نہ چشم حق میں یوں اشکبار صابر عالم سے اٹھ گیا ہے اک عالم قدیمی
تھا جس کا فیض باری دنیائے علم و دیں میں تھی جس کی عطر پاشی خوشبوئے صد تمہیمی

تذکرہ حضرت محدث دکن

شیخ الحدیث تھے وہ اس دورِ حاضرہ کے اسلافِ ذی شرف کے مجموعہِ عمیمی
پہنچا دے ان کو یاربِ دربارِ مصطفیٰ میں دے خلد ان کو، تیری ہر شان ہے کریمی
سال وصال صابر لکھ فقر کو ملاکر ہادی اہل سنت مفتی عمر نعیمی

۱۹۶۶ء

مولانا ضیاء القادری بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل تاریخ لکھی ہے:
عالمِ ذی جاہ، مولانا عمر تھے سراجِ علم، مثل ماہ و مہر
اے ضیاء ہے آپ کا سالِ وصال عالی ہمت رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۵۸۵

”تفرقہ اقوام“ اور ”مسائلِ رمضان و عید الفطر“ آپ کی یادگار ہیں۔
حضرت مولانا اطہر نعیمی خطیبِ جامع مسجد آرام باغ کراچی، مدرس دارالعلوم نعیمیہ
کراچی، آپ کے فرزند ارجمند ہیں اور مسلکِ اہل سنت کی گراں قدر خدمات انجام
دے رہے ہیں۔ آپ کے تلامذہ میں حضرت مولانا جمیل احمد نعیمی، استاذ دارالعلوم
نعیمیہ کراچی بہت ہی ممتاز ہیں۔ نہایت وسیع المطالعہ، انتہائی خوش اخلاق اور مسلک
و ملت کے لئے پُرورد دل رکھتے ہیں ان کی مسلکی اور دینی خدمات و قیج اور قابل
قدر ہیں۔ (تذکرہ اکابر از مولانا شرف قادری ص ۳۹۶)

۵۶۔ عارف باللہ حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی قدس سرہ العزیز

ولی کامل، مرشد خلائق حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی (باوا جی) رحمۃ اللہ تعالیٰ کا
شجرہ نسب سلاطینِ ایران کے کیانی خاندان سے ملتا ہے۔ آپ کے جدِ امجد عمد عالمگیر
(رحمۃ اللہ تعالیٰ) میں وارد ہندوستان ہوئے۔ آپ کے جدِ امجد اور والدِ گرامی کا
معمول تھا کہ پنجاب سے سامانِ تجارت لے کر کشمیر جاتے اور راستے میں پہاڑی
علاقوں میں تبلیغِ دین کا فریضہ ادا کرتے رہتے۔ حضرت خواجہ صاحب کے والد ماجد
بچپن میں ہی داغِ مفارقت دے گئے۔ ہوش سنبھالنے پر والدہ ماجدہ نے تعلیم

تذکرہ حضرت محدث دکن

و تربیت کا اہتمام کیا اور علوم دینیہ کی تحصیل کے لئے ہندوستان بھیجا جہاں آپ نے اس دور کے مشہور فضلاء سے استفادہ کیا۔ اور تقریباً ۱۲۷۶ھ / ۱۹۶۰ء میں تکمیلِ علوم کے بعد واپس تشریف لائے اور راولپنڈی کے قریب موضع جگپوٹ میں دینی مدرسہ قائم کر کے تشنگانِ علوم دینیہ کو سیراب کرنے لگے، اس کے باوجود آپ کو کسی مردِ کامل کی تلاش بے چین کئے رکھتی تھی جس سے اسرارِ معرفت اور فیوض و برکات کا استفادہ کیا جاتا۔

علاقہ مری کی جنوبی جانب سسی قوم آباد تھی ان میں ایک دفعہ سنی شیعہ بنیاد پر نزاع پیدا ہو گیا اور نوبت خوزیزی تک جا پہنچی، فریقین کے اہل دانش نے اس بات پر اتفاق کیا کہ کسی متبخر عالم دین کو بلا کر تصفیہ کرایا جائے اور ان کے فیصلے کو دونوں فریق تسلیم کریں، نگاہِ انتخاب حضرت خواجہ موہڑوی قدس سرہ پر پڑی، آپ نے فریقین کے بیانات سن کر اہل سنت کے حق میں فیصلہ دیا، فریق مخالف نے سازش کے تحت آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا جسے کھا کر آپ بیہوش ہو گئے اور ایک رات دن تک یہی کیفیت رہی اسی حالت میں آپ کو حضرت خواجہ نظام الدین کیاں شریف (کشمیر) کے دربار عالیہ کا نقشہ دکھا کر حاضری کا حکم دیا گیا چنانچہ آپ ہوش میں آنے کے بعد دشوار گزار راستوں کو طے کرتے ہوئے کیاں شریف پہنچ گئے اور مرجع عالم حضرت خواجہ نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کے دست مقدس پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت کی سعادت حاصل کی۔ آپ کا سلسلہ طریقت بارہ واسطوں سے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ تک پہنچتا ہے۔

مرشدِ کامل نے بیعت کے بعد خلافت سے نوازا اور موہڑہ شریف ایسے گنجان اور دشوار گزار پہاڑی علاقہ میں قیام کا حکم دیا۔ حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی قدس سرہ نے شیخ کے ارشاد کی تعمیل اس طرح کی کہ ستر سال کا طویل دور اسی جگہ

تذکرہ حضرت محدث دکن

عبادت اور ریاضت اور خلق خدا کی رہنمائی میں بسر کیا اور سال میں ایک دفعہ مرشد کی خدمت میں حاضری دینے کے علاوہ کسی طرف رخ نہ کیا۔ دور افتادہ مقام میں قیام کے باوجود ہزاروں افراد آپ کی خدمت میں حاضری دیتے اور مقصدِ دلی حاصل کر کے واپس ہوتے۔ سینکڑوں راہِ طریقت کے سالک رتبہ کمال کو پہنچے۔ خلعتِ خلافت سے مشرف ہوئے اور پھر پاک و ہند کے مختلف مقامات پر تبلیغِ دین اور رشد و ہدایت کے کام پر مامور ہوئے۔ آج بھی لاکھوں افراد آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہو رہے ہیں۔

آپ کے اخلاق و عادات سنتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مظہر تھے۔ سینکڑوں ہندو اور سکھ آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے اور بے شمار فسق و فجور میں مبتلا افراد آپ کے فیضِ صحبت سے تقویٰ اور پرہیزگاری کے پیکر بن گئے۔

آپ ہر وقت یہاں تک کہ رات کو بھی جبہ زیب تن رکھتے تھے کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا:

”جس طرح ایک ملازم باوردی ڈیوٹی پر حاضر ہوتا ہے میں چاہتا ہوں کہ میرا ہر لمحہ یاد خدا اور مخلوقِ خدا کی ہدایت میں باوردی لکھا جائے“

تقریباً ایک سو بیس سال کی عمر میں ۱۳ ذیقعدہ ۱۲۰ نومبر (۱۳۲۶ھ - ۱۹۴۳ء) بروز جمعہ المبارکہ عارف باللہ حضرت خواجہ محمد قاسم موہڑوی قدس سرہ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزار اقدس موہڑہ شریف تحصیل مری (ضلع راولپنڈی) میں مرجعِ خلائق ہے۔ آپ نے اپنی حیاتِ ظاہری میں اپنے فرزند ارجمند حضرت خواجہ پیر نظیر احمد قدس سرہ (م ۲۸ محرم ۲۱۰ جولائی ۱۳۸۰ھ / ۱۹۶۰ء بروز جمعہ) خلیفہ حضرت خواجہ نظام الدین قدس سرہ (کیاں شریف) کو جانشین بنادیا تھا اور وصال کے وقت

تذکرہ حضرت محدث دکن

وصیت فرمائی تھی کہ جو امانت میں نے آپ کو دی ہے اس کی حفاظت کرنا، امیر اور غریب دونوں آپ کے پاس آئیں گے۔ اگر غریبوں کو باہر نکال دیا اور امیروں کو ترجیح دی تو میرا دل دکھے گا، دونوں سے برابر سلوک کرنا۔

ان دنوں حضرت الحاج خواجہ پیر ہارون الرشید مدظلہ موہڑہ شریف میں عوام اور خواص کو فیض و برکت سے مستفید فرما رہے ہیں۔ (تذکرہ ص ۵۲)

۵۷۔ مسلخ سنیت عارف حقانی مولانا پیر سید محمد معصوم شاہ قدس سرہ العزیز (بانی نوری کتب خانہ، دربار حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ، لاہور)

مولانا سید محمد معصوم شاہ ابن حضرت فضل شاہ (سجادہ نشین) چک سادہ شریف، ضلع گجرات تقریباً ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم حضرت مولانا

امام دین رحمہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کی، بعدہ لاہور میں حضرت داتا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار پر انوار پر حاضر ہو کر حضرت بابا فضل نور قادری نو شاہی رحمہ

اللہ تعالیٰ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلافت سے نوازے گئے، حضور داتا گنج بخش قدس سرہ سے آپ کو خاص عقیدت تھی۔ آپ نے اپنی

زندگی کی اکثر اوقات مزار حضرت داتا صاحب پر گزارے آخر ۱۹۵۷ء میں حضرت کے قریب مستقل سکونت اختیار کر لی۔ حضرت شیخ الحدیث لائلپوری ہر ماہ حضرت

داتا گنج بخش کے دربار میں حاضری کے لئے آتے تو حضرت پیر صاحب سے ضرور ملاقات کرتے اور سنی رضوی کتب خانہ کے لئے بہت سی کتابیں خرید کر لے جاتے۔

آپ کا عظیم الشان کارنامہ نوری کتب خانہ کا قیام ہے۔ اس کے اہتمام سے اعلیٰ حضرت مجدد ملت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی اکثر کتابیں شائع کی گئیں تھیں

اور دیگر علمائے اہل سنت کی نایاب کتب کو حیات نو بخشی، آپ ہی کے مشورے پر حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی قدس سرہ نے قرآن مجید کا حاشیہ نور العرفان

تحریر کیا جو امام احمد رضا بریلوی کے ترجمہ کے ساتھ متعدد بار شائع ہوا۔ حضرت

تذکرہ حضرت محدث دکن

مفتی صاحب نے مرآة شرح مشکوہ بھی آپ ہی کے کہنے پر لکھی اور آپ کی ہی کوششوں سے شائع ہوئی، نیز "امیر معاویہ پر ایک نظر" حضرت مفتی صاحب سے اس غرض سے لکھوائی کہ بعض لوگوں میں، خاص طور پر بعض سادات میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو بغض پایا جاتا ہے وہ رفع ہو جائے۔

آپ نہایت متدین بزرگ تھے، تبلیغ دین زندگی کا نصب العین تھا۔ مسلک اہل حق اہل سنت و جماعت کی نصرت و حمایت اور ترویج کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، آپ نے اپنی زندگی میں تقریباً بیس مساجد تعمیر کرائیں جن میں لاہور کی حسین و جمیل نمونہ مسجد نبوی، جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور، آپ کی بے مثال یادگار ہے اور آپ کے عشق رسول کی شہادت دے رہی ہے۔ اس مسجد میں ایک مدرسہ اور ایک فری شفاخانہ نوری قائم ہے۔ مرکزی مجلس رضا لاہور اسی مبارک نوری مسجد میں یوم رضا مناتی ہے اور مجلس رضا کا دفتر بھی اسی مسجد میں قائم ہے۔

آپ نے مختلف خانقاہوں میں رائج بدعات کا قلع قمع کیا اور ان مقامات پر درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کے مراکز قائم کئے، بہت سی سنی مدارس قائم کئے اور متعدد مدارس کی مالی امداد و اعانت فرمائی، اسی جذبہ تبلیغ و اشاعت دین کے تحت متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ اپنے وقت کے عظیم شیخ طریقت تھے، پورے پاکستان میں آپ کے مریدین کا وسیع حلقہ ہے۔

۲۹ شوال ۱۸۰ جنوری (۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۹ء) بروز شنبہ بوقت عشاء آپ نے رحلت فرمائی اور اپنے پیر طریقت کے پہلو میں چک سادہ میں محو خواب ابدی ہوئے، حضرت کی ایک صاحبزادی اور دو صاحبزادے یاد گار ہیں، بڑے صاحبزادے سید محمد حسین شاہ سجادہ نشین ہیں اور چھوٹے صاحبزادے سید محمد حسن شاہ لاہور میں نوری بکڈپو کے ذریعے خدمت مسلک انجام دیتے ہیں۔ (تذکرہ ص ۵۰۵)

۵۸۔ مبلغ اسلام حضرت مولانا پیر محمد ہاشم جان سرہندی قدس سرہ

حضرت مولانا پیر محمد ہاشم جان سرہندی ابن حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندی قدس سرہما ۱۳۰ ذیقعدہ ۱۰۰ جنوری (۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۶ء) کو ٹنڈو سائیں داد (سندھ) میں پیدا ہوئے آپ کا سلسلہ نسب امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ سے ملتا ہے۔ کتب فارسی والد ماجد سے پڑھنے کے بعد حافظ قاری احمد صادق بنیری سے قرآن حفظ کیا۔ ختم قرآن کے موقع پر عظیم الشان محفل منعقد ہوئی، ایک شاعر نے مادہ تاریخ ”حافظ ہاشم“ (۱۳۳۵ھ) سے نکالا۔ عربی کی تعلیم کا آغاز والد ماجد سے کیا۔ ان کے علاوہ مولانا غلام محمد نظامی اور مولانا شفیع محمد سوڈاروی سے بھی استفادہ کیا، شرح وقایہ تک پڑھنے کے بعد مزید تعلیم کے لئے اجمیر شریف مولانا معین الدین اجمیری قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتساب علوم کیا۔ اسی اثناء میں ٹونک میں حضرت مولانا حکیم سید برکات احمد ٹونکی (تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی) اور فرنگی محل میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کیا۔ غرض گیارہ سال بیرون سندھ رہ کر علم و فضل کی دولت سے مالا مال ہوتے رہے، زیادہ تر اجمیر شریف میں مقیم رہے، یہیں مولانا سید امیر علوی اجمیری سے بھی شرف تلمذ اختیار کیا۔ اور حکیم نظام الدین (برادر مولانا معین الدین اجمیری) سے علم طب میں استفادہ کر کے کمال حاصل کیا۔

حضرت مولانا پیر ہاشم جان سرہندی صورت و سیرت اور علم و فضل میں بے مثال شخصیت تھے، مکرمی پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ پرنسپل گورنمنٹ کالج، مٹھی (سندھ) رقمطراز ہیں۔

” خوبصورت و خوب سیرت، آپ کو دیکھ کر بے ساختہ قرآن پاک کی آیت یاد آتی ہے قبارک اللہ احسن الخلقین۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کی تفسیر مشاہدہ کرنی ہو تو آپ کی زیارت کر لیجئے۔“

اس میں شک نہیں کہ مولانا نے ممدوح تسبیح عالم، باکمال مقرر اور ماہر طبیب ہیں، ان کی تقاریر سے تسبیح علمی کا اندازہ ہوتا ہے، سندھ کا باشندہ ہوتے ہوئے اردو اتنی صاف اور رواں بولتے ہیں کہ اہل زبان کا گمان ہوتا ہے۔“

دینی اور ملی تحریکوں سے آپ کو ابتداء ہی سے شغف رہا ہے، زمانہ طالب علمی میں لاجپور شریف سے ایک اشتہار شائع ہوا جس میں درج تھا کہ فوج اور پولیس کی ملازمت حرام ہے، یہ اشتہار چسپاں کرنے کے جرم میں آپ کے چند ساتھی گرفتار ہوئے، آپ بھی معتوب قرار دئے گئے لیکن آپ کے واپس سندھ آجانے پر معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

تحریک پاکستان کے سلسلے میں آپ کے والد ماجد مولانا محمد حسن جان سرہندی قدس سرہ نے اپنے مریدین و متعلقین کو خطوط لکھے، زبانی طور پر تلقین کی کہ ہر صورت میں مسلم لیگ کی حمایت اور اعانت کی جائے۔ آپ بھی ان کے ہمراہ کام کرتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد جب مجاہدین کشمیر نے آزادی کشمیر کے لئے جہاد شروع کیا تو آپ نے مریدین کو جہاد میں شریک ہونے پر تیار کیا۔ ہزاروں مریدین جمع ہو گئے لیکن حکومت پاکستان کی طرف سے اجازت نہ مل سکی۔

لواری شریف (سندھ) میں عرس کے موقع پر بعض لوگوں نے مشہور کر دیا کہ وہاں کے سجادہ نشین جناب احمد زمان نے لواری شریف میں حج کا سلسلہ شروع کر دیا ہے اس فتنہ کے انسداد کے لئے مولانا پیر ہاشم جان سرہندی نے سب سے پہلے مضامین لکھے جو سندھ کے اخبارات میں شائع ہوئے اور بعد میں کتابی صورت میں بھی شائع ہوئے، انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس فتنے پر ہمیشہ کے لئے پابندی عائد کر دی جائے۔

حضرت پیر ہاشم جان سرہندی کے دل میں ملک پاکستان کی سلامتی، اسلام اور مسلمانوں کا بے پناہ درد تھا۔ وہ دشمنان اسلام کے خلاف شمشیر بے نیام تھے،

جی ایم سید ابتداء حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندی کے حلقہ ارادت سے وابستہ تھے۔ جب ان کے خیالات تبدیل ہو گئے تو ان سے تعلقات ختم کر لئے۔ ایک دفعہ پیر ہاشم جان سرہندی مدینہ طیبہ میں روضہ اقدس کے سامنے تلاوت کر رہے تھے کہ سید عبدالہادی اور جی ایم سید آپ سے ملنے آگئے۔ آپ نے جی ایم سید کیساتھ مصافحہ کرنے سے انکار کر دیا، اور فرمایا ”خدا اور رسول کے خلاف حملوں کی وجہ سے تم سے مجھے نفرت ہے“ یہ کلمہ قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دی، بعد ازاں اسے پیغام بھیجا کہ آپ سے مجھے ذاتی طور پر کوئی مخالفت نہیں سوائے اس کے کہ آپ نے اپنی تحریروں سے مسلمانوں کے دلوں کو زخمی کر دیا ہے۔ اگر آپ اپنی ان کارگزاریوں سے تائب ہوں اور مجھے تائب ہونے کی چند سطور لکھ کر دیں تاکہ میں یہیں سے سندھ کے اخبارات کو آپ کے تائب ہونے کی خبر بھیج دوں، پھر میں آپ سے خود ملنے کے لئے آ جاؤں گا۔ اس کے جواب میں جی ایم سید نے کہا کہ میں پہلے ہی تائب ہو چکا ہوں۔

آپ سے پوچھا گیا کہ اس وقت پاکستان مختلف قسم کے فتنوں میں گھرا ہوا ہے، آپ کے نزدیک ان میں بڑا فتنہ کونسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا، یہاں لا دینیت سب سے بڑا فتنہ ہے، اس کے پرورش کرنے والے شیخ ایاز اور جی ایم سید ہیں، ان لوگوں نے اصول دین پر رکیک حملے کئے ہیں، یہ قادیانیت سے زیادہ خطرناک ہیں، یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان نہیں، سندھی ہیں اور نئی پود کو سندھی کی بنیاد پر منظم کر رہے ہیں، جو بہت ہی خطرناک ہے۔

جون، جولائی ۱۹۷۲ء میں جب کراچی اور سندھ میں بعض شریکین عناصر نے لسانی ہنگامہ کھڑا کر کے مسلمانوں میں اختلاف و انتشار پیدا کر دیا تو مولانا پیر ہاشم جان نے اپنے تمام ذرائع اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے صرف کر دیئے، سندھی اور اردو میں لٹریچر شائع کیا، اس سلسلے میں پیر الہی بخش، سابق وزیر اعلیٰ سندھ ان کے معین

تذکرہ حضرت محدث دکن

میں وسیع معلومات رکھتے تھے خصوصاً مشائخ خاندان مجددیہ کے حالات کے حافظ تھے آپ کا کتب خانہ بہت بڑا تھا۔ انہیں کتابوں سے والہانہ شغف تھا۔ دور دور سے کتابیں منگواتے، نادر قلمی کتابوں کی مائیکرو فلم یا فوٹو سٹیٹ حاصل کر کے محفوظ کر لیتے، کراچی کے علماء میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے، اپنے خیر آبادی اساتذہ کا بڑی محبت سے ذکر کیا کرتے تھے۔

۲۲ رمضان المبارک ۲۸۰ ستمبر (۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء) کو حضرت پیر ہاشم جان سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا کونٹہ میں وصال ہوا۔ آپ کی آخری آرام گاہ ٹنڈو سائیں داد (سندھ) میں ہے۔ (تذکرہ اکابر ص ۵۰۷)

۵۹۔ خطیب سحر بیاں حضرت مولانا محمد یار قدس سرہ (گڑھی شریف)

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد یار ملقب بہ عبدالنسی المختار ابن مولانا عبدالکریم (رحمۃ اللہ تعالیٰ) ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء میں گڑھی اختیار خاں ضلع رحیم یار خاں میں پیدا ہوئے۔ مولانا رحمت اللہ، مولانا محمد حیات اور مولانا تاج محمود سے علوم دینیہ کی تحصیل کی اور ۱۹ سال کی عمر میں سند فراغت حاصل کر لی۔ حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ (چاچڑاں شریف، ضلع ڈیرہ غازی خاں) کے دست اقدس پر بیعت ہوئے، حضرت خواجہ صاحب کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد بخش (المعروف بہ نازک کریم کی خدمت میں رہ کر دس سال تک کسب فیض کیا اور ان کے مدرسہ میں درس دیا، ان کے وصال کے بعد ایک مدت تک صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معین الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں رہے اور اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ پھر اپنے وطن گڑھی اختیار خاں چلے گئے اور علوم و معارف کے دریا بہا دیئے۔ ۱۳۳۳ھ میں آپ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

مولانا کی تقریر حد درجہ دلکش اور پُر سوز ہوا کرتی تھی، مسائل تصوف کو

تذکرہ حضرت محدث دکن

کمال خوبی سے بیان کرنا آپ پر ختم تھا۔ چونکہ صاحبِ حال تھے اس لئے ان کی گفتگو بے حد موثر ہوتی تھی اور سننے والوں پر محویت کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ خانپور میں تقریر کے لئے تشریف فرما ہوئے اور آغاز تقریر میں فرمایا کہ مخالفین ہمارے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ صرف اچھی آواز کے ساتھ وعظ کہنا جانتے ہیں اور کسی چیز سے انھیں سروکار نہیں، آج میں خاموش تقریر کروں گا، مخالفین میں سے کسی میں سکت ہے تو ایسی تقریر کر دکھائے! پھر حاضرین سے فرمایا کہ آنکھیں بند کر لو۔ اور میرے ساتھ ملکر ذکر کرو۔ چند مرتبہ ذکر کرنے کے بعد آپ خاموش ہو گئے، پوری محفل پر سناٹا چھا گیا، تمام حاضرین تین گھنٹے تک چپ چاپ سر جھکائے بیٹھے رہے، وقت گزرنے کا کسی کو احساس تک نہ ہوسکا۔

شہنوی مولانا روم کے تو گویا حافظ تھے، خود بھی شعر کہتے تھے، آپ کا کلام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اپنے شیخ کی عقیدت و محبت میں ڈوبا ہوا ہے اور دیوان محمدی کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ آپ بلبل اور محمد تخلص کرتے تھے۔

۱۳ رجب، مئی (۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء) پیر کی رات کو لاہور میں آپ کا وصال ہوا اور حضرت میاں میر رحمۃ اللہ تعالیٰ کے احاطہ میں دیوار کے ساتھ بیرونی جانب دفن ہوئے۔ چھ ماہ بعد آپ کا تابوت گڑھی اختیار خان منتقل کیا گیا جہاں آپ کا مزار مرجعِ خلافت ہے۔ ہر سال بڑی دھوم دھام سے آپ کا عرس منایا جاتا ہے جس میں آپ کے ہزاروں مریدین شرکت کرتے ہیں آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ غلام نازک بلند پایہ فاضل اور سجادہ نشین ہیں۔ (تذکرہ اکابر از مولانا شرف قادری ص ۵۱۲)

۶۰۔ مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش رحمہ اللہ تعالیٰ

مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش درانی ابن مرید احمد خان، ابتدائے محرم ۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اجداد میں سے جناب گل محمد (جن کا تعلق افغان

تذکرہ حضرت محدث دکن

قوم کے قبیلہ محمد زئی ورنانی سے تھا (۱۸۰۰ء میں افغانستان سے ہجرت کر کے قریہ بھدم مضافات جالندھر میں تشریف لے آئے تھے۔ جناب گل محمد کی صاحب علم و فضل اولاد نے ترویج علوم میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

مولانا میکش نے ابتدائی تعلیم اپنے بزرگوار سے حاصل کی، بعد ازاں جالندھر کے سکول میں پڑھتے رہے پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے لاہور کے کالج میں داخلہ لیا اور دو سال تک مصروف تحصیل رہے ۱۹۲۰ء میں تحریک آزادی کی خاطر کالج کو خیر باد کہہ کر کابل چلے گئے۔ ایک سال بعد واپس لاہور آگئے اور ۱۹۲۲ء سے ۱۹۵۵ء تک مختلف روزناموں میں ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا، علمی، ادبی اور آزادی کی تحریکوں میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیتے رہے، ہفتہ روز افغانستان (جو فارسی میں شائع ہوتا تھا) میں انگریزی استعمار کے خلاف مقالات لکھنے کی بنا پر ۱۹۳۱ء میں ایک سال تک جیل میں رہے لیکن جیل سے واپس آنے پر بھی ان کی ادبی سیاسی دلچسپی میں کوئی فرق نہ آیا، مولانا میکش نے لاہور سے نکلنے والے روزناموں مثلاً زمیندار، احسان، شہباز، مغربی پاکستان اور نوائے پاکستان میں رئیس التحریر کی حیثیت سے کام کیا، انہوں نے صحافتی فرائض انجام دینے کے ضمن میں تنہا سنگاپور، ملایا اور برما کا سفر کیا۔

مولانا میکش اپنے دور کے نامور اور بیباک صحافی تھے۔ شیخ اسماعیل پانی پتی (آنجمانی) لکھتے ہیں:

”اپنے زمانے میں لاہور کی صحافت میں ان کا طوطی بولتا تھا۔“

آپ نے زندگی کے آخری ایام بڑی عسرت میں گزارے مگر عزم و استقلال میں فرق نہ آیا حضرت حافظ مظہر الدین مدظلہ فرماتے ہیں:

”مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں مجھ سے فرمایا تھا کہ ایک دن میں اپنی زندگی کی ناہمواریوں سے تنگ آکر پریشان بیٹھا تھا کہ حضرت

تذکرہ حضرت محدث دکن

خضر آئے اور مجھے تسکین دے کر چلے گئے۔“

مولانا میکش مایہ ناز صحافی، بلند پایہ ادیب، ملت اسلامیہ کے بے باک ترجمان اور تحریک آزادی کے سرگرم رکن تھے۔ جمعیتہ العلماءِ پاکستان کے مشیر قانونی اور قائد تحریک ختم نبوت مولانا ابوالحسنات قادری کے رفیق خاص تھے۔ ۱۹۴۶ء میں جب بنارس میں آل انڈیائی کانفرنس منعقد ہوئی تو مولانا ابوالحسنات خاص طور پر آپ کو اپنے ساتھ لے گئے وہاں مولانا میکش خصوصی اجلاسوں میں شریک ہوئے اور متعدد قراردادیں پیش کیں جو اتفاق رائے سے منظور کی گئیں۔

مولانا میکش قادر الکلام شاعر تھے، مادری زبان فارسی ہونے کی وجہ سے آپ کا اکثر کلام فارسی میں ہے، آپ نے متعدد کتابیں بھی لکھیں جن میں سے درج ذیل طبع ہو چکی ہیں:

- ۱۔ الہامی افسانے ۲۔ البرز شکن گرز عرف مرزائی نامہ ۳۔ اخراج اسلام از ہند
- ۴۔ تقدیر و تدبیر ۵۔ تاریخ اقوام عالم (دو جلد) ۶۔ تاریخ اسلام (چار جلد)
- ۷۔ اسلام اور معاشی اصلاحات ۸۔ دو دل (مجموعہ کلام اردو، مجموعہ کلام فارسی غیر مطبوعہ)۔

”تقوی القلوب حضرت محدث اعظم ہند کچھ چھوی قدس سرہ نے آپ ہی کے سوالات پر قلمبند فرمائی تھی۔“

(۲۷ جولائی ۱۳۷۹ھ / ۱۹۵۹ء) کو مست شراب الست ہو کر راہی دار آخرت ہوئے۔
(تذکرہ ص ۵۱۶)

۶۱۔ فقیہ عصر حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد قدس سرہ العزیز

حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد ابن مولانا مفتی محمد مظفر اللہ ابن مفتی محمد سعید ابن مفتی محمد مسعود (علیم الرحمۃ) تقریباً ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

قاری فضل الدین مدرس مدرسہ عالیہ مسجد جامع فتحپوری دہلی سے قرآن مجید حفظ کیا اور علم تجوید و قراءت حاصل کیا۔ ماہ رمضان المبارک میں مسجد فتحپوری میں سالہا سال قرآن پاک سنایا۔

علوم دینیہ کی ابتدائی تعلیم والد ماجد حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی، اس کے بعد تقریباً ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء میں مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری، دہلی میں چوتھے درجے میں داخل ہوئے اور آٹھویں درجے تک (جو درجہ تکمیل تھا) تعلیم حاصل کی۔ ۵ ذوالحجہ (۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء) کو فارغ التحصیل ہوئے اور سند حاصل کی۔ بعد ازاں علم طب کی طرف متوجہ ہوئے اور حکیم جمیل الدین (استاذ حکیم اجمل خاں) سے شرح موجز، شرح اسباب اور حمیات القانون پڑھیں اور جمادی الاخریٰ (۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء) کو سند حاصل کی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک حکیم محمد ظفر خان (برادر کلاں حکیم محمد اجمل خاں) کے مطب میں عملی تجربہ کیا۔ علوم عقلیہ و نقلیہ اور طب کی تحصیل کے بعد شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے خانوادہ میں مفتی صاحب کا عقد مسنون ہو گیا۔

حضرت مفتی صاحب نے زمانہ تحصیل میں تقریباً ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء سے مسجد جامع فتحپوری، دہلی میں نائب امام کی حیثیت سے اپنے فرائض سنبھالے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ شاہی امام تھے۔ جب آپ تحصیل علم سے فارغ ہو گئے تو فتویٰ نویسی کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد کی گئی چنانچہ تقریباً ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء سے ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء تک برابر ۳۹ سال تک یہ فرائض کمال خوبی سے انجام دیتے رہے۔ اگر آپ کے فتاویٰ باقاعدگی سے جمع کئے جاتے تو کئی ضخیم مجلدات مرتب ہو جائیں۔

مفتی صاحب نے علوم باطنی میں مولانا شاہ رکن الدین الوری رحمۃ اللہ تعالیٰ (م ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء) خلیفہ حضرت مفتی محمد مسعود رحمۃ اللہ تعالیٰ (م ۱۳۰۹ھ) سے

تذکرہ حضرت محدث دکن

استفاضہ کیا اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۸ء میں حضرت ضیاء معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے آغا جان علیہ رحمۃ اللہ نے سلاسلِ اربعہ میں اجازت و خلافت عطا فرمائی آپ کے والد ماجد نے بھی اجازت و خلافت سے نوازا۔ ۱۹۴۷ء تک دہلی میں امامت اور افتاء کے فرائض بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ مسلم لیگ میں شامل ہو کر تحریک پاکستان کے لئے گرانقدار خدمات انجام دیتے رہے بعد ازاں گوشہ نشینی اختیار کر لی اور فتویٰ نویسی، تعویذ نویسی اور طبابت میں مشغول رہے۔

آپ کی تصانیف میں سے چند رسائل یہ ہیں:

۱۔ الدعاء للمجاہد وللغیر المجاہد

۲۔ الحماہ

۳۔ عقائد و اعمال

۴۔ شمشیر صداقت وغیرہ وغیرہ۔

۱۹۳۶ء سے قبل ” المرشد “ وغیرہ رسائل میں آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے۔ آپ بڑے خود دار اور غیور تھے، حق گوئی اور بے باکی آپ کے مزاج کے نمایاں اوصاف تھے، تحریک ختم نبوت میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں مگر حاکم وقت کے آگے نہ جھکے، تبلیغ و اشاعت دین میں نمایاں کردار ادا کیا، آپ کے دستِ اقدس پر بے شمار غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے۔

آخر عمر میں عارضۂ قلب لاحق ہو گیا۔ ۶ دسمبر، ۱۷ شوال (۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء) کو پاک بھارت جنگ کے دوران نماز تہجد پڑھ کر مسند پر لیٹ گئے تسبیح ہاتھ میں تھی اور پڑھتے پڑھتے جان جان آفریں کے سپرد کر دی، مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ نے تاریخ وفات کمی جس کا تاریخی شعریہ ہے:

تذکرہ حضرت محدث دکن

شرافت ز سال وصال بگفت
ولی ولایت بخلد بریں

۱۳۶۱ھ

حضرت مفتی صاحب کے تین صاحبزادے حافظ قاری محمد ظفر احمد، حافظ محمد اظہر احمد، حکیم محمد نذر احمد (مدظلہم العالی) اور پانچ صاحبزادیاں ہوئیں، ایک صاحبزادی عالم شباب میں انتقال کر گئیں، جناب ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ پرنسپل گورنمنٹ کالج مٹھی ضلع تھرپارکر (سندھ) حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے برادر گرامی ہیں اور علم و ادب کی دنیا میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ (تذکرہ ص ۵۲۲)

۶۲۔ رہبر طریقت حضرت خواجہ محمد مقبول الرسول قدس سرہ (اللہ شریف) پر طریقت حضرت خواجہ محمد مقبول الرسول ابن حضرت خواجہ عبدالرسول للہی قدس سرہما ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے مورث اعلیٰ حضرت خواجہ غلام نبی للہی خلیفہ حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری دائم الحضور اپنے دور کے مقتدر عالم دین اور بلند پایہ شیخ طریقت تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ عبدالرسول نے آپ کو حضرت خواجہ غلام حسن (ڈھڈیاں ضلع جہلم) خلیفہ اعظم حضرت خواجہ غلام نبی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور فرمایا ”ایسا نہ ہو کہ ہم دنیا سے رخصت ہو جائیں اور ان کی تعلیم و تربیت ادھوری رہ جائے لہذا آپ انہیں باطنی علوم و فیوض سے نوازیں“ کچھ دن بعد ہی حضرت خواجہ عبدالرسول رحمۃ اللہ تعالیٰ کا وصال ہو گیا۔ حضرت خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ نے پوری توجہ سے خواجہ محمد مقبول الرسول کی تربیت فرمائی اور برسوں کا کام مہینوں میں مکمل فرمادیا۔ خواجہ صاحب اردو اور فارسی پر کامل عبور رکھتے تھے۔ دونوں زبانوں میں بلا تکلف تحریر و تقریر پر قادر تھے۔

حضرت خواجہ محمد مقبول الرسول بڑے خلیق، ملنسار اور سادگی پسند تھے علماء کی تعظیم، غرباء سے محبت اور امراء سے بے نیاز آپ کی امتیازی اوصاف تھے۔ تواضع و انکسار کے پیکر تھے۔ متعلقین کو بھی یہی درس دیتے تھے، ایک دفعہ آپ سے پوچھا گیا کہ سالک کس فعل یا عمل سے جلد منزل مردانک پہنچ سکتا ہے۔ فرمایا:

یکے آنکہ بر خویش خود ہیں مباح
دگر آنکہ بر غیر بد ہیں مباح

کوئی عقیدت مند خوشی اور اخلاص سے تحفہ پیش کرتا تو قبول فرما لیتے ورنہ قیمت دیئے بغیر لینا پسند نہ فرماتے۔ اتباع سنت مبارکہ کی پوری سعی فرماتے اور متبعین کو بھی سنت مطہرہ پر عمل پیرا ہونے کی تلقین فرماتے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

قیام پاکستان کی تحریک میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ مسلم لیگ کے نمائندوں کو کامیاب کرانے کے لئے زبانی اور خطوط کے ذریعے رغبت دلاتے رہے، اگر کسی مرید نے انتخابات میں مخالف پارٹی کو ووٹ دیا تو اس پر سخت ناراض ہوئے۔ برصغیر کی تقسیم سے پہلے آپ نے میاں کابل دین کو بلایا اور فرمایا ”قائد اعظم آزادی ملک کی خاطر اپنے آرام کو چھوڑ کر ظاہری کوشش میں مصروف ہیں، ہمیں چاہئے کہ باطنی طور پر کوشش کریں لہذا تم ہر روز درود پاک، استغفار، لاجول ولاقوۃ اور یاجتی یا قیوم عن تین ہزار بار اور سورۃ مزمل چالیس بار پڑھ کر آزادی کے لئے دعا کیا کرو“۔ میاں کابل دین نے ایک سال تک یہ معمول جاری رکھا، بعد ازاں آپ نے انھیں ایک خط لکھا کہ پاکستان کی بنیاد تحت الشری تک چلی گئی ہے۔ اس خط کے ایک ماہ بعد پاکستان کا اعلان ہو گیا جس سے آپ بہت مسرور ہوئے لیکن ابھی چند ماہ ہی گزرنے پائے تھے کہ قائد اعظم کا انتقال ہو گیا، ہندوستان نے کشمیر پر بھاری حملہ کر دیا، ادھر حیدر آباد پر ہندوستان کا تسلط ہو گیا۔ ان تمام واقعات سے آپ بڑے مغموم اور پریشان ہوئے لیکن یہ بات باعث اطمینان تھی کہ یہ واقعات مسلمانوں کے لئے تازیانہ عبرت ہیں، چنانچہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

”قائد اعظم صاحب کے انتقال سے جو مسلمانان پاکستان و مسلمانان عالم کو رنج و الم ہوا وہ محتاج بیان نہیں، لہذا جیسے بے حس شہر میں چار چار پانچ پانچ سال کے بچوں نے بھی دو عین دن تک کچھ نہ کھایا اور دھاڑیں مار کر روئے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے، اوپر سے حیدر آباد کا معاملہ پیش آیا، اس سے تو مسلمانوں کی کمر ٹوٹ گئی مگر بقول شخصے:

خدا شرے بر انگیزد کہ خیر ما دراں باشد

ان صدموں نے جو ایک ساتھ آئے ہیں مسلمانوں کی آنکھیں

کھول دی ہیں۔ جو لوگ سستی سے کام لے رہے تھے وہ بہت چوکنے ہو گئے ہیں اور بھاری ذمہ داری محسوس کرنے لگے ہیں گویا تازیانہ عبرت ثابت ہوا۔

حضرت خواجہ محمد مقبول الرسول صاحب کرامت بزرگ تھے۔ منشی کرم داد (بہاولپور) کا بیان ہے کہ:

”میرے گھر اولاد نہیں ہوتی تھی۔ آپ نے مورخہ ۲۰۰ / دسمبر ۱۹۳۷ء کو ایک خط لکھا جس میں لڑکے کی بشارت اور مبارک لکھی ہوئی تھی حالانکہ اس وقت حمل کا نشان بھی نہیں تھا، خدا کی شان اس خوش خبری کو اللہ تعالیٰ نے نومبر ۱۹۳۷ء میں خوبصورت فرزند عطا فرما کر پورا کر دیا لیکن آپ کی سب سے بڑی کرامت اتباع شریعت پر استقامت اور تبلیغ دین تھی“

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”چاہئے کہ نماز بیجاگاہ باوقات مسنونہ اور اوراد طریقت عالیہ نقشبندیہ قادریہ ہرگز قضا نہ کریں خصوصاً بوقت شام شجرہ شریف مروجہ اور بوقت سحر شجرہ شریف ذبیہ پڑھیں۔ اشد تاکید ہے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا خیال ہر وقت رکھنا اشد ضروری ہے۔ کار این است دیگر ہمہ ہیج

آپ نے دو عقد مسنون کئے پہلے عقد سے کوئی زینہ اولاد نہ تھی اس لئے دوسرا عقد مولانا مفتی عطا محمد (رتہ شریف، چکوال) کے ہاں کیا جس سے تین صاحبزادیاں اور پانچ صاحبزادے پیدا ہوئے۔ صاحبزادگان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت الحاج حافظ محمد مطلوب الرسول سجادہ نشین لہ شریف، آپ بلند اخلاق کے مالک اور تبلیغ دین کا بے پناہ جذبہ رکھتے ہیں۔

۲۔ صاحبزادہ محمد مقصود الرسول

۳۔ صاحبزادہ محمد صبغۃ اللہ

۴۔ حافظ محمد حجۃ اللہ

۵۔ صاحبزادہ محمد انوار

۱۴ ربیع الثانی، ۱۳ فروری، (۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۹ء) کو حضرت خواجہ محمد مقبول الرسول رحمۃ اللہ تعالیٰ کا میوہسپتال لاہور میں وصال ہوا، دوسرے روز آپ کو لہذا شریف میں اپنے جد امجد حضرت خواجہ غلام نبی للہی قدس سرہ العزیز کے قدموں میں دفن کیا گیا۔ آپ کے مرید صادق ڈاکٹر محمد شریف لائل پوری مدظلہ نے المقبول کے نام سے آپ کی سوانح حیات مرتب کی ہے۔ (تذکرہ از مولانا شرف قادری ص ۵۳۰)

۶۳۔ غوث الاسلام و المسلمین حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی جیلانی
قدس سرہ العزیز

ماہ شریعت مہر طریقت حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی ابن حضرت مولانا پیر سید نذیر الدین شاہ قدس سرہما یکم رمضان المبارک (۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۹ء) بروز سوموار گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب ۲۵ واسطوں سے حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ۳۶ واسطوں سے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔

قرآن مجید پڑھنے کے بعد مولانا غلام محی الدین ہزاروی سے کافیہ تک کتابیں پڑھیں، پھر بھونی ضلع راولپنڈی میں مولانا محمد شفیع قریشی کے مدرسہ میں داخل ہوئے اور ضلع سرگودھا میں مولانا سلطان محمود (مرید خاص حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ) سے پڑھا اور کانپور میں مولانا احمد حسن کانپوری کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت مولانا احمد حسن کانپوری سفر حرمین طیبین کے لئے تیار تھے

تذکرہ حضرت محدث دکن

اس لئے آپ نے استاذ الكل مولانا لطف اللہ علیگڑھی کی خدمت میں حاضر ہو کر معقول اور ریاضی کی کتب عالیہ کا درس لیا۔ مولانا احمد علی سہارنپوری محشی بخاری سے درس حدیث لیا اور ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں سند حدیث حاصل کی۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے تکمیل علوم کے بعد ایک عرصہ تک درس و تدریس کے ذریعہ تشنگان علوم کو سیراب کیا۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ کے نظریہ وحدۃ الوجود کے زبردست حامی اور مبلغ تھے، اس سلسلے میں علامہ اقبال کا ایک مکتوب بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

لاہور ۸ اگست ۱۹۳۳ء

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ السلام علیکم

جناب کی وسعت اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لئے کھٹکھٹایا جائے۔

میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے ادا شناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی، اب پھر ادھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے، نظر بایں حالات چند امور دریافت طلب ہیں، جناب کے اخلاق کریمانہ سے بعید نہ ہوگا اگر ان سوالوں کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے۔

۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء میں حرمین شریفین کی زیارت کے لئے گئے تو حضرت خواجہ عبدالرحمن چھوہروی قدس سرہ آپ کے ہمراہ تھے مکہ مکرمہ میں مولانا رحمت اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ تعالیٰ بانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ سے ملاقات ہوئی تو وہ آپ کے علم

و فضل سے بہت متاثر ہوئے ، مولانا محمد غازی رحمۃ اللہ علیہ نائب مدرس مدرسہ صولتیا آپ کے فضل و کمال کے اتنے گرویدہ ہوئے کہ ہمیشہ کے لئے گولڑہ شریف آگئے۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت وہ ثنوی شریف کا درس دے رہے تھے، ایک شخص ثنوی شریف کے ایک شعر کے بارے میں تشفی حاصل کرنا چاہتا تھا، حضرت حاجی صاحب کی اجازت سے حضرت پیر صاحب نے اس شعر کی ایسی عارفانہ تقریر کی کہ حاجی صاحب وجد میں آگئے اور آپ کو سلسلہ چشتیہ صابریہ میں اجازت سے نوازا۔ حضرت پیر مر علی شاہ گولڑوی خود فرماتے ہیں۔

” بوقت زیارت بیت اللہ کے حاجی امداد اللہ صاحب کہ اہل کشف و کرامت تھے خود ہی نعمت باطنی بخشنے کو اس عاجز کی طرف متوجہ ہوئے، ہمارے دل میں خیال آیا کہ جو چہرہ ہم نے دیکھا ہے وہ جہان میں نظر نہیں آتا، ان کے کمال اصرار کے بعد کہا گیا کہ ہم کو تو حاجت نہیں لیکن آپ کی عنایت بھی ہم اپنے شیخ کی جانب سے جانتے ہیں بعد انہوں نے سلسلہ صابریہ اکرام فرمایا۔“

حضرت پیر صاحب چاہتے تھے کہ حرمین طیبین میں قیام کیا جائے، حضرت حاجی صاحب نے بتا کید مراجعت کا حکم دیا اور فرمایا:

”ہندوستان میں عتقرب فتنہ برپا ہونے والا ہے لہذا تم ضرور اپنے ملک ہندوستان میں واپس چلے جاؤ، بالفرض اگر آپ ہند میں خاموش ہو کر بیٹھ بھی جائیں گے تو پھر بھی وہ فتنہ ترقی نہ کر سکے گا، پس ہم حضرت حاجی صاحب کے اس کشف کو اپنے یقین کی رو سے مرزا قادیانی کے فتنہ سے تعبیر کرتے ہیں۔“

مدینہ طیبہ کے سفر میں وادی حراء میں ڈاکوؤں کے خطرے کی بنا پر حضرت عشاء کی

تذکرہ حضرت محدث دکن

سنتیں ادا نہ کر سکے، خواب میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا سے مستفیض ہوئے حضور نے فرمایا:

”آل رسول را نباید کہ ترک سنت کند“

اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ اپنی مشہور نعت میں

فرماتے ہیں:

لاہو کھ تھیں مُحَظَّظ بُردِ مین من بھانوری شکل دکھاؤ سخن
اوپا مٹھیاں گالیں الاؤ مٹھن جو حمرا وادی سن کریاں

اسی تصور کو ایک اور نعت میں یوں پیش کی ہے:

کراں یاد میں سوہنی جھات نوں اس سفر عرب والی رات نوں
اس حمرا وادی دی گھات نوں یا لتینی یوم الوصال
حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ نے عمر بھر شریعت و طریقت کی بے مثال
خدمات انجام دیں، مسلک اہل سنت کی حمایت اور بد مذہبوں کی سرکوبی پر خاص طور
پر توجہ فرمائی، مولانا فیض احمد گولڑوی لکھتے ہیں:

”حضرت نے امکان کذب باری تعالیٰ کو محال، علم غیب عطائی

اور سماع موتے کو برحق اور ندائے یار رسول اللہ، زیارت قبور،

توسل و استمداد انبیاء و اولیاء علیہم السلام اور ایصالِ ثواب کو

جائز قرار دیا۔“

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی پیش گوئی کے مطابق آپ کی مساعی
جمیلہ نے قننہ قادیانیت کی سازشوں پر پانی پھیر دیا، ۱۳۱۷ھ / ۱۹۰۰ء میں آپ نے
شمس الہدایہ لکھ کر حیات مسیح علیہ السلام پر زبردست دلائل قائم کئے، مرزا قادیانی ان
دلائل کا جواب تو نہ دے سکے البتہ مناظرے کا چیلنج دے دیا۔ ۲۵ جولائی ۱۹۰۰ء کی
تاریخ برائے مناظرہ طے پائی حضرت پیر صاحب اور علماء کی بہت بڑی جماعت مقررہ

تاریخ پر شاہی مسجد لاہور میں پہنچ گئی لیکن مرزائے قادیانی کو سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس خفت کو مٹانے کے لئے ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء کو سورۃ فاتحہ کی تفسیر اعجاز المسیح کے نام سے عربی زبان شائع کی جس کے بارے میں مرزا یہ تاثر دے رہا تھا کہ یہ الہامی تفسیر ہے، حضرت پیر صاحب نے ۱۹۰۲ء میں ”سیف چشتیانی“ لکھ کر شائع فرمادی جس میں مرزا کی عربی دانی کی قلعی کھول دی اور قادیانی دعویٰ کی دھجیاں بکھیر دیں، کتاب آج تک لا جواب ہے۔

اسی طرح جب وہابیت نے پر پرزے لگانے شروع کئے اور سواد اعظم اہل سنت کے خلاف ریشہ دو انیاں شروع کیں تو آپ نے ان کا سختی سے محاسبہ فرمایا، مولوی عبدالاحد خانپوری وہابی، آپ کی وہابیت کش پالیسی پر بڑے برہم رہتے تھے چنانچہ انھوں نے ایک رسالے میں دس علمی سوال لکھ کر حضرت کو جواب دینے کی دعوت دی۔ آپ نے الفتوحات الصمدیہ میں ان سوالات کے جوابات دے کر بارہ سوالات اپنی طرف سے پیش کئے جن کا جواب مولوی عبدالاحد خانپوری بلکہ ان کی تمام جماعت سے نہ بن سکا۔ اعلاء کلمۃ اللہ (نذر و نیاز، سماع موتی، استمداد وغیرہ مسائل پر لا جواب کتاب) بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔

تقویۃ الایمان میں مولوی اسمعیل دہلوی کی روش پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”الحاصل کاملین کی ارواح اور بتوں میں ظاہر و باہر فرق ہے، لہذا بتوں کے بارے میں وارد ہونے والی آیات کو انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرنا جیسا کہ تقویۃ الایمان میں ہے، قبیح تحریف اور بدترین تخریب ہے“ (ترجمہ)۔

آپ کے خلاف وہابیوں کے مشتعل ہونے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ آپ نے سیف چشتیانی میں مدعیان نبوت کا ذکر کرتے ہوئے مسلمہ کذاب اور مرزائے قادیانی کے

تذکرہ حضرت محدث دکن

ساتھ ساتھ محمد بن عبد الوہاب نجدی کو بھی شمار کر دیا تھا۔
 حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی شریعت و طریقت کے راہنما تھے، انہوں نے ملکی سیاست میں حصہ نہیں لیا۔ لیکن جب تحریکِ خلافت اٹھی تو آپ نے کسی کی پروا کئے بغیر، شرعی نقطہ نظر کو وضاحت سے پیش کیا، ترکی سلطنت کو خلافتِ اسلامیہ کا درجہ نہیں دیتے تھے تاہم آپ کی تمام ہمدردیاں ترکی مسلمانوں کے ساتھ تھیں، چنانچہ طرابلس اور بلقان کی جنگ کے موقع پر گھر کے زیورات اور اصطلبل کے گھوڑے تک فروخت کر کے قیمت چندہ میں دے دی تھی۔ تحریکِ ہجرت کے بارے میں فرمایا کہ اس غیر شرعی ہجرت کا نتیجہ خراب نکلے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ نے ذبیحہ گاؤ کی ممانعت کو ناپسندیدگی نظر سے دیکھا، کانگریسی لیڈوروں نے جب انگریزوں سے ترک موالات پر زور دیا تو فرمایا:

”یہود اور مشرکین کی عداوت قرآن شریف میں صراحتاً مذکور ہے
 پس ترک موالات ہندو اور انگریز اور یہود سب سے ہونی چاہئے،
 تفریق اور ترجیح بلا مرجح (یعنی انگریزوں سے مقاطعہ اور ہندو سے
 دوستی ٹھیک نہیں ہے)“

آپ کی محققانہ تصانیف کے نام یہ ہیں۔

۱۔ سیفِ چشتیانی ۲۔ شمس الہدایہ

۳۔ تحقیق الحق ۴۔ عجالہ بردو سالہ

۵۔ الفتوحات الصمدیہ ۶۔ اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان اہل بہ لغیر اللہ ۷۔ فتاویٰ مہریہ

۲۹ صفر ۱۱۰۰ مئی (۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء) بروز سہ شنبہ آپ کا وصال ہوا۔ گولڑہ شریف میں

آپ کے مزار مبارک کا گنبد دور سے دعوتِ نظارہ دیتا ہے، ہر سال آپ کے عرس

کے علاوہ حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس بڑی عقیدت سے منایا

جاتا ہے۔ (تذکرہ ص ۵۳۶)

۶۳۔ سراج السالکین حضرت سید نور الحسن شاہ بخاری قدس سرہ
(کیلیانوالہ شریف)

عارف کامل حضرت سید نور الحسن شاہ ابن حضرت سید غلام علی شاہ ابن حضرت سید حیات شاہ (قدست اسراہم) ۲۷ جمادی الاولیٰ ۳۰۰ جنوری (۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۹ء) چہار شنبہ کی شب کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے آپ کے آباء و اجداد با کمال بزرگ تھے۔ آپ کی طبع سلیم میں ابتدا ہی سے تقویٰ و طہارت اور نیکی کے جذبات بدرجہ اتم موجود تھے۔ ظاہری تعلیم کے لئے آپ پہلے احمد نگر اور پھر قصبہ رسول نگر کے اسکول میں داخل ہوئے اور پرائمری پاس کر کے سکول چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ بعد کیلیانوالہ شریف کے خوشنویس مولانا نور الہی سے فن خوشنویسی سیکھا پھر کچھ عرصہ ٹھیکیداری کرتے رہے بعد ازاں چک ۱۳ ضلع شیخوپورہ منتقل ہو گئے۔

کیلیانوالہ شریف کے خاندان سادات کے بہت سے افراد شیعہ ہو گئے تھے، انہی کے زیر اثر آپ بھی تشیع سے متاثر تھے لیکن موجودہ دور کے شیعہ کے برعکس نماز اور روزہ کے پابند تھے، قدرت نے آپ کو بڑی دلکش اور پرسوز آواز عطا فرمائی تھی چنانچہ جب آپ مجلس پڑھتے تو سامعین بڑے اشتیاق سے سنتے، نعت بھی بڑے سوز و گداز سے پڑھتے۔ ایک دفعہ شرقپور شریف جا کر مجلس پڑھی تو دھوم مچ گئی کسی نے جا کر عارف ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا ”شاید یہ ہی ہمارا کام دیں“ ولی کامل کی زبان سے نکلا ہوا یہ جملہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا اور حضرت نور الحسن شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت میاں شیر محمد شرقپوری سے وہ رابطہ قائم ہوا جو دن بدن بڑھتا ہی رہا اور آپ کے ذریعہ رشد و ہدایت کا ایسا چشمہ جاری ہوا جس سے لاکھوں تشنہ کام سیراب ہوئے۔

حلقہ ارادت میں داخل ہونے کے بعد آپ نے شرقپور شریف میں قیام کے دوران

تذکرہ حضرت محدث دکن

پچیس منٹ پر ۶۳ برس کی عمر میں یہ آفتاب ولایت عازم فرووس ہوا ، حضرت کیلیانوالہ شریف میں آپ کا مرقد منور مرجع خلائق ہے ۔ آپ کے وصال کے بعد بڑے صاحبزادے حضرت سید محمد باقر علی شاہ مدظلہ العالی سجادہ نشین ہوئے ۔

مولانا محمد عبداللہ کنجاہی نے درج ذیل تاریخ وفات کھی ہے :

سید السادات فرزند رسول جامع الحسنات ، دہلند بتول	ماہی بدعات ، ابن مرتضیٰ قرۃ العین شہید کربلا
راحت جان جناب شاہ حسن سیدی سندی شہ نور الحسن	نور کامل ز آفتاب شرقپور بے شبہ بد ماہتاب شرقپور
بود غوث وقت ہم قطب رشاد کرو رحلت از فنا سوئے بقا	ہر کہ آمد بر درش شد با مراد مخلصاں را رنج و غم ، آہ و بکا
مہ ربیع اول ، سوم تاریخ بود گفت تاریخ وصال مولوی	چوں بیاید روح پاکش در صعود خادم شاہ سلیمان تونسوی
رفت خضر راہ دعاگو در جنان ” پیر نور الحسن شاہ عارف زماں ”	

۱۹۵۲ء

ذکر حق پیر نور الحسن شاہ رحمت حق صلہ یافت از بارگاہ

۱۹۶۲ء

(تذکرہ ص ۵۵۱)

۶۵۔ علامہ زماں مولانا سید نور اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ

بلند پایہ واعظ اور بے مثل شاعر مولانا سید نور اللہ شاہ ابن مولانا سید چراغ شاہ ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے ۔ درس نظامی کی ابتدائی کتابیں مولانا میر حسن سیالکوٹی (استاذ علامہ اقبال) سے آخری کتابیں اپنے بڑے بھائی مولانا

تذکرہ حضرت محدث دکن

سید عبداللہ شاہ سے پڑھیں۔ آپ حضرت مولانا قاضی سلطان محمود (آوانی) قدس سرہ العزیز کے سفر و حضر کے ساتھی تھے۔ جب حضرت قاضی صاحب بزرگان دین کے مزارت عالیہ کی زیارت کے لئے جاتے تو اکثر آپ کو شرف معیت حاصل ہوتا تھا۔ اور بقول نواب معشوق یار جنگ جب حضرت قاضی صاحب آخری دفعہ اپنے شیخ حضرت مولانا اخوند عبدالغفور قدس سرہ کے مزار شریف کی زیارت کے لئے سوات تشریف لے گئے تو مولانا سید نور اللہ شاہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔

آپ فارسی زبان کے عالی مرتبہ شاعر تھے، آپ کے کلام سے قادر الکلامی اور گہرے درد و سوز کا پتہ چلتا ہے ایک نعتیہ مسدس (غیر مطبوعہ) کے چند بند ملاحظہ ہوں:

بدر تو کہ من از وے بجانم بعرض مدعا تر شد بجانم
 چه درد است اینکہ مدبیرش ندانم بکن چارہ کہ تو مشکل کشائی
 منہ بر سینہ ام سنگ جدائی کجائی یا رسول اللہ کجائی
 گلستان وفا را نو بہاری بمیدان کرامت شہسواری
 پئے محنت شعاران غم گساری شکستہ خاطران را مومیائی
 منہ بر سینہ ام سنگ جدائی کجائی یا رسول اللہ کجائی
 زلیخانے صبا چوں جستجو کرد قبائے یوسف گل مشکبو کرد
 لب اندر مرحبائش سو بو کرد ہمہ این است لطف مصطفائی
 منہ بر سینہ ام سنگ جدائی کجائی یا رسول اللہ کجائی

آپ نے حضرت شاہ دولہ دریائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت قاضی سلطان محمود (آوانی) قدس سرہ کی تعریف میں متعدد گراں قدر فارسی قصائد لکھے ہیں، ذیل میں حضرت قاضی سلطان محمود آوانی قدس سرہ کی شان میں ایک قصیدہ مدحیہ کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں جن کا ہر مصرعہ قابلِ داد ہے:

روز گارے شد کہ دارم دل زار و حزین آرزوئے مدحت شاہشہ دنیا و دین

طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ مولانا سید سلیمان اشرف پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۲۔ شیخ القرآن مولانا محمد عبدالغفور ہزاروی

۳۔ سلطان المدرسین مولانا عطاء محمد چشتی گوٹروی مدظلہ

پاکستان کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ امدادیہ مظہریہ، بندیال شریف آپ کی یادگار ہے۔ یہ مدرسہ آپ کے صاحبزادگان حضرت مولانا محمد عبدالحق بندیالوی مدظلہ العالی اور حضرت مولانا محمد فضل حق بندیالوی زید مجدہ کے زیر اہتمام نہایت کامیابی سے چل رہا ہے۔ اس دارالعلوم نے اہل سنت والجماعہ کو فضلاء اور مدرسین کی بہت بڑی جماعت مہیا کی ہے۔ سلطان المدرسین، استاذ العلماء الکاملین حضرت مولانا عطا چشتی گوٹروی دامت برکاتہم العالیہ اس دارالعلوم میں علم و فضل کا دریا بہا رہے ہیں۔

آپ نے تحریک پاکستان میں نمایاں حصہ لیا، ضلع سرگودھا کے اکثر امراء یونیورسٹی تحریک کے حامی ہونے یا خضر وزارت کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کے سخت خلاف تھے اس کے باوجود فقیہ العصر قدس سرہ نے تحریک پاکستان کے حق میں زور دار تقریریں کیں طبقہ امراء کے ماتھے شکن آلود ہوئے لیکن آپ نے کسی کی پروا کئے بغیر فرمایا ”ایکسٹروف اسلام کا تھنڈا ہے اور دوسری طرف کفر کا، اب تمہاری مرضی ہے جسے چاہو اختیار کرو“ چنانچہ آپ کی تحریک پر ہزار ہا افراد مسلم لیگ میں شریک ہوئے۔

۲۲ محرم الحرام ۲۰ دسمبر (۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء) کو فقیہ عصر مولانا یار محمد بندیالوی قدس سرہ محراب حقیقی سے جا ملے۔ آپ کا مزار شریف بندیال (ضلع سرگودھا) میں ہے۔ ہر سال ماہ محرم میں آپ کا عرس منایا جاتا ہے جس میں ملک کے نامور مقررین سمویت کرتے ہیں۔ (تذکرہ اکابر از مولانا اشرف قادری ص ۵۷۰)۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

تذکرہ علماء اہل سنت (ہندوستان) میں مولانا شاہ محمود احمد قادری نے لکھا ہے کہ مولانا یار محمد بندیا لوی اور مولانا اشرف علی تھانوی کا ایک مکالمہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کے بارے میں دہلی میں واقع ہوا۔ مولانا بندیا لوی نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا“ تو کیا سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے علم غیب ثابت نہیں؟ جواب میں مولانا تھانوی کہا: یہ کلیات کا علم ہے! تو پھر مولانا بندیا لوی نے جواب الجواب میں فرمایا: نہیں! لفظ ”کہا“ سے جزء یات کا بھی علم ثابت ہے اور یہ تو نص قرآنی ہے! اس پر مولانا تھانوی لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے ۱۲ ابوالخیرات غفرلہ۔

پاکستان کے علماء ربانیین رحمۃ اللہ علیہم کے مبارک تذکرہ پچھلے اوراق میں بیان کئے گئے، اس عاجز کے خیال میں یہ صاحب تذکرہ حضرت محدث دکن قدس سرہ کا فیض ہے کہ قارئین کرام کو اسلام کے چند صحیح نمونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زندگی کے روشن آئینوں کو دیکھنے کا سنہری موقع مل گیا، یہ حضرات کرام ملت اسلامیہ کے لئے صداقت کے رہنما اور رہبر تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اولیاء اللہ اور ہمیشہ ذات الہی سے وابستہ رہے، ان کا سر نہ بادشاہوں کے سامنے جھکا نہ وہ ظالموں سے خوفزدہ ہوئے، ان کی دنیا استغناء کی دنیا تھی اور ان کی دولت ایمان و یقین کی دولت! اعلاء کلمۃ اللہ ان کا مقصد اور خدمۃ الناس ان کا شیوہ! ۵۵:

بزم دم گفتگو، گرم دم جستجو

بزم ہو یا رزم ہو، پاک دل و پاکباز

کی صحیح تصویر تھی۔ حوادث کے تیز و تند جھونکے ان کے پایہ ثبات کو کبھی نہ ہلا سکے، زمانہ کی خونخوار نگاہیں کبھی ان کو اظہار حق سے روک نہ سکیں، وہ ہمیشہ نڈر ہو کر اپنا کام کرتے رہے۔ شاعر اسلام علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

ہوا ہے گو تیز و تند لیکن، چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جسکو حق نے دیا ہے انداز خسروانہ

حقیقت میں یہ نخلستانِ محمد (علی صاحبہا آلاف تحیۃ) کے باغبان ہیں۔ یہ محمدی کچھار
کے شیروں کی بہادر اور پاکباز جماعت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیوض اور برکتوں سے
ملت اسلامیہ کو مالا مال فرمائے آمین۔ بحرمتہ سید المرسلین! یہ عاجز اس مبارک
تذکروں کو اپنے برادرِ طریقتِ عالی قدر جناب مرزا شکور بیگ صاحب دامِ مجدہ کے
اس شعر پر ختم کرتا ہے:

چھپائے ہیں زمیں نے جواہرِ نایاب
تلاشِ اہلِ نظر کو ہے اسِ دُفینہ کی

تذکرہ حضرت محدث دکن

حیدر آباد فرخندہ بنیاد کے معاصرین کرام
 روئے احمد کے صدقے گل و یاسمن کتنا شاداب ہے آمنہ کا چمن
 سورۃ آل عمران کی آیت نمبر (۱۳۰) میں ارشاد ربی ہے ”وتلک الایام نداد لہا بین
 الناس“ (اور یہ دن ہیں جن میں ہم نے لوگوں کے لئے باریاں رکھی ہیں) یعنی دنیا
 کی سر بلندی اور پستی باری باری قوموں کو ملا کرتی ہے، کسی ایک قوم کا اس پر
 اجارہ نہیں۔

دلی میں مغلیہ سلطنت کا آفتاب ڈوبنے لگا اور احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے درمیان
 دلی میدان جنگ بن گیا تو نظام الملک آصف جاہ اول نے ۱۷۲۳ء میں مستقل طور پر
 دکن کا رخ کیا اور ۱۷۲۴ء میں دکن کی آزادی کا اعلان فرما کر دکن پر خود مختار حکومت
 کا آغاز فرمایا۔ اس طرح دکن پر آصف جاہی سلطنت کے نام سے اس گھرانے نے دو
 سو سال سے زیادہ (۱۷۲۴ تا ۱۹۴۸) حکومت کی ہے۔ (A History of Indo Pakistan
 by S.F. Mahmud P: 78)

سلاطین حیدر آباد کی مثالی رواداری اور آصف سابع نواب میر عثمان علی خان کی
 ولداری اور وضعداری نے وزیر اعظم مہاراجہ کشن پرشاد سے کہلوا یا:

”جب سے اس مشرق الانوار خسرو دکن نے اپنی حکومت کی
 بسم اللہ کی اور اس میں جشن شہانہ کی رسم ادا ہوئی دکن کے
 نصیب جاگے، بہار سلطنت نے پھول برسائے اور چرخ نیلی نے
 تارے اتارے۔ ظل اللہ کا اقبال چتر بن کر سایہ فگن ہوا۔ عزت
 و اجلال کے جلو میں ترقی کی رفتار نے برق خرامی کی، بخت
 آصف کا شہباز ہوائے ملک رانی میں پرواز ہوا، زمام سلطنت کو
 اپنے ہاتھ میں لے کر ثابت کر دیا۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارہ بلندی

سالار جنگ اول جب مدار المہام مقرر ہوئے تو ۱۸۵۶ء میں علوم مشرقیہ کی درسگاہ دارالعلوم قائم کیا اور ۱۸۹۰ء میں اس کا الحاق پنجاب یونیورسٹی سے ہوا۔ اور شیخ الاسلام حضرت شاہ انوار اللہ خان فاروقی خلیفہ حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی نے (۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۴ء) میں جامعہ نظامیہ کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۱۸ء میں آصف سابع نے جامعہ عثمانیہ قائم کی اور ذریعہ تعلیم اردو زبان قرار دیا اور مختلف علوم و فنون کی اردو زبان میں تدریس کے لئے ۱۹۱۷ء میں دارالترجمہ کا قیام عمل میں آیا۔ نواب میر یوسف علی خان (سالار جنگ سوم) کے انتقال کے بعد ۱۹۵۱ء میں کتب خانہ سالانہ جنگ کی تاسیس عمل میں آئی جو نہ صرف مطبوعات بلکہ مخطوطات کے ایک عظیم ذخیرہ پر مشتمل ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا شاہ انوار اللہ قدس سرہ نے جامعہ نظامیہ سے ملحق ایک عظیم ادارہ مجلس اشاعت العلوم کی ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء میں تاسیس فرمائی۔ اس ادارہ سے عربی، فارسی اور اردو زبان میں جلیل القدر علماء کے تالیفات مختلف علوم اور فنون میں شائع ہوئے۔ (ملاحظہ ہو ادبیات آصف سابع ص ۱۰، اور علماء العربیہ و مساهماتہم فی الادب العربی فی عہد الآصفجہیۃ از الاستاذ ڈاکٹر محمد سلطان محی الدین، صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ)

سرزمین دکن پر خاندان آصفی جب حکمران ہوا تو دار حکومت حیدر آباد ہندوستان کے شہروں میں ایک نمایاں حیثیت سے ممتاز ہوا اور علم و ادب اور تہذیب و تمدن کا مرکز بن گیا، نظم و نسق، عدل و انصاف اور دادرسی سے بادشاہوں نے حکمرانی کی اور علم و فن، تفسیر و حدیث، فقہ اور اصول سے حکمرانی ان علماء، ادباء، محدثین اور فقہاء نے کی جن میں مولانا عبدالصمد قندھاری، المقرنی مولانا السید محمد التونسی، المفتی ابوالفضل سید محمود قادری، الشیخ عبدالحق کانپوری مہاجر مکی، مولانا عبدالحق خیر آبادی، مولانا

عبدالحق حقانی، الشیخ عبداللہ باحطاب، شیخ عبدالرحمن ابوبکر بن شہاب العلوی، مولانا عبدالرحمن سہارنپوری المحدث، مولانا حمید الدین الفراهی، مولانا عبدالواسع، مولانا سید مخدوم حسینی، مولانا منصور علی خان، مولانا سید نادر الدین، مولانا عباس علی خان امر وہی نقشبندی، مولانا سید شجاع الدین (صاحب کشف الخلاصہ) محدث دکن مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی قادری، حضرت شیخ عبدالرحمن بغدادی (معروف بہ بڑے بغدادی) حضرت سید محمد بغدادی (معروف بہ منجھلے بغدادی)۔ (آپ عزیزم سید نذیر الدین حسینی معروف بہ پیراں کے جد امجد اور مولوی فصیح اللہ حسینی علیہ الرحمہ کے والد ماجد ہیں) مولانا السید ابو الطوفا الافغانی القندھاری، مولانا سید ابراہیم الادیب، مولانا محمد وحید الدین العالی، مولانا محمد یسین، مولانا عبداللہ العمادی، مولانا سید عثمان جعفری، مولانا محمد عبدالباری ندوی، مولانا سید نبی (مصنف منہاج العربیہ) ڈاکٹر عبدالحق، ڈاکٹر محمد عبد المعید خان اور آپ کے والد بزرگوار حضرت عبد الغفور خان نامی مؤلف اوائل الخیرات، مولانا جمیل الدین احمد، مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی (صدر الصدور) مولانا عبدالقدیر صدیقی، مولانا عبدالحق افغانی، مولانا سید شاہ وحید قادری، مولانا حکیم محمد حسین (شیخ الحدیث و امیر جامعہ نظامیہ)، مولانا مفتی عبداللطیف علیگڑھی، مولانا سید فرید پاشاہ قادری، مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری چشتی، مولانا حسام الدین فاضل یہ اور دیگر علماء کرام دولت آصفیہ کے ایسے روشن چراغ تھے جن کو زمانہ ان کے اپنے اپنے فن میں استاذ مانتا ہے۔

حیدرآباد کی سرزمین وہ مبارک سرزمین ہے جس پر غوث، قطب، اولیاء، مجاذیب، محققین، مفسرین، فاتحین، کاملین، علماء، مؤرخین، ادباء، فضلاء، فقراء، صلحاء اور اہل اللہ نے عشقِ مصطفیٰ سے سرشار، جذبہ جہاد سے معمور، اربابِ علم و دانش اور اصحابِ فکر و نظر، وقتاً فوقتاً تشریف فرما ہو کر اہالیانِ حیدرآباد کو اپنے فیوضِ ظاہری و باطنی سے فیضیاب فرماتے رہے ایک صاحبِ نظر کا بجا ارشاد ہے:

تذکرہ حضرت محدث دکن

سر زمین ما بہ جنت اعلیٰ برابر است
آہستہ پا بہ کہ ملک سجدہ می کند

روحانی حیثیت سے حیدر آباد کو جو عظمت اور مرکزیت حاصل رہی ہے غالباً وہ دکن کے کسی دوسرے شہر کو کم حاصل رہی۔ یہ عرصہ دراز تک دعوت و ارشاد کا مرکز اور بزرگان دین کا مسکن رہا۔ حیدر آباد میں جتنے اولیاء کرام کا ہجوم رہا اور جو یہاں ابدی نیند سو رہے ہیں انہوں نے حیدر آباد کو ایک اہم زیارت گاہ اور روحانی مرکز بنا دیا ہے۔ اس طرح اللہ والوں کے لئے اپنے اندر خاص کشش رکھتا ہے جو دور دراز سے بغرض زیارت حیدر آباد آتے رہتے تھے۔

مؤرخ اسلام مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق جو شہر سیاسی مرکز ہوتے ہیں وہاں خیر و شر دونوں جمع ہوتے ہیں۔ جہاں سلاطین کے درباروں سے شرکی پرورش ہوتی ہے وہاں دینی مدارس اور خانقاہوں سے خیر اور برکتوں کے چشمے اُبلتے ہیں، حیدر آباد ہر دور میں سیاسی مرکز رہا ہے، ہر زمانہ میں یہاں اہل اللہ کا ہجوم رہا۔ مسلمان بادشاہوں کے دور میں حیدر آباد کھینچے چلے آتے تھے۔ پھر یہاں سلسلہ سروردیہ، چشتیہ، قادریہ اور نقشبندیہ کے صوفیاء کرام اور مشائخ علیہم الرحمۃ نے شریعت اور طریقت کی جو شمعیں روشن کر رکھی تھیں اسکی کشش اہل علم و دانش کو کہیں اور بڑھنے نہیں دیتی تھیں، حیدر آباد کے رئیس اور نوابوں کے ایوان علماء و فضلاء سے پُر رہتے تھے۔ جن میں علمی مجلسیں گرم رہتی تھیں، بعض مورخین کے الفاظ میں:

”حیدر آباد ایک ایسا آسمان تھا جس میں ارباب کمال چمکتے تھے، یہ ایسا بوستان تھا جہاں فضیلت کی کلیاں اور ہمز کے شگوفے کھلے ہوئے رہتے تھے، یہ عظمت اور برتری کسی اور شہر کو کم نصیب ہوئی ہے۔“

تذکرہ حضرت محدث دکن

یہ شہر اس راقم عاجز کا مرز بوم (جائے پیدائش) ہے۔ اس عاجز کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم خان داؤد زئی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد حضرت بڑے خان رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ قندھار (افغانستان) سے حیدر آباد تشریف فرمائے ہوئے اور قصبہ میسرم میں جو شہر حیدر آباد سے اٹھارہ میل جنوب کی طرف واقع ہے سکونت فرما ہوئے۔ اسی قصبہ میں یہ عاجز پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم اسی قریہ میں ہوئی اور حضرت والد بزرگوار حضرت الحاج محمد اسماعیل خان بن حضرت بسم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہما کی سرپرستی میں زیر تعلیم رہا۔ بچپن سے مدارس کے اساتذہ کے دوش بدوش علماء شہر سے استفادہ کرتا رہا۔

یہ بندہ عاجز بطور تحدیث نعمت (احسانات الہی کا بیان کرنا) عرض کرتا ہے کہ دنیا کے اس ظلمت زار میں جن کرنوں کی بدولت اس ہچمدان کی نگاہیں روشن، دل بیدار، صلاحیت کار جیسی بھی ہے برابر سرگرم رہی ان کا سرچشمہ عالم اسباب میں اس عاجز کے پیرو مرشد۔ صاحب تذکرہ ہذا، اس عاجز کے مربی بے بدل، فقیہ العصر حضرت مولانا ابوالوفا افغانی اور محقق عظیم حضرت مولانا شاہ جمیل الدین احمد۔ علیہم الرحمۃ والرضوان تھے۔ یہ دونوں حضرات اس عاجز کے پیرو مرشد قدس سرہ کے جلیل القدر معاصرین میں ہیں۔

اس تمہید کے بعد معاصرین حضرت محدث دکن میں جو اس عاجز کے اساتذہ کرام ہیں سب سے پہلے اپنے قربی حضرت العلام مولانا ابوالوفا افغانی قدس سرہ کے تذکرہ کو شروع کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے:

ہمہ شہر پر زخوباں منم و جمال ماہے
چہ کنم چشم خوش میں نکند بکس نگاہے

تذکرہ حضرت محدث دکن

۱۔ حضرت الاستاذ مولانا سید محمود بن مبارک شاہ معروف بہ مولانا ابوالوفا افغانی
قدس سرہ

(۱۳۱۰ - ۱۳۹۵ھ (۱۹۷۵ء)

شیخ الفقہاء ، معقول و منقول کے تسبیح فاضل ، حافظ و مقرئ ، حامل لواء شریعت ،
محقق عظیم ، جلالت العلم والعمل والادب ، محدث جلیل ، القادری الحنفی ، استاذ الاساتذہ ،
امام الحنفیہ - نفعنا اللہ بعلومہ و برکاتہ آمین !

زہد و تقویٰ کے اس مجسم پیکر ، علامہ اجل ، عالم ربانی نے حیدرآباد فرخندہ بنیاد کو
اس حیات مستعار کا مشرق اور مغرب بنایا ۔ اٹھارہ برس کی عمر میں قندھار سے
رام پور (ریاست افغانان) پہنچے اور ایک سال مدرسہ عالیہ رام پور میں مختلف
اساتذہ سے استفادہ کرنے کے بعد گجرات ہوتے ہوئے حیدرآباد کے جامعہ نظامیہ
میں مستقل طالب علم کی حیثیت سے ۱۳۳۰ھ سے وابستہ ہو گئے ۔ رام پور کے مدرسہ
عالیہ کے معروف معاصرین میں کلکتہ یونیورسٹی کے صدر شعبہ عربی پروفیسر ڈاکٹر زبیر
صدیقی تھے ، حضرت مولانا ابوالوفا افغانی علیہ الرحمۃ کے اساتذہ کرام علیہم الرحمۃ جو
اس زمانہ میں علوم و فنون کی مسندوں کو چھائے ہوئے تھے ، ان میں مولانا عبدالکریم
افغانی ، مولانا محمد یعقوب دیوبندی اور حضرت الاستاذ مولانا سید ابراہیم الرضوی اللادیب
تھے ، مولانا علیہ الرحمۃ نے فن تجوید اور قرأت کی تکمیل حافظ شیخ محمد یمنی اور حضرت
محمد ایوب علیہما الرحمۃ جو شاہ گج کی مسجد میں فروکش تھے فرمائی ۔

ہمارے مولانا کے زہد و توکل کا یہ عالم تھا کہ درسیات سے فراغت کے بعد جامعہ
نظامیہ میں مدرسے کے لئے درخواست ملازمت تک پیش نہیں کی بلکہ اساتذہ اور
انتظامیہ نے مولانا کے انہماک علمی اور تسبیح کو دیکھ کر بغیر درخواست کے مامور
فرمایا اور یہی حال وظیفہ حسن خدمت کے موقع پر ہوا ۔ جامعہ نظامیہ کی خدمت
تدریس سے سبکدوشی عمل میں آئی تو آپ نے وظیفہ کے لئے کوئی پیش رفت نہیں

تذکرہ حضرت محدث دکن

فرمائی بلکہ مولانا سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ نے حیدر آباد کے دوران قیام اپنی طرف سے وظیفہ حسن خدمت کی تحریک سرپرست جامعہ نظامیہ آصف سابع نواب میر عثمان علی خان کی خدمت میں پیش کی اور تھوڑا سا وظیفہ غالباً بیس روپیہ مقرر ہوا۔ زہد و استغناء کی یہ دو مثالیں ہیں ورنہ مولانا کی پوری زندگی توکل کی وادی ایمن میں بسر ہوئی ہے، آپ کی اس مبارک زندگی پر یہ شعر صا آتا ہے:

فقیر اپنی کھل میں بیٹھا ہے مست
پیالے چڑھاتا ہے جامِ الت

حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی مبارک زندگی کا سب سے بڑا قابل صد فخر کارنامہ ادارہ احیاء المعارف العثمانیہ کی تاسیس ہے۔ آپ نے اس کی بنیاد علماء مجلس کے تعاون سے ۱۳۳۸ھ میں رکھی۔ اس ادارہ کا اساسی مقصد حضرات ائمہ کرام۔ امام الائمۃ امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی وغیرہم علیہم الرحمۃ کی تصانیف کو مہیا کر کے معیاری مقدمات اور حواشی کے ساتھ اعلیٰ کاغذ اور طباعت کے ساتھ شائع کرنا تھا۔ اس ادارہ کے علمی معاونین میں مصر کے عظیم حنفی محقق علامہ شیخ محمد زاہد الکوثری جو ۱۳۵۰ھ سے ۱۳۷۰ھ تک مدۃ العمر سرگرم علمی رکن رہے اور اسی طرح امام العصر عظیم محدث حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا عبدالرشید نعمانی، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب، استاذ قانون جامعہ عثمانیہ (مقیم امریکہ) وغیرہم علمی یا انتظامی ارکان تھے۔

علامہ زاہد کوثری علیہ الرحمۃ کے تعاون سے قاہرہ کے شیخ رضوان محمد رضوان ادارہ کے وکیل مقرر ہوئے اور احیاء المعارف کی کتابیں قاہرہ سے شائع ہونے لگیں جس کی وجہ سے پورے عالم عرب اور عالم اسلامی میں علم و ادب اور قانون اسلامی کے یہ کارنامے منظر عام پر آئے اور علماء امت اپنے اسلاف کے ان عظیم کارناموں سے

استفادہ کرنے لگے۔ مولانا کا اخلاص اور ایثار کہ نہ تو زندگی بھر آپ نے اس ادارہ کی خدمت کے صلہ میں ایک حَبّہ سیاہ لیا اور نہ معاونین علماء جو مخطوطات کو نقل فرماتے اور مقابلہ اور تصحیح میں مولانا علیہ الرحمۃ کی اعانت فرماتے انہوں نے کوئی معاوضہ لیا۔

مولانا علیہ الرحمۃ نے تدریس، تحقیق کے علاوہ ہر یکشنبہ عوام کے استفادہ کے لئے اپنے گھر پر حدیث اور تصوف کا درس جاری فرمایا جو تقریباً دو گھنٹہ جاری رہتا جو ادب، وقار اور روحانیت کا عجیب سماں پیش کرتا تھا۔ حدیث شریف میں سیدی و آقائی حضرت محدث دکن کی تصنیف زجاجة المصابیح کا درس شروع فرمایا جس کی قراءت کی سعادت اس راقم عاجز کو حاصل تھی اور الحمد للہ ثم الحمد للہ زجاجة کی پانچویں جلد کے باب مناقب ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اختتام تک جاری رہا۔ مولانا کا یہ درس بڑی برکتوں کا موجب بنا، کئی احباب کی زندگیوں میں دینی انقلاب رونما ہوا اور یہ سب اتباع سنت کے پیکر بن گئے۔

مولانا علیہ الرحمۃ کی سوانح پر مولانا عبدالفتاح ابو غده حلب (ملک شام) کے جلیل القدر حنفی عالم نے اپنی کتاب ”العلماء العزّاب“ (وہ علماء جنہوں نے علم اور دین کی خدمت میں تجرؤ کی زندگی بسر کی) میں ص ۱۲۳-۱۲۶ تک، مولانا یوسف بنوری نے ”فیصلہ پنج مسئلہ“ کے مقدمہ میں اور پروفیسر سلطان محی الدین صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ ”علماء العربیہ فی عہد آل صفحہ ص ۱۱۰ میں ایک بسیط مقالہ (ص ۳۱۵ تا ص ۳۳۰) سپرد قلم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس علمی خدمت پر ان تینوں اصحاب کو جزاء خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ بحرمة سید المرسلین۔

اس عاجز راقم حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی خدمت اقدس میں ۱۹۴۱ء میں اپنے استاذ قراءت حضرت شیخ عبدالرحمن الحموی علیہ الرحمۃ شیخ التجوید والقراءت جامعہ نظامیہ کی معیت میں حاضر ہوا اور آپ کی وفات یعنی ۱۹۷۵ء تک آپ سے وابستہ رہا۔ اسی سال

تذکرہ حضرت محدث دکن

۱۹۳۱ء میں مجلس احیاء المعارف کارکن بنا اور بعد ازاں اس مبارک مجلس کا معتمد بنایا گیا جو تاحال قائم ہے۔ یہ عاجز الحمد للہ خوش تقدیر ہے کہ ایک عظیم شیخ کی ارادت مندی اور مریدی کی عزت سے فیضیاب ہوا اور ایک عالم ربانی کے زیر تربیت رہا۔

حضرت العلامة علیہ الرحمۃ کی مبارک زندگی، سیرت، تحقیقاتی کارنامے، حقیقت کی خدمت اور عبادت و ریاضت، تسبیح علمی یہ سب ایسے موضوعات میں جو اسلامیات میں کام کرنے والوں کے لئے ان کی تحقیق کا موضوع بن سکتے ہیں۔ اپنی دیرینہ وابستگی اور استفادہ کی بناء پر یہ عاجز کہہ سکتا ہے کہ حضرت مولانا ابوالوفا علیہ الرحمۃ حضرت محدث دکن قدس سرہ کی طرح بلا مبالغہ ایک بین الاقوامی شخصیت کے مالک تھے اور سر زمین دکن میں آیت من آیات اللہ تھے۔ کردار میں گفتار میں اللہ کی برہان تھے۔ اظہار حق میں راعی اور رعایا آپ کے پاس سب برابر تھے۔ مناسب ہوگا کہ یہ عاجز اس موقع پر آپ کے امر بالمعروف کی ایک مثال عرض کرے:

آصفی سلطنت کے آخری حکمران نواب میر عثمان علی خان نے اعلان کیا کہ میں آج سے تفضیلی ہوں یعنی امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلے تینوں خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فضیلت دیتا ہوں اور یہ شیعہ عقیدہ ہے۔ اسی دن جامعہ نظامیہ میں امام الائمہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جلسہ منعقد تھا جس کے تنہا مقرر حضرت مولانا ابوالوفا علیہ الرحمۃ ہوا کرتے تھے۔ دورانِ تقریر حضرت مولانا نے بادشاہ کے اس اعلان پر تنقید کی اور فرمایا کہ:

”ہمارے بادشاہ نے تفضیلی ہونے کا اعلان کیا ہے اور یہ شیعیت

کا اعلان ہے، مسلمانوں سن لو جس سلطنت کا بادشاہ شیعہ ہو جائے

اس سلطنت کی بنیادیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں“

محکمہ خفیہ نے بادشاہ کی خدمت میں اپنی رپورٹ لکھ بھیجی، بادشاہ نے دفتری نظم

تذکرہ حضرت محدث دکن

طالب علم پہلے دونوں تو علوم اسلامیہ کے مرحلہ میں تھے البتہ تیسرے فرزند جناب فاروق میاں سلمہ کے لئے حضرت مفتی مخدوم بیگ علیہ الرحمۃ کے قریبی عزیزوں نے یہ تجویز رکھی کہ کم از کم مفتی صاحب کے تیسرے فرزند کو دنیوی تعلیم میں مشغول کر دیا جائے۔ یہ سن کر مولانا نے فرمایا میں دونوں کی طرح تیسرے کو بھی عالم ہی بناؤں گا۔ جتنی بھی مشقت مجھے برداشت کرنی پڑے برداشت کروں گا۔ یہ ہے دین کی صحیح خدمت اور روزی اور معاش کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر توکل۔ الحمد للہ یہ تینوں بھائیاں حیدرآباد کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے ہیں اور پورا گھرانہ علم اور عمل اور اخلاق حسنہ کا نمونہ ہے:

ایں خانہ تمام آفتاب است
ایں سلسلہ از طلائے ناب است

حضرت مولانا ابو الوفا علیہ الرحمۃ جامعہ نظامیہ میں بے تاج کے بادشاہ تھے، کسی وقت کوئی عہدہ قبول نہیں فرمایا مگر آپ کے اخلاص، علمی اور عملی دبدبہ اور صحیح فکر اور رہبری کی وجہ سے نہ صرف علماء جامعہ بلکہ ارباب اقتدار بھی آپ کے رائے کو مثال نہیں سکتے تھے، فارغین جامعہ نظامیہ جب اپنی درسیات کی تکمیل کر لیتے تو ان حضرات کو مدرسہ کی تدریس میں مشغول فرمادینے کی تجویز فرماتے جس کو ارباب انتظام بسر و چشم قبول فرما لیتے اور ان حضرات کا تقرر ہو جاتا، مولانا علیہ الرحمۃ تدریسی پروگرام ایسا ترتیب دیتے کہ ہر فارغ التحصیل عالم ہر فن کی ہر کتاب کو پڑھانے کا اہل ہو جائے۔ اس ترتیب کے علاوہ ایک اور اہم کام یہ انجام دیا کرتے کہ فارغین علماء مشاہروں کی زیادتی کی وجہ سے مدرسہ نظامیہ کی کم مشاہرہ والی تدریسی خدمات کو چھوڑ کر حکومتی مدارس میں منتقل ہونے کی کوشش کرتے آپ ان علماء کو سمجھاتے کہ دیکھو! اگر تم نے جامعہ نظامیہ کی تدریس سے سبکدوشی اختیار کر لی تو علوم اسلامیہ کی خدمت سے دور ہو جاؤ گے اور پھر زندگی بھر غیر علمی ماحول میں رہ جاؤ گے، مثال

کے طور پر مولانا مفتی مخدوم بیگ علیہ الرحمۃ اور مولانا حکیم محمد حسین علیہ الرحمۃ جو بعد میں شیخ الفقہ اور مفتی اور شیخ الحدیث اور امیر جامعہ نظامیہ بنے یہ صرف حضرت مولانا ابو الوفا علیہ الرحمۃ کی تجویز کو تسلیم کرنے کی بدولت تھی۔ چنانچہ مولانا مفتی مخدوم بیگ علیہ الرحمۃ کے توأم برادر مولانا راز دار بیگ علیہ الرحمۃ نے اس بارے میں حضرت کی بات نہیں سنی تو فرمایا کرتے کہ ”مولوی راز دار بیگ نے میری بات نہیں سنی اور علم سے نکل کر جاہلانہ ماحول میں پھنسا ہوا ہے۔“

حضرت مولانا ابو الوفا علیہ الرحمۃ بڑے مہمان نواز تھے۔ شمالی ہند سے علماء تحقیقاتی اور علمی کاموں اور نادر مخطوطات سے استفادہ کرنے کے لئے حیدرآباد تشریف لاتے تو آپ کے پاس ہفتوں مہمان رہتے جیسے مولانا حبیب الرحمن اعظمی وغیرہ، مولانا میزبانی کے پورے فرائض ادا فرماتے اور قلعہ گو لکنڈہ اور عثمان ساگر اور حمایت ساگر بغرض تفریح لیجاتے۔ علماء کی قدر دانی کی ایسی مثالیں کم ہی دیکھی گئیں۔ آپ بعض مرتبہ ہمارے پیرو مرشد حضرت محدث دکن قدس سرہ سے ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے تو مسجد علی آقا کے صحن میں تشریف رکھتے حاضرین حیران ہوتے کہ مولانا ملاقات کے لئے تشریف لائے ہیں مگر خاموش صحن مسجد میں تشریف فرما ہیں تو پھر حاضرین میں سے ایک صاحب حضرت سے عرض کرتے کہ مولانا ابو الوفا تشریف لائے ہیں تو پھر ہمارے حضرت یاد فرماتے اور ملاقات ہوتی۔ ایسے آداب کم ہی دیکھے گئے۔

مولانا کی خدمت میں حاضری کے بھی آداب مقرر تھے۔ دروازہ کو اندر سے کواڑ اور زنجیر لگی ہو تو قاعدہ یہ تھا کہ اس وقت مولانا مشغول ہیں، ملاقات ممکن نہیں۔ اگر صرف اڑ ڈنڈا لگا ہو تو آنے والا دروازہ کھول کر گھر میں داخل ہو کر خاموش بیٹھ رہے اور مولانا اگر علمی کام میں مشغول ہیں یا لکھ رہے ہوں تو مولانا متعلقہ فقرہ کو ختم کر کے قلم رکھ کر آنے والے کی طرف متوجہ ہوتے، پھر زائر سلام عرض کرتا

اور گفتگو ہوتی، یہ ایسے آداب ہیں جو بہت کم سننے اور دیکھنے میں آئے ہیں۔ بہر حال حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی مبارک زندگی بڑی منضبط اور باقاعدہ تھی ہر کام کا وقت مقرر تھا، فرماتے کہ مغرب کے بعد میرے دروازے کو قفل لگتا ہے۔ تہجد کبھی ناغہ نہیں ہوتی۔ قرآن کی تلاوت دن اور رات میں الگ الگ مقررہ تھی، رمضان المبارک میں تو دن بھر تلاوت کلام پاک میں مشغول رہتے۔ فرماتے کہ میں رمضان المبارک میں گویا گھر میں تلاوت پاک کے لئے معتکف ہوں۔

مولانا کے اس مبارک تذکرہ کو یہ عاجز آپ کے سفر آخرت کے کوائف پر ختم کرنا چاہتا ہے۔

آخری عمر میں بیماریوں نے شدت اختیار کی اور خصوصا ضعف بڑھتا گیا جگر میں پانی جمع ہو گیا پانی نکالا گیا اس کے بعد عالم سکرات شروع ہو گیا۔ غشی کے عالم میں یوں فرماتے کہ ”میں نے ایک نیا گھر بنالیا ہے“ یہ عاجز مولانا علیہ الرحمۃ کے آخری تین دن، آٹھوں پہر گھر اور ملازمت سے چھٹی لے کر آخری خدمت کے لئے رہ گیا۔ اس عاجز کی رفاقت مولانا حافظ ابراہیم سلمہ اللہ نے کی یہاں تک کہ تیرہ رجب ۱۳۹۵ھ روز چہار شنبہ آپہونچا۔ حاضرین فجر کی نماز پڑھ کر گھر پہنچے تو عزیزم مولوی نذیر الدین حسینی صاحب نے اس عاجز سے فرمایا کہ آپ سورہ یسین شروع کریں آخری لمحات معلوم ہو رہے ہیں اس عاجز نے سورہ یسین کی تلاوت شروع کی اور غالباً دوسرے رکوع کی آیت (۲۲) قیل ادخل الجنة قال یلیت قومی یعلمون بما غفرت ربی و جعلنی من المکرمین پر پہنچے کہ اس عالم ربانی زاہد سجانی نے جان جان آفریں کے سپرد کردی انا للہ و انا الیہ راجعون، روح مبارک جب پرواز ہوئی تو لبوں پر مسکراہٹ تھی اور دفن تک قائم رہی، علامہ اقبال کے الفاظ ہیں:

نشان مرد مؤمن با تو گویم
چوں مرگ آمد تبسم بر لب اوست
(علامہ اقبال)

تذکرہ حضرت محدث دکن

۲۔ حضرت الاستاذ مولانا جمیل الدین احمد بن حضرت غلام محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہما (وفات۔ ۱۹۵۶ء)

عالم ربانی، مفسر، معلم، مربی، صوفی، محقق، مصنف، پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان کامیاب فرمایا۔ اور محکمہ عدالت میں منصف کی حیثیت سے ملازمت اختیار فرمائی۔ حیدر آباد کے نامور علماء حضرت مولانا سید ابراہیم ادیب، مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی حسرت سے حضرت شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی فتوحات مکیہ کا درس لیا۔ حضرت خواجہ شمس الدین علیہ الرحمۃ سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی اور حضرت مولانا محمد حسین ناظم ونپرتی سے خلافت حاصل کی، معاصرین میں پروفیسر ولی الدین، پروفیسر الیاس برنی، مولانا سید فضل اللہ مونگیری اور مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہم تھے۔ آپ کی زندگی اسلام کی ایک جیتی جاگتی تصویر بلکہ اسلام کا ایک معجزہ تھی۔ حضرت مولانا ابونصر حموی قادری جیلانی پاکستانی قدس سرہ نے آپ کو محقق فرمایا۔ آپ کی تصنیف ”قانون کا حقیقی تصور اور انسانی آزادی“ بڑی فکر انگیز کتاب ہے۔

آپ کی شب و روز کی زندگی بڑی مشغول تھی، ہر روز بعد نماز فجر درس قرآن ہوتا اور بعد نماز عشاء تصوف کی تعلیمات، تہجد کی پابندی اور ذکر و مراقبہ آپ کے معمولات میں تھے۔ آپ کے فیضِ صحبت سے جوانانِ سعادت مند قبیح سنت ہو گئے۔ آپ کی عام گفتگو اور تقریر یاد الہی، اتباع سنت سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی تلقین پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔

یہ عاجز اپنے استاذ شعبہ دینیات مولانا سید فضل اللہ علیہ الرحمۃ مونگیری اور نانا حضرت محبوب حسین صاحب چشتی علیہما الرحمۃ کے ارشاد سے ۱۹۴۷ء سے آپ سے وابستہ ہوا اور آپ کے انتقال تک استفادہ کرتا رہا۔ استاذ عربی مولانا سید نبی علیہ الرحمۃ نے منہاج العربیہ کی تالیف فرمائی جو درحقیقت عربی زبان کے حصول کا

تذکرہ حضرت محدث دکن

آسان، تدریجی اور نیا طریقہ تعلیم ہے اور اس طریقہ کی تربیتی جماعتیں شروع فرمائیں تو مولانا جمیل الدین علیہ الرحمۃ بھی اس تربیتی جماعتوں میں تشریف لایا کرتے اور وہیں اس عاجز نے مولانا موصوف سے تعارف حاصل کیا اور زندگی بھر استفادہ کرتا رہا۔ مولانا جمیل الدین علیہ الرحمۃ نے توحید اور معرفت خداوندی کی تلقین کے ساتھ ساتھ انجمن احیاء دین کی سرپرستی قبول فرمائی۔ اس انجمن کے ماتحت ایک مدرسہ حفاظ اور دینی صباحی یا مسائی مکاتب تھے جن میں مسلمانوں کے نونہال تلاوت کلام الہی اور مسائل دینی سکھا کرتے تھے۔ یہ انجمن ۱۹۳۷ء میں قائم ہوئی اور الحمد للہ اب تک جاری ہے اس انجمن کے مدرسہ حفاظ سے طلباء فارغ ہو کر جامعہ نظامیہ میں داخلہ لیتے اور وہاں سے فراغت حاصل کرتے۔ اس مدرسہ حفظ کے نامور فارغین میں مولانا حافظ الطاف حسین فاروقی، مولوی حافظ عزیز بیگ، ڈاکٹر غوث ندوی اور مولانا حافظ ابراہیم خلیل شیخ الفقہ اور مفتی جامعہ نظامیہ وغیرہم ہیں، پہلے دو دائرۃ المعارف جامعہ عثمانیہ کے مصنفین ہیں اور حیدر آباد کے نامور علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان سارے علماء کی بنیاد مولانا جمیل الدین احمد علیہ الرحمۃ نے رکھی جو صدقہ جاریہ کے طور پر مولانا کے حسنات میں جاری اور ساری ہے۔

مولانا علیہ الرحمۃ بعض ہونہار بچوں کو ازراہ شفقت اپنی سرپرستی میں رکھ کر زیور تعلیم اور تربیت سے آراستہ فرماتے چنانچہ پروفیسر ابو نصر خالدی استاذ شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ نے کہا کرتے تھے کہ ”میں مولانا جمیل الدین احمد کا پروردہ ہوں“ یہ اور اس قسم کی علوم نوازی کے واقعات حیدر آباد فرخندہ بنیاد اصحاب ثروت کے معمولات میں تھے۔

مولانا کے شاگردوں میں ایک صاحب فاضل عربی و اسلامیات نے خواب دیکھا کہ مولانا جمیل الدین احمد علیہ الرحمۃ نے اپنے گھر ایک ضیافت ترتیب دی ہے اور دسترخوان پر مولانا بنفس نفیس مدعوین کو کھانا کھلا رہے ہیں۔ دفعۃً مولانا

تذکرہ حضرت محدث دکن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو گئے اور یوں ارشاد فرمایا ” اعتری امتی حال
خيارها“

(میری امت پر نیک لوگوں کے احوال طاری ہیں) اس واقعہ سے مولانا علیہ الرحمۃ
کی روحانی بلندی اور اسلام کی خدمت اور مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا علیہ الرحمہ ۱۹۵۰ء میں حج کعبۃ اللہ اور زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ سفر حرمین شریفین سے واپسی کے بعد اپنے معمولات
شب و روز اور درس و تدریس میں مشغول رہے اور یہاں تک فالج نے حملہ کیا اور
فریش ہو گئے تقریباً دو سال علالت کا سلسلہ رہا بالآخر ۱۹۵۶ء میں آپ نے سفر آخرت
فرمایا، آپ ان اہل اللہ میں تھے جن کی مجلس میں بیٹھ کر خدایا داتا تھا اور سکون
قلب نصیب ہوتا تھا رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ و جعل الجنة مشواہ۔ آمین۔ بحرمتہ
سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرامین۔

۳۔ حضرت الاستاذ مولانا سید ابراہیم بن سید عباس الرضوی القادری الادیب

(م ۱۲۹۵ھ / ۱۹۷۷ء)

علامۃ العصر، الادیب الاریب، الشاعر المفلق، استاذ الاساتذہ، صوفی، عظیم لغوی، مصنف، مفسر، مجسمہ علم و فضل، پیکر زهد و تقوی، شہسوار فصاحت و بلاغت، تاج الفحول، شمس العلوم۔

مولانا کا مولد قریہ میسر م ہے جو تعلقہ ابراہیم پٹن کے دیہات میں شامل ہے۔ یہ عاجز راقم بھی اسی خاک سے اٹھا ہے۔ یہ قریہ آصفی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں عربوں اور افغانوں پر مشتمل فوجی چھاؤنی تھا۔ اس عاجز کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم خان نقشبندی نے اپنے پیرو مرشد حضرت سید احمد علی نقشبندی (خلیفہ حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی) کے ہمراہ اس قریہ کو اپنا وطن ثانی بنایا۔

مولانا سید ابراہیم علیہ الرحمۃ کی مبارک حیات اور کارناموں پر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ سے ام۔ فل کا مقالہ لکھا گیا۔ پروفیسر سلطان محی الدین صاحب نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالہ میں ص ۲۲۰ تا ۲۵۷ ایک سیر حاصل مقالہ سپرد قلم کیا ہے اور اس میں اس عاجز نے ”شعراء الدولة الآصفیہ“ اور رسالہ التنویر میں مولانا کے ممدوح پر جو خامہ فرسائی کی ہے اس کا اقتباس بھی بیان کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو جزاء و خیر عطا فرمائے آمین۔ بحرمتہ سید المرسلین، مولانا سید ابراہیم کی شخصیت اور عبقریت پر یہ مواد الحمد للہ کافی اور وافی ہے۔ یہ عاجز جامعہ عثمانیہ میں ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۶ء تک حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی بارگاہ علم و ادب میں زانوئے ادب طے کرنے کی عزت حاصل کر چکا ہے۔ مولانا کی تدریس علوم کرامت کی ایک زندہ مثال تھی۔ جماعت میں اس حالت میں تشریف لاتے کہ دست مبارک میں تسبیح ہے۔ اگر گرمی کا زمانہ ہوتا تو عمامہ مبارک میز پر رکھ دیتے اور تاج سر پر رہتی اور ارشاد ہوتا کہ آج کس کتاب کا درس ہے۔ جماعت میں ایک قاری ہوتا۔ وہ

تقن کتاب پڑھتا۔ کتاب عربی ادب میں نظم کی ہو یا نثر کی ہو، بلاغت کی ہو یا عروض کی طالب علم پڑھتا اور آپ اس کی صرفی، نحوی اور ادبی تحقیق شروع فرماتے جاہظ کی البیان ہو، یا زمخشری کی کشاف اور المفصل ہو سب مولانا کے لئے رواں تھیں، کسی بھی ادق ترین کتاب کا تقن سامنے رہنا ضروری نہ تھا۔ اگر کوئی طالب علم ازراہ تیزی طبع کسی لفظ کی تحقیق کا سوال کرتا تو حیرت کی انتہا ہوتی کہ اس لفظ کی تاریخ واضح لغت کے ابتدائی مفہوم سے لیکر موجودہ زمانے تک امثال اور شواہد کے ساتھ بیان کرتے یہاں تک طلباء کے لئے وہ تقریر ان کے معیار سے کہیں بلند و بالا ہوتی تو خود طلباء تھک کر عرض کرتے! حضرت ہم نے سمجھ لیا اب آگے چلیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک ضعیف و ناتواں جسم میں قدیم ترین علماء ادب اور ماہرین لغت کی روح جلوہ گر ہو گئی ہے۔ عصر حاضر میں اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

صیحات ان یاتی الزمان بمثلہ ان الزمان بمثلہ لبخیل
(افسوس کہ زمانہ ایسی شخصیت کو پھر نہ لاسکے گا۔ بے شک زمانہ ایسی عظیم عبقری شخصیت کے پھر سے لانے میں بخیل ہے۔)

مولانا سید ابراہیم ادیب علیہ الرحمۃ کو فن عروض میں ایسی غیر معمولی مہارت تھی کہ ادھر کوئی شعر پڑھا جائے آپ فوراً اس شعر کی بحر فرما دیتے۔ اس کا تجربہ اس عاجز کو اس وقت ہوا جبکہ اس عاجز نے اپنی ڈاکٹریٹ کا مقالہ سنانا شروع کیا۔ یہ مقالہ ”المحمدون من الشعراء“ (محمد نامی شعراء کا تذکرہ اور ان کا کلام) جو بیشتر اشعار پر مشتمل ہے اس عاجز نے یہ سعادت حاصل کی کہ پورا مقالہ حضرت الاستاذ مولانا سید ابراہیم ادیب علیہ الرحمۃ کو سنایا۔ ادھر یہ عاجز شعر پڑھتا ادھر حضرت اس شعر کی بحر ارشاد فرماتے۔ اس مقالہ کے سنانے کے دوران ایک صاحب نے مولانا سے عرض کیا کہ یہ اپنا مقالہ سنا کر اس کی تصحیح آپ سے کروا رہے ہیں یہ سن کر جواباً ارشاد فرمایا ” یہ ہمارا بچہ ہے، ہم کو خوشی ہے کہ اس کو یہ ڈگری مل جائے“ یہ تھی

تذکرہ حضرت محدث دکن

پکڑا اور دریافت فرمایا کہ وہ یہاں کیوں لیٹا ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے، پوچھا: کس جگہ؟ تو اس نے اپنی اڑی دکھائی۔ حضرت نے اپنا لعاب زخم خوردہ جگہ پر لگایا اور فرمایا یہاں سے اٹھو اور گھر چلے جاؤ اور پیچھے کی طرف پلٹ کر نہ دیکھو۔ جان بچی لاکھوں پائے! یہ بے چارہ خوش خوش آبادی کی طرف روانہ ہو گیا لیکن اس کا دوست ان حضرت کو دیکھ رہا تھا کہ مقبرہ کی طرف واپس ہو رہے ہیں، کیا دیکھتا ہے کہ وہ حضرت اپنی قبر کے پاس پہنچے اور غائب ہو گئے۔ یہ اس عاجز کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم خان علیہ الرحمۃ تھے۔ یہ واقعہ علامۃ العصر، عظیم صوفی ایک یونیورسٹی پروفیسر کا بیان کردہ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ بعد وفات باذن الہی فرشتوں کی طرح پریشان حالوں کی مدد کرتے ہیں:

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا

نگاہ مرد مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

حضرت الاستاذ مولانا سید ابراہیم ادیب علیہ الرحمۃ کا ایک اور واقعہ بھی سنا دیا جائے جس کو حضرت پروفیسر عبدالحق مرحوم کے روبرو سنایا۔

حضرت کمال شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ اس قریہ میسرم میں تشریف لائے، قطب شاہی دور کے آخری تاجدار ابوالحسن تانا شاہ حکمران ہیں، ان کا وزیر اکتا ماؤنا اسی گاؤں میسرم میں رہا کرتا تھا۔ اس نے دو باؤلیاں بنائیں ایک کا نام شیو گنگا دوسری کا نام کنیری ہے۔ پہلی باؤلی کے گرد کئی برجیاں ہیں جس میں بت تھے حضرت کمال شاہ ولی علیہ الرحمۃ اس قریہ میں تشریف لائے اور اس باؤلی شیو گنگا میں وضو فرمایا اکتا ماؤنا کو اطلاع دی گئی کہ ایک مسلمان فقیر نے ہماری اس مقدس باؤلی میں ہاتھ پاؤں دھو کر باؤلی کو گندہ کر دیا ہے۔ اس وزیر نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ کی چھنگلی کاٹ دی جائے، حضرت کو سزا مل گئی۔ آپ اس انگلی کو لے کر اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ جھاڑو مستان رحمۃ اللہ علیہ جن کا مزار اسری دواخانہ سے کچھ پہلے شاہ علی

تذکرہ حضرت محدث دکن

کے اسلوب اور طرز پر لامیۃ الدکن لکھا۔ حضرت الاستاذ علیہ الرحمۃ نے اس مہتمم بالشان قصیدہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ (وآلہ وسلم، صحابہ کرام، خلفاء راشدین اور امامین ہمامین حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاهم عناکم مدح، منقبت میں گہمائے عقیدت پیش کیئے ہیں۔ استاذ محترم مولانا سید نبی پروفیسر عربی جامعہ عثمانیہ نے آپ کے وظیفہ پر سبکدوش ہونے کے موقع پر وداعی جلسہ میں ایک قصیدہ پڑھا جس کا مطلع ہے:

هذا الذي يعرف الاعلام رفعة والشعر يعرفه والنثر والخطب
اذا نظرت اليه قلت من عجب هذا مثال قديم سازج قطب
(آپ ایسی عظیم شخصیت ہیں جن کے مرتبہ بلند کو علماء پہچانتے ہیں، عربی شاعری، عربی نثر اور خطبات عربی بھی آپ کو خوب پہچانتے ہیں)
(جب تم حضرت الاستاذ کو دیکھو گے تو حیرت سے کہہ اٹھو گے یہ تو ایک قدیم سادہ اور قطب کا نمونہ ہے)

حضرت الاستاذ مولانا سید ابراہیم رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے نامور علماء کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ ساتھ مہتمم بالشان تالیفات کا ایک نادر خزانہ چھوڑا ہے، کاش یہ نادر تصنیفات شائع ہو جائیں اور شائقین علم و ادب ان سے استفادہ کرتے۔ پاکستان کے ایک جلیل القدر عالم نے مولانا قطب الدین جھنگوی (م ۱۳۷۹ھ) کی وفات پر تاریخ وفات کئی اور چند اشعار بھی لکھے جو معمولی تغیر کے ساتھ ہمارے استاذ مولانا سید ابراہیم رضوی علیہ الرحمۃ پر حرف بہ حرف صادق آتے ہیں اشعار ملاحظہ ہوں، (تاریخ رحلت اس عاجز نے نظم کیا ہے):

(اشعار تذکرہ اکابر از مولانا شرف قادری سے ماخوذ ہیں)۔

عالم و فاضل ، ادیب نامدار بود در دنیا ، ز دنیا برکنار
ماہر اسرار تفسیر و حدیث مخزن انوار و شیخ روزگار

تذکرہ حضرت محدث دکن

در شریعت بُد مثال کوسار در طریقت بحر نا پیدا کنار
 حامل تاثیرها تقریر او بود تحریرش چو در شاہوار
 فیض یاب از آفتاب معرفت حضرت شاہ جمال با وقار
 آہ ! آن فرخ سیر شیریں مقال شد درون خاک مرقد پرده دار
 ہست در الفاظ سالِ رحلتش سہ صد و ہفتاد و ہفت با یک ہزار

۳۔ حضرت الاستاذ مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۸۹۲ء - ۱۹۵۶ء / ۱۳۷۵ھ)

عالم ربانی، محقق، مصنف، خطیب، معلم، عاشق نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
 فقیہ، محدث، عظیم صوفی، شعلہ بیان خطیب، بلند پایہ ادیب، عظیم مفکر اسلام۔

حضرت الاستاذ مولانا سید مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمۃ کا شمار ان علماء ربانیین
 میں ہے جنہوں نے ملت اسلامیہ کے تحفظ، سر بلندی اور علوم دینیہ کی ترویج و
 اشاعت کی خاطر اپنی زندگی کے شب و روز صرف کئے، جنہوں نے مسلمانوں کے
 ایمان و عمل کو قوت و تازگی بخشی، اپنے علم و عمل سے غیر مسلم اقوام کے اذہان پر
 دین اسلام کی صداقت اور ہمہ گیری کے ان مٹ نقوش ثبت کئے۔

چاند سی صورت کا محاورہ پڑھا بھی اور دیکھا بھی۔ لیکن سچ پوچھئے تو جس طرح حضرت
 الاستاذ مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ اس پر پورے اترتے تھے، بہت کم لوگ اس کا
 مصداق ہوں گے، صورت اور لباس، صفائی اور پاکیزگی میں ایک سے بڑھ کر ایک،
 ایک بار ان کی طرف دیکھیں تو دوسری بار دیکھنے کے لئے دل مچل جائے۔ اگر یہ
 درست ہے کہ چہرہ دل کا آئینہ ہوتا ہے تو پھر حضرت الاستاذ ایسے صاحب دل تھے کہ
 اس دور میں انگلیوں پر گنے جاسکیں۔

مولانا گیلانی علیہ الرحمہ بہار پر بہار کے ایک قریہ گیلان میں پیدا ہوئے، ابتدائی
 تعلیم کے بعد آپ کے چچا حضرت نے آپ کو ٹونک (راجستان) مولانا برکات احمد

ٹوٹکی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں روانہ فرمایا، معقولات کی تکمیل کے بعد وہاں سے دارالعلوم دیوبند پہنچے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور علامہ سید انور شاہ کشمیری علیہما الرحمۃ سے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دورہ حدیث کے بعد سند حاصل فرمائی۔ طالب علمی کے زمانہ میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ پر ایک کتاب لکھی اور آپ کو سید المجذوبین قرار دیا تو مولانا اشرف علی تھانوی نے جب اس کا مطالعہ کیا تو فرمایا کہ مؤلف کتاب ایک عظیم محقق ہوگا۔

مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ نے فراغتِ تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند میں تدریس شروع فرمائی اور ”القاسم“ کے رئیس التحریر مقرر ہوئے اور اس میں علمی مقالات لکھنے شروع فرمائے جس کی وجہ سے ہندوستان کے طول و عرض میں مولانا مقبول خاص و عام ہو گئے۔

اس عاجز کے استاذ مولوی غوث الدین صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جامعہ نظامیہ میں ایک تقریری مقابلہ تھا جس کے صدر مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی صدر الصدور تھے۔ مقابلہ میں حصہ لینے والے بعض مقررین کو عنوان بتادیا گیا تھا مگر مولانا گیلانی بے خبر تھے لیکن جب آپ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو اپنے زورِ خطابت، مواد اور بیان کو اس انوکھے انداز سے پیش فرمایا کہ اس محفل کے گلِ سرسبد آپ ہی تھے، نتیجہً مولانا شیروانی جو عثمانی یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی تھے شعبہ دینیات میں استاذ کی حیثیت سے آپ کا تقرر ۱۹۲۰ء میں فرمادیا۔ دورانِ ملازمت آپ نے تدریس کے علاوہ کئی معیاری کتابیں تصنیف فرمائیں اور کئی طلباء نے آپ کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی جن میں ڈاکٹر یوسف الدین صاحب سابق صدر شعبہ دینیات ہیں۔ موصوف کا مقالہ پی ایچ ڈی ”اسلام کے معاشی نظریے“ دو جلدوں میں مکمل ہوا ہے۔

مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ کا پایہ بہت بلند ہے۔ آپ کی ساری تصنیفات معیاری ہیں۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

القسی الخاتم سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر الہامی کتاب ہے صرف ۱۴۴ صفحات کے اندر گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا ہے۔ ”الکناۃ ابلغ من التصریح“ جو بات کنایہ اور اشارہ سے کی جائے وہ بلاغت میں صراحت سے بڑھ کر ہوتی ہے، یہ مختصر اور جامع کتاب اس مقولہ کی زندہ سند ہے۔ اس کتاب میں روانی، قوت بیان، کیف و سرور اور استادانہ پرکاری کے جوہر بدرجہ اتم موجود ہیں۔

آپ کی دیگر تالیف تدوین قرآن، تدوین حدیث، تفسیر سورۃ الکہف، حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی اور عربی زبان میں ”الشیخ الاکبر و طریقہ“، عظیم علمی کارنامے ہیں۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے قارئین کی بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے اور علوم کے دروازے کھلتے ہیں۔ بہر حال مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ نادر روزگار استاذ اور یکتائے زمانہ مصنف تھے۔ آپ قلم اور زبان دونوں کے دھنی تھے یہ دونوں وصف کسی عالم میں بڑی مشکل سے جمع ہوتے ہیں۔ قائد ملت نواب بہادر یار جنگ جو صف اول کے آل انڈیا لیڈر تھے۔ ۱۹۴۲ء میں ان کا انتقال ہوا تو مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ نے آپ کی وفات پر جو بیان دیا اس سے آپ کی خطابت کا اندازہ ہوتا ہے:

”خطابت کا آفتاب غروب ہو گیا، عالم اسلام اس کے لئے رو رہا ہے، دکن رو رہا ہے، اس کا وطن رو رہا ہے، سی پی میں جس کے لئے صف ماتم بچھائی گئی ہو، یوپی میں جس کے لئے آنسو بہائے گئے ہوں، اف جس کے لئے مدراس چیخ رہا ہے، بمبئی والے دھاڑیں مار رہے ہیں، بہار کے باشندے کپڑے پھاڑ رہے ہیں، سیلون میں جس کا نوحہ پڑھا جا رہا ہے، پنجاب میں غم کا طوفان جس کے لئے اٹھا اور سرحد و کشمیر والوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہوا، کیا پوچھتے ہو اس کو کھو کر مجھ جیسے بے کس انسان نے کسے کھو دیا۔“

حضرت الاستاذ کے علم، تصنیفی انہماک، وقار و سکینت کے ساتھ ساتھ آپ میں تواضع بدرجہ اتم تھی، ماشاء اللہ ہندوستان کی ایک عظیم جامعہ کے پروفیسر تھے، صدر شعبہ تھے لیکن چشتی سلسلہ کے ایک عظیم صوفی حضرت محمد حسین علیہ الرحمۃ حیدرآبادی معروف بہ ”ناظم صاحب“ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضرت مولانا گیلانی نے آپ کے دست فیض رجت پر بیعت فرمائی اور بعد تکمیل سلوک خرقہ خلافت بھی پہنا۔ حضرت ناظم صاحب مجاز اور خلیفہ تھے حضرت چھلی والے شاہ صاحب علیہ الرحمۃ جن کے دست فیض رجت پر مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ کے استاذ معقولات مولانا برکات احمد ٹونکی نے بیعت کی تھی اور جب توحید و معرفت کی ربانی تقریر حضرت چھلی والے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنی تو فرمایا ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ آج مجھے ایمان کامل نصیب ہوا ہے۔ ایسے علماء کرام کے ایسے مبارک عمل میں اس بات کا ثبوت ہے کہ کسی کامل سے وابستگی کسی قدر ضروری ہے:

تخم دل ہرگز نہ روید از آب گل
بے نگاہی از خداوندان دل

(عشق الہی کا بیج پانی اور مٹی سے نہیں آگتا۔ جب تک کہ کوئی اہل دل یعنی پیر و مرشد کی نگاہ کیمیاء اثر مرید کے دل پر توجہ نہ کرے۔)

”وین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا“

حضرت مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ اوراد و وظائف کی پابندی کے ساتھ ساتھ کتب تصوف سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہ کی تصنیف لطیف فتوحات مکیہ سے تو آپ کو عشق تھا۔

حضرت الاستاذ مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ کا ایک اعلیٰ وصف عشق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جو مولانا کی تمام تالیفات خصوصاً التبی الخاتم اور مولانا کے مقالہ (دربار نبوت میں حاضری) کے عنوان سے ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا ہے جگمگاتا رہتا ہے۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ کو اللہ تعالیٰ نے عشق کے ساتھ علم اور قلب کے ساتھ قلم بھی دیا تھا۔ سفر حج اور زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تاریخی انداز میں نہیں بلکہ عاشقانہ اور مستانہ لے میں علم اور ادب کی چاشنی اور شرعی و فقہیانہ بصیرت اور حدیثی نکات اور تحقیقات کے ساتھ قلم بند فرمایا۔

حج کے سفر نامے اور مدینہ طیبہ کی حاضری کی رودادیں تو اردو میں بہت ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر دلچسپ اور پُر از معلومات، مفید اور سفر کرنے والوں کے لئے ضروری، لیکن مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ کا البیلا طرز بیان اور مستانہ داستان آپ کو ہر جگہ نہیں ملے گی۔ یہ مولانا کا طرز خاص ہے۔ عازمین زیارت اگر وہاں کی حاضری سے پہلے اس مقالہ ”دربار نبوت کی حاضری“ پڑھ لیں تو ان شاء اللہ اندرونی طور پر تیار ہو کر جائیں گے۔

مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ نے مکدھی یا بہاری زبان میں تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں ایک معروضہ پیش کیا ہے۔ دو بند یہاں لکھے جاتے ہیں پڑھنے والے کو اندازہ ہوگا کہ مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ اپنے آقا پر کسی قدر وارفتہ ہیں:

پیارے محمد جگ کے بجن تم پر واروں تن من دھن
 تری صورتیا من موہن کبھوا کرا ہو تو درشن
 جیا کنھیڑے ، دلوا ترے کرپا کے بدرا کھیا برے
 تری دواریا کیے چھوڑوں تم سے توڑوں تو کس سے جوڑوں
 تری گلی کی دھول بٹوروں ترے نگر میں دم بھی توڑوں
 جی کا اب ارمان یہی ہے آٹھوں پہر اب دھیان یہی ہے
 صلی اللہ علیک نبیا ترے دوارے آیا دکھیا
 بیہاں ام کی پکڑھو راجا اپنے حسین و حسن کا صدقا
 ڈھوا گھیریں ناؤ کو اس کے اب نہیں ہم ہیں اپنے بس کے

تذکرہ حضرت محدث دکن

مگدھی زبان میں مسدس معروضہ سات بند پر مشتمل ہے اور آخری بند ہے:

دھری بھے لوں تم ہی دیا سے
(مومن ہوئے تمہاری مہربانی سے)
مکتی بھی ہو ای ہے تہری دوا سے
(نجات بھی ہوگی آپ ہی کی دعاء سے)

اس مسدس کے بعد خود حضرت مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اسی مقالہ میں فرماتے ہیں:

” آج انسانیت زمین کے اس خاکی کرے پر تڑپ رہی ہے کہ زندگی کا مطلب کیا ہے؟ اس سوال کو حل کرنا چاہتی ہے، ایک ڈیوڑھی کے سوا خود ہی سوچے کہ دنیا میں کون سا آستانہ ایسا باقی ہے جہاں واقعی اس سوال کے جواب کی صحیح توقع کی جائے؟ حضرت موسیٰ ہوں، یا حضرت عیسیٰ، حضرت ابراہیم ہوں یا حضرت یعقوب علیہم السلام، ان سب راہبروں نے اپنے اپنے وقتوں میں جو راہ پیش کی تھی وہ راہیں سب مسدود ہو چکی ہیں، ہاہم نڈھنے والوں کو ان بزرگوں کی بتائی ہوئی راہ نہیں مل سکتی اور اب: نیا کہاں جائے اور اس کے سوا کہ:

جلوۃ ات تعبیر خواب زندگی

(اقبال علیہ الرحمہ)

حضرت مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ کے تذکرہ کو آستانہ نبوت کبریٰ علی صاحب السالۃ والسلام پر حضرت نے ”عرض احسن“ کے عنوان سے جو معروضہ موابہ ٹرینڈ میں پیش کیا تھا اس کے بھی چند بند پیش کرنے کی سعادت یہ عاجز حاصل

کرتا ہے۔

۵۔ حضرت الاستاذ افضل العلماء مولانا سید عثمان جعفری طیاری رحمۃ اللہ علیہ

عالم ربانی، عظیم استاذ، ذاکر شاعری، اولیاء کرام سے عقیدت اور محبت، طلباء پر غیر معمولی شفقت کے مالک اور جلیل القدر کرم گستر، حامل اخلاق حمیدہ استاذ محترم حضرت مولانا سید عثمان جعفری رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ کو بیان کرتے ہوئے مرکز علم و ہنر جامعہ عثمانیہ کی یاد تازہ ہو رہی ہے:

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

جامعہ نظامیہ اور جامعہ عثمانیہ اور قدیم دارالعلوم میں آصفی سلطنت نے ایسے اربابِ علم و ہنر اور اصحابِ فضل و کمال کو جمع کیا تھا کہ تاریخ کا طالب علم بغداد، قرطبہ، مصر اور بخارا کی تہذیب و تمدن کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

مولانا جعفری رحمۃ اللہ علیہ پچھلی شہر، الہ آباد کے متوطن تھے، دیوبند میں مولانا سید انور شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ کے خاص طلباء میں شمار تھا۔ طریقت میں حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مراد آبادی قدس سرہ کے ارادتمند تھے اس عاجز نے سنہ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۷ء تک آپ کی بارگاہِ علم و ادب میں زانوئے ادب طے کیا ہے اور مولانا کی بروقت اعانت اور علمی رہبری کی وجہ سے یونیورسٹی کی اعلیٰ ترین ڈگری لے کر اس عہدہ پر سرفراز رہا ہے، والحمد للہ علی ذلک۔

اس دور کا ہر استاذ پرائمری سے لیکر یونیورسٹی تک اپنے درسیات میں ماہر اور اپنے ہر شاگرد کو اپنے بیٹے سے بڑھ کر سمجھتا تھا۔ تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (جو لوگوں کا یعنی اپنے محسنین کا شکر گزار نہیں وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں) اس مبارک ارشاد کے مطابق یہ عاجز مولانا جعفری علیہ الرحمۃ کی شفقت کو عرض کر رہا ہے۔ ہر انسان کی زندگی میں چند ایسے موڑ اور گھٹائیاں آتی ہیں اگر وہ اپنے اساتذہ یا محسنین کی اعانت سے پار کر لے تو اس کی زندگی صحیح راستہ پر گامزن ہو جاتی ہے۔

دسمبر ۱۹۳۶ء میں حیدر آباد میں طاعون کی وباء پھیل گئی اس عاجز کے گھر کے تین افراد لقمہ اجل ہو گئے اس کی وجہ سے یہ عاجز متواتر ایک ماہ کانج سے غیر حاضر رہا۔ یہ عاجز ام۔ اے کے دوسرے سال کا طالب علم تھا اور اس سال کے نصاب میں ام اے کے طالب علم کو مقالہ داخل کرنا ضروری تھا۔ استاذ محترم پروفیسر عبدالحق مرحوم نے فرمایا میں تمہیں اس غیاب کی حاضری دے رہا ہوں اور تم کو مقالہ تیار کر کے امتحان کے لئے داخل کرنا ہے۔ میرے لئے یہ بات بڑی اہم تھی، الحمد للہ مقالے کے عنوان ”عبید اللہ بن قیس الرقیات اور اس کی شاعری“ کا مواد تیار تھا لیکن وقت کی تنگی اور پریشان حالی میں یہ عاجز اپنے اس استاذ مولانا سید عثمان جعفری علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی یہ مشکل سنائی۔ مولانا کی شفقت کیا عرض کروں! ارشاد فرمایا۔ آپ شام کے کھانے اور عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر آجائیں میں آپ کا مقالہ تیار کروادوں گا الحمد للہ یہ عاجز تقریباً ایک ماہ رات میں دیر تک مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور مقالہ تیار ہوا اور امتحان کے لئے داخل ہوا اور الحمد للہ یہ عاجز امتحان میں اعلیٰ درجہ سے کامیاب ہوا اور اسی سال جامعہ عثمانیہ کے شعبہ دینیات میں اس عاجز کا لیکچراری کی خدمت پر تقرر ہو گیا۔ یہ تھی میرے اس استاذ محترم کی عنایت اور دستگیری۔ جزا للہ عنی خیر الجزاء آمین۔ حرمتہ سید المرسلین!

یہ عاجز ۱۹۳۹ء اور ۱۹۵۰ء میں بوجہ تبادولہ گلبرگہ کانج میں مامور رہا، گلبرگہ شریف کے دوران قیام خواب دیکھا کہ مولانا سید عثمان جعفری علیہ الرحمۃ اس عاجز سے فرما رہے ہیں: ”تم درگاہ شریف میں حاضری دیتے ہو تو زیادہ دیر مراقب نہیں رہتے ہو“ یہ بات میرے لئے حیران کن تھی اس لئے کہ اس عاجز کی چھ سالہ شاگردی کے دوران اس عاجز نے مولانا سے کبھی گلبرگہ شریف کا نام تک نہیں سنا تو سوچ میں پڑ گیا کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ حیدر آباد حاضر ہوا تو اس خواب کا ذکر مولانا نے محترم سے کیا۔ مولانا نے فرمایا ”عبدالستار صاحب یہ حضرت خواجہ گلبرگہ کا فیض ہے کہ اس

عاجز کا (۸۰) روپے پر تقرر ہوا اور آٹھ سو روپے سے وظیفہ لے رہا ہے۔ تفصیل یوں سنائی کہ مولانا کا تقرر جب گلبرگہ ہائی اسکول پر ہوا تو گلبرگہ پونچے، اسٹیشن پر کلوک روم میں سامان رکھوایا اور سیدھے درگاہ شریف حاضری دی اور وہاں سے فارغ ہو کر جب حضرت زچہ بی صاحبہ کی گنبد میں بغرض فاتحہ فاخل ہوئے تو کیا دیکھا کہ ایک مقدس خاتون کے ہاتھ میں بچہ بنے ہوئے ہیں۔ دو تین منٹ تک یہ حال رہا اور پھر یہ منظر غائب ہو گیا۔ مولانا نے فرمایا کہ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اب میری تربیت اس درگاہ شریف سے متعلق ہے۔

مولانا نے فرمایا درگاہ شریف میں حاضری کے بعد اسٹیشن پہنچا اور سامان لے کر گلبرگہ ہائی اسکول میں اپنی خدمت پر رجوع ہوا اور بعد ازاں یونیورسٹی میں استاذ بنا۔ استاذ محترم کی یہ ایسی شفقت ہے کہ یہ عاجز اب تک حضرت کے لئے دعاء خیر کرتا رہتا ہے (اللہ تعالیٰ اس عاجز کے تمام اساتذہ کرام علیہم الرحمۃ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مراتب عطا فرمائے۔ آمین)

مولانا جعفری علیہ الرحمۃ کی اس عاجز شاگرد پر ایسی شفقت تھی کہ اپنی زندگی کے بعض نادر واقعات سنایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ کسی صاحب کی تحریک پر سینما دیکھنے کے لئے گیا اور سینما کا ایسا لگاؤ ہوا کہ متواتر عین دن سینما ہال پہنچ کر سینما سے لطف اندوز ہوا۔ تیسری رات جب گھر پہنچا تو بینائی جاتی رہی اور اندھا ہو گیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہ اس سینما بینی کی سزا ہے۔ بس وضوء کیا اور مصلیٰ پچھایا اور نوافل پڑھ کر رات بھر روتا رہا اور گڑ گڑاتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور بینائی واپس آئی۔ اس واقعہ سے قارئین کو یہ بتانا مقصود ہے کہ جن بندوں پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ہوتی ہے، تنبیہ فرما کر راہ راست پر گامزن فرمادیتے ہیں۔ اب اس زمانہ کی غفلتیں، گھر گھر ٹی وی، وی سی آر وغیرہ ایسی بلاؤں میں مسلمان مبتلا ہیں کہ دلوں پر غفلت کی تہ پر تہ جم رہی ہے یہاں تک کہ حق بات کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔

کسی ربانی شاعر نے کیا خوب تلقین فرمائی ہے:

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

اللہ تعالیٰ سب کو دل کا نور اور بیدار دل عطا فرمائے آمین۔ محرمۃ سید المرسلین۔
حضرت الاستاذ مولانا سید عثمان جعفری رحمۃ اللہ علیہ حضور نبی کرام صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی، حضرت ابو طالب کے فرزند دلبند اور امیر المؤمنین
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برادر اکبر حضرت جعفر طیار ذو الجناحین رضی اللہ
عنہ کی اولاد امجاد میں تھے اور سادات بنی ہاشم کے تمام تر اوصاف عالیہ کے حامل تھے۔
اور اسی نسبت عالیہ سے خود کو جعفری لکھتے تھے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے
یرموک (حالیہ اردن) کی جنگ موتہ میں ۸ھ میں بمقام بقاء جام شہادت نوش فرمایا
اور جسم اطہر پر نوے زخم آئے اور دونوں ہاتھ شہید ہوئے، وہاں میدان جہاد سرگرم
تھا اور یہاں مدینہ منورہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدان جہاد کی
روتداد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنا رہے تھے اور جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ
کے دونوں ہاتھ شہید کر دیئے گئے تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے جنت میں حضرت جعفر کو
یا قوت کے دو بازو عنایت فرمائے ہیں اور آپ جنت میں جدھر چاہیں گلگشت فرما رہے
ہیں، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی ارشاد کی وجہ سے آپ کا لقب
جعفر ذو الجناحین قرار پایا تھا۔ (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۹)

حضرت الاستاذ مولانا جعفری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بڑے فرزند حارث کمال جعفری کی
جواں سال موت کے بعد کہنی زندگی اختیار فرمائی البتہ رشد و ہدایت کا کام جاری رہا۔
۱۹۵۸ء میں دائرۃ المعارف کے ستر سالہ جشن میں الہ آباد یونیورسٹی کے استاذ ڈاکٹر
عبد اللطیف الہندی سے ملاقات ہوئی تو اس عاجز نے اپنے استاذ محترم کی خیریت
دریافت فرمائی اور ان کی دست بوسی کی اور عرض کیا کہ آپ اس طرح اس عاجز کی

جانب سے مولانا کی دست بوسی فرمائیں اس پر انہوں نے عمل کیا اور اس عاجز کو اطلاع دی اور اس عاجز نے پی ایچ ڈی کا مقالہ مطبوعہ دائرۃ المعارف موسوم بہ ”المحمدون من الشعراء“ کا ایک نسخہ حضرت الاستاذ کی خدمت میں روانہ کیا۔

۱۹۷۰ء میں الہ آباد یونیورسٹی کے پروفیسر محمد احمد صدیقی صدر شعبہ عربی عثمانیہ یونیورسٹی ہمارے شعبہ کے امتحانات کے سلسلہ میں حیدر آباد تشریف لائے تو اس عاجز نے اپنے استاذ کی خیریت دریافت کی تو موصوف نے فرمایا کہ مولانا سید عثمان جعفری توالہ آباد کے مسلمہ پیرو مرشد ہیں۔ اس کے بعد پھر مولانا کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ ایسا اندازہ ہے کہ حضرت الاستاذ ۱۹۷۵ء کے لگ بھگ دار فانی سے دار بقاء کو کوچ فرمائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللهم اغفر له وارحمه واعف عنه واجعل الجنة مثواه۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین۔ قارئین حضرت الاستاذہ کے وصال پر ایک شعر سن لیں:

بعد از وفات تربت مادر زمیں مجوئے

در سینہ ہائے مردم دانا مزار ما

۶۔ حضرت الاستاذ مولانا عبدالباری ندوی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

عالم ربانی، عظیم مفکر اور دانشور، فلسفی غرب و شرق، مفسر و حکیم، استاذ فلسفہ و دینیات، جلیل القدر صوفی۔

حضرت الاستاذ مولانا عبدالباری ندوی علیہ الرحمۃ کا تعلق لکھنؤ سے تھا، بظاہر کسی مشرقی یا مغربی مرکز علم و ہنر کی کوئی سند نہ تھی لیکن علوم اسلامیہ کے دوش بدوش اسلامی اور مغربی فلسفہ میں بدرجہ اتم مہارت کہ شاید و باید؛ اپنے اس استاذ محترم کا تذکرہ شروع کرتے ہوئے اس عاجز کو فانی بدایونی کا یہ شعر یاد آ رہا ہے:

جمال یار کا افسانہ چھیڑ کر فانی

شعاع نور سے دل جگمگا دیئے تونے

مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی وائس چانسلر جامعہ عثمانیہ نے اپنی شخصی واقفیت

کی روشنی میں مولانا عبدالباری ندوی علیہ الرحمۃ کا شعبہ فلسفہ اور دینیات میں تقرر فرما دیا تو کسی صاحب نے شاہ دکن نواب میر عثمان خان کی خدمت میں شکایت کر دی کہ عثمانیہ یونیورسٹی میں ایک ایسے استاذ کا تقرر ہوا ہے جس کے پاس کوئی سند نہیں ہے۔ بادشاہ نے وائس چانسلر صاحب سے اس شکایت کا جواب طلب فرمایا۔ وائس چانسلر نے جواباً لکھا کہ درحقیقت مولانا عبدالباری ندوی صاحب کے پاس کوئی سند نہیں ہے مگر میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اگر کسی فلسفی نے علم فلسفہ کو مسلمان بنایا ہے تو یہ مولانا عبدالباری ہیں، اس کی دلیل میں مولانا کا ایک مقالہ منسلک کیا جا رہا ہے۔ بادشاہ نے جب مقالہ پڑھا تو تجویز فرمادی کہ مولانا عبدالباری کا تقرر باقی رکھا جاتا ہے۔

نصاب میں یہ عاجز مولانا عبدالباری علیہ الرحمۃ سے بی اے کی ڈگری کے دو سال ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۵ء میں تفسیر پڑھی ہے۔ مولانا جامع علوم عقلیہ و نقلیہ اور تفسیر میں یگانہ روزگار تھے۔ مولانا کی نشست و برخاست تدریس و تصنیف میں بڑی باقاعدگی اور عجیب نظم و ضبط تھا۔ اس عاجز کی ایک عادت بچپن سے رہی ہے کہ استاذانہ اور علماء کی خدمت میں حاضر رہنا اور استفادہ کرنا، اسی کو صحبت صالح کہتے ہیں۔ چنانچہ یہ عاجز مولانا کی خدمت میں آپ کے گھر پر حاضری دیا کرتا تھا آپ کی قیام گاہ مسجد سیتاپھل پھل منڈی کے عقبی حصہ میں تھی۔ اور گھر میں دیوار پر ایک شعر آویزاں ہوتا تھا :

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنا لیا

یہ بندہ کمینہ ہمسایہ خدا ہے

کاش تاریخ، فلسفہ اور الہیات کا کوئی محقق اس نادر روزگار شخصیت پر ریسرچ کرتا اور مولانا کی جلالت علمی کو آشکار کرتا تو بڑے بڑے اسکالر آپ کی وجاہت علمی کے سامنے بونے نظر آتے تھے۔ ان الفاظ سے کسی کی تنقیص مقصود نہیں بلکہ ارباب تحقیق کی توجہ اس جلیل القدر فاضل کی طرف مبذول کرانا مقصود ہے جو تحقیق و تدقیق میں

متقدمین اہل فن سے کہیں آگے نظر آتا ہے۔

اس عاجز نے دو برس مولانا علیہ الرحمۃ سے تفسیر پڑھی ہے حیران ہے کہ اس عاجز کی بصیرت میں کس قدر اضافہ ہوا ہے۔ قرآنی درسیات میں سورہ آل عمران، سورہ سیدنا یوسف اور سورہ الکہف کی تفسیر داخل تھی مگر آپ بطور مقدمہ کے سورہ الفاتحہ اور سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتیں ^{المفصلوں} تک اپنی غیر معمولی بصیرت اور نادر تحقیقات سے بیان فرماتے آج اس شاگردی پر پچاس برس گزرے ہیں مگر بعض مضامین اس عاجز کے دل و دماغ پر کائنات کا نقش فی الجبر ہیں۔

یہاں یہ عاجز صرف یونمون بالغیب کی تفسیر کے چند نادر توضیحات بیان کرتا ہے۔ فرمایا اسلام دین الفطرۃ ہے اور قرآن ہدیٰ للناس ہے تو قرآن کی کوئی بات غیر فطری نہیں ہو سکتی۔ سوال یہ ہے کہ ایمان بالغیب کس طرح فطری ہے؟ اب اس کی تشریح سنئے۔ فرمایا غیب دانی یا غیب کو ماننا ہر انسان کی فطرت میں داخل ہے ہر بات میں اور ہر کام میں انسان کا پہلا قدم جو اٹھتا ہے وہ غیب پر اٹھتا ہے اور جب انسان مقصود اور منزل پر پہنچتا ہے تو اس کو شہود حاصل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی دیہاتی انسان نے چار مینار کی عمارت نہ دیکھی ہو اور وہ اپنے قریب سے چار مینار دیکھنے کے لئے چل پڑا ہے تو یہ دیہاتی بالغیب چار مینار کے وجود کو تسلیم کر کے چل رہا ہے۔ اسی طرح ہر کام میں انسان کا یہی حال ہے جب دنیوی امور میں انسان اپنے تمام کاموں کی ابتدائی بالغیب کر رہا ہے تو پھر آخرت کے بارے میں بالغیب پر ایمان کیوں نہیں رکھتا؟

پھر فرمایا غیب کی دو قسمیں ہیں (۱) غیب اضافی (۲) غیب حقیقی، غیب اضافی کا تعلق انسان کے مشاہدہ اور تجربہ پر ہے اور اسمیں انسان صد فی صد کامیاب ہے چنانچہ سائنس کے سارے انکشافات اور ایجادات اسی غیب اضافی سے متعلق ہیں لیکن غیب حقیقی اسکے بس کی بات نہیں۔ غیب حقیقی اس عالم کے ULTIMATE

PROBLEMS ہیں کہ یہ دنیا کیوں کر وجود میں آئی؟ اس کی انتہا کب اور کیوں کر ہوگی، انسان کا اس دنیا میں کیا مقام ہے؟ کیا اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ہے؟ یہ سارے مسائل انسان کی دسترس اور پہنچ سے بالاتر ہیں۔ یہاں انسان اس وقت کامیاب ہوگا جب کہ وہ ان باتوں کو خالق کائنات کے مستحسب بندوں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا ہے سُن کر مان کر چلے، فرمایا کرتے کہ جس چیز پر انسان کا اپنا تجربہ اور مشاہدہ ختم ہو جاتا ہے وہاں سے مذہب کی ابتداء شروع ہوتی ہے اور جب انسان نے وحی الہی کو مان لیا تو اب اس کی زندگی کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ فرمایا کہ آخری فلسفی DAVID HUME نے اپنی کتاب (HUMAN UNDERSTANDING) میں اسی نظریہ کو سمجھایا ہے کہ جس طرح انسان کے دانت نباتاتی چنے چبانے کے لئے ہیں لوہے کے چنے چبانے کے لئے نہیں ایسے ہی لامتناہی مسائل کا حل انسان کے بس کا نہیں۔ ہاں ان مسائل کو مانا جاسکتا ہے اور جب مان لیا جائے تو سمجھ بھی آجائے گی۔ چنانچہ جتنے فلسفی گذرے ہیں ان کے سارے نظریات ظن اور تخمین پر ہیں، مشکل پچھو ہیں حقیقت تک ان کی رسائی نہیں۔ اسی وجہ سے ہیوم نے ”فہم انسان“ پر اپنا یہ نظریہ پیش کیا اور اسی عنوان سے مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اردو ترجمہ فرمایا اور دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سے یہ کتاب شائع ہوئی اور اسکے مقدمہ کو مولانا علیہ الرحمۃ نے اس شعر پر ختم کیا ہے:

آزمودم عقل دور اندیش را

بعد ازاں دیوانہ سازم خویش را

مولانا علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے کہ تم لوگوں کو ڈگریاں مل جائیں گی، ملازمتیں بھی مل جائیں گی اور میری یہ نصیحت یاد رکھو اور اس پر عمل کرو اور وہ یہ ہے کہ ”کسی کامل کی تلاش کرو اور اس سے روحانی استفادہ کرو“۔ یعنی اپنی روحانیت کے حصول کے

لئے پیر کامل ضروری ہے۔

مولانا علیہ الرحمۃ کی قرآنی اور دینی بصیرت تو ان پر واضح ہوگی جنہوں نے مولانا سے استفادہ کیا ہو یا پھر مولانا کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہو۔ اس سلسلہ میں یہاں ایک ایسی ہی بات بیان کر دوں۔ فرمایا کرتے کہ خلافت ارضی مسلمان کے لئے موعود ہے مسلمان کا مقصود نہیں جیسے جناب مودودی صاحب نے اپنی جماعت کا نصب العین حکومت الہیہ کا قیام قرار دیا یہ قرآن کی روشنی میں صحیح نہیں ہے۔ سورۃ نور کی آیت نمبر (۵۵) ہمارے اس دعویٰ کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (سورۃ النور پ ۱۸) وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ (تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ کرتا ہے کہ انہیں زمین میں حکومت عطا کرے گا)۔

اسی طرح فرمایا کرتے کہ عیسائیوں کی ایک تثلیث ہے اور میری بھی ایک تثلیث ہے اور وہ یہ ہے: ۱۔ ایمان۔ ۲۔ صحت و تندرستی۔ ۳۔ پیسہ۔ مسلمان کو اسی ترتیب کے ساتھ ان تینوں باتوں کا ہمیشہ خیال اور اہتمام رکھنا چاہئے ورنہ اس کی زندگی تو وزن کھودے گی۔

مولانا علیہ الرحمۃ نے اپنی تدریسی مشغولیتوں کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی حق ادا کیا ہے دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سے آپ کی کتابیں شائع ہوئیں اور ۱۹۳۵ء میں جب آپ وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے اور وطن پہنچے تو تصنیف و تالیف کے لئے ہمہ تن مشغول ہو گئے چنانچہ تجدید تصوف وغیرہ کتابیں منظر عام پر آئیں اور آنے والی نسل کے لئے ان میں صحیح دینی رہبری موجود ہے۔ یہ گرانقدر ذخیرہ صدقہ جاریہ کی شکل میں امت مسلمہ کے لئے سامان ہدایت رہے گا۔

اس عاجز نے تبلیغی دورہ کے دوران ۱۹۵۵ء میں گلگتہ سے دلی جاتے ہوئے لکھنؤ کے قیام میں اپنے اس جلیل القدر استاذ سے ملاقات کا شرف بھی حاصل کیا تھا

تذکرہ حضرت محدث دکن

اور مولانا کا وصال ۱۹۸۰ء کے لگ بھگ ہوا۔ اللھم اغفر له وارحمه واجعل الجنة
مساواہ آمین بحرمۃ سید المرسلین۔

۷۔ حضرت الاستاذ مولانا سید نبی الحیدر آبادی علیہ الرحمۃ

(۱۹۰۱ء۔ ۱۹۷۰ء / ۱۳۸۹ھ)

۱۰۔ امور ادیب و شاعر عربی مہین ، عربی نثر نگار یگانہ ، موجد منہاج عربیت ، استاذ
الاساتذہ ، عظیم معلم ، حامی پاکستان ، اتالیق شاہی۔

مولانا سید نبی علیہ الرحمۃ قدیم دارالعلوم ، جو حیدر آباد میں علوم اسلامیہ کی مشہور
یونیورسٹی تھی ، کے نامور فارغین میں شمار ہوتے تھے۔ مولانا کے والد بزرگوار کا
تعلق بیدر شریف کے ممتاز مشائخ گھرانے سے تھا۔ مولانا کے معروف اساتذہ میں
حضرت الاستاذ مولانا سید ابراہیم الادیب الرضوی ، مولانا شیر علی ، مولانا جمال الدین
نوری اور مولانا احمد حسین علیہم الرحمۃ تھے۔ عربی زبان اور ادب ، اور عربی شاعر
میں ایسا تسبیح حاصل فرمایا کہ قلیل مدت میں عربی زبان کے مایہ ناز ادیب اور شاعر
ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ پروفیسر سلطان محی الدین صاحب کو جزاء خیر عطا فرمائے کہ
موصوف نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں استاذ محترم کی عربی شاعری پر ایک جامع
مضمون آپ کے کلام کے نمونوں کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ یہاں یہ عاجز ، مولانا علیہ
الرحمۃ نے عربی زبان کی تدریس کے لئے ایک غیر معمولی طریقہ ایجاد فرمایا ہے اس کو
بیان کرنا چاہتا ہے تاکہ عربی زبان کو دشوار سمجھنے والوں کے دل و دماغ سے یہ وہم
نکل جائے۔ ہم جامعہ عثمانیہ کے عربی ادب و زبان کے فارغین حضرت الاستاذ کے ہی
طریقہ کی پیداوار ہیں اور الحمد للہ ثم الحمد للہ مشرقی علوم و فنون کے کسی فاضل سے
کم تر نہیں۔ خصوصاً اس عاجز کا عربی زبان اور ادب سے لگاؤ اور مہارت حضرت الاستاذ
مولانا سید نبی علیہ الرحمۃ ہی کی شاگردی کی رہن منت ہے۔

عربی زبان کی تدریس کے قدیم طریقہ کی بنیاد ”قواعد مقدم اور زبان مؤخر“ پر ہے،

اس طریقہ میں صرف و نحو کی تعلیم کے ساتھ افعال اور اسماء کی گردانوں کو حفظ کرایا جاتا ہے جس کی وجہ سے طلباء بیزار ہو کر عربی زبان کی تحصیل سے دست کش ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ گردانوں کی خشک مشقین حقیقت میں طالب علم کے دل و دماغ پر ایک بارگراں ہیں جبکہ ان کا نہ تو عبارت میں استعمال ہو اور نہ اس کی ضرورت سمجھ میں آوے۔ مولانا علیہ الرحمۃ کو عربی زبان اور ادب اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم سے عشق تھا۔ عربی زبان اور ادب میں تسبیح اور مہارت کاملہ کے بعد شب و روز اور آٹھوں پہ اس فکر میں گزارے کہ عربی زبان کی تحصیل کا ایسا آسان طریقہ ایجاد کیا جائے جس کی وجہ سے قرآن فہمی سہل ہو جائے۔ الحمد للہ بمصدق آیت شریفہ سورۃ عنکبوت آیہ ۹۶) واللذین جاہدوا فینا لنھدھنھم سبیلنا (اور جن لوگوں نے ہمارے دین (کے کام) میں کوششیں کیں ہم (بھی) ان کو ضرور اپنے رستے دکھائیں گے) اللہ تعالیٰ نے مولانا کے اخلاص، لگن کے صلہ میں آپ کو عربی زبان کی تحصیل کا ایسا طریقہ سکھایا جس سے عربی زبان کے طالب علم نہ صرف ہندوستان و پاکستان بلکہ اس نئی دنیا میں بھی استفادہ کر رہے ہیں۔ حضرت الاستاذ، استاذ الاساتذہ مولانا سید ابراہیم اللادیب الرضوی فرمایا کرتے تھے کہ ہماری پوری زندگی عربی زبان اور ادب کی سیاحتی میں گزری ہے اور عربی زبان کو قرآن حکیم جیسی معجز نما کتاب ملی لیکن ہم نے مولوی سید نبی جیسا کوئی فاضل عربی نہ دیکھا نہ سنا کہ جس نے عربی زبان کی تحصیل کو اس طرح منہاج العربیہ میں آسان کر دیا ہو، مولانا علیہ الرحمۃ کا یہ قول اپنے شاگرد کے حق میں صد فی صد صحیح ہے جس میں مبالغہ کا کوئی شائبہ نہیں۔ قارئین کرام کے سامنے یہ حقیر عاجز حاضر ہے اس کی پی اتیج ڈی کے مقالہ کا عربی مہین میں (۵۴) صفحہ کا مقدمہ ملاحظہ فرمایا جائے الحمد للہ ثم الحمد للہ عربی زبان اور ادب میں نہ صرف مقدمہ بلکہ پورا مقالہ ایک مثالی تحقیقی کام ہے اس کتاب ”المحمدون من الشعراء“ کو پڑھ کر جامعۃ الامام محمد ریاض کے دو استاذ

تذکرہ حضرت محدث دکن

۱۹۷۹ء میں حیدر آباد وارد ہوئے کہ ”صاحب الحمدون“ کو دیکھ لیں اور جب ملاقات ہوئی تو بنظر استعجاب کہ رہے تھے :

”ہذا صاحب الحمدون“ یہ اعزاز حضرت الاستاذہ مولانا سید نبی علیہ الرحمۃ کے شرف تلمذ اور حضرت کی خدمت میں حاضری کے باعث ہے۔ جزاء اللہ عنی وعن خدام اللغة العربیة خیر الجزاء و احسنہ۔ یہ عاجز اس مختصر مقالہ میں اپنے استاذ کے منہاج پر چند سطریں ناظرین کرام کے نذر کر رہا ہے۔ حضرت الاستاذ مولانا سید نبی علیہ الرحمۃ نے اپنی تالیف کے پہلے جزء میں اپنے اس منہاج (METHOD) کی خصوصیات بیان فرمادیئے ہیں اور پھر ہدایات برائے اساتذہ کے عنوان سے اساتذہ صاحبین کے لئے بھی تدریس کی ضروری اور مفید ہدایات بھی دیدیئے ہیں۔ یہاں قارئین کے استفادہ کے لئے بطور خلاصہ چند ضروری امور عرض کئے جاتے ہیں :

حضرت الاستاذ علیہ الرحمۃ کا METHOD ضرورت، تدریج، قرآنیات، اسلامی تہذیب اور تمدن کے خطوط پر مشتمل ہے۔ ارباب علم و فضل حیران ہوں گے کہ منہاج العربیہ کا پہلا حصہ ص ۹ سے شروع ہو کر ص ۶۲ پر ختم ہوتا ہے یہ پورا حصہ جملہ اسمیہ، مرکب اضافی، مرکب توصیفی اور کثیر الاستعمال حروف جار پر مشتمل ہے اور اس میں اسباق کے علاوہ سوال جواب اور تمرینیں بھی ہیں، افعال، جمع اور مؤنث کے عدم استعمال کے باوجود سبق کی ترتیب اور ربط میں کسی قسم کی دشواری یا ابہام محسوس نہیں ہوتا۔ یہ حضرت الاستاذ کا کمال علم و ہنر ہے کہ کس مشقت سے حضرت الاستاذ نے یہ گھاٹی پار کی ہے۔ اس عاجز سے شکاگو کے ایک ڈاکٹر نے اسی منہاج العربیہ کو شروع کرنے سے پہلے ازہر کے ایک فاضل سے عربی زبان پڑھی میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے فاضل ازہر کو کیوں چھوڑا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں سمجھ نہیں سکا کہ میں کیا ترقی کر رہا ہوں! انہوں نے بتایا کہ وہی قدیم طریقہ پر گردان رہنا شروع کیا گیا اور کوئی تدریجی طریقہ پر تدریس نہیں ہوئی اور

تذکرہ حضرت محدث دکن

اکتاکر موصوف نے ان فاضل ازہر سے پڑھنا چھوڑ دیا۔

ہمارا تجربہ ہے کہ جس طالب علم نے منہاج العربیہ کے پانچوں حصے ترجمہ اور تمرین کے ساتھ پڑھ لئے ہوں وہ بغیر ترجمہ کے ساٹھ فی صد قرآن پاک سمجھ سکتا ہے۔

کسی زبان کو سیکھنے کے لئے پڑھنا، لکھنا اور بولنا یہ تینوں باتیں ضروری ہیں اور حضرت الاستاذ علیہ الرحمۃ نے اپنے اس METHOD میں ان تینوں باتوں کا اہتمام فرمایا ہے اور کامیابی کے ساتھ اپنے منہاج کو مکمل فرمایا ہے اس عاجز کی خوش تقدیری ہے کہ مصنف منہاج کی خدمت میں زانوائے ادب طے کر کے حضرت الاستاذ کے طریقہ تدریس کو بلا واسطہ حاصل کیا ہے والحمد للہ علیٰ ذلک۔

حضرت الاستاذ مولانا سید نبی علیہ الرحمۃ کی ادبیت، عربی شعر و سخن میں عبقریت، گفتار و کردار کی خوبی کے پیش نظر اس عاجز نے ایک شعر نظم کیا ہے پہلا مصرعہ تو حضرت الاستاذ ہی کا ہے جس کو مولانا علیہ الرحمۃ نے حضرت الاستاذ مولانا سید ابراہیم اللادیب علیہ الرحمۃ کے وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہونے کے موقع پر وداعی جلسہ میں سنایا تھا وہ شعر یہ ہے :

ابن المکاتر من هذا الادیب الذی

فرت لھیبته الاعجام و العرب

اور جس شعر کو اس عاجز نے نظم کیا ہے وہ شعر درج ذیل ہے:

ابن المکاتر من هذا الادیب الذی

خفضت لرفعتہ الاعجام و العرب

مولانا علیہ الرحمۃ کا انتقال ۱۹۷۰ء میں ہوا اور مقبرہ بیرون دودھ باؤلی میں مدفین عمل میں آئی۔ آپ کے وصال سے علماء و فضلاء کے حلقہ میں وہ خلا پیدا ہو گیا جو باسانی پر نہیں ہو سکتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علم و فضل کا ایک دور سمٹ گیا ہے۔
اللہم اغفر لہ وارحمہ واعف عنہ واجعل الجنة مشواہ آمین بحرمۃ سید المرسلین
والہ الطاہرین واصحابہ الاکرامین۔

حضرت محدث دکن

غیبی سے حضرت محدث دکن صاحب تذکرہ ہذا قدس سرہ سے بیعت بھی فرمائی۔ عمر کے آخری حصہ میں طویل علالت کا سلسلہ رہا اور جو کوئی عیادت کے لئے حاضر ہوتا اہل خانہ کو تاکید حکم تھا کہ چائے وغیرہ سے لازماً تواضع کی جائے۔ اگر کوئی عرض کرتا کہ یہ چیز باعث تکلیف ہے تو اہل خانہ فرماتے کہ اگر ہم تواضع نہ کریں تو ہم سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

مولانا علیہ الرحمۃ کے ہاں تین صاحبزادے پیدا ہوئے۔ عزیز فیض الحسن جو پاکستان منتقل ہو گئے، عزیزم عبدالغنی شہید ریاض سے حج کے لئے جاتے ہوئے حادثہ میں انتقال فرما گئے اور تیسرے ڈاکٹر عبدالغنی امریکہ کی ریاست نیویارک میں مقیم ہیں۔ صاحبزادیوں میں عزیزم منور سلطانہ صاحبہ ام اے، ام فل (عربی) کلیہ انات انوار العلوم کالج میں لکچرار ہیں۔ مولانا کے بڑے داماد مولانا سید طاہر رضوی مدظلہ جامعہ نظامیہ کے شیخ الشیوخ ہیں اور اپنے والد بزرگوار پر حضرت الاستاذ مولانا سید ابراہیم رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین ہیں۔

آپ کی شب و روز کی مصروفیات اس قدر زیادہ تھیں کہ آپ تصنیف و تالیف کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ البتہ علماء کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے استفادہ کیا جو جامعہ نظامیہ کے معروف اساتذہ ہیں۔ مجلس احياء المعارف العثمانیہ کے اساسی رکن تھے۔

عاجز راقم نے صرف طالب علمی کے دوران اور بعد بھی اکثر حاضر خدمت رہتا اور آپ کی ہدایات اور علمی نکات سے مستفید ہوتا رہا۔

جامعہ نظامیہ کی زندگی بھر قدمے، قلمے، نسخے اور دامے درمے بھر پور خدمات انجام دیں اور عین سال امیر جامعہ کی حیثیت سے سربراہ رہے اور دوران امارت مدرسین کا کام برابر انجام دیا۔ بہر حال مولانا کی زندگی ایک مثالی زندگی تھی۔ رمضان المبارک میں آپ کا معمول یہ ہوتا کہ عشرہ اولیٰ میں قرآن پاک کی سماعت فرماتے اور

حضرت محدث دکن

اور عقیدت کا اظہار کیا ہے دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ علامہ غالب فرماتے ہیں ” فخر سوا بجا دیکھوین مولانا فضل حق ایسا دوست مر جائے، غالب نیم مردہ، نیم جان رہ جائے:

موتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے پر نہیں آتی
آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

آج بھی ہندو پاک کا شاید ہی کوئی مدرسہ ہوگا جہاں خیر آباد کا فیض جاری نہ ہو اسی شہر خیر آباد سے استاذ محترم حضرت مولانا حافظ میر مقصود علی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق تھا اور مولانا عبدالحق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے آپ شاگرد رشید تھے مولانا میر مقصود علی خیر آبادی علیہ الرحمۃ نے تکمیل علوم کے بعد حیدر آباد فرخندہ بنیاد کا رخ کیا اور غالباً پہلا تقرر مدرسہ فوقانیہ پر بھنی پر ہوا اور وہاں سے دارالعلوم حیدر آباد پر تبادلہ ہوا۔ اس عاجز نے فوقانی جماعتوں میں آپ سے علم حدیث میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی الادب المفرد اور فقہ میں قدوری پڑھی ہے۔ مولانا کا درس ایسا دلنشین ہوتا تھا کہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود مولانا کی بعض باتیں دل پر نقش کا لجز ہیں۔ ان میں سے چند باتیں قارئین کرام کی نذر ہیں:

۱۔ فقہ کی کتاب قدوری کا درس تھا اور باب الصلوات الفاتۃ (فوت شدہ نمازوں کا بیان) زبردس تھا مولانا نے دریافت کیا کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے الفاتۃ (فوت شدہ) کا لفظ استعمال فرمایا اور المتروکہ (چھوڑی ہوئی) کیونکہ نہ کہا؟ ہم طلباء اس کا کیا جواب دیتے۔ پھر فرمایا لفظ ترک میں بالارادہ اور بالقصد کسی کام کو چھوڑنا ہوتا ہے اس کے برخلاف مسلمان سے یہ امید نہیں کہ وہ نماز جیسی اہم عبادت کو قصداً چھوڑ سکتا ہو اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ نے متروکہ کی بجائے فاتۃ کا لفظ استعمال کیا کہ مسلمان نے سہواً بھولے سے، غفلت سے نمازیں بروقت ادا نہیں ہو سکتیں وہ

بالارادہ ایسا کام نہیں کر سکتا۔

حضرت محدث دکن

۲۔ اسی طرح امام بخاری علیہ الرحمہ کی کتاب الادب المفرد کا درس تھا۔ مولانا علیہ الرحمہ ہم کو ہر حدیث شریف کا ترجمہ الباب بتاتے کہ عنوان اور حدیث کے کس جملہ سے عنوان حدیث اور متن حدیث میں مطابقت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر الادب المفرد کا ایک عنوان ہے ”الولد مجتہ مجتہ“ (لڑکا والد کے نخل اور بزولی کا سبب ہوتا ہے) اس باب کے تحت امام بخاری علیہ الرحمہ نے دو حدیثیں بیان فرمائی ہیں ایک حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں (بارش برسانے والی) ہوا سے بھی زیادہ مٹی ہو جاتے، کامل حدیث شریف کا ترجمہ اس طرح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (دوسروں کے ساتھ بھلائی کرنے اور لوگوں کو نفع پہنچانے کے اعتبار سے) تمام لوگوں میں زیادہ مٹی تھے، خصوصاً ماہ رمضان میں تو حضور کی سخاوت بہت بڑھ جاتی تھی۔ حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رمضان کی ہر رات ملاقات فرماتے تو آپ (بارش برسانے والی) ہوا سے بھی زیادہ مٹی ہو جاتے اور یہ عموماً رمضان کے آخری دھسے میں ہوتا جبکہ آپ اعتکاف فرماتے تھے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ عنوان میں تو لڑکے کی وجہ سے والد کے بکھیل ہونے کا ذکر ہے اور حدیث شریف کا عنوان اس کے برخلاف ہے۔ اس پر مولانا علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حضور کا مقام اور مرتبہ بلند عام انسانوں جیسا نہیں ہوتا ہے یہ اور ایسی باتیں خصوصیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہیں۔

اسی طرح اس باب میں دوسری حدیث شریف بیان فرمائی گئی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک رات مدینہ منورہ میں ایک خوفناک آواز سنائی دی لوگ گھروں سے نکل پڑے کیا دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے اپنے حجرہ مبارک سے نکل پڑے ہیں اور جس طرف آواز آرہی تھی اوھر تشریف لیجا کر واپس ہو رہے

ہیں اور لوگوں سے ارشاد فرما رہے ہیں کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں، سب اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں۔

اس حدیث شریف کو سنا کر مولانا علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ عنوان میں جو یہ بیان کیا گیا کہ ”لڑکا باپ کی بزدلی کا سبب بنتا ہے“ اس کا تعلق بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی مرتبت سے نہیں ہے۔

یہ تھا حیدر آباد اور حیدر آباد کے علماء جو حقیقت میں ملت کی آن اور مذہب کی آبروتھے اور ان کے دم سے دین و دنیا کی رونق تھی۔ ان ہی سے انسانیت کی بہار تھی اور انہوں نے ہی ہمارے قلب و نظر کی پرورش کی تھی۔ اور رفعتِ شانِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔

حضرت مولانا میر مقصود علی خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا قلب بھی سیاسی بصیرت سے لبریز تھا۔ جس زمانہ میں آپ ہائی اسکول پر بھنی میں میں برسر کار تھے ایک واعظ صاحب پر بھنی پھونچے اور ایک مسجد میں ایسی تقریر کی کہ مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے اور جھگڑے کی نوبت آگئی۔ اسی دن شام میں اس عالم کی آمد پر حاکم ضلع نے مختلف حکام اور علماء کو کھانے پر جمع کیا۔ جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہوئے اور مختلف مسائل پر باہم گفتگو ہونے لگی تو مولانا علیہ الرحمۃ نے اس عالم سے سوال کیا کہ کچھلے ستر سال قبل یمن کی چند یہودی گھرانے ملک شام منتقل ہوئے ہیں کیا ان گھرانوں سے آپ کا تعلق ہے؟ اس عالم نے تاڑ لیا کہ میرا راز فاش ہو گیا۔ دوسرے دن صبح ہوئی تو وہ عالم صاحب لاپتہ ہو گئے۔

مولانا علیہ الرحمۃ کی سیاسی بصیرت تھی کہ انگریز اپنے دور میں قوم میں انتشار پیدا کرنے کی خاطر جاسوس تیار کرتے اور وہ جس قوم کا جاسوس ہوتا ان کے مذہب، تہذیب، زبان پر عبور حاصل کرتا اور ان کے مذہبی قائد کی حیثیت سے ایسی باتیں کرتا کہ آپس میں فساد ہو جائے۔ بلکہ بڑے بڑے علماء کے پاس ایک محقق کی

حضرت محدث دکن

حیثیت سے ایسا شخص ان کے ساتھ رہ کر ان کی رائے کو بدلنے کی کوشش کرتا چنانچہ اس جاسوس عالم نے درمیان گفتگو یہ بھی کہا تھا کہ میں مولانا حسین احمد مدنی سے کئی باتوں میں بحث کر کے ان کی رائے بدل چکا ہوں ہو سکتا ہے کہ علماء دیوبند نے مسلم لیگ کے خلاف کانگریس اور گاندھی کی پالیسی کی تائید کی تھی ایسے ہی مسلم نما جاسوس کی کارفرمائی کا نتیجہ ہو۔

مولانا علیہ الرحمہ ادب عربی، علم بلاغت، اصول فقہ، فقہ، تفسیر، حدیث منطوق، فلسفہ غرض تمام علوم اسلامیہ میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ مسجد حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی مجددی قدس سرہ واقع اردو شریف میں بعد نماز فجر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر کا درس دیا کرتے تھے جس میں شیخ العرب احمد عبادی صاحب شریک رہتے۔

ہمارے اساتذہ کرام کی تدریس میں ذمہ داری کا یہ حال تھا کہ اگر امتحان قریب ہو اور نصاب ختم نہ ہو تو زائد وقت دے کر مدرسہ میں یا گھر پر مقرر نصاب کی تکمیل فرماتے۔ چنانچہ حضرت مولانا میر مقصود علی رحمۃ اللہ علیہ الادب المفرد امتحان سے قبل ختم نہ ہو سکی تو آپ نے اپنے گھر پر ہم سب طلباء کو وقت دے کر ختم کیا۔

حضرت مولانا میر مقصود علی خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو اہل اللہ اور مجاذیب سے بھی عقیدت تھی۔ اس زمانہ میں بارکس جو عربوں کی آبادی تھی اس میں ایک عرب مجذوب ”حضرت باحشوان“ رہتے تھے، مولانا ان کی خدمت میں بطور تحفہ میوہ روانہ کرتے تھے۔

ستمبر ۱۹۴۸ء میں حکومت آصفیہ کا سقوط ہوا اور حیدر آبادی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد پاکستان منتقل ہوئی حضرت علیہ الرحمہ بھی اپنے سارے متعلقین کے ساتھ کراچی منتقل ہو گئے اور وہیں انتقال ہوا۔ اللهم اغفر له وارحمه واعف عنه واجعل الجنة مثواه.

حضرت محدث دکن

بعد از وفات تربت مادرز میں مجھے
در سینہ ہائے مردم دانا مزار ما
۱۰۔ حضرت الاستاذ پر نسیل عالی جناب عبدالستار سبحانی علیہ الرحمۃ

(۱۸۹۳ء-۱۹۶۵ء)

کیمیاء پیدا کن از مشت گلے
بوسہ زن بر آستان کاطے

اللہ تعالیٰ کی بیشمار نعمتوں میں یہ بھی شامل ہے کہ والدین نیک ہوں اور اپنے بچوں کی نیک تربیت کی ان کو فکر ہو اور اسی طرح قابل اساتذہ اور مشفق مربی اصحاب بھی خداوند قدوس کی جلیل القدر نعمتوں میں داخل ہیں۔ الحمد للہ اس عاجز کاتب کو یہ دونوں باتیں میسر ہوئیں۔

حضرت الاستاذہ عالی جناب عبدالستار سبحانی علیہ الرحمۃ اس عاجز کے فن تاریخ اور انگریزی کے فوقانیہ دارالعلوم میں استاذ ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت والد بزرگوار کے افسر اعلیٰ بھی تھے کہ والد ماجد علیہ الرحمۃ دفتر دارالعلوم میں محاسب تھے اور حضرت الاستاذ پر نسیل اس عاجز نے ۱۹۴۵ء میں عثمانیہ یونیورسٹی سے جب بی۔ اے کا امتحان کامیاب کیا تو حضرت سبحانی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں والد بزرگوار مجھے لے پہنچے اور عرض کیا کہ آپ کا یہ شاگرد الحمد للہ بی۔ اے ہو چکا ہے اور میں اس کو دائرہ ملازمت میں داخل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت الاستاذ نے فرمایا آپ ذرا خاموش ہو جائیں میں اس سے پوچھ لوں! اس عاجز نے عرض کیا کہ یہ عاجز سلسلہ تعلیم جاری رکھنا چاہتا ہے حضرت الاستاذ نے جب یہ سنا تو والد بزرگوار سے دریافت کیا کہ آپ پر اس کا کیا بوجھ ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ اس کا کوئی بوجھ نہیں، اس کا کھانا پینا، رہن سن سب سادہ ہے۔ تو حضرت سبحانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ سن لیں! پڑھائی کے صرف سی دو سال ہیں اور ملازمت کے لئے تو پوری زندگی ہے۔ بس اس استاذ محترم

حضرت محدث دکن

علیہ الرحمہ کی عجیب رہنمائی تھی کہ اس عاجز نے ۱۹۳۷ء میں ام۔ اے کیا اور فوراً عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبہ دینیات میں لکچراری پر تقرر ہو گیا۔ حضرت الاستاذ ہمیشہ اس صحیح رہنمائی کی وجہ سے یاد آتے ہیں اور اس عاجز کے پاس بجز تحفہ دعا کے اور کیا ہے کہ اس عاجز کی تمام تر علمی زندگی اسی شفقت آمیز رہنمائی کی بدولت ہے :

یہ دولت تمہاری بدولت ملی ہے

ان چند تمہیدی سطروں کے بعد یہ عاجز اپنے اس جلیل القدر استاذ کی مبارک حیات کا خاکہ حضرت پیرو مرشد محدث دکن قدس سرہ کے تذکرہ میں معاصرین کی حیثیت سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے یہ سوانحی خاکہ حضرت کے نواسہ عزیزم جناب سعید فاروقی صاحب مقیم ہوسٹن سے حاصل ہوا ہے۔ حضرت الاستاذ عالی جناب عبدالستار سبحانی صاحب شیرکوٹ (اتر پردیش) میں ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے آپ کی نسبت سبحانی اپنے پیرو مرشد حضرت سبحان احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کی طرف تھی،

آپ کے پیرو مرشد

کا تعلق سہرام جو جونپور سے قریب بہار پر بہار کا ایک شہر تھا اس سے ہے۔ سہرام شیر شاہ سوری کا مستقر تھا اور ارباب علم و فضل کا مرکز تھا حضرت الاستاذ کے والد بزرگوار حضرت عبدالصمد صاحب ملازم سرکار تھے۔ آپ نے الہ آباد سے بی اے، بی ٹی کے بعد، سنسکرت میں ام۔ اے کیا اور اس کے بعد حیدر آباد کا رخ کیا اور الحمد للہ گورنمنٹ ہائی اسکول گلبرگ، کریم نگر اور دارالعلوم پر پرنسپل کی حیثیت سے مامور رہ کر وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔

حضرت الاستاذ عالی جناب عبدالستار صاحب سبحانی علیہ الرحمۃ مشرقی تہذیب کے ایک اعلیٰ نمائندہ تھے۔ حیدر آباد کے علمی حلقے آپ کو اصول پرستی، دیانت، اعلیٰ نظم و ضبط، وضع قطع، خود داری کی وجہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس ہی وجہ سے آپ نے محکمہ تعلیمات میں اپنا مقام اور وقار ہمیشہ باقی رکھا۔ ہمیشہ نفیس شیروانی زیب تن

حضرت محدث دکن

رہتی اور سر پر رام پوری ٹوپی، سر بڑا، پیشانی کشادہ و بلند ناک اونچی تھی، مدرسے میں بھی نماز باجماعت ادا فرماتے تھے۔ بڑے صاحب وجاہت، توانا اور قوی تھے آواز میں رعب اور دبدبہ تھا۔ ہر ایک کے ساتھ انتہائی شفقت اور مدارات سے پیش آتے تھے۔ ریش مبارک درمیانی تھی۔ باغبانی سے بڑا لگاؤ تھا۔ دارالعلوم کے باغچے میں سویرے آکر اپنے ہاتھ سے پودوں کو درست کیا کرتے تھے۔ آپ کی صدارت کے دوران ہائی اسکول دارالعلوم کے نتائج بڑے شاندار رہے ہیں۔

حکمہ تعلیمات سے وظیفہ حسن خدمت سبکدوش ہونے کے بعد آپ نے امتحانات فارسی جامعہ نظامیہ کی نظامت کا عہدہ بڑی حسن و خوبی سے انجام دیا۔

آپ کے پسماندگان میں دو صاحبزادیاں حیات ہیں اور ایک فرزند انتقال کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عزیزم جناب سعید فاروقی صاحب کو جزاء خیر عطا فرمائے کہ اپنی والدہ محترمہ جو لندن میں مقیم ہیں ان کے ذریعہ اپنے نانا حضرت علیہ الرحمۃ کے بارے میں یہ مواد مہیا فرمایا۔

حضرت الاستاذ ۱۹۷۵ء میں دار فانی سے دار بقا کو رحلت فرمائی اور مقبرہ متصلہ مسجد بازار گارڈ (نام پٹی) میں تدفین عمل میں آئی۔ اللهم اغفر له وارحمہ واعف عنه واجعل الجنة مثواه۔ آمین حرمة المرسلین۔

۱۱۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالحق صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ

(م ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء)

اے خدائے کریم اے ستار کس سے ہو تیری نعمتوں کا شمار
بے نواؤں کو بے نیاز کرے تو جسے چاہے سرفراز کرے
(حافظ لدھیانوی)

فضیلۃ الاستاذ پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالحق مرحوم بن محمود حسین شاہنوری ایک علمی اور

حضرت محدث دکن

دینی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ قدیم دارالعلوم میں داخلہ لیا اور اس نامور جامعہ کے جلیل القدر اساتذہ مولانا سید نادر الدین، شیخ ابوبکر ابن شہاب علوی، مولانا علی عباس، مولانا الادیب سید ابراہیم رضوی وغیرہم سے علوم مشرقیہ کی تحصیل کی۔ پھر انگلستان کی جامعہ آکسفورڈ سے عربی ادب میں بلیورس اور D.Phil کی ڈگری لے کر مصر پہنچے اور پھر جامعہ القاہرہ سے پی ایچ ڈی لیکر حیدر آباد واپس ہوئے۔ اور جامعہ عثمانیہ کے صدارت شعبہ عربیہ پر فائز ہوئے۔

ڈاکٹر عبدالحق مرحوم نرسنگ کے ساتھ ایک تو انا شخصیت کے مالک تھے چہرہ کا رنگ سیاہ مگر بڑا بارونق۔ ہم طلباء کتاب پر نگاہ رکھنے کی بجائے ان کی چہرہ کی تابناکی سے لطف اندوز ہوتے۔ وہ ہمیں ایسا دیکھ کر کہتے مجھے کیا دیکھ رہے ہو کتاب پر نگاہ رکھو! یونیورسٹی کو سوٹ پہن کر تشریف لاتے مگر سر پر ہمیشہ لال رنگ کی ترکی ٹوپی رہتی۔ عربی ادب کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان میں بھی بڑی مہارت تھی۔ اردو اور عربی میں عربی زبان اور ادب پر آپ کے مقالے بڑے معلومات آفریں ہیں۔ ۱۹۳۷ء میں جامعہ ازہر سے مصری وفد کی آمد پر علمی کانفرس میں اعلیٰ ادبی معیاری مقالہ پیش کیا۔ اس مقالہ میں مصطفیٰ کمال جس نے عربی رسم الخط کی بجائے لاطینی رسم الخط کو اختیار کیا تھا۔ شدید تنقید کی اور اس طرح امت مسلمہ کو غیرت دلائی کہ مستشرقین عربی زبان کے مخطوطات پر تحقیقاتی کام کر رہے ہیں اور ہم اپنی مذہبی اور دینی زبان سے بے پرواہ ہیں اور ہماری اس بے اعتنائی پر ہنستے ہیں اور ایک عربی شاعر کے شعر سے استشہاد کیا:

اذا افتخرت بآباءِ مضموا سلفا

قلنا صدقت! ولكن بئسنا ولدوا

(تم اگر اپنے اسلام کے کارناموں پر فخر کرو تو بجا ہے لیکن تم ان کے اچھے جانشین نہیں ہو کہ ان کے نقش قدم پر نہ ہو)

استاذ محترم اس کے باوجود کہ انگلستان اور مصر کی دو بڑی ڈگریوں کے حامل تھے اور

حضرت محدث دکن

صدر شعبہ عربی، لیکن اپنے والد محترم کا بڑا ادب اور پاس رکھتے تھے۔ آپ کے اخلاق کا ایک عجیب واقعہ ہے کہ جب آپ حیدر آباد پہنچے تو سر مغرب آپ سے آپ کے ایک دوست ملنے آئے اور ان کے ساتھ بائیں کرتے رہے اور نماز مغرب کی جماعت نکل گئی۔ والد صاحب مسجد میں نماز مغرب کی جماعت سے فارغ ہو کر گھر پہنچے تو دیکھا کہ مغرب کی نماز کا وقت گزر رہا ہے اور ڈاکٹر صاحب اپنے دوست کے ساتھ مصروف تکلم ہیں۔ والد صاحب غضبناک ہوئے اور اپنے جوتے کو ڈاکٹر صاحب پر پھینکا مگر ڈاکٹر صاحب نے خاموشی کے ساتھ والد صاحب کے جوتے کو اپنے ہاتھ سے اٹھایا اور جگہ پر رکھا، یہ مشرقی آداب کا کمال تھا۔

اس عاجز نے انٹرمیڈیٹ سے لیکر ایم اے تک عربی زبان اور ادب میں ڈاکٹر صاحب سے استفادہ کیا۔ اور ایم اے میں آپ کی نگرانی میں اموی دور کے شاعر اہل بیت عبداللہ بن قیس الرقیات کی حیات اور شاعری پر مقالہ تیار کیا۔ ڈاکٹر صاحب اپنے شاگردوں پر بڑے مشفق اور مہربان تھے۔ ایم اے کے دوسرے سال یعنی ۱۹۳۷ء میں شہر حیدر آباد پر طاعون کا حملہ ہوا اور میری بچائی اور دو بہنیں جاں بحق ہوئیں جس کی وجہ سے یہ عاجز ایک ماہ کالج سے غیر حاضر رہا اور جب کالج پہنچا تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا میں تمہارے حالات سے باخبر ہوں اور تمہاری حاضری دے رہا ہوں اور تمہیں امتحان میں بیٹھنا ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب یہ مہربانی نہ فرماتے تو میں اس وقت نہ امتحان میں بیٹھ سکتا اور نہ فوراً عثمانیہ یونیورسٹی میں تقرر ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ایسے مہربان اساتذہ کی شاگردی نصیب فرمائی اور زندگی بھر علم و ادب اور علوم دین سے وابستگی رہی، واللہ علی ذالک۔

ڈاکٹر صاحب اگرچہ کہ انگریزی لباس میں ملبوس رہتے مگر قلب ایمان کی حقیقت سے بھرپور رہتا۔ جامعہ قاہرہ میں آپ کے اساتذہ میں ڈاکٹر طہ حسین مشہور مصری ادیب اور نقاد تھے اور یہ ماوراء النہر تھے اور دیندار نہ تھے تو آپ فرمایا کرتے کہ ”ڈاکٹر

حضرت محدث دکن

طہ حسین آنکھ کا بھی اندھا ہے اور دل کا بھی اندھا ہے۔
 دورانِ درس بعض مرتبہ ہم طلباء کو بڑے فکر انگیز اور مفید مشوروں سے سرفراز فرماتے۔ حضرت الاستاذ مولانا سید نبی علیہ الرحمۃ کی تصنیف منہاج العربیہ کی اشاعت میں ڈاکٹر صاحب نے بڑی توجہ فرمائی جس کی وجہ سے پہلی مرتبہ یہ کتاب حکومت کے خرچہ سے شائع ہوئی۔ حضرت الاستاذ ڈاکٹر عبدالحق مرحوم نے پورے پچیس برس بڑے آب و تاب سے شعبہ عربی کی صدارت کو جگمگایا۔

ڈاکٹر عبدالحق صاحب مرحوم ۳ صفر المظفر ۱۳۶۷ھ - ۱۹۴۷ء میں انتقال فرمایا اور مقبرہ لنگر حوض میں دفن ہوئے۔ پروفیسر سلطان می الدین نے اپنے مقالہ میں ڈاکٹر صاحب کے سوانحی خاکہ میں ڈاکٹر صاحب کی تحریر کے عمدہ نمونہ جمع کئے ہیں۔ جزاء اللہ عنانہ فیہ الجزاء۔

۱۲۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالمعید خان صدر شعبہ عربی جامعہ عثمانیہ و ناظم دائرہ المعارف (۱۹۱۰ء - ۱۹۷۳ھ)

ترے لطف و کرم پہ نازاں ہوں ترے محبوب کا سما خواں ہوں
 عشقِ خیر البشر عطا کر دے دامنِ دل کو نور سے بھر دے
 (حافظ لدھیانوی)

فضیلۃ الاستاذ پروفیسر محمد عبدالمعید خان صاحب حیدر آباد کے ایک نامی گرامی رئیس خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تک آپ کا سلسلہ نسب پہنچتا ہے اور ”خان“ خطاب ہے۔ آپ کے والد ماجد مولانا عبدالغفور خان علیہ الرحمۃ نامی تخلص فرماتے تھے اور جلیل القدر صوفی اور صاحب التصانیف عالم تھے۔ آپ نے درود شریف پر ایک کتاب جس کا نام اوائل الخیرات ہے شیخ سلیمان الجزولی رحمۃ اللہ علیہ کی درود شریف میں مقبول ترین کتاب ”دلائل الخیرات“ کے طرز پر لکھی جو کئی بار طبع

حضرت محدث دکن

ہو چکی ہے اور جس کاورد عالمِ اسلامی میں جاری ہے۔

فضیلۃ الاستاذ عثمانیہ یونیورسٹی سے ایم اے اور قانون میں ایک سال تعلیم کے بعد حکومت آصفیہ کے وظیفہ پر جامعۃ القاہرہ میں سے ڈی لٹ کے لئے روانہ ہوئے اور وہاں سے ڈگری لیکر کیمبرج پہنچے اور انگلستان سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لیکر حیدر آباد واپس ہوئے۔ اور یہاں اولاً معروف علمی تحقیقی انگریزی رسالہ اسلامک کچر کے سکریٹری اور مدیر بنائے گئے بعد ازاں ۱۹۴۳ء میں شعبہ عربی جامعۃ عثمانیہ میں استاذ مقرر ہوئے۔ اور ۱۹۵۳ء میں صدارت شعبہ پر فائز ہوئے۔ ان جلیل القدر علمی عہدوں کے علاوہ ۱۹۶۳ء میں دائرۃ المعارف العثمانیہ کے ناظم اور سکریٹری کے عظیم المرتبت عہدہ پر فائز ہوئے۔

ان ساری اہم و فخری مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ فضیلۃ الاستاذ علیہ الرحمۃ معیاری تحقیقاتی کاموں کو برابر جاری رکھا عینوں زبانوں عربی، انگریزی اور اردو میں آپ کی تخلیقات طلباء کے لئے مشعل راہ ہیں۔ اس عاجز کا ۱۹۶۰ء میں شعبہ عربی میں تقرر کروایا اور ”المحمدون من الشعراء“ کی تحقیق اور تصحیح پر پئی ایچ ڈی کی ڈگری عنایت کی۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۰ء تک فضیلۃ الاستاذ علیہ الرحمۃ اس عاجز کے افسر اعلیٰ رہے۔ اگر شعبہ عربی کی مراسلت کا کام ہوتا اور ظہر کی نماز باجماعت کا وقت آجاتا تو ارشاد فرماتے ”عبدالستار صاحب آپ نماز پڑھ کر آجائیں میں آپ کا انتظار کرتا ہوں“ اس شفقت پر اس عاجز کو ناز ہے۔

علماء امت اور اہل اللہ کی بڑی تعظیم فرماتے ہر سال یا ہر دوسرے سال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب مستطاب میں بڑے اہتمام سے نیاز پیش فرماتے۔ ایک مرتبہ اسی نیاز کے موقع پر حضرت پیر و مرشد حضرت محدث دکن قدس سرہ کو اس عاجز کے توسط سے دعوت پیش کی، حضرت پہلے سے کہیں اور مدعو تھے۔ اس عاجز نے حضرت کا جواب سنایا تو جواباً کہلا بھجوا یا کہ ”میں تو حضرت کو بارہویں

حضرت محدث دکن

کی نیاز میں زحمت دے رہا ہوں پس ہمارے حضرت یہ جواب سنتے ہی بے چین ہو گئے اور فرمایا ڈاکٹر صاحب کو سلام کہو اور وہ سواری بہت پہلے روانہ کر دیں میں مغرب راستہ میں پڑھ کر ڈاکٹر صاحب کے ہاں پہنچ جاؤں گا۔

دل رابدل ریمست کہ دل خانہ خدا ست

عفو و درگزر کا جوہر بھی فضیلتہ الاستاذ میں بدرجہ اتم تھا۔ ایک مرتبہ دائرۃ المعارف کے ایک عالم نے عالم طیش میں ڈاکٹر صاحب کو برا بھلا کہا اور بر ملا اہانت کی۔ یہ واقعہ دفتر میں ہوا جس کی وجہ سے غالباً معطلی کے احکام جاری کرنے کے لئے میری مجلس دائرۃ المعارف کو اطلاع دینے کی تجویز ہوئی۔ سپروائزر مطبع میرے دوست تھے میرے پاس تشریف لائے اور پورا واقعہ سنایا اور ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں معافی کے لئے پہنچنے کی تحریک کی۔ وہ موصوف بھی ہمراہ تھے ہم سب ڈاکٹر صاحب کے گھر پہنچے اس لئے کہ ڈاکٹر اسی دن دہلی ایک میٹنگ میں تشریف لیجانے والے تھے۔ الغرض ہم سب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں پہنچے۔ موصوف کو باہر ہی ٹھہرا دیا۔ ہم سب نے جب ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی اور عفو و درگزر کی درخواست کی تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا بھائی تم لوگ تو خیر موجود ہو لیکن اصل موصوف تو یہاں نہیں ہیں۔ ہم نے جواب دیا وہ بھی موجود ہیں اور ہم نے موصوف کو باہر ٹھہرایا ہے۔ یہ سن کر ڈاکٹر صاحب کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ تم نے ایک عالم کو دروازہ کے پاس ٹھہرا دیا ہے تم لوگ کیسے بے تعظیم ہو ایک عالم کے ساتھ تمہارا یہ کیسا سلوک ہے! فوراً باہر نکلے موصوف سے معانقہ فرمایا اور معافی دیدی اور حکم دیا کہ پوری کارروائی روک دی جائے۔

اس واقعہ میں نے ہم نے اپنی آنکھوں سے ”والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس“ کی ایک جھنک دیکھی، اور اکابر کے اپنے ماتحتین پر شفقت اور معافی ایک مثال کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

حضرت الاستاذ مولانا ابوالوفا افغانی علیہ الرحمۃ کو عربی زبان کی خدمت کے سلسلہ میں صدر جمہوریہ ایوارڈ بھی فضیلۃ الاستاذ ڈاکٹر عبدالمعید خان صاحب کی تحریک پر منظور ہوا تھا۔

فضیلۃ الاستاذ صاحب طریقت بھی تھے چنانچہ قادری طریقہ میں سید شاہ سیف الدین شرفی کرنولی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی تھی۔

فضیلۃ الاستاذ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت، علمی خدمات، تحقیقی کارنامے اور آپ نے متعدد علمی اور انتظامی ذمہ داریوں کو جس لگن اور دیانتداری سے سرانجام دیا یہ سب ایسے مثالی کام ہیں جن پر ایک طالب علم نہ صرف امہ فل بلکہ پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے کام کر سکتا ہے۔

پروفیسر سلطان محی الدین صاحب صدر شعبہ عربی کو اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے کہ موصوف نے اپنی ڈاکٹریٹ کے مقالہ میں فضیلۃ الاستاذ پر تقریباً پچیس صفحات کا ایک معلومات افزا مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا انتقال دواخانہ عثمانیہ میں مشانہ کے آپریشن کے بعد مرض نمونیا میں ستمبر ۱۹۷۳ء کو ہوا اور تدفین مقبرہ قطیفی گڑھا (لنگم پلی کاجی روڈ) میں عمل میں آئی۔ اللہم اغفرلہ وارحمہ واعف واجعل الجنة مثواه۔ آمین یارب العالمین بحرمۃ سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرامین۔

۱۳۔ حضرت مولوی سید عبدالقادر صاحب حسنی حسینی چشتی علیہ الرحمۃ

(۱۸۹۰ء - ۱۹۶۳ء / ۱۳۸۳ھ)

عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ

(جہاں اولیاء کرام کا ذکر ہو وہاں رحمت خداوندی خوب ہی اترتی ہے)

مولوی سید عبدالقادر صاحب علیہ الرحمۃ کا اصل تعلق بغداد شریف سے ہے آپ کا نسب

حضرت محدث دکن

بغداد کے عظیم رفاعی شیخ حضرت سید احمد کبیر رفاعی قدس اللہ سرہ سے جا ملتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے نتیجے میں مجاہدین آزادی کو شکست ہوئی اور پورے ہندوستان پر انگریزی اقتدار مستحکم ہو گیا تو مولوی سید عبدالقادر صاحب کے جد اعلیٰ کو انگریزوں نے بغداد سے مدراس لاکر یہاں کا صدر قاضی بنایا۔ اور آپ نے تل لچیری (کیرالا) کو اپنا مستقر بنایا۔ آپ کے والد بزرگوار بہت بڑے تاجر تھے اور آپ کی چار بیویاں تھیں۔ آپ کے والد صاحب کی جائیداد پر تقسیم کے جھگڑے شروع ہوئے تو مولوی صاحب جنہوں نے مدراس یونیورسٹی سے بی۔ اے کا امتحان کامیاب کر لیا تھا گوشہٴ عافیت قرار دے کر حیدر آباد کا رخ کیا اور یہاں آکر مشرقی تمدن اور تہذیب ایسی پسند آئی کہ یہاں سکونت اختیار کر لی اور نظام کالج سے ایم۔ اے (انگریزی) میں داخلہ لے کر امتیازی حیثیت سے ۱۹۱۳ء میں امتحان کامیاب کیا۔ انگریزی زبان میں زور خطابت کی وجہ سے جمعیت طلباء کی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ سیاسی حلقوں میں معروف ہو گئے۔ ایک سال بعد نظام کالج کا پرنسپل جو انگریز تھا اس کو پائیگاہ کی طرف سے ایک فرمائش وصول ہوئی کہ پائیگاہ کے نواب زادوں کے لئے جو ساتویں نظام کے پھوپھی زاد بھائی ہوتے تھے ایک اتالیق کی نشاندہی کی جائے۔ اس انگریز پرنسپل نے اس جلیل القدر عہدہ پر مولوی صاحب کا نام پیش کیا اور ماہانہ پانچ سو روپیہ ماہوار پر مولوی صاحب نے ۱۹۱۵ء سے ۱۹۳۵ء تک اپنی اتالیقی خدمات کو بحسن و خوبی دیا اور بعد ازاں آپ نے قلعہ گولکنڈہ کے ہائی اسکول پر بحیثیت پرنسپل تقرر پا کر کہ وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوشی حاصل کی۔

مولوی سید عبدالقادر علیہ الرحمۃ کی شادی حیدر آباد کے ممتاز قاضی گھرانے میں مولوی میر صفدر علی صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی جو حیدر آباد کے نامی گرامی پیر طریقت حضرت شجاع الدین فاروقی علیہ الرحمۃ مصنف کشف الخلاصہ کی نواسی

حضرت محدث دکن

تھیں۔ مولوی صاحب نے طریقت میں حضرت محمد حسین چشتی ناظم و نیرتی سے سلوک طے کیا اور خلافت سے سرفراز ہوئے اور آپ کے برادران طریقت میں حضرت الاستاذ مولانا جمیل الدین احمد، حضرت الاستاذ مولانا سید مناظر احسن گیلانی، پروفیسر ڈاکٹر ولی الدین، حضرت سید حسین، جناب محمود یار جنگ قریشی وغیرہم تھے۔ مولوی صاحب موصوف خاموش مبلغ تھے کئی برادران وطن مرد اور خواتین نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ آپ بڑے رقیق القلب تھے۔ رمضان المبارک میں تراویح کے لئے جلال کوچہ کی مسجد تشریف لاتے اور ادھر حضرت مولانا ابوالوفا علیہ الرحمۃ

محراب میں نماز تراویح میں قرآن سنانا شروع فرماتے اور ادھر آپ پر رقت طاری ہو جاتی اور پوری نماز میں آپ کی ہچکیاں بندھی ہوئیں تھیں اور اس کا اثر تمام مصلیوں پر ہوتا تھا۔ آخری عمر میں مرض فالج میں مبتلا ہوئے۔ یہ عاجز عیادت کے لئے حاضر ہوتا تو دریافت فرماتے تم نے وہ دعاء پڑھ لی جو مریض سے ملاقات کے وقت پڑھی جاتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس بیماری سے محفوظ رکھے۔ ایسے رقیق القلب، صوفی منش حضرات کم ہونے کہ باوجود تمول کے پوری زندگی غرباء میں گذاری ہو۔ آپ کا مکان لب سڑک شاہ علی بندہ پر گھڑیال کے روبرو تھا۔ فرمایا کرتے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر دن تنہائی میں رب العزۃ کی بارگاہ بے نیاز میں آہ و زاری اور تضرع کا وقت مقرر کر کے اپنی بندگی اور نیاز مندی پیش فرمایا کرتے تھے، ہماری بہتری بھی انہی شمع نبوت کے پرانوں کی پیروی میں ہے۔

حضرت سید عبدالقادر علیہ الرحمۃ کا انتقال ذوالقعدہ ۱۳۸۳ھ / ۴ اپریل ۱۹۶۳ء کو ہوا۔ نماز جنازہ پیرو مرشد حضرت محدث دکن قدس سرہ اپنی مسجد میں پڑھائی اور تدفین مقبرہ حضرت شجاع الدین قدس سرہ میں عمل میں آئی۔ اللهم اغفر له وارحمہ و ارف عنہ و ادخلہ الجنۃ آمین۔ محرمۃ سید المرسلین۔

حضرت موصوف کا خاندانی پس منظر اور مفصل حالات عزیزم جناب طاہر

حضرت محدث دکن

عبدالواہاب صاحب نواسہ حضرت موصوف مقیم شکاگو سے ملے ہیں۔ اس کے لئے بندہ جناب موصوف کا شکر گزار ہے۔

۱۴۔ حضرت شیخ محمد ابو سعید مجددی فاروقی رام پوری علیہ الرحمۃ

(۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء / ۱۳۰۴ھ - ۱۹۸۳ء)

امب الصالحین و لست منہم
لعل اللہ یرزقنی صلاحاً

(اس عاجز کو اولیاء کرام سے محبت ہے اور یہ عاجزان میں نہیں، (اس محبت کی وجہ سے) امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی نیک بنا دے)

حضرت ابو سعید مجددی قدس سرہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کی اولاد امجاد میں ہیں۔ اور اپنے اسلاف عظام کے نامور سپوت ہیں، حفظ قرآن، علم و ادب، وقار و تمکنت، رعب و دبدبہ، صورت و سیرت، نشست و برخاست میں شیخ طریقت کی حیثیت سے مثالی اور نامور جانشین ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں کثور اور نامور ادیب اور شاعر تھے۔ آپ کی ولادت رامپور میں ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۷ھ - ۱۳ جولائی ۱۸۹۹ء میں ہوئی، آپ کے والد بزرگوار حضرت شاہ محمد معصوم نقشبندی رام پور سے ہجرت فرما کر جب حرمین شریفین کے لئے روانہ ہوئے ہیں تو آپ کی عمر چھ سال کی تھی۔ آپ نے مدینہ منورہ میں قرآن مجید حفظ فرمایا اور علوم اسلامیہ کی تحصیل بھی فرمائی۔

سنہ ۱۳۴۱ھ میں آپ کے والد بزرگوار کی مکہ معظمہ میں وفات ہوئی تو آپ رامپور واپس تشریف فرما ہوئے اور خانقاہ معصومی آپ کے وجود سے آباد ہوئی اور ۲۲ سال مسلسل رامپور میں قیام رہا۔ آپ کے برادر کلاں حضرت ابو الشرف رحمۃ اللہ علیہ کی وفات مکہ مکرمہ میں ہوئی تو جائیداد کے سلسلہ میں وہاں آنا جانا رہا۔ چوں کہ آپ ۱۳۴۲ھ میں حجازی پاسپورٹ پر تشریف لائے تھے اس لئے آپ کو سعودی قومیت مل

حضرت محدث دکن

گئی تھی۔ لیکن آپ کے تمام متعلقین رام پوری ہی میں رہے۔

حیدر آباد سے حضرت علیہ الرحمۃ کا تعلق بڑا قدیم رہا ہے چنانچہ کئی مرتبہ حیدر آباد تشریف لاتے رہے۔ اس عاجز نے اپنی طالب علمی میں مسجد الماس علی آباد جہاں حضرت مسکین شاہ قدس سرہ کی درگاہ معلیٰ ہے ایک مرتبہ رمضان المبارک میں آپ سے تراویح میں قرآن پاک کا دور سننے کی سعادت حاصل کی ہے آپ نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کئی محراب میں قرآن پاک سننے کی سعادت حاصل فرمائی حضرت علیہ کی قراءت بڑی دلکش اور شیریں ہوا کرتی تھی۔

حیدر آباد آپ سنہ ۱۹۷۹ء، ۱۹۸۰ء، ۱۹۸۱ء مسلسل سردیوں کے موسم میں ایک ماہ سے زیادہ قیام کے لئے تشریف لاتے رہے اور قیام مسجد الماس کے مکانات میں ہوا کرتا اور حضرت مسکین شاہ قدس سرہ کے سجادے حضرت تسکین شاہ ثانی حفظہ اللہ مزیبانی کے فرائض انجام دیتے اس سفر میں آپ کے برادر عم زاد حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی علیہ الرحمۃ بھی ہمراہ رہتے تھے۔ یہ عاجز نمازوں میں اور فارغ اوقات ان فاروقی مجددی حضرات کی خدمت میں گزارتا۔ ان حضرات کی خدمت میں بیٹھ کر اسلاف کرام کی یاد تازہ ہوا کرتی تھی۔ رام پور بھی کئی بار اسی تعلق کی بنیاد پر حاضری ہوئی ہے۔

خانقاہ معصومی کی مسجد بوجہ کھنگلی قابل تعمیر ہو گئی تھی آپ نے از سر نو تعمیر فرمائی۔ اور تاریخ تعمیر جدید کے ابیات کندہ کروانے کی سعادت صدیق محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد احمد صاحب نقشبندی استاذ شعبہ جغرافیہ عثمانیہ یونیورسٹی ارادتمند حضرت موصوف کو ملی اور اس سفر میں یہ عاجز بھی ہمراہ تھا جبکہ اس جدید تعمیر تہ تاریخی کتبہ کی تنصیب کے لئے رام پور کا سفر ہوا۔

حضرت علیہ الرحمۃ کا حافظہ بھی غیر معمولی تھا چنانچہ مولود برزنجی حضرت کو حفظ تھا جس کی کیسٹ جناب ڈاکٹر احمد صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ حضرت کو شہرت سے

حضرت محدث دکن

نفرت تھی چنانچہ حیدر آباد تشریف آوری کے موقع پر کسی وقت بھی آپ نے مناسب نہ سمجھا کہ قیام کی اطلاع اخبار میں شائع کی جائے ایک مرتبہ بغیر اجازت کسی صاحب نے یہ اطلاع دیدی تو آپ کو بڑا ناگوار ہوا۔

سنہ ۱۹۷۹ء میں حیدر آباد تشریف آوری پر کئی دنوں کا کرفیو عائد کر دیا گیا تو الحمد للہ گلبرگہ شریف، بیجا پور اور اورنگ آباد و خلد آباد کے سفر ہوئے جس میں یہ عاجز نے بھی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ والحمد للہ علی ذلک۔ حضرت ابو سعید مجددی علیہ الرحمۃ اپنی نواسی کے علاج کے لئے بمبئی میں مقیم تھے کہ وہاں آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ ہوائی جہاز سے اپنے بڑے فرزند حافظ عبدالحمید صاحب کے ساتھ رام پور پہنچے تقریباً ایک سال بیمار رہے بالآخر ۳۰ صفر ۱۴۰۴ھ (۶ دسمبر ۱۹۸۳ء) کو انتقال فرمایا اور درگاہ حضرت شاہ جمال اللہ شاہ قدس سرہ کی گنبد کے غربی جانب حضرت شاہ محمد عمر قدس سرہ کے پہلو میں مغرب کی سمت دفن ہوئے۔ حضرت نے اپنی زندگی میں اپنی مزار کا انتظام فرمایا تھا۔ اللهم اغفر له وارحمه واعف عنه واجعل الجنة مسواه۔ آمین یا رب العالمین بحرمۃ سید المرسلین۔

اس مبارک تذکرہ میں خاندانی حالات ”مقامات خیر ص ۵۱“ تالیف حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی علیہ الرحمۃ سے ماخوذ ہیں۔

الحمد للہ قارئین کرام کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ حضرت کے مرید صادق ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے اپنے پیرومرشد قدس سرہ کی سوانح بعنوان ”تذکرہ سعید“ مرتب فرمائی ہے، اس پر ابتدائیہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ اور یہ مبارک سوانح زیر طبع ہے۔ اللہ کرے کہ یہ تذکرہ جلد از جلد زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائقین کے ہاتھوں میں پہنچے۔

حضرت محدث دکن

۱۵۔ حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی دہلوی علیہ الرحمۃ

(۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء - ۱۳۱۴ھ / ۱۹۹۳ء)

کلید گنج سعادت قبول اہل دل است مباد کس کہ دریں نکتہ شک و ریب کند
شبان وادی ایمن گئے رسد براد کہ چند سال بجاں خدمت شعیب کند
نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلامی میں صدیوں سے جو دینی نظام و تربیت کار
فرما تھا اور جس کے حدود گھروں کی چہار دیواری سے لیکر مدارس و جامعات ،
حلقہائے درس ، گوشہ ہائے تصنیف و تالیف ، خانقاہوں کی پرسکون فضاؤں اور
میدان جہاد کی رزم گاہوں تک وسیع تھے ، اس کی بنیاد اخلاص اور للہیت پر تھی۔
اس نظام تعلیم و تربیت کا ایک اعلیٰ نمونہ ، چند اور ہندو پاک کی شخصیتوں کے دوش
بدوش حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددی اور نقشبندی قدس سرہ کی ذات
عالی تھی۔ یہ ایسی مبارک ہستیاں تھیں جنہوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس عالم
ناپائدار کی رنگا رنگ دلچسپیوں سے بیگانہ ہو کر دین حق کی معرفت اور کدو کاوش
میں صرف کر دیا۔

حضرت مولانا زید علیہ الرحمۃ کی ولادت باسعادت ۲۵ / رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ ۱۳
نومبر ۱۹۰۶ء کو خانقاہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں دلی میں ہوئی۔ حضرت کے والد ماجد
حضرت مولانا شاہ ابو الخیر مجددی قدس سرہ نے اپنے تینوں صاحبزادوں کی بڑی اچھی
تربیت فرمائی ، خود مولانا علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے کہ ہم بھائیوں کی تربیت افغانستان کے
علماء اور صلحاء نے کی ہے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت شاہ ابو الخیر علیہ الرحمۃ نے
اپنے تینوں صاحبزادوں کو مدرسہ مولوی عبدالرب واقع عقب دلی اسٹیشن میں داخل
فرمایا۔ اس مدرسہ میں کامل دو سال علوم متفرقہ اور صحاح کا دور فرمایا سنہ ۱۹۳۱ء میں
مولانا نے اپنے چھوٹے بھائی حضرت سالم علیہ الرحمۃ کے ہمراہ جامع ازہر میں تکمیل
علوم اسلامیہ کے لئے مصر کا سفر فرمایا۔ جامعہ ازہر کے نامور علماء میں علامہ شیخ محمد

حضرت محدث دکن

بخیت حسنی، شیخ محمد حبیب اللہ شتقیلی، شیخ علی شائب، محدث غرب السید مجد عبدالحی الکتانی وغیرہم آپ کے اساتذہ ہیں۔ مولانا نے مصر سے سنہ ۱۳۵۰ھ میں مکہ معظمہ حاضری دی۔ اور پہلا حج ادا فرمایا مکہ معظمہ میں شیخ ابو الفیض عبدالستار صدیقی اور مجاہد عظیم سید احمد شریف سنوسی مدنی سے حدیث الرحمة اور بقیہ مسلسلات کی اجازت حاصل فرمائی۔

مصر سے ہندوستان واپس ہوتے ہوئے۔ شرق اوسط کہ مالک شام، بغداد اور عراق کا دورہ کرتے ہوئے واپسی عمل میں آئی۔ دوران سفر حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ، اور امام الائمہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اور سارے مزارات اور مشاہد کی زیارتیں کیں۔

حضرت علیہ الرحمة کو حکومت ہند نے ۱۹۸۷ء میں علوم اسلامیہ کی خدمت کے صلہ میں عربی ایوارڈ بھی مرحمت کیا۔ حضرت کی تمام تر زندگی تصنیف و تالیف اور ارشاد میں بسر ہوئی۔ چنانچہ آپ کی چھوٹی اور بڑی تالیفات کی جملہ تعداد (۲۴) ہے اور کئی تالیفات مخطوطات کی صورت میں محفوظ ہیں۔

آپ کا کتب خانہ مطبوعات کے ساتھ ساتھ مخطوطات اور نایاب قلمی قدیم نسخہ جات کا خزانہ ہے اور تحقیقی کام کرنے والے اساتذہ اور طلبہ آپ کے ان نواور سے استفادہ کرتے ہیں۔

حضرت مولانا زید ابو الحسن فاروقی علیہ الرحمة ماشاء اللہ ایک پہلو دار شخصیت کے حامل تھے، شریعت اور طریقت کے سرتاج، دین و مذہب کے ماہر، حدیث اور فقہ میں کامل، علوم قرآن کے فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے سخن شناس اور عظیم مکتور تھے، مولانا علیہ الرحمة کے اکلوتے فرزند جناب ڈاکٹر ابو الفضل فاروقی علیہ الرحمة کے انتقال کے بعد آپ نے اپنے جواں سال پوتے عزیزم میاں ابو النصر انس فاروقی ام اللہ حیاتہ للاسلام والمسلمین کو اپنی جانشینی کے لئے تیار کیا۔

حضرت محدث دکن

مولانا کی خود نوشت سوانح اور تالیفات کا تفصیلی جائزہ اپنی تالیف . مقامات خیر میں ص ۶۹۷ سے ۸۰۰ تک جمع فرمادیا ہے جو اصحاب ذوق کے لئے پڑھنے کے قابل ہے۔

حضرت زید فاروقی علیہ الرحمۃ کی اس عاجز راقم پر بڑی شفقت تھی۔ ۱۹۷۱ء میں دلی یونیورسٹی گرانٹ کمیشن کی ایک میٹنگ میں شرکت کی اور حضرت مرزا مظہر جانجانا، حضرت شاہ غلام علی، حضرت شاہ ابو سعید مجددی اور حضرت شاہ ابو الحیر فاروقی مجددی۔ قدس اللہ اسرارہم۔ یہ حضرات اس عاجز کے پیران کبار ہیں ان کی زیارت کے لئے خانقاہ پہونچا۔ اس وقت حضرت قاری حافظ اسماعیل مجددی رام پوری علیہ الرحمۃ خانقاہ شریف میں فروکش تھے۔ حضرت کی تحریک پر حضرت مولانا زید فاروقی علیہ الرحمۃ نے خانقاہ شریف میں اس عاجز کے قیام کو منظور فرمایا اور یہ عاجز اپنے بڑے لڑکے عزیزم ڈاکٹر محمد انوار اللہ خان پی ایچ ڈی کے ساتھ بقیہ مدت وہیں قیام کیا۔ اس کے بعد سے مولانا کی حیات تک جب بھی دلی، علیگڑھ کے سفر ہوتے تو ہمیشہ خانقاہ شریف میں قیام رہتا اور حضرت علیہ الرحمۃ کی صحبت بابرکت سے سرفراز ہوتا۔ حضرت کی دعاؤں سے اس عاجز کے کئی مشکلیں حل ہوئی ہیں۔

۱۹۹۱ء میں اس عاجز کا گھر زیر تعمیر تھا۔ قرض کے علاوہ بقیہ تعمیر کے لئے بھی کافی رقم کی ضرورت تھی۔ حضرت علیہ الرحمۃ کو پوری تفصیل لکھی اور دعاؤں کی درخواست کی۔ جواباً خط وصول ہوا جس میں حضرت علیہ الرحمۃ نے لکھا:

”تمہارا خط ملا، حالات معلوم ہوئے اور معاً یہ آیت زبان پر آئی ”لا تحزن ان اللہ معنا“ آپ فکر نہ کریں آپ کی ساری مشکلیں ہمیں سے حل ہوں گی“

بس ابھی سننے بھی نہ پایا تھا کہ ہیوسٹن سے اصرار کے ساتھ ایک مطالبہ آیا کہ آپ چند ماہ کے لئے ہیوسٹن آجائیں اور BEERCREEK سٹر کی ذمہ داریوں کو سنبھالیں۔ یہ عاجز ہیوسٹن پہونچا اور الحمد للہ ثم الحمد للہ ایسا کچھ نظم ہوا کہ قرض کی

حضرت محدث دکن

ادائی کے علاوہ گھر کے بقیہ حصہ کی تعمیر بھی بروقت تکمیل کو پہنچی۔

عنایت را کہن دامن درویش
ز سد صد سکندر توتوشش بیش

مئی ۱۹۹۳ء میں ہندوستان سے امریکہ واپسی پر تین دن حضرت کی ملاقات کے لئے اس عاجز کا خانقاہ شریف میں قیام رہا۔ مولانا نے فرمایا کہ ”موت کا منتظر ہوں“۔ یہ عاجز ۱۳ مئی ۱۹۹۳ء کو شکاگو پہنچا اور حضرت کے پوتے عزیزم انس میاں سلمہ نے تار روانہ کیا کہ پنجشنبہ ساڑھے نو بجے صبح ۲ دسمبر ۱۹۹۳ء کو حضرت نے داعی اجل کو لبیک کہا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

آن قدح بشکست وآن ساقی نہ ماند

حضرت کی نماز جنازہ جامع مسجد دلی میں بعد نماز عصر ادا کی گئی اور بعد مغرب شب جمعہ اندرون خانقاہ تدفین عمل میں آئی۔ اللهم اغفر له وارحمه واعف عنه واجعل الجنة مثواه! آمین۔ بحرمة سید المرسلین وآلہ الظاہرین واصحابہ الاکرامین۔

۱۶۔ مولوی غوث الدین علیہ الرحمۃ

اشک غم میں ہیں تیری یاد کی شمعیں روشن

دل کی دھڑکن میں تیری زمزہ پیرائی ہے

ہوئی مقبول مرے اشک ندامت کی دعا

میری آہوں کو عطا رنگ پذیرائی ہے

مولوی غوث الدین صاحب علیہ الرحمۃ اس عاجز کے بچپن کے استاذ ہیں۔ اس عاجز کا بچپن محلہ بیرون لال دروازہ حیدر آباد میں گذرا اور جد امجد حضرت بسم اللہ خان علیہ الرحمۃ اور حضرت والد ماجد جناب محمد اسماعیل خان علیہ الرحمۃ کے ساتھ نمازیں مسجد لائن مکلوت میں ہوا کرتی تھیں۔ یہ محلہ اور دیگر محلوں کی طرح صالحین، ذاکرین اور اہل اللہ کا محلہ تھا۔ ہر پنجشنبہ کو شب جمعہ قصیدہ بردہ شریف کی مجلس باری باری سے ہے ہر ایک گھر ہوا کرتی تھی۔ مولوی غوث الدین علیہ الرحمۃ اس

حضرت محدث دکن

مسجد میں بعد نماز مغرب تفسیر حسینی سنایا کرتے تھے اور ہم بچوں کی ایک جماعت کو حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کی گلستان کا درس دیا کرتے۔ مولوی صاحب موصوف حضرت پیر و مرشد قدس سرہ کے درس حدیث میں لال دروازہ سے حسینی علم پیدل جایا کرتے اور بڑی تقطیع کی مشاکاة شریف سینے سے لگی رہتی۔ مولوی صاحب بڑے باوقار، بیحد سنجیدہ اور بڑے متواضع تھے۔ پرائمری کے استاذ تھے اور لاولد تھے۔ زیادہ عمر نہیں پائی۔ معمولی سی علالت کے بعد انتقال ہوا تو نماز جنازہ مسجد لائن مکلوث میں حضرت پیر و مرشد محدث دکن نے پڑھائی اور تدفین تک مقبرہ میں تشریف رکھا۔ مولوی صاحب حضرت میر مؤمن چپ علیہ الرحمۃ کے احاطہ واقع بیرون علی آباد میں آرام فرما ہیں۔ مولوی صاحب ہمارے اولین تربیت کرنے والوں میں ہیں جبکہ ہم اپنے شعور کو بھی نہیں پہنچے تھے۔

کیسا مبارک زمانہ تھا۔ کیسے اہل اللہ تھے کہ ان کے وجود کی وجہ سے برکتیں ہی برکتیں تھیں، محلوں اور مسجدوں میں نورانی فضائیں دکھائی دیتیں تھیں۔ تذکرہ محدث دکن قدس سرہ کی آخری فصل جس میں حیدر آباد کے معاصرین کے عنوان سے اس عاجز نے اپنے اساتذہ کرام کا ذکر کیا ہے۔ یہ وہ اساتذہ کرام ہیں جن کی تربیت میں اس عاجز کو دینی اور علمی شعور نصیب ہوا۔

اس عاجز کے خاندانی اکابر جن کی صحبتوں میں بیٹھ کر اس عاجز نے دل میں حقیقت کی روشنی اور آنکھوں میں طریقت کا نور حاصل کیا ان میں اس عاجز کے نانا حضرت محبوب حسین محبوب چشتی فاروقی والد مولانا الطاف حسین فاروقی (مولوی کامل) مصحح دائرۃ المعارف اور امام و خطیب مسجد مردہے منور، حضرت چچا الحاج محمد اکبر خان صاحب، چچا الحاج محمد قدرت اللہ خاں، حضرت سید حسن علی بن حضرت سید کرامت علی بن حضرت میر احمد علی نقشبندی خلیفہ حضرت شاہ سعد اللہ نقشبندی مجددی۔ رحمۃ اللہ علیہم اور الحاج حافظ نور محمد خان صاحب ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب

حضرت محدث دکن

حضرات کو جزاء خیر عطا فرمائے۔ اپنے اساتذہ اور کرم فرماؤں کو یاد کرتے ہوئے عربی کے عظیم شاعر جریر کا یہ شعر زبان پر آجاتا ہے۔

اولک آباءى فجننى ^{بشکم} اذا جمعنا یا جریر المجمع

(یہ ہیں میرے آباؤ اجداد، اے جریر: اگر ہم کو محفلیں اکھٹی کریں تو تو مجھے ان جیسا دکھا دے) پروفیسر ڈاکٹر مولوی سلطان محی الدین صاحب دام فضلہ نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں حکومت آصفیہ کے دوسرے سو سال یعنی ۱۷۴۸ء سے ۱۹۴۸ء تک کے علماء کے حالات اور ان کے علمی، ادبی کارناموں پر سیر حاصل مواد جمع کیا ہے۔ اس عاجز نے اپنے اساتذہ کے بارے میں موصوف کے مقالہ سے استفادہ کیا ہے۔ اس پر بندہ موصوف کا شکر گزار ہے۔ اللہ کرے کہ یہ مواد اردو میں بھی منتقل ہو جائے اور اردو دان طبقہ اپنے اسلاف کرام کے کارناموں سے واقف ہو کر اپنا راہ عمل متعین کرے۔

یہ وہ اسلاف کرام اور اس عاجز کے اساتذہ تھے جن کے اس پر حقوق ہیں کہ یہ عاجز ان کی نیک تربیتوں کا پروردہ ہے۔ یہ عاجز ان کی نعمتوں کے خرمیوں کا ایک ادنیٰ خوشہ چین اور ان کے خوانہائے کرم کا ایک ناچیز زتہ بردار (پس خوردہ اٹھانے والا) ہے، انھوں نے گوناگوں نوازشوں سے میری تربیت کی ہے اور طرح طرح کے احسانات سے میری پرورش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے ان اساتذہ کرام کی قبروں کو نور سے بھر دے آمین یارب العالمین۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

(۱۷) والد ماجد حضرت محمد اسماعیل خان ولد حضرت بسم اللہ خان
ولد حضرت ابراہیم خان ولد حضرت بڑے خان داؤد زری علیہم الرحمہ

نور کی تحریر تھی ہر خط پیمانہ مجھے
یاد ہے اب تک طلوع صبح مینانہ مجھے

اس مبارک تذکرہ کا یہ آخری سوانحی خاکہ ہے۔ راقم الحروف نے والد ماجد علیہ الرحمہ اردو اور فارسی کے فاضل ضرور تھے مگر انتظامی صلاحیت، وقار، متانت، اصابت رائے اور سنجیدگی جیسے اخلاق فاضلہ سے بھی آراستہ تھے۔ ملازمت کی ابتداء پر انہی کے استاد کی حیثیت سے کی مگر ناظم تعلیمات جناب سید علی اکبر مرحوم نے بوقت معائنہ تھکانیہ چند راتیں گٹھ سے دفتر صدر مہتممی تعلیمات میں منتقل فرمایا اور بعد ازاں دفتر فوقانیہ دارالعلوم واقع کالی کمان حیدرآباد پر تبادلہ کر دیا اور جب ۱۹۴۷ء میں انٹرمیڈیٹ کالج دارالعلوم قائم ہوا تو جناب غلام قادر صاحب مرحوم نے اس کالج پر آپ کو بحیثیت منتظم ترقی دلوائی اور اسی عہدہ سے ۱۹۵۱ء میں وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔

حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ کی دیانت کا ایک واقعہ قارئین کرام کے نذر کروں: آصفی دور میں بعض ڈگریوں یا عہدوں کے لئے ایک خاص عمر کی قید تھی۔ اس بارے میں ایک صاحب بڑی رقم لے کر حاضر ہوئے تاکہ ان کے لڑکے کی عمر گھٹا کر صداقت نامہ عمر جاری کیا جائے۔ والد نے نہ مانا، وہ دفتر سے گھر پر پہنچے والد بزرگوار کو جیسے ہی اطلاع ملی ان کو کھلوا دیا کہ میں ایسا کام ہرگز نہیں کروں گا اور ملنا بھی نہیں چاہتا۔ میرے گھر کے دو دروازے ہیں میں اسی وقت دوسرے دروازہ سے کہیں دور نکل جا رہا ہوں۔

یہ دیانت تھی جو اس بات کی شہادت ہے کہ ہمارے والد بزرگوار نے ہمیں حلال روزی کھلائی اور ہم میں اپنے عمل سے اسلامی کردار پیدا کیا۔ اور آج ہم حلال روزی کی برکت اپنے آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کہ الحمد للہ ہم سات بھائی اور دو بہنیں ہیں سب اپنی اپنی جگہ خوش حال ہیں والحمد للہ علی ذلک۔

مذکرۃ حضرت محدث دکن

اس عاجز کے والد بزرگوار علیہ الرحمہ فرمایا کرتے بندۂ مسلم نے حج اور زیارت مدینہ کی سعادت حاصل نہ کی تو اس نے اس دنیا میں پھر کیا حاصل کیا؟ ۱۹۵۶ء میں جناب کرنل امیر الدین خان جو اس عاجز کے برادر طریقت ہیں اور تبلیغی جدوجہد میں سرگرم رفیق کار تھے۔ حج کی تیاری شروع کی تو اس عاجز سے فرمایا کہ مولوی صاحب! اس مبارک سفر میں آپ ہمارے ہمراہ رہیں گے، اس وقت یہ عاجز اس قابل نہ تھا حالانکہ اس وقت اس مبارک سفر کے لئے ایک ہزار روپیہ کافی تھے کرنل صاحب نے یہ بھی کہا کہ اگر آپ انتظام نہ کر سکیں تو میں اپنی موٹر فروخت کر دوں گا اور آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ ہمارے ایک برادر طریقت جناب سیٹھ ہدایت علی مرحوم ساکن رکاب گنج نے ایک ہزار روپیہ قرض حسن پر آمادگی ظاہر فرمائی اور سفر کی تیاری شروع ہوئی۔ والد بزرگوار ان سب حالات سے واقف تھے۔ دل ہی دل میں یہ طے کر رکھا تھا کہ جب اس کی تیاری پوری ہو جائے گی تو میں اس کو روک دوں گا اور اس کے بجائے اس مبارک سفر پر میں روانہ ہو جاؤں گا۔ یہ سعادت مند بیٹا ہے اس سے کہوں گا۔ میاں میں مرنے والا ہوں اور تو جوان ہے انشاء اللہ تجھے ضرور موقع ملے گا اس مرتبہ میرے حق میں تو دستبردار ہو جا۔

بالائے	سرش	زہوش	مندی
ی	تافت	ستارۃ	بلندی

اس عاجز کو خوب یاد ہے کہ جناب ہدایت علی صاحب اس سال رمضان المبارک کی انتیسویں شب آم والی مسجد تشریف لائے اور دریافت کیا مولوی صاحب! کیا آپ کے والد صاحب بحیات ہیں اور اگر ہیں تو انہوں نے بھی حج کر لیا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کیا ہے تو میں دو ہزار روپیہ قرض دیتا ہوں باپ بیٹے دونوں اس قرض کو ادا کریں اور ماہانہ پچاس روپیہ کی بجائے ایک سو روپیہ ادائیگی قرض میں دیا کریں۔ گھر آکر یہ مژدہ جب اس عاجز نے اپنے والد بزرگوار کو سنایا تو رو پڑے اور پورا ماجرا سنایا کہ میرا تو یہ عزم تھا جو بیان کیا گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو اس سعادت سے بہرہ ور کر رہا ہے اور اس مبارک سفر میں امیر سفر حضرت مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ علیہ الرحمہ تھے اور ہمارا قافلہ تیرہ اصحاب پر مشتمل تھا۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
 نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
 یہ سعادت جس کی تفصیل اوپر بیان ہوئی یہ پیر و مرشد صاحب تذکرہ کی برکتوں کی ایک
 جھلک ہے۔ اور ایسی ان گنت جھلکیوں کو یہ عاجز زندگی بھر دیکھا کیا اور اب بھی دیکھ رہا ہے
 اور پس مرگ بھی عالم برزخ اور ان شاء اللہ جنت میں داخل ہونے تک دیکھتا رہے گا۔ واللہ
 علی ذلک حمد اکثر اطیبا مبارکافیه!

والد ماجد علیہ الرحمہ کے تذکرہ کو آپ کی وفات کے سانحہ پر ختم کرتا ہوں جو درحقیقت ایک
 مرد مؤمن کی دنیا سے رخصتی کے کوائف پر مشتمل ہے۔ اللہ والد بزرگوار علیہ الرحمہ نے
 تقریباً ایک ہفتہ قبل فرمایا: اب میں مہمان ہوں، اپنی بہن اس عاجز کی پھوپھی صاحبہ اور بہن
 کو بلوایا اور کہا اب آپ ہم مل بیٹھیں پھر تم کہاں اور ہم کہاں یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا ہے کہ کیا ہمارے پاس آنے کے لئے تیار ہو تو میں نے
 عرض کیا حضور! بندہ حاضر ہے مگر ایک لڑکا دور رہتا ہے وہ آئے یا نہ آئے میں تو تیار ہوں۔
 اس دوران میں علالت شدید ہو گئی، آپ کو قصیدہ بردہ شریف کے سننے کی خواہش تھی الحمد
 للہ ۳۰ ستمبر ۱۹۸۸ء کو جمعہ کا دن تھا، والد ماجد بزرگوار کے حسب ارشاد برادر م عبدالباسط
 خان خالد حفظہ اللہ نے ایک بکرا لایا اور علالت کی خیر سن کر جو بھی ملنے کے لئے آتے حضرت
 ان کو دوپہر کے کھانے کا پابند فرماتے، قصیدہ بردہ کی جماعت کا بھی انتظام ہوا، بعد نماز جمعہ
 قصیدہ مبارکہ پڑھایا گیا اور سب حضرات نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ رات میں جیسے ہی گلو کو س ختم
 ہوا اس عاجز کو جو حضرت کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا یاد فرمایا کہ کیا ستار میاں چلا گیا ہے؟ اس عاجز
 نے جواب دیا: بندہ حاضر ہے، ارشاد ہوا یہاں سامنے آؤ، تعمیل حکم میں یہ عاجز سامنے آکر
 بیٹھ گیا، اس عاجز کی طرف دیکھ کر باواز بلند کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا شروع
 کیا، اس وقت رات کے ڈیڑھ بجے تھے آپ لا الہ الا اللہ پڑھتے تو ہم حاضرین محمد رسول اللہ
 پڑھتے کلمہ طیبہ کی تکرار بیس منٹ تک جاری رہی اس دوران میں میری بہن کی زبان پر یہ
 الفاظ جاری رہے "اللہ کی بخشش! محمد کی شفاعت" بیس منٹ کے بعد حضرت نے دریافت

تذکرہ حضرت محدث دکن

فرمایا۔ کیا بجا ہے؟ ہم نے عرض کیا دو بجے میں دس منٹ باقی ہیں! یہ سن کر اپنی انگلیوں سے دو کا اشارہ فرمایا اور کلمہ طیبہ کی تکرار فرماتے ہوئے ٹھیک دو بجے شب کسی غیبی شخصیت سے مصافحہ کے لئے اپنے ہاتھوں کو بڑھایا اور خود سے آنکھیں اور منہ بند کر لیں اور لیٹ گئے! انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دوسرے دن شنبہ یکم اکتوبر ۱۹۸۸ء بعد نماز ظہر جامع مسجد جہاں نما میں حضرت مولانا ابوالبرکات سید شاہ خلیل اللہ نقشبندی و قادری جانشین حضرت پیر و مرشد قدس سرہما نے نماز جنازہ میں امامت فرمائی اور قصبہ یسرم جو اس عاجز کا خاندانی مقبرہ ہے تدفین ہوئی۔

تیسرے دن یکشنبہ ۲ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو فاتحہ سوئم مقرر کی گئی اور تقریباً پانچ سو شرکاء نے کھانا کھایا۔ اور بغرض فاتحہ ہم لوگ جب اپنے قریہ میں پہنچے اور یہ عاجز، مولوی سید احمد علی صاحب (سنوئی) برادر م مولوی عبدالجبار خان اور دیگر حضرات قبر پر فاتحہ خوانی میں مشغول تھے ہم نے دیکھا کہ ہلکی بارش چند منٹ قبر پر جس طرح پانی کا چھڑکاؤ ہوتا ہے جاری رہی جو رحمت خداوندی کی ایک جھلک تھی۔

آسمان تیرہ لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

دورانِ علالت حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے انتقال کے بعد جو بھی میری تعزیت اور نماز جنازہ میں شرکت کے لئے آئے اس کو کچھ نہ کچھ کھلاؤ، چنانچہ حسب وصیت اس عاجز کی بہن رابعہ بی سلمہ نے شیرمال اور کباب کا انتظام کیا اور ہر آنے والے نے چند لقمے ضرور تناول فرمائے۔ یہ درحقیقت اس عاجز کی پڑوسی علیہا الرحمۃ کی سنت تھی کہ ان مقدس خاتون نے جو بعد نماز فجر اشراق تک دیوار کو ٹیک لگا کر ذکر الہی میں مشغول رہتی تھیں وصیت فرمایا تھا کہ میرے انتقال کے بعد پیروں کے انگوٹھے باندھ کر مجھے لٹا دیا جائے اس کے بعد فوراً ایک من پلاؤ کی دیگ چولہا پر چڑھا دی جائے اور یقینی کی بوٹیاں بڑی بڑی کاٹی جائیں اور جیسے ہی دیگ پک کر تیار ہو جائے جو بھی حاضر ہوں ان کو کھانا کھلائے جائے اور اس کے بعد میرے غسل اور تکفین اور نماز جنازہ کا انتظام ہو۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

یہ سنت قائمہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے مبارک عمل سے آج تک چلی آرہی ہے۔
تفصیل تو حضرة المعارف مولانا سید مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمہ کی تالیف حضرت ابو ذر
غفاری میں ملاحظہ فرمائی جائے استفادہ کی خاطر ذیل میں اختصار کے ساتھ وہ واقعہ نقل کیا جاتا
ہے:

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ
منورہ سے تین میل دور مقام ربذہ میں قیام کا حکم دیا تھا آپ اپنی اہلیہ اور غلام کے ساتھ رہا
کرتے تھے۔ جب آپ کے انتقال کا وقت آیا تو آپ کی اہلیہ رونے لگیں، آپ نے سبب پوچھا
تو انہوں نے کہا آپ کے انتقال کے بعد ہم آپ کو کس طرح دفن کریں؟ میں اور غلام تو یہ
کام نہیں کر سکتے، جواب دیا انتقال کے بعد بکری کو ذبح کرو، شور بہ تیار کر کے آنا گوندھ کر
راستہ پر پہنچ جاؤ۔ ملک شام سے ایک قافلہ آئے گا اس کو روک کر کہو، تم لوگ اپنے بھائی کو
دفن کر کے جاؤ، حسب حکم کی تعمیل ہوئی اس قافلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو رونے لگے اور فرمایا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا تھا۔ (ابو ذر) تم تنہا چلو گے، تنہا مرو گے اور تنہا اٹھائے جاؤ
گے (طبقات ابن سعد ۱۴ / ۱۷۷) بد فہم کے بعد وہ قافلہ رخصت ہونے لگا تو آپ کی اہلیہ نے
فرمایا کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی وصیت ہے کہ اس قافلہ کو کھلائے بغیر رخصت نہ کرنا
اور حسب عمل ہوا۔

اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ کی شفقت اور اصابت رائے کا ایک عظیم فیصلہ جو اس راقم
الحروف کی ذات اور شخصیت سے متعلق ہے سنا کر اس مبارک تذکرہ کو ختم کیا جاتا ہے۔ اس
عاجز کا تقرر ام اے کامیاب کرنے کے بعد سنہ ۱۹۴۷ء میں عثمانیہ یونیورسٹی میں شعبہ و نیات
کی لیکچرری پر ہوا تو شادی کا مرحلہ پیش آیا۔ اس وقت دنیوی وجاہت کے اعتبار سے متمول
گھرانوں کے پیام موجود تھے۔ لیکن والد ماجد علیہ الرحمہ نے اس عاجز کی طبیعت کے اعتبار سے

تذکرہ حضرت محدث دکن

یہ طے کیا کہ میں تمہارا پیام متوسط گھرانے میں طے کروں گا جس کی توثیق مولانا ابوالوفا علیہ الرحمہ نے کی اور ”برکت بڑوں کے ساتھ ہوتی ہے“ کا مشاہدہ اس عاجز نے کیا۔ جب حضرت پیر و مرشد قدس سرہ نے زجاہۃ المصاحیح کی طباعت کے موقع پر اس عاجز کو کاپی اور پروف ریڈنگ کے مقابلہ کے لئے یاد فرمایا اور پھر زجاہۃ المصاحیح کے اردو ترجمہ کا کام بھی شروع ہوا تو ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۳ء تک اس عاجز کی مشغولیت کا یہ حال تھا کہ صبح جب گھر سے ملازمت کے لئے نکلتا تو رات بارہ بجے کے بعد گھر واپسی ہوتی اور دائرۃ المعارف اور بعد ازاں یونیورسٹی سے حضرت پیر و مرشد قدس سرہ کی خدمت میں حاضری ہوتی اور وہاں ترجمہ زجاہۃ شام کا کھانا اور پھر نماز عشاء کے بعد فراغت ہوتی اور اس طویل مدت میں گھر کی پوری ذمہ داری اہلیہ محترمہ انجام دیا کرتیں۔ اگر کسی متمول گھرانے میں شادی ہوتی تو یہ ممکن نہ تھا۔ یہاں مجھے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ کی فراست ایمانی کی روشن مثال عملاً دکھائی دی جس کی وجہ سے اس عاجز کی گھریلو زندگی بڑی مطمئن گذری واللہ علی ذلک اور اس طرح حضرت پیر و مرشد قدس کی خدمت میں حاضری اور علمی و دینی کام کی سرگرمی میں یقین اس عاجز کی اہلیہ محترمہ کا حصہ ہے الدال علی الخیر کفاعلہ (بھلائی پر رہبری کرنے والا اس بھلائی کے کرنے والے کے برابر ہے)۔

اس عاجز کی اہلیہ محترمہ نے طویل علالت کے بعد شب جمعہ بوقت سحر ۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ / ۳ فروری ۱۹۸۹ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور مکہ مسجد میں مولانا ابوالبرکات علیہ الرحمہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مرحومہ میں چند باتیں بڑی قابل تقلید تھیں ایک تو یہ کہ ان کو حضور غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ سے بڑی عقیدت تھی، زندگی بھر ماہ ربیع الثانی میں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے نیاز کا اہتمام کیا کرتیں اس عاجز کے دوست جناب محمد بہاؤ الدین فاروقی انجینئر بلدیہ نے خواب دیکھا کہ ایک خاتون کا جنازہ جا رہا ہے اور وہ بھی مشایعت کر رہے ہیں، انہوں نے دیکھا کہ دفعتاً جنازہ پر سفید چادر کی بجائے اعلیٰ قسم والی مخملی سبز رنگ کی چادر غیب سے بدل دی گئی ہے یہ بڑے حیران ہوئے اور

ساتھ چلنے والوں سے دریافت کیا کہ یہ کن خاتون کا جنازہ ہے؟ تو ہمراہیوں نے بتایا کہ یہ ”عبدالستار خان کی اہلیہ کا جنازہ ہے“۔ اس سے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اولیاء کی محبت آخرت کی بھلائی کا موجب ہے۔

انتقال سے بیس سال قبل اہلیہ مرحومہ سحت علیل ہو گئیں، سرکاری زرچگی خانہ میں شریک کروایا گیا۔ حالت خطرناک ہو گئی اور آکسیجن دیا جانے لگا۔ زیست کی امید بچد کم تھی، اس عاجز کے برادر عزیز اور بہنوئی رحمت اللہ خان مرحوم کو یہ اطلاع ملی تو وہ بچد پریشان ہو گئے اور اسی حالت میں وہ سو گئے انہوں نے خواب دیکھا کہ وہ ایک بزرگ کے روبرو حاضر ہیں اور ان کا دست فیضد رجت اس عاجز کی اہلیہ کے سر پر ہے اور وہ ان کی طرف دیکھ کر فرما رہے ہیں۔ تم کیوں پریشان ہو؟ یہ خواب سے بیدار ہوئے تو یقین ہوا کہ انشاء اللہ یہ صحت مند ہو جائیں گی۔ اور الحمد للہ ان کو کامل صحت ہوئی اور مزید بیس برس زندہ رہیں جب یہ صحت مند ہوئیں تو کہا۔ اگر اس بیماری میں انتقال کر جاتی تو میں اللہ کی پیاری ہو جاتی مگر آپ بڑے پریشان ہو جاتے کہ بچے سب چھوٹے چھوٹے ان کی دیکھ بھال کیسے ہوتی اللہ تعالیٰ نے مجھے نئی زندگی عطا فرمادی اور جب ۱۹۸۹ء میں انتقال ہوا تو وہ الحمد للہ کئی پوتوں کی دادی اور کئی نواسوں کی نانی بن چکی تھیں۔ والحمد للہ علی ذالک۔

انتقال کے فوراً بعد حج کے موقع پر بر خوردار عطاء اللہ خان سلمہ نے اپنی ماں کی طرف سے حج بدل کیا اور فرزند اکبر ڈاکٹر انوار اللہ خان سلمہ نے خواب میں اپنی ماں کو مسجد نبوی علی صاحبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں، اور اس عاجز نے بھی اپنی اہلیہ اور بڑی بیٹی کو مدینہ منورہ میں دیکھا اور وہ اپنی ماں سے کہہ رہی ہیں۔ امی! چلو تیار ہو جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری دیں گے یہ واقعات اس بات کی نشانی ہیں کہ الحمد للہ اس عاجز کی اہلیہ مغفور ہیں والحمد للہ علی ذالک!

یہ عاجز ۱۹۸۴ء میں وظیفہ پر سبکدوش ہوا اور قواعد وظیفہ کے لحاظ سے اہلیہ کی فوٹو اور نامزدگی کا پرچہ دفتر میں داخل کرنا ضروری تھا۔ اس عاجز نے محترمہ سے کہا تو جواب دیا کہ میں تو آپ

تذکرہ حضرت محدث دکن

سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچنے والی ہوں تو فوٹو کیوں دقت پر پھرے؟ یہ عاجز بھی سن کر خاموش ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی یہ بندی تقریباً پانچ سال بعد دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ یہ بھی اس بات کی نشانی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ یعنی موت پر لبیک کہنے کے لئے تیار تھیں! اللہ تعالیٰ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔ حرمتہ سید المرسلین وآلہ الطاہرین واصحابہ الاکرامین۔

تذکرہ حضرت محدث دکن

اپنے پیر و مرشد قدس سرہ کی تقلید میں کہ حضرت نے اپنی ہر کتاب کو شجرہ عالیہ نقشبندیہ پر ختم کیا ہے۔ البتہ اس عاجز نے مولانا زید ابوالحسن فاروقی علیہ الرحمۃ کی تالی منظومہ سے ذیل کے ابیات لئے ہیں :

شجرہ عالیہ نقشبندیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الہی کہاں مشت خاکِ ذلیل کہاں بارگاہِ رفیع و جلیل
 تری رحمتوں نے اٹھایا اسے الیہ الوسیلہ سنایا اسے
 وسیلہ نے پھر اس کو پرداز دی کرے عرض تجھ سے وہ آواز دی
 ترے در پر آیا وہ عبدِ ذلول تو سل سے اپنے تو کر لے قبول
 تو سل بہ اسمائے حسنی تمام تو سل بہ اوصافِ زیبا تمام
 تو سل بہ اسمِ جلیل و عظیم دعاؤں کو سن لے بہ لطفِ عمیم
 تو سل بہ نورِ مقدس صفات جناب محمد علیہ الصلات
 تو سل بہ سالارِ کل اولیاء ابوبکر صدیق رمزِ وفا
 تو سل بہ سلمانِ رفیق رسول ہوا آلِ اطہر میں جن کا شمول
 تو سل بہ قائمِ امامِ ہدی زمانے میں اپنے وہی مقتدا
 تو سل بہ جعفرِ مبارک نسب کہ صادق ہوا جن کا روشن لقب
 تو سل بہ شہبازِ اوجِ بعید جنہیں کہتے ہیں حضرتِ بایزید
 تو سل بہ اسرارِ شیخِ زمن اولیسی قدمِ حضرتِ ابوالحسن
 تو سل بہ قطبِ جہاں بوعلی کہ جن کی نظر سے بنے صد ولی
 تو سل بہ یوسفِ مبارک لقا خدا نے کیا ان کو غوثِ الوری
 تو سل بہ سرِ حلقہِ خواجگان جنہیں عبدِ خالق ہے کہتا جہاں
 تو سل بہ عارفِ زبے حق غش کہ پاکیزہ تھی جن کی ہر ہر ورش

تذکرہ حضرت محدث دکن

توسل	ہ	محمود	شائستہ	نام	مئے وصل کے جو لٹاتے تھے جام
توسل	ہ	فرخندہ	طینت	ولی	کہ تھا نام جن کا عزیزاں علی
توسل	ہ	سرخیل	بزم	طرب	محمد کہ بابا تھا جن کا لقب
توسل	ہ	سیار	برج	کمال	خدا کے مقرب امیر کمال
توسل	ہ	عطار	دیں	کے علا	معطر ہوئی جن سے بزم صفا
توسل	ہ	یعقوب	دانائے	راز	ہوا جن سے چرخ صفا سرفراز
توسل	ہ	احرار	عالی	مقام	کہ شاہان عالم تھے جن کے غلام
توسل	ہ	زاہد	محمد	ولی	جو تھے واقف رمزائے خفی
توسل	ہ	درویش	شب زندہ	دار	محمد جو تھے مرشد روز گار
توسل	ہ	طاعات	روشن	ضمیر	ہوئے بندگی خواجگی سے شہیر
توسل	ہ	سرچشمہ	نور	حق	منور ہیں باقی سے چودہ طسق
توسل	ہ	احمد	مجدد	خطاب	ہوئے الف ثانی کے وہ آفتاب
توسل	ہ	معصوم	عالی	ہمم	وہ قیوم دوراں وہ ابر کرم
توسل	ہ	سیف	مجلائے	دیں	سلاطین ہوئے جن کے زیر نگین
توسل	ہ	محسن	امام	ہدی	ہوئے ان سے برحق عباد خدا
توسل	ہ	سید	چہ پاکیزہ	جاں	وہ نور محمد ہے نور جاں
توسل	ہ	مرزائے	نازک	دماغ	وہ ہیں جاں جانان روشن چراغ
توسل	ہ	شاہ	غلام	علی	خلائق کے ہادی خدا کے ولی
توسل	ہ	شیخ	عدم	المثال	شہ یو سعید آفتاب کمال
توسل	ہ	فیضان	قطب	دکن	سعد الہ شاہ و شمس دکن
توسل	ہ	سید	محمد	بخاری	میسا نفس نظر کیمیای
توسل	ہ	شاہ	الواہسات	من	وہ حسن مجسم وہ قطب زمن

تذکرہ حضرت محدث دکن

الہی بزرگوں سے الفت رہے ہر اک کو نبی کی محبت رہے
فناء الفناء ہو الہی نصیب مقامِ رضا ہو الہی نصیب
لطائف ہوں جاری ترے نام سے ہر ایک ذرہ تن کا لگے کام سے
رہے زندگی بھر یہی مشغلہ اسی پر ہو یا رب مرا خاتمہ
گنہ سے ہوا اگرچہ میں خستہ حال برابر یہ رہتا ہے دل میں خیال
نہ ڈر سعد مرشد ہے حسنِ جہاں نبی تیرا شافعِ خدا مہربان

تذکرہ حضرت محدث دکن

اختتامیہ

اس عاجز نے اپنے پیر و مرشد، محدث دکن مولانا ابوالحسنات سید عبد اللہ شاہ نقشبندی و قادری قدس سرہ کا تذکرہ لکھا۔ اور ابھی یہ تذکرہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ اچانک برادر عزیز القدر میاں محمد عبدالغنی سلمہ بی۔ ایس۔ سی۔ بی۔ ای (عثمانیہ) انجینئر مقیم نیو یارک جو اس کے والد بزرگوار کے مخلص دیرینہ حضرت الحاج عبدالرحمن البصراوی مرحوم کے فرزند ہیں فون پر خوش خبری دی کہ بھائی جس قدر بھی تذکرہ کا مسودہ تیار ہے، زیر اکس کروا کر میرے پاس روانہ کر دیں ان شاء اللہ میں اس کی طباعت کا اہتمام کرتا ہوں۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں! اور پیسا کیا چاہے ایک گلاس پانی! بس اس عاجز نے دو قسطوں میں تیار مسودہ روانہ کر دیا جو کمپیوٹر پر آگیا باقی ماندہ مسودہ جو ایک سو صفحہ پر مشتمل تھا اور جس پر تذکرہ ختم ہوتا ہے نیو یارک دست بدست پہنچا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ میرے اس بھائی کو مع متعلقین دارین میں عافیت سے رکھے کہ موصوف ایک عظیم شیخ طریقت، محدث دکن، شریعت اور طریقت کے سر تاج کے تذکرہ کو شائقین کے ہاتھوں میں پہنچا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی اس عظیم خدمت کو قبول فرمائے آمین۔“

یہ تمام تر تذکرہ اس عاجز کے قیام امریکہ میں لکھا گیا اور پھر یہیں سے اس کی طباعت کا انتظام ہو رہا ہے۔ یہ میرے پیر و مرشد کی کرامت ہے کہ اس نئی دنیا میں اس تذکرہ کا مواد مہیا ہوا جس کا حیدر آباد اور ہندوستان میں میسر ہونا بظاہر ممکن نہ تھا۔ خصوصاً عالم عرب اور پاکستانی معاصرین کے تذکرے اور ان کے علمی کارنامے، آخر میں میں اپنے فرزند دلہند میاں محمد امان اللہ خان امجد سلمہ اور ان کی اہلیہ میری ہو بگم عزیزم شفیقہ فاطمہ سلمہ اللہ تعالیٰ کے لئے دعا ہے کہ ان کو مع متعلقین دارین میں عافیت سے رکھے! ان دونوں نے مجھ ہر قسم کی راحت اور آسائش پہنچائی کہ دلجمعی اور سکون و اطمینان کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچاوا الحمد للہ علی ذلک حمد اکثر اطیبا مبارکافیہ۔ اللهم بارک علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد کما بارکت علی سیدنا ابراہیم وعلی آل سیدنا ابراہیم اللهم وبارک علینا معہم انک حمید مجید۔ اس مبارک تذکرہ کو

حضرت لسان الغیب حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے شعر پر ختم کرتا ہوں!
از صد سخنِ پیرم یک نکتہ مرا یاد است
عالم نشود دیراں تا میکده آباد است

بسم اللہ الرحمن الرحیم
کہہ تشکر

دل ہمارے یادِ عمدِ رفتہ سے خالی نہیں
اپنے شاہوں کو یہ امت بھولنے والی نہیں
اس عاجز نے اختتامیہ میں عزیزم محمد عبدالغنی صاحب کے تعاون کا ذکر کیا ہے کہ اس تذکرہ
کو کمپیوٹر میں تیار کرنے کا انہوں نے اہتمام کیا۔

جب پوری کتاب کمپیوٹر پر آگئی تو شاگرد رشید عزیزم ڈاکٹر محمد غوث ندوی صاحب بانی
دارالعلوم الاسلامیہ بامریکا نے اس کی طباعت اور اشاعت کی ذمہ داری قبول فرمائی، اللہ تعالیٰ
ان دونوں حضرات کو اس علمی خدمت کے صلہ میں دارین میں عافیت سے رکھے۔

خدا کرے کہ یہ تذکرہ متاعِ فقر و سلوک اور صراطِ مستقیم کے طالبان کے لئے مشعلِ راہ
ثابت ہو۔ اور واقعات میں رشد و ہدایت کے جو بے شمار نمونے اور جذب و شوقِ الہی کے جو
ان گنت عملی مثالیں موجود ہیں ان نقوشِ پا پر چل کر رہروانِ بادیہ طریقت منزلِ مقصود تک
پہنچ جائیں آمین۔ بحرمۃ سید المرسلین

عجب نہیں کہ مسلمان کو پھر عطا کر دیں
شکوہِ سخر و فقرِ جنید و بسطای

راقم مؤلف

محمد عبدالستار خان

پنجشنبہ

۱۱ شعبان ۱۴۱۸ھ

۱۱ دسمبر ۱۹۹۷ء

حنفی مشکوٰۃ تشریف

رُجَاةُ الْمَصَابِيحِ

مع اُردو ترجمہ

نور المصابیح

جلد اول

تالیف، محدثِ دکن حضرت علامہ الحاج ابوالحنات سید عبداللہ شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ
ترجمہ، مولانا علامہ محمد منیر الدین شیخ الادب جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن
نظر ثانی، ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں سابق لیکچرار جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن (حاصل امریکہ)

مکتبہ قادریہ

جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ، لاہور
داتا دربار مارکیٹ، لاہور

”إن من الشعر لحكمة وإن من البيان لجر“

الدُّعْوَانُ الْعَرَبِيَّةُ

المرسوم بـ

بِسَاتِينَ الْغُفْرَانِ

لمعالى فضيلة الإمام الأكبر المجدد إمام أهل السنة والجماعة

محمد أحمد رضا خان رحمة الله تعالى

١٢٧٢ هـ - ١٨٥٦ م ● ١٣٤٠ هـ - ١٩٢١ م

جمعه وقدم له وأردفه بملحق

الأستاذ محمد أحمد رضا خان

بكلية اللغات والترجمة - جامعة الأزهر الشريف القاهرة مصر
والاستاذ الزائر بجامعة بنجاب والجامعة النظامية الرضوية - لاهور - باكستان

مكتبة قادري، داتا دربار مارکیٹ نزد سٹا ہوٹل، لاہور

مدینتہ العلم دار العلوم مجددیہ
نور آباد - فتح گڑھ - سہالکوٹ

